کنز الایمان کا صد سالہ جشن
(۱۳۳۰ھ-۱۴۳۰ھ)
مبارک
معارفِ رضا
سالنامہ
2009ء
۱۴۳۰ھ
مدیر اعلیٰ
سید وجاہت رسول قادری
مدیر
پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (کراچی)
اسلامی جمہوریہ پاکستان
www.imamahmadraza.net

ISBN No. 978-969-9266-04-1

سالنامہ معارفِ رضا کراچی

مسلسل اشاعت کا انتیسواں (۲۹) سال
جلد: ۲۹ شمارہ: ۱، ۲، ۳
محرم الحرام، صفر المظفر، ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۹ء

ہدیہ شمارہ خاص: -/250 روپے
عام ڈاک سے: -/200 روپے
سالانہ: رجسٹرڈ ڈاک سے: -/350 روپے
[illegible] 30 امریکی ڈالر [illegible]

دائرے میں سرخ نشان ممبر شپ ختم ہونے کی علامت ہے۔ زرِ تعاون ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ماہنامہ معارفِ رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔ ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214 حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ کراچی۔

[illegible] (ادارہ)

مرکزی دفتر: 25۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، پوسٹ بکس نمبر 7324، جی پی او صدر، کراچی 74400۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان
فون: 2725150-21-92+ فیکس: 2732369-21-92+
برانچ دفتر: 44/f-d، اسٹریٹ 38، سیکٹر F-6/1، اسلام آباد۔ فون: 051-2825587
ای۔ میل: imamahmadraza@gmail.com ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

انتساب

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت الشاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاہکار ترجمہ قرآن المعروف بہ

کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن (۱۳۳۰ھ)

کے سو سال مکمل ہونے پر معارف رضا کے خصوصی

کنز الایمان نمبر

کا انتساب

صاحبِ ''بہارِ شریعت'' حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ

مولانا امجد علی اعظمی رضوی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے نام کہ جن کے اصرار پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ نے ترجمہ قرآن کنز الایمان انہیں املا کروایا

اور

صاحبِ تفسیر ''خزائن العرفان'' حضرت صدر الافاضل

مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رضوی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے نام کہ جنہوں نے سب سے پہلے کنز الایمان سے استفادہ کرتے ہوئے اپنا تفسیری حاشیہ رقم فرمایا

اور مستقبل کے مفسرین کو راہ صواب دکھائی

جزاکم اللہ عنا احسن الجزا فی الدنیا والآخرۃ

اللہ تعالیٰ دونوں علمائے کرام کے صدقے میں تمام دنیائے اسلام کو کنز الایمان سے فیوض و برکات حاصل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہِ سید المرسلین صاحب قرآن العظیم رسول الامین المکین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

فہرس

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

قرآن ہے حالِ مصطفائی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ

ایمان ہے قالِ مصطفائی — قرآن ہے حالِ مصطفائی

اللہ کی سلطنت کا دولہا — نقش تمثال مصطفائی

کُل سے بالا رسل سے اعلیٰ — اجلال و جلال مصطفائی

اصحاب نجومِ رہنما ہیں — کشتی ہے آل مصطفائی

ادبار سے تو مجھے بچالے — پیارے اقبال مصطفائی

مرسل مشتاقِ حق ہیں اور حق — مشتاق وصال مصطفائی

خواہانِ وصالِ کبریا ہیں — جویانِ جمال مصطفائی

محبوب و محبّ کی ملک ہے ایک — کونین ہیں مالِ مصطفائی

اللہ نہ چھوٹے دستِ دل سے — دامانِ خیال مصطفائی

ہیں تیرے سپرد سب امیدیں — اے جودو نوال مصطفائی

روشن کر قبر بیکسوں کی — اے شمع جمال مصطفائی

اندھیر ہے بے ترے مِرا گھر — اے شمع جمال مصطفائی

مجھ کو شب غم ڈرا رہی ہے — اے شمع جمال مصطفائی

آنکھوں میں چمک کے دل میں آجا — اے شمع جمال مصطفائی

میری شب تار دن بنادے — اے شمع جمال مصطفائی

چمکا دے نصیب بدنصیباں — اے شمع جمال مصطفائی

قزاق ہیں سر پہ راہ گم ہے — اے شمع جمال مصطفائی
چھایا آنکھوں تلے اندھیرا — اے شمع جمال مصطفائی
دل سرد ہے اپنی لو لگادے — اے شمع جمال مصطفائی
گھنگھور گھٹائیں غم کی چھائیں — اے شمع جمال مصطفائی
بھٹکا ہوں تو راستہ بتاجا — اے شمع جمال مصطفائی
فریاد دباتی ہے سیاہی — اے شمع جمال مصطفائی
میرے دِل مردہ کو جلادے — اے شمع جمال مصطفائی
آنکھیں تری راہ تک رہی ہیں — اے شمع جمال مصطفائی
دکھ میں ہیں اندھیری رات والے — اے شمع جمال مصطفائی
تاریک ہے رات غم زدوں کی — اے شمع جمال مصطفائی
ہو دونوں جہاں میں منھ اجالا — اے شمع جمال مصفائی
تاریکیِ گور سے بچانا — اے شمع جمال مصطفائی
پُر نور ہے تجھ سے بزمِ عالم — اے شمع جمال مصطفائی
ہم تیرہ دلوں پہ بھی کرم کر — اے شمع جمال مصطفائی
لِلّٰہ اِدھر بھی کوئی پھیرا — اے شمع جمال مصطفائی

تقدیر چمک اٹھے رضؔا کی
اے شمع جمال مصطفائی

جود و بخشش سراپا ہمارا نبی ﷺ

نعتِ رسولِ مقبول مَولائے کُل ﷺ

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری

جُود و بخشش سراپا ہمارا نبی — غم زُدا ہر کِسی کا ہمارا نبی
جو پریشاں ہیں اُن کا مُونس ہے وہ — درد مندوں کا ملجا ہمارا نبی
دل فگاروں کے زخموں پہ مرہم رکھے — بے بسوں کا سہارا ہمارا نبی
ہر گدا کو طلب سے زیادہ وہ دے — ہے کھلا دِل کا ایسا ہمارا نبی
جسمِ آدم مُکمل ہوا تھا نہ جب — اُس گھڑی بھی نبی تھا ہمارا نبی
اُس کے سر پر ہے ہر اوّلیت کا تاج — گرچہ آخر میں آیا ہمارا نبی
آخری ہے جو اُس کو شریعت ملی — ہے نبی ہر جہاں کا ہمارا نبی
آگہی کا، سمندر وہ عرفان کا — علم و دانش کا دریا ہمارا نبی
نُورِ حکمت کا تنویر صدق و صَفا — اہتدا کا اُجالا ہمارا نبی
عالمِ دوش و امروز وہ بالیقیں — محرمِ رازِ فردا ہمارا نبی
لامکاں جو تصور سے بھی ہے ورا — اس میں ہے جلوہ فرما ہمارا نبی
جس کا ذکرِ جمیل عرش پر فرش پر — وہ یگانہ وہ یکتا ہمارا نبی
خُود کو تنہا و بے کس نہ سمجھیں غلام — قبر میں آنے والا ہمارا نبی
حشر کے سخت تر دِن میں بھی ساتھ دے — ہے مددگار پکّا ہمارا نبی

روزِ محشر کا طارقؔ ہمیں خوف کیا
جب شفاعت کرے گا ہمارا نبی

منقبت

امامِ اہلِ سنت الشاہ محمد احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ایک نعتیہ شعر کی تضمین بصورت ہدیہ عقیدت

پروفیسر محمد اکرم رضا

تیرا کمالِ شاعری، مہ یقین کی ضیا — تیرے جمالِ فکر سے تھا علم جگمگا اٹھا
تیرے وقارِ علم سے فروغ پا گئی حیات — تیری نوائے شوق ہے خدائے پاک کی عطا
تیری ہی فکر سے ملا ہمیں کمالِ زندگی — تیرا شعورِ آگہی صدائے عشقِ مصطفیٰ
تیری ہی رہبری سے منزلِ یقیں ہمیں ملی — تیری نوا نے ظلمتوں کو خاک میں ملا دیا
تیرے قلم کی نوک سے گلاب مسکرا اُٹھے — ہر ایک لفظ بن گیا تیرا دلوں کا مدّعا
تیری کتابِ زیست کا وَرَق وَرَق ہے چاندنی — تیرا کلام بالیقیں ہے لطفِ عامِ کبریا
تیری زبانِ شوق سے ادا ہوئی اذانِ حق — تیری زباں کے حسن سے عیاں علومِ مصطفیٰ
تیرے جمالِ نعت سے مہک اٹھا چمن چمن — تیرے جلالِ نطق سے فرنگ کپکپا اٹھا
تیرا قلم تھا ایک اور عدو ترے ہزار تھے — اسی قلم کام تُو نے لے لیا سپاہ کا
تھے رافضی، دیابنہ یا ان کے بھائی بند تھے — انہی کے سازشوں سے تُو نے جگ کو آشنا کیا
تیرا وجودِ پاک اب بھی نازشِ حیات ہے — طلسمِ ہندواں کا تُو نے راز فاش کردیا
ترِی ہے نعت تا ابد پیامِ حُبِّ شاہِ دیں — رہِ یقیں میں ہر گھڑی ہے تیری نعت رہنما
چہار سمت سے رضؔا صدا یہی ہے آرہی — ''خوف نہ رکھ رضا ذرا تُو تو ہے عبدِ مصطفیٰ

تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے''

گل ہائے منقبت بحضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

''شررِ خاکِ حجاز''

ب　۴　۳　ا　ھ

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری

وہ زعیمِ زماں وہ فخرِ جہاں
نادرِ روزگار علاّمہ

علم و تحقیق میں اُسے حق نے
کی عنایت مہارتِ تامہ

راست اُس کے قدِ مُعلّٰی پر
فقر و فضل و ہُنر کا ہر جامہ

عجمی جس کے علم و عرفاں کی
ہے عرب میں بھی شُہرتِ عامہ

عظمت و احترام شاہِ اُمم
اُس کے فِکر و عمل کا سرنامہ

نعتِ محبوبِ پاک میں اُس کے
لب گہر بار گل فشاں خامہ

اُس کے نغماتِ وجد آور سے
گُلستاں گُلستاں ہے ہنگامہ

نعتِ خواجہ سے ہر ورق پُر نُور
ہو تو ایسا حسیں عمل نامہ

''طالبِ نگاہِ فیضِ رضا''
۲۰۰۹ء
محمد عبدالقیوم طارق سُلطانپوری

رفتید و لے نہ از دِلِ ما

گل ھائے منقبت
احمد رضا

محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری

سالِ وصال ۱۳۴۰ھ - ۱۹۲۱ء

والۂ حق، عاشقِ خیر الانام احمد رضا
واصفانِ جانِ رحمت کا امام احمد رضا

اہلِ دِل، اہلِ محبت کا امام احمد رضا
پیکرِ حق، قابلِ صد احترام احمد رضا

عظمتِ شاہِ مدینہ اُس کا موضوعِ سُخن
محوِ نعتِ مصطفیٰ میں صبح و شام احمد رضا

آخری انفاس تک سمتوں میں پھیلاتا رہا
ماہِ طیبہ سے محبت کا پیام احمد رضا

ساقیِ میخانۂ عشقِ حبیبِ کبریا
مصطفیٰ کا قاسمِ فیضِ مُدام احمد رضا

سالکانِ عِشق کا رہبر عظیم المرتبت
عارفوں کا قائدِ ذی احتشام احمد رضا

عِلم و دانش کے فلک کا آفتابِ نیم روز
آسمانِ فقر کا ماہِ تمام احمد رضا

سَطوتِ اہلِ طریقت، رُعب و دابِ اہل دین
خانقاہوں، مدرسوں کا احتشام احمد رضا

ایک صُوفی، جس سے قائم صُوفیوں کی آبرو
عالموں کی آن، عالِم جس کا نام احمد رضا

فہمِ شرعِ مصطفیٰ میں مرتبہ اُس کا بُلند
دین کی تعلیم میں عالی مقام احمد رضا

تابشِ فکر و نظر کا مہرِ تاباں لازوال
عظمتِ کردار کا نقشِ دوام احمد رضا

سر شکن اعدائے محبوبِ خدا کا بے ہراس
تیغِ مسلُول و حسام بے نیام احمد رضا

گُل فشاں، گوہر فشاں اُس کا قلم اُس کی زباں
خوبیِ تحریر و تاثیر کلام احمد رضا

گوہرِ گنجینۂ رعنائی شعر و سُخن
جوہرِ آئینۂ حُسنِ کلام احمد رضا

"اعلیٰ حضرت" اہلِ سنّت نے دیا اُس کو لقب
اُس کا رکھا تھا بزرگوں نے تو نام احمد رضا

اُس کے بیٹوں، اُن کے بیٹوں نے رکھا جاری اُسے
دین کی خِدمت کا کرتا تھا جو کام احمد رضا

اُس کا دَورِ زندگی پینسٹھ بَرس، ارسٹھ بَرس
کر گیا لیکن کئی صدیوں کا کام احمد رضا

سامنے ہر وقت احمد کی رضا تُو نے رکھی
اِک حوالہ بن گیا ہے تیرا نام احمد رضا

وہ ہے تاریخی، محمد سے وفا جو تو نے کی
غیر فانی ہے، کیا تو نے جو کام احمد رضا

مِلک ہے جن کی بہشت، اُن کا ہے تُو مدحت نگار
تُو محبِّ مالکِ دارُالسّلام احمد رضا

اے محبِّ مصطفیٰ، تُو زندۂ جاوید ہے
تُو اَمر ہے، اے محمد کے غلام احمد رضا

کتنی صدیوں سے ولایت کا ہے مرکز تیرا گھر
سب ولی تھے تیرے آبائے کرام احمد رضا

تیری عظمت کو کیا تسلیم شرق و غرب نے
عالمی ہے آج تیرا احترام احمد رضا

آدمی ہے تُو جلیل القدر، تجھ کو آفریں
تُو بڑا انسان ہے، تجھ کو سلام احمد رضا

ایک گھونٹ اُس کا عطا کر تشنہ لب طارقؔ کو بھی
جو مِلا تھا تجھ کو مارہرہ سے جام احمد رضا

یومِ وصال:
۹۱واں ہجری بہ الفاظ بحساب ابجد ''حُبِّ عَبدہٗ''
۸۹واں عیسوی " " " " ''ولائے حبیب بطحا''

عُرس مُبارک:
۹۰واں ہجری " " " " ''نبی کا ادب''
۸۸واں عیسوی " " " " ''ادبِ حبیب جہاں''

نذرِ اخلاص و محبت
منجانب:
''والہٗ ماہِ خوبی افکارِ رضا''
۲۰۰۹ء

''والہٗ زیبائی و شانِ رضا''
۱۴۳۰ھ

محمد عبد القیوم طارقؔ سلطانپوری

☆☆☆

عشق احمد از امام احمد رضا آموختم

نگارش: مولانا محمد شہزاد مجددی

ذوقِ رومی سوزِ جامی باخدا آموختم
عشقِ احمد از امام احمد رضا آموختم

ہمچو بلبل در خیالِ جانِ عالم نغمہ زن
در حدیقہ ھای بخشش ایں ادا آموختم

بر محبانِ پیمبر جان و دل کردن فدا
باعدوّش بغض ہم زیں رہنما آموختم

شاہراہِ عشق دیدم ا زبریلی تا حجاز
طورِ رفتن چیست سوئے دلربا آموختم

آنکہ شرع و عشق رادر نعتِ خود آمیختہ
نعت گوئی ہم ازاں حق آشنا آموختم

آنکہ بودہ زینت سجادۂ فقہ و حدیث
راہ و رسمِ بندگی زآں مقتدا آموختم

حامیِ فکرِ سلف، سرکوبِ رفض و اعتزال
طرزِ حق از واقفِ سرّ ولا آموختم

چوں کسے پرسد کہ از کے یافتی جذبِ دروں
ایں ہنر گویم ز عبدِ مصطفیٰ آموختم

آنکہ ای شہزادباشد کنزِ ایماں را امیں
من ز کردارش صفای قلب را آموختم

☆ دارالاخلاص (مرکز تحقیق اسلامی) ۴۹۔ ریلوے روڈ لاہور

کنــــزِ ایمــــانِ رضــــا

کلام: صاحبزادہ سید وجاہت رسول تاباںؔ قادری

ہم زباں شہزادؔ کی ہے بزمِ فیضانِ رضا
"آج ہے عنواں سخن کا کنزِ ایمانِ رضا"

مژدہ ہے خلدِ بریں کا کنزِ ایمانِ رضا
پالیا جس نے رموزِ علم و عرفانِ رضا

آں کسے گیرد خطا در علم و عرفانِ رضا
آئینہ او را بکف ایں کنزِ ایمانِ رضا

مغزِ آیاتِ الٰہی کنزِ ایمانِ رضا
موج زن در سطرِ لوحش روحِ ایقانِ رضا

منزلِ ایقاں کا رہبر کنزِ ایمانِ رضا
قلبِ عاشق کی ہے راحت کنزِ ایمانِ رضا

"مغزِ قرآں، روحِ ایماں در زبانِ اُرْ دَوِی"
عکسِ تفسیرِ مبیں است کنزِ ایمانِ رضا

اے فروغِ حسنِ اردو از روی رخشان شما
آبروئے حرف و نکتہ کنزِ ایمانِ رضا

آیۂ "فتحِ مبیں" کو خوب روشن کردیا
بخششِ عاصی کا ضامن کنزِ ایمانِ رضا

غیر ممکن ہے نبی سے اِک گنہ کا بھی صدور
دیکھ لے پڑھ کر یہودی! کنزِ ایمانِ رضا

عقل سے کورے ہیں وہ اور ہیں زباں سے نابلد
جو سمجھ پاتے نہیں ہیں کنزِ ایمانِ رضا

تُو بھٹکتا ہی پھرے گا اے غلامِ بے حضور
تھام لے ہاتھوں سے بڑھ کر کنزِ ایمانِ رضا

غیر کو بھی ہے مسلّم حسنِ تحریرِ رضا
آئینہ ہے خوبیوں کا کنزِ ایمانِ رضا

اِک فقیہِ شہر نے صرف اس لیے تکفیر کی
لوگ کیوں پڑھنے لگے ہیں کنزِ ایمانِ رضا

آیۂ ''تبیان'' کی ارزاں فروشی کے لیے
شور و غوغا ہے خلافِ کنزِ ایمانِ رضا

دل میں رکھتے ہیں امامِ اہلِ سنت سے جو کد
ہیں یہی محرومِ حق، محرومِ عرفانِ رضا

وائے ناکامی! یہ صدمہ دیں فروشوں کے لیے
روز افزوں ہے فروغِ کنزِ ایمانِ رضا

تھانوی، ذہبی، سعودی اور مودودی نواز
کیا سمجھ پائیں رموزِ کنزِ ایمانِ رضا

''خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم'' اہلِ عشق
رات دن پڑھتے رہیں گے کنزِ ایمانِ رضا

کون ہے مدِمقابل لاؤ اس کو بزم میں
''آج ہے عنواں سخن کا کنزِ ایمانِ رضا''

ایک عبدِ مصطفیٰ کی امتیازی شان ہے
یہ حدیقہ ہائے بخشش، کنزِ ایمانِ رضا

عاشقِ صادق رضؔا کا اک جہاں میں نام ہے
العطایا النبوی، کنزِ ایمانِ رضا

دولتِ مکی مدنی غیب سے اس کو ملی
عطیۂ علمِ لدنّی، کنزِ ایمانِ رضا

ترجمہ ہے ایک لیکن صد کتب توصیف میں
ہے یہ عزّ و آن و شانِ کنزِ ایمانِ رضا

ہم ہوئے کہ تم ہوئے کہ صدرِ بزمِ علم ہوں
رہنما ہر اہلِ فن کا کنزِ ایمانِ رضا

یہ رضائے ''احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے''
بن گیا آنکھوں کا تارا کنزِ ایمانِ رضا

قادری، چشتی، سہروردی، تمامی سلسلے
پارہے ہیں فیضِ جود از کنزِ ایمانِ رضا

آفتاب اس کا ہی چمکے گا بفیضِ شہرِ علم
حشر تک بٹتا رہے گا نورِ عرفانِ رضا

ترجمہ کس نے کیا ہے آج تک یوں فی البدیہہ
جامع و راجح، مؤثر، کنزِ ایمانِ رضا

ناخدایانِ ادب ہیں ششدر و حیراں کھڑے
کیسے ہیروں سے سجا ہے کنزِ ایمانِ رضا

''میکند تاباؔں دعای بشنو آمینی بگو''
سایہ گسترباد ما را کنزِ ایمانِ رضا

سید وجاہت رسول تاباؔں قادری

۱۵رذی الحج ۱۴۲۹ھ/۱۴ردسمبر ۲۰۰۸ء، کراچی

کنزِ ایمان رضا

کلام: مولانا محمد شہزاد مجددی☆

گل تراجم کے چمن کا کنزِایمانِ رضا
آئینہ دل کی لگن کا کنزِایمانِ رضا

وقف تھا بہر ثنائے مصطفیٰ جو ہر گھڑی
فیض ہے ایسے دہن کا کنزِایمانِ رضا

ڈھل گیا اردو زباں میں عکس قرآن حکیم
معجزہ ہے علم و فن کا کنزِایمانِ رضا

ماحیِ رفض وخروج و ردّ امکانِ نظیر
کھوجتا ہے کھوٹ من کا کنزِایمانِ رضا

ضامنِ حفظِ عقائد، حامیِ دینِ متین
راستہ خلدِ عدن کا کنزِایمانِ رضا

غیر ممکن ہے کہ کوئی اور ہو اس کا مثیل
ہے نشاں اہلِ سنن کا کنزِایمانِ رضا

فیضیاب اس سے ہوئے ہیں اپنے بیگانے سبھی
رہنما ہر مرد و زن کا کنزِایمانِ رضا

خالقِ یکتا و واحد کی محبت کا نقیب
فیض، سلطانِ زمن کا کنزِایمانِ رضا

دیکھئے شہزاد خوش بختی ہماری دیکھئے
آج ہے عنواں سخن کا کنزِایمانِ رضا

☆ دارالاخلاص (مرکز تحقیق اسلامی) ۴۹ ریلوے روڈ لاہور

جشنِ صد سالہ مبارک تجھے، کنز الایمان!

کلام: ندیمؔ احمد قادری نورانی☆

سو برس سے ہے جہاں میں ترا جاری فیضان
جشنِ صد سالہ مبارک تجھے، کنز الایمان!

نام قرآں کے تراجم میں ہے اونچا تیرا
تَرجَمہ ہے تُو رضؔا کا؛ ہے بڑی تیری شان

تجھ کو دیکھے سے ہُوا کرتی ہیں روشن آنکھیں
تجھ کو پڑھنے سے ہوا کرتا ہے تازہ ایمان

ہے سلاست بھی، روانی بھی، عبارت میں تری
اہلِ سنت پہ ہے بے شک تُو رضا کا احسان

ہیں فصاحت کے، بلاغت کے نگینے جس میں
علم و حکمت کے خزانوں کی ہے تُو ایسی کان

تیری تحریر کے اُسلوب میں ہیں رنگ ایسے
دیکھ کر جن کو ہوئی قوسِ قُزَح بھی حیران

جو تفاسیر ہیں راجح، تُو ہے اُن سب کا نچوڑ
تیرے الفاظ بیاں کرتے ہیں مَافِی القُرآن

تجھ کو آدابِ مراتب کا ہے پاس اور لحاظ
بے اَدَب ہو تُو کسی کا، یہ نہیں تیری شان

تجھ میں ہیں عشقِ محمد (ﷺ) کے حدائق کے پھول
جن کی نکہت سے مہکتے ہیں قلوب و اَذہان

تجھ کو ناموسِ رِسالت کا مُحافظ پاکر
یہ ندیمؔ مُتشاعِر گیا تیرے قربان

یکم محرم الحرام ۱۴۳۰ھ/ ۳۰ر دسمبر ۲۰۰۸ء

☆ آفس سیکریٹری، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

کارنامہ ہے رضا کا کنزِ ایماں یادگار

مرزا فرقان احمد

ترجمہ قرآن کا ہے کنزِ ایماں شاہکار
کارنامہ ہے رضاؔ کا کنزِ ایماں یادگار

سو برس سے اس کی شاہی ہے مُسلّم، دوستو!
جشنِ صد سالہ کے ہیں گل، کنزِ ایماں کی بہار

جس کو پڑھ کے یہ صدا دل سے نکلتی ہے ضرور
سب تراجم میں ہے بے شک کنزِ ایماں باوقار

اِس سے روشن ہوگئے عشقِ محمد کے چراغ
اہلِ دل پر ہے یہ شانِ کنزِ ایماں آشکار

عاشقوں کے واسطے دل کی بہاریں اِس سے ہیں
ہے مخالف کے لیے یہ کنزِ ایماں گرچہ خار

مومنو! دل سے پڑھو تم یہ رضاؔ کا ترجمہ
بخش دے گا تم کو ایماں کنزِ ایماں پائے دار

ہے لبِ فرقاںؔ پر اِک یہ دعا رب کے حضور
جاں کرے فرقان بھی اِس کنزِ ایمان پر نثار

۱۳۳۰ھ - ۱۴۳۰ھ

مُحمد عبدالقیوم طارق سُلطانپوری

قطعۂ تاریخ

گزرے سَو سالوں میں ایسا ترجمہ خُوب و بہیں
عِلم کی تاریخ میں کوئی مثال اِس کی نہیں
ہے یہ بے شک مخزنِ ایمان و کنزِ معرفت
عالمی مقبولیت آفاقی اِس کی منفعت
قابلِ ذکر ہر زباں دُنیا کی اس سے مُفتخر
مطلعِ عِلم و خبر پر چار سُو ہے جلوہ گر
چھپ چکا ہے آج تک یہ جس قدر تعداد میں
کوئی کرسکتا نہیں اُس کو بیاں اعداد میں
جو حبیبِ کبریا کے ہیں ادب نا آشنا
اِنہماک اِس کی اشاعت میں ہے اُن کا بھی بڑا
جو نہیں کرتے امامِ اہلِ حق کا اِحترام
مَحو وہ بھی اِس کے پھیلانے میں ہیں باالتزام
مُستعد اِس کی طباعت پر ہیں وہ افراد بھی
مرتبہ احمد رضا کا جو نہ مانیں گے کبھی
یہ حقیقت عظمتِ احمد رضا پر دال ہے
عاشقِ احمد، رضا کتنا بُلند اقبال ہے
ہر وَرق سے آشکارا عظمتِ شانِ خُدا
صفحہ صفحہ مطلعِ انوارِ حُبِّ مصطفیٰ
ہے عَیاں الفاظ سے حُسنِ زباں حُسنِ بیاں
اِس کی دِل آویز ہیں ادبی و فنّی خوبیاں
ترجمہ، جس کا لطیف و دِل نشیں انداز ہے
قُدسیوں کی یا سروشِ غیب کی آواز ہے
اِک صَدی سے یہ عنایت ہے شہِ ابرار کی
بَہ رہی ہے نہر یہ قرآن کے انوار کی
مصطفیٰ کا یہ اِک عَبدِ مصطفیٰ کا فیض ہے
اللہ اللہ کیا جہاں آرا رضا کا فیض ہے
شادماں ہیں عارفانِ حق، مُحبّانِ نبی
یہ خوشی کا ایک تاریخی ہے موقع واقعی

گفتہ ام از "اَلادب" تاریخ ایں کارِ حسیں
۳۸
ترجمہ، "تعظیمِ آموزِ رسُولِ عالمیں"
۱۹۷۱ + ۳۸ = ۲۰۰۹ء

نتیجۂ فکر:

"والۂ خیابانِ افکارِ رضا" (۲۰۰۹ء)
مُحمد عبدالقیوم طارق سُلطانپوری

☆......☆......☆

یادش بَخیر

اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان الحنفی القادری البریلوی قدس سرہ القوی کا مشہورِ آفاق ترجمۂ قرآن کریم موسوم بہ ''کنز الایمان''

سالِ تصنیف وطباعت: ۱۳۳۰ھ - ۱۹۱۲ء

اعداد بحساب ابجد: ''کنز الایمان'' ۲۱۰

بہ الفاظ دیگر بحساب ابجد:

''مُحسنِ مُحمّد'' ''لازوال ولائے حبیب اللہ''

سالِ تصنیف وطباعت، بہ الفاظ بحساب ابجد

''خوبیٔ احترامِ نبی'' ۱۳۳۰ھ ''رفعتِ شانِ مُصطفیٰ'' ۱۳۳۰ھ

''مخزنِ عشقِ نبیِ امین'' ۱۳۳۰ھ

''نقیبِ تعظیم کریمَین'' ۱۹۱۲ء

''چراغِ محفلِ محبتِ اجمل طیبہ'' ۱۹۱۲ء

''چراغِ علم وعشقِ مُحمّد'' ۱۹۱۲ء

''کنز الایمان'' کی فیض گُستری کا دورانیہ ۱۰۰ سال (بحساب سَنِ ہجری)

بہ الفاظ بحساب ابجد ''اَدبِ النّبی''

''زیبائی وجیہ احمد'' ۹۷ سال (بحساب سَنِ عیسوی)

سَو سال کے بعد موجودہ سال

ہجری ۱۴۳۰ھ بہ الفاظ بحساب ابجد

''نقشِ احترامِ اِسمِ مُصطفیٰ'' ''معیّنِ جہانِ فیضِ قُرآن''

عیسوی ۲۰۰۹ء بہ الفاظ بحساب ابجد

''چراغِ باب کمالِ علم وعشقِ النّبی''

☆......☆......☆

صَد سالہ تقریبات

۱۳۳۰ھ - ۱۴۳۰ھ

''کنــــزالایمـــان'' - ۲

اعلیٰ حضرت نے کیا قُرآن کا جو ترجمہ
مُنفرد اُس کا مقامِ اعلیٰ ہے اُس کا مرتبہ

اُس کی شُہرت اور قُبولِ عام سَو سالوں سے ہے
اِنتساب اُس کا خدا و مُصطفیٰ والوں سے ہے

اُس کی ہیں ایسی خصوصیات ایسی خوبیاں
وصف میں جن کی ہے تر اہلِ حقیقت کی زباں

بحرِ علم و معرفت تھا، ترجمہ جس نے کیا
والۂ پروردگار و عاشقِ خیرُ الوریٰ

پیکرِ تعظیمِ محبوبِ خُدا و کبریا
تھا اُسے ادراک دونوں کے مقامِ خاص کا

اِحترام، اُس کو ادب کا پُختہ تر احساس تھا
خوبیٔ اظہار کا سرمایہ اُس کے پاس تھا

عبقری وہ جس کی دانش، دانشِ پُر نُورِ عشق
وہ جَبلِ فرزانگی کا وہ کلیمِ طورِ عشق

لفظ کا مُدرک، یَمِ معنیٰ کا وہ غوّاص تھا
اِک مُحقق، صاحبِ علم و شعورِ خاص تھا

وہ ادب دانِ مُحمّد مُصطفیٰ بھی بے مثال
انتہا کا تھا ولادارِ خُدائے ذُوالجلال

وہ رسالت کا مُحِبّ و شیفتہ توحید کا
کام سونپا ہند میں حق نے جسے تجدید کا

اُس کی شخصیت ہے ایسی دیدہ زیب و دِل رُبا
''من بدیں خوبی و رعنائی ندیدم روئے را''

کل بھی تھا لاریب وہ تاریخ ساز عہد آفریں
آج بھی ہے خسرو و اقلیم عظمت بالیقیں
دورِ حاضر بھی اُس عہدِ مصطفیٰ کا دور ہے
آنے والا دور بھی احمد رضا کا دور ہے

محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری

☆......☆......☆

محترم المقام ڈاکٹر محمد مجید اللہ قادری زید مجدہ کے ڈاکٹریٹ کے مقالے ''کنزالایمان اور دیگر قرآنی تراجم'' (۱۹۹۷ء ، ۱۴۱۸ھ) کا

قِطعۂ تاریخ

''شوقِ ذکرِ محمدؐ''

۱۴۱۸ھ

ہے وہ قرآنی حقائق کا بیانِ دل پذیر
اعلیٰ حضرت نے کیا جو ترجمہ قرآن کا
معنیٰ آیات کے تبیانِ والا شان میں
مُنفرد ہے شان اِس کی رنگ ہے اِس کا جُدا
اِس میں ہے اُردو زباں کا لُطف بھی تاثیر بھی
رُوح پرور اِس کا اسلوبِ بلیغ و دِل کُشا
اِس کا ہر لفظ اِس کا ہر جُملہ ادب آموز ہے
یہ ہے دستاویزِ تعظیمِ مُحمد مصطفیٰ
اِک مقالہ با خُلوصِ کامل و اخلاصِ تام
نام ور فاضل مجیدُاللہ صاحب نے لکھا
ترجمے جتنے ہیں اُردو میں کلام پاک کے
ناقدانہ جائزہ اِن سب تراجم کا لیا
ترجمہ جو اعلیٰ حضرت کا بیاں فرمودہ ہے
اپنی نُوعیت میں ہے بے مثل، یہ ثابت کیا
صاحبانِ ذوق اِس سے پائیں گے تسکینِ ذوق
ہوں گے کیف اندوز اہلِ علم و اربابِ صَفا
خوش نصیبی ہے کہ اِس شہ پارۂ تحقیق کا
قطعۂ تاریخ لکھنے کا شرف مجھ کو ملا
خُوبیاں دیگر تراجم کی بجا طارق، مگر
اور ہی شے ہے ''خصوصِ کنزالایمانِ رضا''

۱۹۹۷ء

☆......☆......☆

ذِکرِ رضا

''حدائقِ بخشش''

اعداد بحساب ابجد ۱۳۲۵ھ

بہ الفاظِ دیگر بحساب ابجد

سالِ ولادت ۱۸۵۶ء

بہ الفاظ بحساب ابجد

''ثناخوانِ رحمت''

سالِ وصال ۱۹۲۱ء

بہ الفاظ بحساب ابجد

''ثناخوانِ ماہِ حجازِ رحمت''

''جلوۂ رُخِ سرکار''
''وصفِ رُخِ انورِ محمّد''
''انوارِ توصیفِ سرکار''
''چراغِ بزمِ یزداں''
''تحفۂ عرشِ بریں''
''صِراطِ شہرِ نعت''
''حشمت وآنِ نعت''
''گلابِ باغِ وصفِ الٰہی''
''التفاتِ رسُولِ کامل طیبہ''
''فکر، جوش وجذبہ''

''رضا''

اعداد بحساب ابجد

۱۰۰۱

بہ الفاظ دیگر

''شیخ کامل'' ''تجلیاتِ دامنِ نبی'' ''یُمنِ رسولِ خُدا''
''ذکرِ عبدہٗ'' ''محبوب الافاضل'' ''نشانِ متّقین''
''ثنا کارِ مُصطفیٰ'' ''فیض عام'' ''جوھرِ فقر وعرفان''
''رشاقت'' ''شاذ'' ''کمال فضل''
''شوق، عرفان، صِدق''

☆......☆......☆

رفتیدولے نه ازدل ما

قطعۂ تاریخ (سالِ وصال)

امام اہل سنت مجدّد دین وملّتِ اعلیٰ حضرت علاّمہ مولانا الشاہ احمد رضا خان الحنفی القادری البریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سالِ وصال ۱۳۴۰ھ

" ۱۹۲۱ء

''خوبیٔ افکار رضا''

۱ ۹ ۲ ۱ ء

پھر وہ اہلِ جہاں نے کب دیکھا
جو بریلی میں تھا سراجِ سُخن
منفرد اُس کی فِکر کا انداز
بے مثال اُس کا تھا رواجِ سخن[۱]
اُس کا سرمایۂ خیال خطیر
وہ نہ رکھتا تھا اِحتیاجِ سُخن
تحتِ شعر و ادب کا قدر فزا
ہاں رضا زیب بخشِ تاجِ سُخن
طرزِ گفتار تھی کہاں ایسی
کب تھا ایسا کہیں رواجِ سُخن
کیا سجایا ہے دستِ قُدرت نے
سرِ احمد رضا پہ تاجِ سُخن
قلب و جاں کی نشاط اُس کا کلام
قاسمِ فرح و ابتاجِ سُخن

"حُسنِ ماہِ مدینہ" سے سَنِ وصل

۲۷۳

"واہ رعنائی زجاجِ سُخن"

۷ ۶ ۰ ۱

۲۷۳+۱۰۶۷= ۱۳۴۰ھ

"دلدادۂ زیبِ فیضانِ رضا" (۲۰۰۹ء)

"والۂ جمالِ ادب و فکرِ رضا" (۱۴۳۰ھ)

☆......☆......☆

مادہ ہائے سالِ وصال

"فیضانِ شریعت"	۱۹۲۱ء	"قمر جہانِ فیضان"	۱۳۴۰ھ
"چراغِ منہاجِ خوبی"	۱۹۲۱ء	"نعیم فیضانِ مصطفیٰ"	۱۳۴۰ھ
"فروغِ شمع منہاجِ سنِ نبی"	۱۹۲۱ء	"شمسِ طریقتِ مصطفیٰ"	۱۳۴۰ھ
"جادۂ شہرِ ذکر و عبادت"	۱۹۲۱ء	"عندلیبِ باغِ صفا"	۱۳۴۰ھ
"رخشندہ قسمت انسان"	۱۹۲۱ء	"شمعِ گفتارِ مصطفیٰ"	۱۳۴۰ھ
"محیطِ اُلفتِ خیر البشر"	۱۹۲۱ء	"جمالِ عشق و معرفت"	۱۳۴۰ھ
"نظارۂ تبسّمِ مصطفیٰ"	۱۹۲۱ء	"مرغوبِ انام"	۱۳۴۰ھ

مادہ ہائے سالِ ولادت

"خوبیٔ اہلِ حقیقت"	۱۲۷۲ھ	"آئینۂ عظمتِ فقر"	۱۸۵۶ء
"شمسِ فہم و فراست"	۱۲۷۲ھ	"درخشاں گفتار"	۱۸۵۶ء
"رضا نقیبِ مدینہ"	۱۲۷۲ھ	"ناقابلِ فراموش خدمات"	۱۸۵۶ء
"زجاجِ ذوقِ مدحت"	۱۲۷۲ھ	"تنویرِ شمسِ معرفت"	۱۸۵۶ء
"شمعِ معرفتِ ماہِ طیبہ"	۱۲۷۲ھ	"ورَدِ خوبیٔ ریاضِ طابہ"	۱۸۵۶ء
"فردوسِ صدق و اخلاص"	۱۲۷۲ھ	"آوازِ تنظیمِ اُمت"	۱۸۵۶ء
"شانِ معرفتِ اسلام"	۱۲۷۲ھ	"یگانۂ فیضانِ دانش و حکمت"	۱۸۵۶ء
"جادۂ باغِ نور"	۱۲۷۲ھ	"محبت شہرِ رسولِ خدا"	۱۸۵۶ء
"ثروتِ علمِ طیبہ"	۱۲۷۲ھ	"منظورِ اہلِ حق و سنت"	۱۸۵۶ء
"ذکرِ مردِ حق"	۱۲۷۲ھ	"شمعِ عظمتِ الٰہ"	۱۸۵۶ء

"مخمورِ جامِ نگاہِ رضا"

۲۰۰۹ء

محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری

ذکرِ رضا

قرآنی مادۂ تاریخ

سالِ ولادت

"اَلْفَضْلُ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ"

۱۸۵۶ء (الحدید)

سالِ وصال

"آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ"

۱۹۲۱ء (العنکبوت)

×"باغِ فیضانِ دین"×

۲۰۰۸ء

☆......☆......☆

معارفِ رضا

کلام: پروفیسر محمد اکرام رضا

''معارف'' کو شہِ ہر دو جہاں کا ترجماں کہیے
عقیدت اور چاہت کا مہکتا گلستاں کہیے

غلامانِ شہِ کونین کا پُرنور سرمایہ
اسے علم و عمل کا ایک مخزن بے گماں کہیے

شہِ احمد رضا کی فکرِ عالم گیر کا مرکز
بفیضِ مصطفیٰ اہلِ نظر کا رازداں کہیے

محبانِ نبیِ پاک اس سے پیار کرتے ہیں
اسے سید ریاست کے عمل کی داستاں کہیے

اسے سید وجاہت کے قلم نے ہے وجاہت دی
یہ زیبا ہے، اسے فکر و نظر کی کہکشاں کہیے

جنابِ ڈاکٹر مسعود بے حد یاد آتے ہیں
اسے مسعودِ ملت کی صداقت کی زباں کہیے

تفکر کار فرما ہے مجید اللہ کا اس میں
تو لازم ہے ''معارف'' کو یقیں کی کہکشاں کہیے

سائل اور جرائد سے بہر جانب اجالا ہے
یہ دل کہتا ہے اس کو سب کا میرِ کارواں کہیے

مقالے اس کے ارفع ہیں تو منظومات اعلیٰ ہیں
اسے تحقیق کی دنیا کا روشن ارمغاں کہیے

ہو حسنِ ظاہری اس کا یا حسنِ باطنی اس کا
بہر پہلو اسی کو نورِ علمِ جاوداں کہیے

رضؔا اس کی ہر اِک تحریر دل کش ہے حسیں تر ہے
تو پھر کیوں نہ اسے ہی نازشِ بزمِ جہاں کہیے

﴿اپنی بات﴾

آج ہے عنواں سخن کا "کنزِ ایمانِ رضا"

مدیرِ اعلیٰ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کے قلم سے

از طفیلِ سرورِ ہر دو جہاں
"کنزِ ایماں" در جہاں مشہور شد

قارئین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

لیجیے، ماہنامہ "معارفِ رضا" کا "کنزالایمان" نمبر آپ کے ملاحظہ کے لیے حاضر ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجددِ دین وملت، امام الاکبر الشیخ محمد احمد رضا خاں حنفی قادری ماتریدی (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) قدس اللہ سرہ العزیز کا ترجمۂ قرآن "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" اسم بامسمہ ہے۔ اس میں علم وعرفان اور عشق وایمان کا خزانہ ہے۔ اس کا قاری خواہ وہ کسی بھی ذہنی افق یا علمی سطح کا حامل ہے، اس کے مطالعہ کے بعد اس میں پوشیدہ خزانوں سے محروم نہیں رہتا، حسبِ استطاعت و استعداد اپنے دامن میں علم وآگہی اور عشق وایمان کے چند تابدار موتی ضرور سمیٹ لیتا ہے۔ اپنی علمی و روحانی تشنگی کی سیرابی کے لیے کوثر و تسنیم کے آبِ حیات کے چند جرعے ضرور پالیتا ہے۔ اسی طرح معارفِ رضا "کنزالایمان" نمبر کا یہ شمارہ "کنزالایمان" کے چمنستان کے منتخب گلدستوں کی نمائش ہے جس سے ناظر (قاری) اپنی مشامِ جان وایمان کو معطر کرسکتا ہے۔ ان گلدستوں سے اٹھنے والی خوشبوؤں کی لپیٹیں اس کو اصل چمنستان کی سیر کی ترغیب وتشویق تاحیات دیتی رہیں گی۔ اصل موضوع پر گفتگو سے قبل مناسب ہوگا کہ فنِ ترجمہ کی نظری تعریف، اس کی مبادیات اور مشکلات کا مختصر جائزہ لیا جائے تاکہ اس پسِ منظر میں ترجمۂ قرآن کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ ہوسکے۔

حق کو قبول کرنے اور نیکی کی باتوں کو غور سے سننے، اسے سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے اور ہر زمان ومکان کے انسانوں تک ان کو اس طرح منتقل کرنے کے لیے کہ وہ بھی اس کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوسکیں، اس پیغام اور دعوت کو قرآن مجید نے بڑے خوبصورت پیرائے اور جامع انداز میں پیش کیا ہے۔ معلمِ کائنات سید عالم ﷺ کی زبانِ اطہر سے ارشاد ہوتا ہے:

قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ ۢبَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۟ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ ۢبَلَغَ ؕ (الانعام ۶: ۱۹)

ترجمہ: تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے۔ (کنزالایمان)

مفسرِ قرآن حضرت صدر الافاضل علامہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں اپنے حاشیہ خزائن العرفان میں تحریر کرتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ

"میرے بعد قیامت تک آنے والے جنھیں یہ قرآن پاک پہنچے خواہ وہ انسان ہوں یا جن، سب کو میں حکمِ الٰہی کی مخالفت سے ڈراتا ہوں۔"

حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کو قرآن پہنچا گویا اس نے نبی علیہ السلام ﷺ کو دیکھا اور آپ کا کلام مبارک سنا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولِ کریم ﷺ نے کسریٰ اور قیصر وغیرہ سلاطین کو دعوتِ اسلام کے مکتوب

بھیجے (مدارک وخازن)۔ اس کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ مـــن بلغ میں "من" مرفوع المحل ہے اور معنی یہ ہیں کہ اس قرآن پاک سے میں تم کو ڈراؤں اور وہ ڈرائیں جنہیں قرآن پاک پہنچے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ "اللہ تروتازہ کرے اس کو جس نے ہمارا کلام سنا اور جیسا سنا ویسا پہنچایا، بہت سے پہنچائے ہوئے سننے والوں سے زیادہ اہل ہوتے ہیں اور ایک روایت میں ہے سننے والے سے زیادہ افقہ ہوتے ہیں۔"

قارئین کرام! معلم کائنات سید عالم ﷺ کی اس دعا اور ان خطِ کشیدہ جملوں کو ذہن میں رکھیں جب آئندہ سطور میں "کنز الایمان" اور صاحبِ کنز الایمان کی خصوصیات کا ذکر آئے گا تو پھر اس حوالے سے ان شاء اللہ گفتگو ہوگی۔

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن حکیم ترجمہ یا ترجمانی کے بنیادی عناصر ابلاغ اور ترسیل کی اہمیت کو اجاگر کر رہا ہے۔ ابلاغ کا مطلب یہ ہے کہ متن کا مفہوم اور اس کا مرکزی خیال مکمل وضاحت کے ساتھ مترجم کے ذہن میں اتر جائے۔"

بقول ڈاکٹر عنوان چشتی:

"ابلاغ (Comprehension) کا نقطۂ آغاز وہ لمحہ ہے جب مترجم قاری (یا قرآنی الفاظ میں سامع۔ وجاہت) کی حیثیت سے اس کا مطالعہ شروع کرتا ہے اور اس عمل کا لمحۂ آخر وہ لمحہ ہے جب قاری زیرِ مطالعہ فن پارے کے مفہوم یا مفاہیم کو پوری طرح سمجھ کر مطمئن ہو جاتا ہے۔"[۱]

ابلاغ کے بعد ترسیل (Communication) کا مرحلہ آتا ہے، اس مرحلہ کے لیے ڈاکٹر عنوان چشتی صاحب تحریر کرتے ہیں:

"ترسیل وہ عمل ہے جس میں مترجم مصنف کی مجرد آگہی یا فن پارے کے اصل مفہوم کو قابلِ فہم علامتوں یعنی ترجمے کی زبان کے ذریعہ قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہ عمل ۔۔۔ زیادہ پیچیدہ اور وقت طلب ہے۔ ترجمے کے عام قارئین کو اس سے دلچسپی نہیں ہوتی کہ اصل تصنیف میں کیا تھا یا اس کا اندازِ بیان کیا تھا، وہ ترجمے کو اصل کے نعم البدل کی حیثیت سے پڑھتے ہیں۔ اس میں جو کچھ ہوتا ہے، وہی ان کے لیے سب کچھ ہوتا ہے۔

عملِ ترسیل کے دو مدارج ہیں۔ پہلا وہ ہے جہاں ذہن کے آئینہ خانہ میں لفظ اور خیال ایک دوسرے میں تحلیل ہوتے ہیں، بہ الفاظِ دیگر مترجم کی مجرد آگہی الفاظ کا مرئی پیکر اختیار کرتی ہے۔ ترسیل کا عمل مجرد سے غیر مجرد کی طرف ہوتا ہے اس لیے ترسیل کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ مترجم نے شاعر یا مصنف کی آگہی کو (جو ابلاغ ہونے پر اس کے ذہن کا لازمی حصہ ہوتی ہے) کس حد تک ترجمے کی زبان میں سمویا ہے۔

دوسری منزل وہ ہے جب مترجم، مصنف یا شاعر کی مجرد آگہی کو ایک نئی زبان میں قارئین کے سامنے پیش کرتا تھا۔ یہ منزل مترجم کی تخلیقی اور فنی صلاحیتوں کی آزمائش کی منزل ہے۔" [۲]

کتبِ سماوی بالخصوص قرآنِ حکیم کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کلامِ الٰہی کے اصل ترجمان تھے اور ان کے پیروکار یعنی صحابۂ کرام، تابعین و تبع تابعین وحی الٰہی کے ابلاغ و ترسیل کے سلسلے میں انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تفسیری ارشادات کے مترجم تھے۔ اس طرح ترجمہ کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنا خود انسان کا اس کائنات میں اپنا وجود۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فطری طور پر انسان کے اندر تجسس اور غور وفکر کا مادّہ ودیعت کیا ہے۔ اسی بناء پر انسان کو تجسس اور تدبر کا آمیزہ کہا جاتا ہے۔ اسی جذبے کے تحت صدیوں سے انسان ایک دوسرے کو سمجھنے، پرکھنے اور ایک دوسرے تک اپنا مافی الضمیر پہنچانے کے راستے نکالتا رہا ہے۔ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اس صلاحیت کے مؤثر و مستعد استعمال نے انسانی معاشرے، ملک اور قوموں کے درمیان افہام وتفہیم کی فضاء

پیدا کی ہے اور اس کے برعکس تجسس و تدبر کے جذبہ کی ناپختگی یا اس صلاحیت کے غیر مؤثر استعمال نے فتنہ و فساد کی راہیں بھی کھولی ہیں۔

ترجمہ کی عمومی تعریف یہ ہے کہ ایک زبان میں بیان کردہ خیالات یا معلومات کو دوسری زبان میں منتقل کرنا اور بظاہر یہ ایک سادہ سا عمل ہے۔ عطش درّانی اپنے ایک مقالہ میں ترجمہ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"جہاں تک ترجمہ کی تعریف کا تعلق ہے، اسے ہم ان الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں کہ ترجمہ: کسی زبان پر کیے گئے ایسے عمل کا نام ہے جس میں کسی اور زبان کے متن کی جگہ دوسری زبان کا متبادل متن پیش کیا جائے۔ اس تعریف میں معانی، مفہوم، مطالب، اندازِ بیان اور اظہارِ بیان، اسلوب اور انداز کے تمام پہلو آ جاتے ہیں۔ چونکہ بنیادی طور پر یہ فن زبان سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اس کے نظری پہلو کو ہم ترجمہ کا لسانیاتی نظریہ قرار دے سکتے ہیں۔[۱۳الف]

ترجمہ کی ایک اور جامع تعریف ایک فرانسیسی ادیب پال نے یوں کی ہے:

"ترجمہ کسی علت (اصل تخلیق) کے معلول کی ایک دوسری علت (ترجمہ) کے توسط سے امکانی قربت و صحت کے ساتھ تشکیل کرنے کا عمل ہے۔" [۳ب]

اس تعریف کی روشنی میں علمائے لسانیات کا کہنا ہے کہ بحیثیتِ مجموعی ترجمہ ایک فن (Art) ہے اور ایک ہنر (Science) بھی۔[۴]

لیکن ترجمہ کا ہنر اتنا سادہ و آسان نہیں ہے جتنا عام طور پر تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے اندر جو پیچیدگیاں ہیں اور اس میں جو خالص علمی، فنی، ادبی اور تخلیقی نوعیت کی صلاحیتوں کو ایک متوازن آمیزے کے ساتھ بروئے کار لانے کا عمل ہے۔ اس کی نشاندہی کرتے ہوئے ڈاکٹر مظفر احمد سید تحریر فرماتے ہیں:

"ترجمہ کا ہنر اس لحاظ سے خاصا پیچیدہ ہے کہ اس میں دہری تہری صلاحیت کی ضرورت پڑتی ہے۔ متن کی زبان اور اپنی زبان تو خیر آنی ہی چاہیے، اس موضوع سے بھی طبعی مناسبت درکار ہے جو متن میں موجود ہے۔ مصنف سے بھی کوئی نہ کوئی نفسیاتی مماثلت ضروری ہے اور صنفِ ادب اور شاخِ علم سے بھی جس سے متن پیوست ہے، مترجم کو پیوستگی حاصل ہو، تب ترجمہ شاید چالو معیار سے اوپر اٹھ سکے، تاہم ترجمے کی زیریں انواع میں اتنی ساری شرائط کا اجتماع نہیں ہوتا۔ مثلاً تعلیمی اور تکنیکی ترجمہ بلکہ علمی ترجمہ بھی مصنف کی شخصیت اور مترجم کی پیوستگی پر اصرار نہیں کرتا تاہم اس قسم کا ترجمہ بھی لسانی اور علمی (یا تعلیمی اور تکنیکی) اہلیت سے بے نیاز رہ کر نہیں کیا جا سکتا۔"[۵]

ہر فن کی طرح ترجمے کی بھی کچھ بنیادی شرطیں (مبادیات)، ضرورتیں اور اصول ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اصل تصنیف کی زبان، اس کے ادب اور اس کی قومی تہذیب سے نہ صرف واقفیت بلکہ دلچسپی اور ہمدردی ہو۔ اس لیے کہ مترجم دو زبانوں اور دو قوموں کے درمیان لسانی اور ثقافتی سفیر کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسری اہم شرط اپنی زبان پر اس کی قدرت اور نئے خیالات کے اظہار کے لیے نئے الفاظ، ترکیبیں اور اصطلاحات وضع کرنے کی استعداد ہے۔

تیسری شرط اور ضرورت تصنیف کی زبان سے ایسی گہری واقفیت ہے کہ وہ اس کی باریکیوں، نفاستوں اور تہہ داریوں کو بخوبی سمجھ سکے۔

چوتھی شرط اور ضرورت یہ کہ اصل تصنیف جس عہد اور جس موضوع سے تعلق رکھتی ہے، اسی عہد کی زندگی، زبان اور اس موضوع کی اہم تفصیلات سے مترجم کی واقفیت ہو۔

پانچویں اور آخری، لیکن سب سے اہم شرط ادبی ترجمہ کی صلاحیت، دلچسپی اور شوق و شغف اور انہماک ہے۔ اگر یہ نہیں تو دوسری تمام شرائط کی تکمیل بھی کامیاب ترجمہ کی ضمانت نہیں ہو سکتی۔[۶]

جہاں تک ترجمے کے اصول کا تعلق ہے تو ہم ایک مایہ ناز تحقیقی مقالہ ''شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن......ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ'' محققہ و مرتبہ جناب ڈاکٹر سید محمد امین اور جناب محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جو زیرِ نظر موضوع (اصولِ ترجمہ) پر عمیق مطالعہ کا نچوڑ ہے اور ایک اجمالی مگر جامع خاکہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔''[۷]

''۱۔ اصل عبارت کسی حالت میں مترجم کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے کیونکہ مترجم بہر صورت متن کے مرکزی خیال کا پابند ہے۔

۲۔ مترجم کو اپنی جانب سے حذف و اضافہ کا کوئی حق حاصل نہیں نہ صرف عبارات بلکہ تشبیہات اور استعارات میں بھی، اس سے انحراف علمی بد دیانتی ہوگی۔

۳۔ ترجمہ میں سہولت کے لیے متن کو آگے پیچھے کرنے کا بھی حق نہیں۔

۴۔ اصل عبارت میں کسی طرح کی ترمیم کا جواز نہیں۔

۵۔ زبان و بیان کے پیچ و خم کا لحاظ رکھنے کے ساتھ ساتھ موضوع کے لسانی، ادبی، علمی، تاریخی، سماجی اور شخصیاتی پس منظر کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا ورنہ مترجم ہمیشہ فکری ٹھوکروں کی زد پہ رہے گا۔

۶۔ اصطلاحات کو جوں کا توں سنبھالنے کی وسعت اگر ترجمہ کی زبان میں ہو تو سبحان اللہ! ورنہ قریب ترین مفہوم میں اسے منتقل کرنا چاہیے بلکہ اس سلسلہ میں اصطلاح سازی کا ایک استنادی بورڈ ہونا چاہیے تاکہ اصطلاحات کے استعمال میں یکسانیت رہے۔

۷۔ مترجم کو اعلیٰ اور مستند لغت کا سہارا ضرور لینا چاہیے۔ صرف حافظہ پر بھروسہ کرنا مناسب نہیں۔

۸۔ ترجمہ گہری نظر اور حاضر دماغی سے کرنا چاہیے تاکہ لفظوں کے پردے میں چھپے ہوئے تہہ دار جلوہ ہائے معانی بھی آشکار ہو سکیں ورنہ سرسری نگاہ کا ترجمہ زبان کی بہت ساری داخلی لطافتوں کو مجروح کرتا چلا جائے گا اور جو مفہوم اور اشارے ان الفاظ کی پشت سے جھانک رہے ہیں وہ ترجمے میں غائب ہو جائیں گے۔

۹۔ ترجمہ میں اصل کے کرداروں کی جغرافیائی حیثیت کا خیال رکھتے ہوئے ایسے الفاظ یا اسماء لائے جائیں جس سے اصل کے کرداروں کی بھرپور ترجمانی ہو سکے ورنہ ایرانی، ہندی اور امریکن، پاکستانی ہو جائے اور مصنف نے ان کرداروں کے جغرافیائی مزاج اور ماحولیاتی کیف کا جو لمس ان لفظوں میں رکھ دیا ہے اس کا احساس تو دور اس کی ہوا بھی نہ لگے گی۔

مثال کے طور پر روس کے عظیم شاعر پوشکن (Pushkin) کو لے لیجیے۔ اس کے ایک مشہور افسانے کے ساتھ اس قسم کے ایک حادثہ کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر ظ۔ انصاری لکھتے ہیں:

''روس کے شاعر اعظم ''پوشکن'' کے ایک مشہور افسانے کا عنوان انگریزی میں ''اسٹیشن ماسٹر'' دیا گیا اور اردو میں جوں کا توں لے لیا گیا۔ روس وہ کردار اس چوکی کے غریب، تباہ حال اور بے بس، تھکے ہارے منشی کی نمائندگی کرتا جو ریلوں کا وسیع جال بچھنے سے پہلے کسی گاؤں یا کارواں سرائے کے ناکے پر بدلی کے گھوڑے مہیا کرتا تھا۔۔۔ اس کردار کو ہم انگریزی کی تقلید میں اسٹیشن ماسٹر لکھ دیں تو افسانے کی روح فنا ہو جائے گی۔ وہ ہمارے یہاں ''ڈاک چوکی کا منشی'' ہے اور یہی نام دیا جانا چاہیے تھا۔''

۱۰۔ ترجمہ کا پیرایہ اور اسلوب، رواں، شستہ، قابلِ فہم اور ایسا جاذب ہونا چاہیے کہ اصل کے ساتھ ساتھ شانہ بشانہ چلتے ہوئے بھی ایک انفرادیت جھلکے۔

۱۱۔ ترجمہ میں محاورات اور ضرب الامثال کو جوں کا توں منتقل کرنے کی تو کوئی صورت ہی نہیں البتہ ترجمہ کی زبان کے محاورات سے تقابل کی راہ نکل سکتی ہے لیکن یہ راہ ہے بڑی دشوار۔ اس سلسلہ میں زبردستی عبارت کے حسن کو بگاڑ کر رکھ دیتی ہے اس لیے اعتدال سے کام لیتے

ہوئے محاورے کی جگہ محاورے کی جستجو کے بجائے اپنی ضرورت کے مطابق محاورے کے مفہوم کو الفاظ سے اور الفاظ کے معنوں کو محاورے کی مدد سے پیش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۱۲۔ ترجمہ میں تکنیک اور اسلوب کا کام آرائش نہیں بلکہ مرکزی خیال کی ترسیل یا اظہار ہے۔ مترجم کو جان بوجھ کر کوئی نئی تکنیک یا اچھوتا اسلوب نہ اختیار کرنا چاہیے بلکہ ترجمے کے مکمل عمل کے دوران اس کے موضوع، مواد اور مزاج کی مناسبت سے ایسی تکنیک اور اسلوب اختیار کرنا چاہیے جو ہر طرح سے اس تصنیف کے بنیادی خیال یا تاثر کے اظہار میں مفید ثابت ہو۔ یہی معاملہ ہیئت کا ہے۔ مترجم کو ہیئت بھی وہی منتخب کرنی چاہیے جو موضوع اور مواد کا تقاضہ ہو۔

۱۳۔ جملے اگر پیچیدہ اور طویل ہوں تو ترجمہ میں اسے چھوٹے چھوٹے جملوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے لیکن یہ انداز ہر جگہ نہیں برتا جاسکتا۔

۱۴۔ ترجمہ کے لیے موضوع سے واقفیت بنیادی شرط ہے۔ اس کے بعد اصل زبان سے پھر اپنی زبان سے۔ "یہی وجہ ہے کہ ڈیٹ رایٹ (امریکہ) کی Mass Translation Project میں یہ طریقہ بتایا گیا ہے:

Translator- Quality Control- Technical Editor- Language Editor

یعنی مترجم۔۔معیار کا نگراں۔ٹیکنیکل ایڈیٹر۔زبان کا ایڈیٹر۔"

ترجمہ کی مبادیات اور شرائط کے جائزہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو ایک مترجم پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ بقول مرزا حامد بیگ:

"مترجم کا کام دراصل نیاز و ناز کا امتزاج ہے۔ اس کی دو صفات انتہائی قابلِ تحسین ہیں (اور یہی بات سمجھنے اور سمجھانے کی ہے۔ وجاہت) یعنی ایک تو وہ مصنف کا دل سے احترام کرتا ہے اور دوسرا بطور مترجم انتہائی دیانت داری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یوں مکمل آزادی اور دیانت دارانہ پابندی کا یہ اتصال (ترجمہ) اسے دوسرے کی مصنوعات اپنے ٹریڈ مارک کے ساتھ بیچنے سے باز رکھتا ہے۔ حالانکہ ترجمہ کرتے وقت وہ فن پارے کو اس طرح ڈھالتا ہے کہ کم از کم جزوی طور پر وہ اس کا خالق ضرور کہلا سکتا ہے لیکن یہ مترجم کی بڑائی ہے کہ وہ ایک عمدہ کاریگر کی طرح کام کرتا ہے۔۔۔دل اور روح کی صفائی کے ساتھ۔۔۔لیکن اپنا نام سامنے نہیں لاتا اور ترجمہ کی حرمت کی مسلسل پاسبانی کرتا ہے۔"[۷ب]

مرزا حامد بیگ نے اس تجزیہ کی روشنی میں جب اردو زبان کے ترجمہ شدہ ادب کا جائزہ لیتے ہیں تو بیشتر مترجمین، بالخصوص مذہبی ادب کے حوالے سے ان ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ نہ ہوسکے۔ انہوں نے اپنے مذہبی اور گروہی عصبیت سے مغلوب ہوکر نہ صرف غیر معیاری ترجمہ کیے ہیں بلکہ اصل تصنیف کے متن میں دست درازی کرتے ہوئے اس قدر دیدہ دلیری کے ساتھ تصرفات بشکل تحریفات اور الحاقات کی ہیں کہ اہلِ علم و نظر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین اور دیوبندی حضرات کے اکثر ترجمۂ قرآنی اور کتب احادیث اس پر شاہد عدل ہیں۔ ان تراجم میں بارگاہِ الوہیت و رسالت کے تقدس کو جس طرح پامال کیا گیا ہے، اس سے دورِ جدید کے صیہونی مزاج مستشرقین اور "رُشدیوں" کو شہ ملی ہے۔ اسی طرح محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ علیہما الرحمۃ کی تصانیف کے دیوبندی تراجم تحریف و الحاق کی گل کاریوں کے مظہر ہیں۔ اسی طرح جماعتِ اسلامی کے سابق امیر میاں طفیل صاحب کا حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری قدس سرہٗ کی معرکۃ الآراء کتابِ تصوف "کشف المحجوب" کا اردو ترجمہ خود ان کے اپنے خارجی اور اعتزالی عقائد کا "کشف العیب" بن گیا ہے۔

ترجمہ کے مبادیات اور اصول سے واقفیت کے ساتھ ساتھ ایک مترجم کے لیے اس راہ کے خارزار یعنی مشکلات کا علم بھی ضروری ہے ورنہ وہ یا تو زبان و بیان کی فاحش غلطیوں کا مرتکب ہوگا یا پھر میدان

چھوڑ بیٹھے گا:

الف۔ ترجمہ میں دشوار گزار مرحلہ اور اولین مسئلہ ایک زبان کی اصطلاحات کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہے، بالخصوص سائنسی علوم اور قانون کی کتابوں اور عدالتی فیصلوں کے ترجمے میں یہ مشکلات زیادہ پیچیدگیاں پیدا کرتی ہیں۔ بعض حضرات کے خیال میں ان مصطلحات کا ترجمہ نہیں ہونا چاہیے اور انہیں جوں کا توں دوسری زبان میں برقرار رکھنا چاہیے۔ لیکن اکثر ناقدین فن مثلاً وحید الدین سلیم وغیرہ کی رائے میں یہ مسئلہ کا حل نہیں بلکہ زبان کی مشکلات میں کچھ اور اضافہ ہے اور ترجمہ شدہ زبان کا قدرتی حسن و جمال اور اس کی قدرتی خوبیوں کو ملیا میٹ کرنا ہے۔ [۸] اس لیے اس مشکل کا حل یہ ہے کہ اصطلاح سازی کے اصولوں سے مدد لی جائے۔ اس ضمن میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے دار الترجمہ اور علی گڑھ کی سائنٹفک سوسائٹی کی طرف سے شایع شدہ کتب سے معاونت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ماضی میں ترجمہ کے لیے مختلف ماہرینِ فن کی مرتب کی ہوئی مصطلحاتی فرہنگ کا مطالعہ بھی مفید ہوگا۔ دورِ حاضر میں وحید الدین سلیم صاحب کی کتاب ''وضعِ اصطلاحات'' بھی مترجمین کے لیے رہنما ثابت ہوگی۔ سید حسن بلگرامی نے وضعِ اصطلاح کے ضمن میں چند رہنما اصول تحریر کیے ہیں جن کا ذکر ڈاکٹر قمر رئیس نے اپنی تصنیف ''ترجمہ کا فن اور روایت'' میں کیا ہے، وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ ترجمہ کی دوسری اہم مشکل محاورات کی منتقلی ہے۔ ہر زبان میں محاورے بولنے والوں کی تہذیبی اقدار اور روایات کے عکاس ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے مفہوم کی ایک تاریخ ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ دوسری زبان میں اس مفہوم کو ادا کرنے والا کوئی محاورہ مل ہی جائے۔ اگر ایسا ہو تو زبردستی کا عمل عبارت کے نہ صرف حسن کو بگاڑ دے گا بلکہ مفہوم و معانی کو مضحکہ خیز بنا دے گا۔ ایسے موقعوں پر ہمیں تحمل اور اعتدال سے کام لیتے ہوئے زبردستی محاورہ وضع کرنے یا اس کی جستجو میں وقت صرف کرنے کی بجائے اپنی ضرورت کے مطابق محاورے کے مفہوم کو الفاظ سے اور الفاظ کے معنوں کو محاورے کی مدد سے پیش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ج۔ تیسری مشکل قواعد کی پیچیدگیوں کی وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ عربی کا لفظ ''کَانَ'' کا لغوی معنی ''تھا'' یعنی صیغۂ ماضی ہے۔ لیکن یہی لفظ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت کے ساتھ آئے گا تو یہ استمرار کا معنی دیتا ہے مثال کے طور پر قرآنی آیۂ کریمہ: وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا○ (الاحزاب ۳۳:۵۲)

کا ترجمہ اردو میں یہ ہوگا ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔'' اس کا تفصیلی ترجمہ یہ ہوگا کہ ''اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہمیشہ سے نگہبان ہے اور ہمیشہ رہے گا''۔ اسی طرح اردو زبان میں واحد اور جمع دو صیغے ہیں لیکن عربی میں اَلْمُفْرَدُ. اَلْمُثَنّٰى. الجمع یعنی واحد کے بعد دو کے فعل کے لیے الگ صیغہ ہے اور تین اور اس سے زائد کے لیے جمع کا صیغہ استعمال ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اس کے علاوہ مترجم کے پاس کوئی اور صورت نہیں ہوتی کہ وہ ایک دو تشریحی الفاظ یا جملوں کو اضافے کے ساتھ مفہوم بیان کر دے۔ مثلاً فَلَمَّا بَلَغَا کا ترجمہ اردو میں کرنے کے لیے ہمیں ایک لفظ بڑھانا ہوگا کہ جب وہ دونوں پہنچے تاکہ مفہوم واضح ہو جائے۔

د۔ ترجمہ کا ایک مشکل ترین رخ معانیِ متن کی پہلوداری ہے۔ بسا اوقات جب ایک صاحبِ علم و فضل ترجمہ کرتا ہے تو برسوں کے مطالعات و مشاہدات اس کے ذہن کے پردۂ سیمیں پر اترتے چلے جاتے ہیں، اس کے ذہن کے افق پر بہت سے جلوہ ہائے معانی روشنی بکھیرتے ہیں، ایسے موقعوں پر مترجم جلوہ ہائے معانی کے کہکشاں سے مفہوم کے ایسے ستارے کو منتخب کرتا ہے جو قاری، بالخصوص صاحبِ بصیرت قاری کی آنکھوں کو اس طرح خیرہ کر دیتا ہے جس طرح اندھیری رات میں ایک گھپ اندھیری گلی میں چلنے والے کے لیے کوئی

اچانک بجلی کا طاقتور بلب روشن کردے۔ پھر اس روشنی کی حقیقت کا وہ قریب سے مشاہدہ کرلے۔

ایسا مترجم اپنے برسوں کے مطالعات اور مشاہدات کی روشنی میں آئینہ اس رخ سے پکڑتا ہے کہ شاہدِ معنیٰ کے قریب ترین تصویر سامنے آجاتی ہے۔ یہ منزل اتنی آسان نہیں ہے جتنی نظر آتی ہے۔ پاکستان کے معروف محقق، ماہرِ تعلیم اور ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: "ہر ترجمے کے لیے ضروری ہے کہ مترجم جس زبان کی کتاب کا ترجمہ کررہا ہے اور جس زبان میں کررہا ہے، دونوں زبانوں کے نشیب وفراز سے باخبر ہو۔ اگر وہ کتاب مترجم کے عہد سے بہت پہلے کی ہے تو پھر الفاظ کے ان معانی کا جاننا بھی بہت ضروری ہے جو اس عہد میں لیے جاتے تھے جس عہد میں کتاب سامنے آئی۔۔۔۔ مترجم کو زبان پر کامل عبور اور اہلِ زبان کے اسرار و رموز ان تمام کا جاننا بھی ضروری ہے اس کے ساتھ سباقات وسیاقیات اور ان علوم وفنون پر اس کی نگاہ ہونی چاہیے جس پر وہ کتاب بحث کررہی ہے۔" [۹]

اس منزل پر انتخاب واجتناب کا یہ عمل، ایک شعوری عمل ہے اور مصنف کے فلسفۂ زندگی، فکری اور علمی پسِ منظر، اندازِ نگارش، موضوع کی مناسبت اور الفاظ وعبارت کے سیاق وسباق کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ اس کا معیار یہ ہے کہ منتخب مفہوم (جزئی) کس قدر کُل کا لازمی، منطقی اور فطری جز ہے۔

ر۔ مترجم کی ایک امتحان گاہ وہ مقام ہوتی ہے جہاں اصل خیال سطور میں نہیں بلکہ بین السطور یا ماورائے سطور ہوتا ہے۔ اس مقام سے کامیابی سے گزر جانا اور اصل متن کی روح کو ترجمے میں سمو لینا مترجم کے اپنے علمی پس منظر، ذوق وذہانت، سلیقہ مندی، تدبر اور حوصلہ مندی اور تصرفانہ صلاحیت پر منحصر ہے۔

ح۔ ایک اہم مرحلہ اردو زبان کی تنگ دامانی کے احساس کا ہے۔ لیکن بقول ڈاکٹر سید محمد امین میاں اور محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی، یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ اردو زبان کا مترجم عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں کی وسعت اور ان کی لغات میں روز افزوں اضافے کی وجہ سے اس قدر احساسِ کمتری میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ اس کو اردو زبان کا دامن تنگ نظر آنے لگتا ہے۔ اسی لیے یہ مشکل ترجمہ سے زیادہ مترجم سے تعلق رکھتی ہے۔ ماشاء اللہ اب اردو زبان اس قدر مکمل طور پر بالغ اور دوسری زبانوں کی مسابقت میں اس کا عمل اس قدر تیز سے تیز تر ہوتا جارہا ہے کہ ہر فن اور علم کی کتابیں اس کے بطن سے نمودار ہونے لگی ہیں۔ اردو زبان اپنی پیدائش وپرورش کی دوصد سالہ تاریخ میں اب اس مقام پر آگئی ہے کہ اس کا دامن اب تنگ نہیں رہا۔ "البتہ اردو کے ذمہ داروں کے ذہنی کینوس وسیع ہونے میں (ابھی مزید) وقت کی ضرورت ہے۔" [۱۰]

جو مترجم اردو زبان کے مختلف دبستانوں سے واقفیت رکھتے ہیں وہ ان کے ٹکسالی لب ولہجہ اور الفاظ ومحاورات کے ذخائر سے واقف ہیں، ان کے لیے اردو زبان کا دامن بہت وسیع ہے۔ ایسے افراد کسی بھی لسانی وحدت کے "اُفُقَہ عَالِم" ہوتے ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی کے اوائل اور چودھویں صدی ہجری کی ابتداء میں امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ (۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء۔ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کی ذات ایسے ہی "افقہ" علما میں شمار ہوتی ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا سطور سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ اپنی مبادیات، شرائط اور مشکلات کے حوالے سے ایک ریاض طلب فن ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں مترجم پر اس کے لیے جو بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، انہیں اختصار کے طور پر یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

ترجمہ کا ذوق وشوق، اعلیٰ استعداد، زبان و بیان کی داخلی رازداری، مضمون پر بھرپور گرفت، متن اور مصنف سے حتی الوسع

وفاداری، زبان و بیان کے تہذیبی، جغرافیائی پس منظر سے واقفیت، داخلی روایات کے پاسداری جیسے تہہ در تہہ لازموں سے عہدہ برآ ہونا، تب جا کر ایک قابلِ مطالعہ، مانوس، رودواں اور اصل کا مزاج آشنا ترجمہ وجود میں آتا ہے۔

ساحل شہسرامی نے بالکل صحیح کہا ہے:

''سچ یہی ہے کہ مترجم کے شانوں پر دونوں زبانوں کی محرمانہ وفاداریوں کا بھاری ذمہ ہوتا ہے جس کی پاسداری کا احساس اسے قدم قدم پر ہونا چاہیے ورنہ وہ مترجم (Translator) کے بجائے خائن (Traitor) بن جائے گا۔'' [۱۱]

ترجمہ کے چند فنی مراتب ہیں جس طرح ہر فن کے ہوتے ہیں، بقول ڈاکٹر ظ۔ انصاری:

''ترجمہ کی ایک شاخ وہ ہے جو محض مشق اور حافظے کے بل بوتے پر پھیلتی ہے، یعنی ترجمانی (دو بھاشیہ کا کام) تقریری زبان کو ایک سے دوسری زبان میں ڈھالنا۔۔۔ یہ نسبتاً سہل ہے۔

ترجمہ کی دوسری شاخ کلاسیکی ادب یا جدید تخلیقی ادب کو دوسری زبان میں منتقل کرنا۔۔۔ یہ پہلی سے زیادہ دشوار مگر پائیدار ہے۔ لیکن ترجمہ کی وہ شاخ جسے چھوتے ہوئے اہلِ علم کی انگلیاں جلتی ہیں، شعر کا شعر میں ترجمہ ہے۔ ہر زمانے میں اس کام کو نہایت دشوار سمجھا گیا ہے۔'' [۱۲]

لیکن ان تمام اصناف سے مشکل ترین ترجمۂ قرآن ہے۔ اس کا اعتراف پروفیسر ڈبلیوسی اسمتھ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''ہماری بے بسی و بے چارگی کا حال یہ ہے کہ جب ہم انسانی زبانوں میں سے کسی ایک زبان کا دوسری زبان میں دل آویز ترجمہ نہیں کر سکتے تو الہامی زبان کا ترجمہ کس طرح ہم سے ممکن ہو سکتا ہے؟ ہم زیادہ سے زیادہ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہی کہ اس کا جو مفہوم ہماری سمجھ میں آتا ہو اس کو ہم اپنی زبان میں بیان کر دیں اور بس!'' [۱۳]

شیخ الحدیث والتفسیر علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''قرآن پاک وہ زندہ جاوید اور آفاقی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اپنے حبیب مکرم ﷺ کے قلبِ اقدس پر نازل فرمائی۔ یہ وہ منبع حق و صداقت ہے جس پر باطل کا حملہ کسی پہلو سے اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اس کے اسرار و رموز اور عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ کسی بھی علم یا فن کا ماہر جوں جوں اس کا مطالعہ کرتا جائے گا، اس پر نئے نئے حقائق و معارف منکشف ہوتے جائیں گے، بالآخر اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ وہ بحرِ بے کراں ہے جس کے اسرار و غوامض کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور اس کے کسی بیان کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ شرط یہ ہے کہ انسان انصاف و دیانت سے عاری نہ ہو۔

قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے صرف عربی زبان، صرف و نحو، علم معانی، بیان، بدیع وغیرہ علوم میں مہارت کافی نہیں، تفسیر و حدیث، عقائد و کلام اور تاریخ و سیَر کا وسیع مطالعہ ہی کافی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اور صاحبِ قرآن ﷺ سے صحیح ایمانی اور روحانی تعلق بھی ضروری ہے۔'' [۱۴]

''قرآن حکیم، خالقِ کائنات کا بے مثل کلام، جانِ کائنات (ﷺ) کی رسالت کا سب سے عظیم شاہد، کونین کا سرمایۂ سعادت اور ساری کائنات کے واسطے سرچشمۂ ہدایت ہے۔ زندگی کی وہ کون سی نعمت ہے جو اس میں ذکر نہیں، وہ کون سی پاکیزہ فکر ہے جس کا سوتا قرآن حکیم سے نہیں پھوٹتا، وہ کون سا فن ہے جو اس کے سایۂ کرم کا احسان مند نہیں۔ زبان و بیان اور اسلوبِ ادا کا ایسا نادر شاہکار جس کی مثال ساری دنیا مل کر بھی نہیں لا سکتی، جس کا وجودِ مسعود اہلِ ایمان کے واسطے اللہ (جل جلالہ) اور رسول (ﷺ) کی سب سے بڑی نعمت ہے اور باطل کے لیے سراپا تحدّی۔ وہ اسلام کا ایسا حصار ہے جس میں

باطل کے سایہ کا بھی گزر نہیں۔ اس کی عظمت کے سامنے آسمانوں کے سرخمیدہ ہیں، اس کی ہیبت سے پہاڑوں کے جگر پاش پاش، اس کے معانی کی بوقلمونی اور فکری اعجاز سے حیرت پہ سکتہ ہے، اس کے عجائبات لامتناہی ہیں، ساری کائنات کے درخت، قلم اور سمندر، روشنائی بن کے بھی اس کے غرائب قلم بند نہیں کر سکتے، جس کی صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں ستر اونٹ کتابوں سے بوجھل ہو سکتے ہیں، جس کا ہر جملہ معجز نما اور سارے معانی سراپا اعجاز ہیں۔ بھلا کس کی بساط ہے کہ اس کے معانی کے موجزن سمندروں کو کسی دوسری زبان کے حصار میں لا سکے اور اس کے حیات بخش مفہوم کو کسی بے جان اجنبی زبان کا لباس دے سکے۔ امام ابن قتیبہ کتاب القرطین میں اسالیبِ عرب کے بیان کے بعد اس سچائی کا برملا اظہار فرماتے ہیں:

"قرآن کریم کا نزول ان تمام اسالیب کلام کے مطابق ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ترجمہ کرنے والا قرآن کا ترجمہ کسی زبان میں (ہو بہو) کر ہی نہیں سکتا۔"

"اور قرآن کا معاملہ تو پھر انسانی مدارجِ فکر سے بہت پرے ہے، اس کا لفظ لفظ مکمل اعجاز ہے، اس کی خصوصیات دوسری زبان تو کیا خود عربی جیسی جی دار اور ہمہ رنگ زبان میں بھی منتقل نہیں کی جا سکتیں۔"

"پھر عربی زبان کی بے پناہ وسعت، اس کے لغوی، صرفی، نحوی مسائل کی بھرمار، علومِ قرانیہ کی ہمہ جہتی، اس کا لغوی، علمی اور تشریحی اعجاز اور سب سے بڑھ کر الفاظِ قرآن کی مکمل پابندی اور ایمان و اعتقاد کی زنجیر کا اس سے مستحکم انسلاک مترجم کے وجدان پر لرزہ طاری کر دیتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی کا جرم سرزد ہو جائے یا آدابِ الوہیت اور پاسِ رسالت کے تقاضے قلم سے اوجھل ہو جائیں پھر علمی دیانت کے ساتھ ساتھ ایمانی رشتے کا سرا بھی ہاتھ سے نکل جائے۔ قرآن حکیم کے ترجمہ میں یہ مشکلات، عام ترجمہ کی مشکلات سے سوا ہیں اسی لیے اس راہ میں قدم رکھنا "شہادت گہِ الفت" میں قدم رکھنے سے کسی طرح کم نہیں۔" [۱۵]

اردو زبان اس اعتبار سے دنیا کی خوش نصیب ترین زبان ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں کے مقابلہ میں اس کے حصہ میں قرآن حکیم، احادیثِ مبارکہ اور علومِ اسلامیہ کے دیرینہ اور جدید خزانے سب سے زیادہ تیزی سے منتقل ہوئے اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

ڈاکٹر عبد الحق صاحب اپنے مقالہ "مذہبی تصانیفات کے اردو تراجم" میں رقم طراز ہیں:

"ہر دور میں تراجم قرآنی پر سنجیدگی سے کام ہوتا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اردو میں (گذشتہ دو سو سال میں) قرآن (کریم) کے سینکڑوں تراجم دیکھنے میں آتے ہیں۔ ماہرِ علومِ قرآنی ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق چودھویں صدی کے ربع چہارم تک قرآن (حکیم) دنیا کی سو سے زائد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ بعض (بلکہ اکثر) زبانوں میں ایک سے زیادہ تراجم موجود ہیں۔ دنیا کی ساری زبانوں کے مقابلے میں اردو تراجمِ قرآن (کریم) کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ان کی دریافت کے مطابق تقریباً نوے تراجم ملتے ہیں۔ اس کے بعد فارسی کے تراجم ہیں جن کی مجموعی تعداد باون ہے۔ راقم السطور کے خیال میں یہ تعداد بھی ناکافی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ تراجم جزائی اور مکمل دیکھنے میں آتے ہیں۔" [۱۶]

(پروفیسر) ڈاکٹر محمد مسعود (احمد علیہ الرحمۃ) نے اپنے مقالہ "اردو تراجم و تفاسیر قرآنی" میں مترجم و مفسرین کی تعداد ایک سو چھپن بتائی ہے۔ [۱۷]

قرآن حکیم ایک عظیم لافانی کتاب ہے۔ اسلامی پیغامات اور تبلیغ کا ایک مکمل نصاب ہے۔ یہ دینِ فطرت کی ایک محکم دستاویز ہے۔ عالمِ انسانیت کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس لیے ہر دور کے علماءِ اسلام نے یہ ضروری سمجھا کہ دنیا کے جس خطے میں بھی اسلام کی روشنی پھیل رہی ہے وہاں کی مقامی، علاقائی زبان میں مضامینِ

قرآن کریم منتقل کیے جائیں تا کہ صحیح معنوں میں گہرے دیرپا اثرات مرتب ہوسکیں۔ اس لیے ترجمۂ قرآن حکیم کے اصل محرکات پیغامِ اسلام کی تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت کے ساتھ ہی خدمتِ قرآنِ کریم کا جذبہ بھی ٹھہرا۔ لیکن بعد میں مرورِ زمانہ کے ساتھ اس کے کچھ ذیلی محرکات بھی شریک کار ہوگئے۔ مثلاً لسانی ارتقا اور عصری تقاضوں کے تحت اس عہد کے مزاج اور اسالیبِ زبان کے مطابق قرآن کریم کے نئے ترجمہ کی ضرور پیش آتی رہی۔ پھر بدلتے ہوئے زمانے کے عقائد و نظریات کی آمیزش کے ساتھ باطل نظریات اور اسلاف کرام کے پیش کردہ تشریحات کی مخالفت میں انحرافی عقائد و مسائل بھی قرآنی تراجم میں داخل ہونے لگے۔ لہٰذا اسلام کے بنیادی اور تواتر سے ثابت شدہ عقائد و افکار کے استحکام اور دشمنانِ اسلام و اہلِ باطل کے مسموم اثرات سے حفاظت کے لیے نئے نئے قرآنی تراجم معرضِ وجود میں آئے۔ مثلاً تیرہویں صدی ہجری میں باطل فرقوں مثلاً قادیانی، نیچری، رافضی اور وہابی نظریات کی تبلیغ کے لیے قرآن کریم کے تراجم شایع کیے گئے۔ پھر ان کے خطرناک اثرات، غلط تشریحات، باطل تاویلات اور مہلک اثرات سے امتِ مسلمہ کو بچانے کے لیے علماءِ حق نے بھی سعیِ تبلیغ فرمائی۔ اس سلسلے میں مسلکِ حقہ، مذہبِ مہذب اہلِ سنت و جماعت کے امام، عبقریٔ وقت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری برکاتی محدثِ بریلوی قدس اللہ سرہ العزیز کا اردو ترجمۂ قرآن حکیم ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ آپ کے سوانح نگار اس ترجمہ کی تقریبِ تحریر کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے قرآنِ مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت سے ترجمہ کردینے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ فرمالیا لیکن دوسرے مشاغلِ دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی۔ جب صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا چونکہ ترجمہ کے لیے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے، اس لیے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ صدر الشریعہ ایک دن کاغذ، قلم اور دوات لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور یہ دینی کام شروع ہوگیا۔

ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیاتِ کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے۔ پھر جب حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتبِ تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ، تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے۔'' [۱۸]

ماہرِ رضویات، مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمۃ (۱۹۳۰ء۔۲۰۰۸ء) کنزالایمان کی اسی خصوصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اردو کے مترجمینِ قرآن میں امام احمد رضا محدثِ بریلوی اپنے تبحرِ علمی کی وجہ سے بے نظیر و بے مثال معلوم ہوتے ہیں، جس نے ان کا مطالعہ کیا ہے اور مختلف علوم و فنون اور مختلف زبانوں میں ان کی مطبوعات و مخطوطات اور شرح و حواشی دیکھے ہیں وہ اس امر کی تصدیق کرسکتا ہے۔۔۔۔

وہ ایک باخبر، ہوش مند اور باادب مترجم تھے۔ ترجمہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نے آنکھیں بند کرکے ترجمہ نہیں کیا بلکہ وہ جب کسی آیت کا ترجمہ کرتے تھے تو پورا قرآن، مضامینِ قرآن اور متعلقاتِ قرآن ان کے سامنے ہوتے تھے۔۔۔ امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن میں برسوں کی فکری کاوشیں پنہاں ہیں۔ یہ مولیٰ کا کرم ہے کہ وہ اپنے بندے کو ایسی نظر عطا فرمادے جس میں علم و دانش کی وسعتیں سمٹ کر ایک نقطہ پر آجائیں۔ فی البدیہہ ترجمۂ قرآن میں ایسی جامعیت کا پیدا ہوجانا عجائباتِ عالم میں سے ایک عجوبہ ہے، اس سے

مترجم کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔"[۱۹]

قارئین کرام! گذشتہ صفحات میں ترجمہ کی تعریف، اس کے مبادیات، شرائط، اصول اور مشکلات کے حوالے سے جو ابحاث گذریں، اگر ہم ان کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن کریم "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" کا جائزہ لیں تو اہلِ علم وفن اس بات کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں جیسا کہ آپ زیرِ نظر معارفِ رضا کے شمارہ میں شایع شدہ مقالات میں اس کا مشاہدہ فرمائیں گے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی قدس سرہٗ ترجمہ کی اس مشکل اور کٹھن گھاٹی سے نہایت کامیابی کے ساتھ گذرے ہیں:

۱۔ دونوں زبانوں یعنی عربی و اردو کے ادب، محاورات اور بول چال، گرامر پر آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔

۲۔ بحیثیت مترجم قرآن ترجمہ کے مقاصد یعنی تبلیغ احکامِ قرآن اور عقیدۂ توحید ورسالت کا تحفظ سے وہ بخوبی واقف تھے۔

۳۔ عربی، اردو اور قرآنی زبان کی فصاحت و بلاغت سے انہیں دلی و جذباتی لگاؤ اور خاص شغف تھا۔ وہ عربی، اردو و فارسی ادب کے "افقہ عالم" تھے اور تینوں زبانوں میں مزاج کی ہم آہنگی بھی حاصل تھی جن پر ان کی ایک ہزار سے زیادہ تصانیف جو تینوں زبانوں میں لکھی گئی ہیں، شاہدِ عدل ہیں۔

۴۔ قرآنِ کریم کے موضوعات اور اس کے متعلقات یعنی "صرف و نحو"، اصولِ فقہ و حدیث، فنِ فصاحت و بلاغت اور وہ تمام ۲۵ کے قریب علوم وفنون پر جن پر دسترس ہونا۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ (متوفی ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) نے تفسیرِ قرآن کے لیے لازمی قرار دیا ہے، مکمل عبور رکھتے تھے۔[۲۰]

۵۔ انہیں دونوں زبانوں (عربی واردو) کے ساتھ ادبی مساوات اور ہم پایگی بدرجہ اتم حاصل تھی۔

۶۔ کنزالایمان میں قرآنی عربی متن کی شگفتگی، شستگی اور ادیبانہ رنگ اردو قالب میں بھی جھلکتا نظر آتا ہے۔

۷۔ کنزالایمان میں قرآنی آیات کے اصل لب ولہجہ کی کھنک واضح طور پر محسوس ہوتی ہے۔

۸۔ امام احمد رضا محدثِ بریلوی تینوں دبستان، دہلی، لکھنو اور روہیل کھنڈ کی ٹکسالی زبان کے ترجمان تھے۔ اس لیے ان کی انشائی استعداد دوسرے مترجمین کے مقابل زیادہ قوی دکھائی پڑتی ہے۔ ان تینوں دبستانوں کے لب ولہجہ، زبان ومحاورات کا خالص علمی، فنی، ادبی وتخلیقی صلاحیت کے ساتھ ایک متوازن آمیزہ بروئے کار لانے کا عمل "کنز الایمان" میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

۹۔ گذشتہ صفحات میں ماہر لسانیات مرزا حامد بیگ صاحب کی بیان کردہ مترجم کی دو اہم صفات "مصنف کا دل سے احترام" اور "بطور مترجم" نہایت دیانتداری کے ساتھ ترجمہ کے اندر "اصل زبان و بیان کی حرمت کی مسلسل پاسبانی" کے معیار پر کنزالایمان کا پورا اترنا اظہر من الشمس ہے۔ امام احمد رضا کا قرآن حکیم اور صاحب قرآن حکیم ﷺ اور ان کے رب تعالیٰ سے محبت اور قلبی لگاؤ مثالی ہے اور ترجمہ کرتے وقت عظمت الوہیت اور تحفظ ناموسِ رسالت کا خاص اہتمام ان کے ترجمۂ قرآن کے ایک ایک لفظ سے جھلکتا نظر آتا ہے جو ان کے مخالفین و معاندین کو بھی مسلم ہے۔

انہی مذکورہ بالا خوبیوں کی بناء پر مسعودِ ملت، ماہرِ رضویات حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی علیہ الرحمۃ جو دانا و بینا محقق ہونے کے ساتھ شریعت وطریقت دونوں علوم سے بہرہ ور تھے، اپنے غایت مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کا برجستہ، فی البدیہہ اور املا شدہ ترجمۂ قرآن کریم کنزالایمان "عجائباتِ عالم میں سے ایک عجوبۂ روزگار ہے۔ لہٰذا ایسے ترجمہ اور اس کی عظمت والے مترجم کی قدر کرنی چاہیے۔" ایک اور مقام پر محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی انہی خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب

مرحوم و مغفور نے اہلِ انصاف اور صاحبِ علم و دانش کی توجہ ان کی نگارشات کے مطالعہ کی طرف دلائی ہے:

''کسی بھی اہم شخصیت کو نظر انداز کر دینا تاریخی دیانت کے منافی ہے، اور پھر ایسی شخصیت جس کی نظر دوسری شخصیتوں پر قاہرانہ ہے۔ بڑی سے بڑی شخصیت جس کو مرعوب نہیں کر سکتی۔ وہ اپنے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس کے آگے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا، ضروری ہے کہ ایسی شخصیت کو پرکھیں، اس کے دل کی گہرائیوں میں اتریں، اس کے خلوص و محبت کا اندازہ لگائیں، جو کچھ کہے اس کو بغور سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔''[۲۱]

اب راقم قارئین کرام کی توجہ اس مضمون کے شروع میں ذکر شدہ سورۃ الانعام ۶ کی انیسویں آیت وَاُوحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ کے تفسیری حاشیہ کی طرف دوبارہ مبذول کرانا چاہتا ہے جس میں صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے قرآنِ کریم کے مضامین و احکامات کے مبلغین و مترجمین کے لیے معلم کائنات صاحبِ آیاتِ بینات ﷺ سے منقول یہ دعا نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''اللہ تروتازہ کرے اس کو جس نے ہمارا کلام سنا اور جیسا سنا ویسا پہنچایا اور بہت سے پہنچائے ہوئے سننے والوں سے زیادہ اہل ہوتے ہیں اور ایک روایت میں ہے، افقہ ہوتے ہیں۔''

دورِ آخر میں امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہٗ کی ذات سید عالم ﷺ کی اسی دعا کا مظہر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جیّد علماءِ حرمین شریفین نے جب آپ کی تفسیری تالیف ''الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ'' جو علوم ما کان و ما یکون کے من جانب اللہ معلم الکل، سید الرسل سیدنا و مولانا محمد المصطفیٰ ﷺ کے اثبات پر ۷۰ آیاتِ کریمہ اور ۳۷۱ احادیثِ مبارکہ کی تفسیر و شرح پر مشتمل ہے، ملاحظہ و مطالعہ کی تو بے اختیار پکار اٹھے: (عربی سے ترجمہ)

(۱) پاک ہے وہ ذات جس نے اس کے مؤلف (امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ) کو فضائل و کمالات سے مشرف و مختص فرمایا اور اس زمانے کے لیے چھپا رکھا (اور بالآخر وقت آنے پر ظاہر فرمادیا)۔

[علامہ شیخ عبداللہ بن محمد صدقہ بن زینی دحلان، مسجدِ حرام، مکہ معظمہ]

(۲) بیشک مؤلف (امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ) اس زمانے میں علماء و محققین کے بادشاہ ہیں اور ان کی ساری باتیں سچی ہیں۔ گویا وہ ہمارے نبی ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے جو اس یگانہ امام کے دستِ مبارک پر حق تعالیٰ نے ظاہر فرمایا ہے۔ یعنی ہمارے سردار، ہمارے آقا، علمائے محققین کے خاتم، علمائے اہلِ سنت کے پیشوا، سیدی احمد رضا خاں، اللہ تعالیٰ ہم کو ان کی زندگی سے متمتع فرمائے اور ان سب کے خلاف ان کی حمایت فرمائے جو ان کی بدخواہی کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

(علامہ شیخ محمد مختار بن عطارد الجاوی، مسجدِ حرام، مکہ معظمہ) [۲۲]

خود صاحبِ خزائن العرفان (حاشیہ کنزالایمان)، صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کنزالایمان کی خصوصیت اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کے قرآنی الفاظ کے مقابل اردو الفاظ و محاورات کے انتخاب کی خداداد صلاحیت اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''دورانِ شرح ایسا کئی بار ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے استعمال کردہ لفظ کے مقام استنباط کی تلاش میں دن پر دن گزرتے گزرتے اور رات پر رات کٹتی رہی اور بالآخر مآخذ ملا تو ترجمہ کا لفظ ہی اٹل نکلا۔ اعلیٰ حضرت خود حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے فارسی ترجمہ کو سراہا کرتے تھے لیکن اگر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اردو زبان کے اس ترجمہ کو پاتے تو فرما ہی دیتے ''ترجمۂ قرآن شئ دیگر است و علم القرآن شئ دیگر است۔''[۲۳]

قارئین کرام! یہ بات بہت اہم اور غور طلب ہے کہ صدر الشریعہ علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ جیسے شیخ الحدیث والتفسیر اور اپنے وقت کے برصغیر جنوبی ایشیا کے اکابر علماء میں سرفہرست، عالم و

ادیب "کنز الایمان" کا املا بزبان اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ قلمبند کرنے والے اور صدر الافاضل امام التفسیر اور علوم اسلامیہ کے مسلّم ماہر وہ یہ فرمائیں کہ ہمیں تلاش بسیار اور تحقیقِ انیق کے باوجود کنز الایمان میں کوئی لفظ معتبر تفاسیر کے خلاف نہ مل سکا اور یہ کہ قرآنی لفظ و محاورہ کے مقابل آپ کا اردو زبان کا منتخب شدہ لفظ و محاورہ ہی بالآخر اٹل ٹھہرا۔ یہ وہ حضراتِ گرامی ہیں کہ جنہوں نے کنز الایمان از اول تا آخر بنظر غائر مطالعہ کیا، انہیں اس میں بلاغت و معانی، لغات وصرف و نحو، فصاحت و بلاغت اور قرآن و احادیث کے خلاف کوئی ایک آدھ بات ڈھونڈے سے بھی نہ مل سکی تو اب آج کل کے علمی اعتبار سے زوال پذیر دور کے کسی بھی عالم خواہ ان کو کسی بھی خطاب سے ان کے حواری نوازیں، جو عربی لسانیات کی اردو ترجمہ شدہ کتب پڑھ کر اردو کتبِ تفاسیر اور تراجمِ قرآنی کو سامنے رکھ کر بلکہ سرقہ کر کے مترجمِ قرآن اور مفسرِ قرآن بننے کا اعزاز حاصل کر رہے ہیں، انہیں یہ حق کہاں سے حاصل ہوسکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی عربی دانی یا علوم تفسیر و حدیث پر ان کی بے مثال دسترس یا کسی اور فنی اور علمی پہلو پر انگشت نمائی کریں؟ علامۂ جلیل مفتی سید شاہ حسین گردیزی صاحب مدظلہ نے سچ فرمایا ہے کہ ایسے حضرات اپنا رہا سہا علمی بھرم کھوتے ہیں اور بازارِ علم میں اپنی اہمیت کم کرتے ہیں۔[۲۴]

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ نے بھی کنز الایمان کے معاندین کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے راقم کے موقف کی تائید فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"حال ہی میں بعض حضرات نے (جن میں مخالفین کے علاوہ اپنے بھی شامل ہیں) ترجمے (کنز الایمان) کے خلاف ایک شورش برپا کی ہے۔ راقم کے نزدیک اس کی اہمیت علمی نہیں بلکہ سراسر طبقاتی اور نظریاتی ہے۔ یہ ترجمہ ۷۲ برس پہلے ہوا۔[۲۵] ظاہر ہے اس طویل عرصہ میں دونوں طرف بیسیوں ایسے علماء گزرے جس کا پاسنگ بھی آج نہیں ملتا۔ جب ان کو ترجمہ میں غلطیاں نظر نہ آئیں تو ہماری خردہ گری کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ گذشتہ تیرہ برس میں امام احمد رضا کا شہرہ پاک و ہند سے گذر کر دیارِ مشرق و مغرب میں پھیل چکا ہے۔ ظاہر ہے یہ بات ان حضرات کو پسند نہیں جو امام احمد رضا کو بقولِ خود دفن کر چکے تھے (یا جو سستی شہرت کی خاطر اپنی چربہ اردو تصانیف کی گراں فروشی کے لیے امام احمد رضا کے مایہ ناز علمی شہ پاروں کو سدِّ راہ سمجھتے ہیں)۔ اب امام احمد رضا کے آفتابِ فکر کے سامنے ان کا چراغِ فکر ٹمٹمانے لگا۔ یہ بات کس کو گوارا ہوسکتی ہے کہ کسی کی گرم بازاری کے باعث اس کا بازار سرد ہو جائے۔" [۲۶]

خطِ کشیدہ جملے کو بغور پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔ تقریباً اسی سے ملتا جلتا جملہ جب علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی صاحب مدظلہ العالی نے شہر کراچی کے ایک عالم و محقق کی اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سورہ فتح کی آیت نمبر ۲ کی تغلیط پر تحریر فرمائے تھے تو ان کے گل ہوئے چراغ یکا یک آخری سانس لیتے ہوئے بھڑک اٹھے تھے اور یہ اسی وقت ٹھنڈے ہوئے جب موصوف اور ان کے حواریوں نے اس جملۂ معترضہ کے ناشر، موئید اور ترجمۂ کنز الایمان کو درست سمجھنے والوں کو اپنے انتقامی فتویٔ تکفیر کی آگ میں بزعمِ خویش جلا کر خاکستر نہ کر دیا۔

آج کل کے بعض ناپختہ مزاج اور تحقیق کے نام پر اسلاف کرام بالخصوص آج کے دور میں ان کی نشانی اعلیٰ حضرت کی شان میں گستاخی روا قرار دینے اور ان کی تحقیق پر کھلی تنقید اور رد و قدح کو جائز رکھنے والے علماء کی ذہنیت پر تشویش کا اظہار فرماتے ہوئے ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب رحمہ اللہ ایک اور مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

"بعض علمائے اہلِ سنت اس خیال کے حامی نظر آتے ہیں کہ امام احمد رضا کے افکار و خیالات کو ہدفِ تنقید بنانے میں حرج نہیں۔ فقیر سے

ایک عالم نے فرمایا کہ امام احمد رضا کے فکر و خیال کو حرفِ آخر سمجھنا تشویشناک ہے۔ ایک طبقہ اس خیال کو عام کر رہا ہے۔[۲۷] یہ انتشار کی ایک نئی تدبیر ہے۔ غالباً اس کے بانی ڈاکٹر طاہر القادری ہیں۔ علم و فضل میں جو امام احمد رضا سے بڑا یا کم از کم برابر ہو، یہ حق اس کو پہنچتا ہے کہ وہ اختلاف کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انتشارِ فکر سے بچائے۔ (آمین)۔''[۲۸]

غور فرمائیں، اس انتشارِ فکر سے نقصان کس کو پہنچ رہا ہے؟ آپ یقیناً کہیں گے اہلِ سنت و جماعت کو۔ مسعودِ ملت کے مذکورہ جملوں میں آپ نے ان کے کرب و درد کو محسوس کیا ہوگا۔ معنی یہ ہیں کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کی ذات ان کے دور میں بھی اہلِ سنت کی فکری مرکزیت کا نشان تھی اور آج بھی ہے لیکن برا ہو ذاتی مفادات کا کہ بعض حضرات سستی شہرت اور دنیوی مفاد کے لیے اہلِ سنت کو انتشار و افتراق کی بھینٹ چڑھانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت کی دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

قارئین کرام! اب آپ برصغیر کے دیگر جید علماءِ علومِ اسلامی اور ماہرینِ ادب و لسانیات کی کنز الایمان کی انفرادیت اور خصوصیات سے متعلق آراء ملاحظہ فرمائیں۔

برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے معروف عالم، مصنف اور صاحبِ طرز ادیب حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری (متوفی ۲۰۰۷ء) علیہ الرحمۃ سابق شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، کنز الایمان کے گہرے مطالعہ کے بعد جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں:

''اردو زبان میں قرآنِ پاک کے بہت سے ترجمے لکھے گئے ہیں اور بازار میں دستیاب بھی ہین لیکن ترجمہ کرنے کے لیے عربی لغت اور گرامر سے واقف ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ بارگاہِ الوہیت اور دربارِ رسالت کا ادب و احترام، عصمتِ انبیاء کا لحاظ، ناسخ و منسوخ، شانِ نزول سے واقفیت، بظاہر اختلاف رکھنے والی آیات کے درمیان تطبیق، عقائدِ اہلِ سنت، تفسیرِ صحابہ و تابعین اور تفسیر سلف صالحین پر گہری نظر اور عبور ہونا بھی ضروری ہے۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے تقریباً پچاس علوم و فنون میں بے مثال مہارت، وسیع مطالعہ اور حیرت انگیز حافظہ عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ کرکے عامۃ المسلمین پر بڑا احسان فرمایا، بلاشبہ ان کا ترجمہ تمام خوبیوں کا حامل اور قرآن پاک کا بہترین ترجمان ہے۔'' [۲۹]

محدثِ اعظم ہند حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے ترجمۂ قرآن کو روحِ قرآن قرار دیتے ہوئے اس کی خوبیوں کا مختصر مگر جامع ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اعلیٰ حضرت کے علمِ قرآن کا اندازہ اس اردو ترجمہ سے کیجئے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں ہے اور نہ اردو میں اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس کی جگہ لایا نہیں جاسکتا۔ جو بظاہر ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن مجید کی صحیح تفسیر ہے اور اردو زبان میں روحِ قرآن ہے۔''[۳۰]

شیخ الاسلام علامہ محمد مدنی میاں ابن محدث کچھوچھوی مدظلہ العالی کنز الایمان کو اردو زبان کے تمام تراجم میں لاجواب قرار دیتے ہوئے اس کی گیارہ خصوصیات بیان فرماتے ہیں:

''کلامِ الٰہی کا ترجمہ کرنا اور ہے اور عربی کلمات کو اردو کا روپ دے دینا اور ہے۔ المختصر صرف تبدیلی زبان اور ہے اور ترجمہ قرآن اور۔۔۔ کیا آپ اس ترجمہ کو آنکھوں سے نہ لگائیں جس میں صرف زبان کو تبدیل نہیں کیا گیا بلکہ صحیح معنوں میں قرآن کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

اگر فاضلِ بریلوی کے ترجمۂ قرآن کو اردو کے دیگر شائع شدہ ترجموں کے سامنے رکھ کر انصاف و دیانت اور فکر و نظر کی گہرائی کے

ساتھ ان سب کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو انصاف پسند کے لیے اس اعتراف کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ دورِ حاضر میں اردو کے شائع شدہ ترجموں میں صرف ایک ترجمہ کنز الایمان ہے جو

☆ قرآن کریم کا صحیح ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ تفاسیرِ معتبرہ قدیمہ کے مطابق ہے۔

☆ اہلِ تفویض کے مسلکِ اسلم کا عکاس ہے۔

☆ اصحابِ تاویل کے مذہبِ سالم کا مؤید ہے۔

☆ عوامی لغات اور بازاری بولی سے یکسر پاک ہے۔

☆ قرآن پاک کے اصل منشاء و مراد کو بتاتا ہے۔

☆ آیاتِ ربانی کے اندازِ خطاب کی پہچان کراتا ہے۔

☆ قرآن کے مخصوص محاوروں کی نشان دہی کرتا ہے۔

☆ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و حرمت کا محافظ ونگہبان ہے۔

☆ عامۃ مسلمین کے لیے حقائق و معرفت کا اُمنڈتا سمندر ہے۔

☆ قادرِ مطلق کی ردائے عزت و جلال میں نقص و عیب کا دھبا لگانے والوں کے لیے شمشیرِ بُرّاں ہے۔

☆ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ قرآنِ حکیم قادرِ مطلق جل جلالہٗ کا مقدس کلام ہے اور کنز الایمان اس کا مہذب ترجمان ہے۔'' [۳۱]

حضرت خواجہ حافظ سلطان محمود صاحب، سجادہ نشین آستانہ عالیہ دریائے رحمت شریف (حضرو) اٹک، فرماتے ہیں کہ وہ طالب علمی کے زمانے میں علماء دیوبند سے متاثر تھے اور انہیں محقق سمجھتے تھے۔ اگرچہ بریلوی حضرات کو مشرک نہیں مانتے تھے لیکن جب انہوں نے ان (دیوبندی علماء) کی کتب کا مطالعہ کیا تو ان پر انکشاف ہوا کہ یہ گستاخِ رسول ہیں اور علمائے بریلی اور علمائے دیوبند میں یہی عبارات اصل وجہ نزاع ہیں۔ اس پر انہوں نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کی تصانیف اور ترجمہ قرآن کنز الایمان کا مطالعہ شروع کیا تو انہیں علومِ اسلامیہ عقلیہ نقلیہ میں ان کے تبحر کا ادراک اور ان کے راہِ حق پر ہونے کا یقین ہوگیا۔ کنز الایمان کی عظمت کے حوالے سے ان کی تحریر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''اگر زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر عربی تفاسیر دیکھو اور میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اوّل اردو تراجم نہیں پڑھنے چاہئے کیونکہ پیشوا لوگ فرماتے ہیں کہ جب تک ۲۲ علوم کا ماہر نہ ہوجائے تب تک قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کا شوق نہ رکھے۔ روزمرہ جو مسائل انسان کو پیش آتے ہیں وہ سیکھے اگر ترجمہ پڑھنے کا شوق ہے تو پھر اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کا ترجمہ پڑھیں۔ کیونکہ میں نے ایسا ترجمہ تفسیری مسئلہ میں، مفسرین متقدمین کو بھی نہیں پایا۔ اعلیٰ حضرت صرف وہی تفسیر پیش کرتے ہیں جس میں پڑھنے والے کا ایمان برقرار رہے۔ پھر من گھڑت معنی نہیں کرتے۔ آپ اگر اس عاجز کی تحقیق کو بنظر انصاف دیکھیں گے تو آپ ضرور یہ فیصلہ کریں گے کہ اس معاملہ میں اعلیٰ حضرت کا کتنا اونچا مقام ہے۔

سورة یوسف

☆ '' وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ ''
(آیت نمبر : ۲۴)

ترجمہ: ''اور البتہ عورت نے فکر کیا اسکا اور اس نے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی'' (محمود الحسن)

اس معنی کے لحاظ سے یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے ارادہ کرلیا تھا اور یہی معنی اکثر مفسرین نے کیا۔ پھر اکثر نے (هَمَّ بِهَا) میں قِسم قِسم کی تاویلیں کی ہیں۔ اور تفسیر قادری والے نے معنی کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ بھاگنے کا کیا مگر یہ معنی بھی (لَوْ لَآ اَنْ رَّا) کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا۔ فقط ایک اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے ایسا معنی کیا جس سے یوسف علیہ السلام کی برأت ثابت ہوتی ہے اور یہ معنی انہوں نے قانون نحوی کے

موافق کیا ہے۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ جس معنی میں اکثر مفسرین نے لغزش کھائی ہے اس سے اعلیٰ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے کیسے بچایا ہے۔ اور اس عاجز پر بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور مرشد کی نظر کرم ہے جس کی وجہ سے یہ معنی ذہن میں آیا۔" [۳۲]

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا پیر محمد چشتی، مہتمم دارالعلوم جامعہ معینیہ غوثیہ، پشاور نے اپنے تحقیقی مقالے "مدارج العرفان فی مناھج کنز الایمان" میں نہایت بلیغ اور علمی انداز میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کے ترجمۂ قرآن کریم کنز الایمان کو زبان و بیان، انشاء پردازی، علوم اصول تفسیر، حدیث، صرف و نحو، علم اشتقاق، علمِ فصاحت و بلاغت، علم متنِ لغت کے حوالے سے ہر اعتبار سے دیگر معاصر تراجم پر فوقیت ثابت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"امام احمد رضا خان نے جس مسئلہ پر بھی کچھ لکھا ہے اور شریعت مقدسہ کے جس حکم کا بھی اظہار کیا ہے کمال کیا ہے، اسلام کا حق ادا کیا ہے اور سابقین کیلئے قابل فخر، لاحقین کیلئے قابل تقلید فریضۂ اسلام انجام دیا ہے۔ جسے دیکھنے والا کوئی بھی منصف مزاج انسان آفرین کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ملت اسلامیہ کی اس محسن شخصیت کی تصنیفات کے طویل سلسلہ میں 32 جلدوں میں "فتاویٰ رضویہ" اور ترجمۃ القرآن بنام "کنز الایمان" اپنی مثال آپ ہیں۔۔۔

جہاں تک کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کا تعلق ہے تو میرے تجربہ و تجزیہ کے مطابق یہ قرآن شریف کا ایسا ترجمہ ہے کہ جس کو اس سے پہلے وجود میں آنے والے تمام تراجم سے فائق، اعلیٰ اور معارف کا گنجینہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔۔۔

قرآن شریف کا کسی بھی عجمی زبان میں ترجمہ کرنے والے حضرات کی جملہ کاوشوں کا محور اسی سعادت و نیک بختی کو پانا ہوتا ہے جس کا حصول ہر مترجم کی علمی استعداد اور جامعیت شرائط پر موقوف ہوتی ہیں جس میں رہ جانے والی کمزوریوں کی وجہ سے نفس ترجمہ میں واقع ہونے والی چھوٹی موٹی بے اعتدالیوں کا سرزد ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے لیکن مترجم کی ایسی بے اعتدالیاں کبھی قابل معافی نہیں ہوتیں جس سے قرآن شریف کا مشکوک ہونا لازم آتا ہو یا اسلام کے کسی مسلمہ عقیدہ کا متزلزل ہونا لازم آتا ہو یا عظمت شان الٰہی کے منافی ہو یا عظمت شان نبوت پر حرف آتا ہو یا کمالات اُلوہیت یا کمالات نبوت کی کسی ضد یا نقیض پر منتج ہوتا ہو۔

کنز الایمان کا کمال یہ ہے کہ اِس قسم کی نا قابل معافی بے اعتدالیوں سے پاک ہوتے ہوئے مدارج عرفان کے اُن کمالات پر بھی فائز ہے جن پر مشتمل ہونا نور بصیرت کے بغیر ممکن نہیں ہے میرے تجربہ کے مطابق کنز الایمان کے قاریوں کا طبقہ خواص بھی محض اِس وجہ سے اِس کو پسند کرتا ہے اور دوسرے تراجم پر اِس کو ترجیح دیتا ہے کہ یہ اُن نا قابل معافی بے اعتدالیوں سے پاک ہے اور اِس میں عظمتِ قرآن، عظمتِ شانِ اُلوہیت اور کمالاتِ نبوت کا پاس رکھا گیا ہے۔ اِس کے علاوہ کنز الایمان کے وہ معارف و کمالات جو قرآن فہمی کیلئے مختلف آلی علوم و فنون کے حوالہ سے امتیازی شان رکھتے ہیں تبحر فی العلوم والفنون کے بغیر کسی قاری کو اُن تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ اُن کا بھی انکشاف کیا جائے، اُن سے دنیا کو متعارف کرایا جائے اور اُن کی روشنی سے اہل علم کے قلوب کو منور کیا جائے۔"

علامہ پیر چشتی صاحب کنز الایمان کے معیار کو اعلیٰ قرار دیتے ہوئے اس کو پرکھنے کے لیے دس مناھج کا ذکر فرماتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن فہمی کے لئے آلی علوم یعنی وہ علوم جو قرآن شریف کا ترجمہ و مفہوم سمجھنے کے لئے بمنزلہ آلہ ہیں جیسے علم صرف، نحو، علم اشتقاق، علم بلاغت اور علم متن لغت اور دونوں زبانوں کے محاورات و مواقع استعمال کو جاننے کے ساتھ قرآن شریف کے ترجمہ کو اُن کے مطابق کرنا

ضروری ہوتا ہے جس کے بغیر ترجمہ کا درست ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس حوالہ سے کنز الایمان کا منہج بے غبار و معیاری قرار پا کر ان تمام فنون کے ارباب اقتدار و ماہرین سے دادِ تحسین پا رہا ہے۔ اور فارسی و اُردو زبانوں میں اب تک قدیم و جدید وجود میں آنے والے تراجم قرآن کے زمرہ میں جس کا منہج سو فیصد معیاری قرار دینے کے قابل ہے وہ صرف اور صرف کنز الایمان ہی ہے۔

(۲) قرآن شریف اپنی آفاقیت و جامعیت کی بناء پر حقائق الاشیاء کے مابین واقعی ترتیب اور حفظ مراتب کی تبلیغ پر بھی مشتمل ہے جس کے مطابق ترجمہ کی درستی کیلئے ہر قابل تقدیم کو مقدم اور ہر قابل تاخیر کو بعد میں ذکر کرنا سچائی کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ کنز الایمان کا منہج اس اعتبار سے بھی بے مثال ہے۔ گویا اپنے اس منہج میں "وضع کل شئی فی مرتبہ" کا مظہر اتم ہے۔ کمال بالائے کمال یہ کہ اول سے آخر تک اس منہج کے تقاضوں کو نبھایا گیا ہے۔

(۳) امام احمد رضا نے اپنی قدامت پسند رجحانِ طبع کی بنیاد پر جن آیات و الفاظ کے ظاہری معنی اپنی یک جہتی میں واضح تھے۔ اُن کا ترجمہ سلف صالحین کی تعبیر کے عین مطابق بیان کیا ہے۔

(۴) جن میں ایک سے زیادہ معانی و مفہوم کا احتمال تھا یا مختلف الجہات تفسیروں کے حامل تھے۔ اُن کا ترجمہ ایسے جامع الفاظ میں کیا ہے جو سب پر منطبق ہو سکتے ہیں۔

(۵) جن آیات کے تراجم میں اُن سے قبل کے فارسی یا اُردو میں ترجمۃ القرآن کرنے والے حضرات سے کچھ فنی کوتاہیاں ہوئی تھیں یا اُن کے ہم عصر علماء کرام کے ماحول میں لسان القرآن پر منطبق نہ ہونے والے جو تراجم مشہور ہو رہے تھے۔ اُن کے ترجموں میں ایسا انداز بیان اختیار کیا ہے جو لسانِ قرآن اور اُس کی فصاحت و بلاغت کے مطابق ہونے کے ساتھ سب کیلئے قابل قبول ہے۔

(۶) قرآن شریف کے بعض الفاظ کے لُغوی معانی و مفہوم کو اپنے ترجموں میں ظاہر کرنے سے صرف نظر کرتے ہوئے اُن سے پہلے عجمی مفسرین و مترجمین حضرات نے بغیر ترجمہ کے ہی اُنہیں چھوڑ دیا تھا۔ امام احمد رضا نے اہل علم کی سہولت کی خاطر اُن کا اظہار بھی اُردو زبان کے ایسے الفاظ میں کیا ہے جو لُغت قرآنی کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت مقدسہ کے مسلمہ اُصولوں کے بھی عین مطابق ہیں۔

(۷) جن الفاظ کے عجمی ترجموں میں تقدس شانِ الٰہی یا عصمتِ شانِ نبوت کے منافی معانی کا واہمہ ہو سکتا تھا۔ قرآن فہمی میں عجمیت کے حجاب کو توڑتے ہوئے اُن کی ایسی تعبیریں کی ہیں جو ایک طرف لغتِ قرآن کے عین مطابق ہے تو دوسری طرف منشاء الٰہی کی تفسیر ہیں۔ ایک طرف تقدس شانِ الٰہی کا تحفظ ہیں، تو دوسری طرف عصمتِ شانِ نبوت کا پاس ہے۔ ایک طرف عجمیوں کو لغت قرآنی کے وسیع معنوں میں مناسب حال مفہومات کو تلاش کرنے کی تلقین ہے، تو دوسری طرف ادب کی تعلیم ہے۔

(۸) فصاحت و بلاغت کے حوالہ سے قرآنی لغت اور اُس کے الفاظ کی مخصوص ترکیب و ہیئت کذائیہ میں جن عمیق معانی و مفہومات اور اشارات و کنایات کا لحاظ ہوتا ہے عجمی زبانوں میں اُن کی پوری طرح ادائیگی ناممکن ہونے کے باوجود عربی زبان کی گرائمر اور فصاحت و بلاغت کے بیان کیلئے مقررہ فنون میں جس حد تک اُن کے فوائد بیان کئے جاچکے ہوتے ہیں اُن کے مطابق الفاظ کو ترجمہ میں استعمال کرنے کا فریضہ قرآن شریف کے ترجمہ و تفسیر کرنے والوں کیلئے بڑا امتحان ہوتا ہے۔ کنز الایمان کا منہج اس اعتبار سے بھی سب سے بہتر اور سب سے زیادہ قواعد فصاحت و قواعد بلاغت کے قریب ہے۔

(۹) قرآن فہمی کے لئے جن علوم و فنون کی فہم موقوف علیہ کے درجہ میں ضروری ہوتی ہے اُن میں علم صرف و نحو اور فصاحت و بلاغت وغیرہ کی طرح ہی علم منطق و معقولات کا علم بھی متوسط ذہن والوں کے لئے ضروری ہے کیونکہ قرآن شریف کے اندر سینکڑوں مقامات ایسے ہیں

جن کی صحیح فہم کیلئے مذکورہ علوم وفنون کے بعد فہم معقولات ناگزیر ہے۔ بالخصوص پورے قرآن شریف میں پھیلے ہوئے سینکڑوں دلائل توحید پر مشتمل آیات کی صحیح تفسیر تک رسائی اس کے بغیر متوسط ذہن والوں کیلئے ممکن ہی نہیں ہے۔اس حوالہ سے بھی کنزالایمان کا منہج اپنی مثال آپ ہے۔

(۱۰) قرآن شریف کے اندر بعض الفاظ کبھی شرعی مفہوم میں اور کبھی لُغوی مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔ اُن کے مواقع استعمال کے مطابق ترجمہ وتفسیر ناگزیر ہوتی ہے ورنہ ایک کی جگہ دوسرے مفہوم میں ترجمہ کرنا مخل فہم ہونے کے ساتھ اشتباہ کا موجب ہوسکتا ہے۔ جس سے بچنے کے لئے ہر موقع کی مناسبت سے ترجمہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اِس اعتبار سے بھی ''کنزالایمان'' کا منہج اپنی مثال آپ ہے۔ [۳۳]

اخیر میں عرض ہے کہ جس ''الکتاب'' کے معارف و معانی اور اسرار ورموز کے بیان اور انکشاف کرنے اور اس کے ہر ہر نقطہ، حرف، لفظ اور جملے کی ماورائی حفاظت کی ذمہ داری خود اس کے نازل کرنے والے رب تعالیٰ نے لے لی اور پھر اسی ''الکتاب'' میں اسی کی پیشین گوئی ریکارڈ کر کے اہلِ ایمان کو سکون طمانیت اور اہلِ باطل کو کھلا چیلنج بھی دے دیا۔تو اس کے لیے یہ انتظام واہتمام الٰہی بالکل قرین قیاس ہے اور قطعاً لائق تعجب نہیں کہ اس کے اعجاز وصداقت کو ثابت کرنے کے لیے تاریخ کے ہر عہد میں غیبی اور تقدیری انتظامات کیے جاتے رہیں۔ عہد اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ، علوم وفنون اور فکرِ انسانی کی وسعتیں، بلندیاں اور ترقیاں، نئے نئے اکتشافات، ایجادات و معلومات کی افزائش، جو نئے سوالات پیدا کردیتے ہیں، اس کتابِ الٰہی قرآن حکیم اور صاحبِ قرآن کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والے ان دونوں سے عشق کرنے والے اور قرآن وسنت کے لیے اپنی حیاتِ مستعار کو کلیۃً وقف کردینے والے علماءِ اسلام ان سوالات کا جوابات دینے اور نت نئے مسائل کا حل پیش کرنے کا بیڑا اٹھائیں، اپنے علم و مطالعہ، تدبر فی القرآن فقہ و اصولِ فقہ، حدیث و اصولِ حدیث اور قدیم وجدید علومِ عقلیہ نقلیہ سے واقفیت اور اپنی محنت اور قیاسِ شرعی سے قرآن حکیم کے اعجاز وصداقت کو عوام وخواص کے استفادہ کے لیے الم نشرح کریں، اس کے ابدی اصولوں اور ہر لمحہ بدلتی ہوئی زندگی کی حقیقتوں کے درمیان علم کی نارسائی، عقل وخرد کی کوتاہ نظری اور فکر ونظر کی سطحیت سے جو موہوم حجابات اور خیالی خلیج حائل ہوجاتی ہے، اسے دور کریں۔ جب ساری دنیا کو اس کے لفظی اعجاز، ماوراءِ انسانی بلاغت نے متوجہ اور حیرت زدہ کر رکھا تھا اور اس کی صداقت کا یہی معیار سمجھا جاتا تھا تو باقلانی، رمّانی اور جرجانی نے ''اعجاز القرآن'' اور ''دلائل الاعجاز'' کے نام سے تصانیف قلمبند کیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمخشری اور بیضاوی جیسے نکتہ شناس دیدہ ور پیدا کیے۔ جب علومِ عقلیہ اور فلسفۂ یونان کے سحرِ عقل فراموش سے سارا عالمِ اسلام دم بخود اور مسموم ومسحور نظر آرہا تھا تو خالقِ کائنات نے امام فخر الدین رازی جیسے مفسر اور حضرت محی الدین جیلانی شیخ عبدالقادر جیلانی علیہما الرحمۃ جیسے مفسر، محدث، مصلح اور روحانی معالج پیدا فرمائے جنہوں نے ان عقلی اور فلسفیانہ اعتراضات کے جوابات دیے جو ان علوم کے سطحی النظر مقلد قرآن حکیم کے غیبی حقائق ومعارف اور ماوراءِ خرد علوم ومضامین پر وارد کیا کرتے تھے۔ ان حضراتِ گرامی نے اس مرعوبیت اور احساسِ کمتری کو دور کرنے میں بہت مفید خدمات انجام دیں جس کے اس دور کے بہت سے اہلِ اسلام شکار ہوگئے تھے جنہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ان عقلی علوم کی غواصی میں گزار دیا تھا۔ اللہ علیم وخبیر ہی بہتر علم رکھتا ہے کہ ان حضرات قدس کے ذریعہ کتنے لوگوں کے ایمان بچ گئے اور کتنے لوگوں کے ایمان میں نئی روح اور توانائی پیدا ہوگئی۔

اب جب بارہویں تیرہویں صدی ہجری کا نیا دور آیا جس میں ہر طرح کے انقلابات سامنے آئے۔ مسلمانوں کا زوال، اسلامی سلطنت کا تاخت وتاراج ہونا، یورپ کا صنعتی انقلاب (Industrial

(Revolution)، عقلی علوم اور فلسفۂ یونان کی بجائے تجرباتی علوم، سائنس، بالخصوص فزکس، کیمسٹری، علم معاشیات، اقتصادیات، عمرانیات، علوم تاریخ، جغرافیہ اور قانون میں غیر معمولی وسعت اور ان کی بڑھتی ہوئی اہمیت۔ ایسے میں بہت سے جغرافیائی روایات اور تاریخی مسلّمات محلِ نظر بلکہ خلافِ واقع سمجھے جانے لگے، نئی نئی ایجادات نے علم کی نئی شاخیں دریافت کیں، نئی نئی حقیقتوں کا انکشاف و اکتشاف ہونے لگا، انسان کے قدم چاند پر پہنچے۔ ایسے میں عالمِ اسلام جو یہود و نصاریٰ کی چیرہ دستیوں سے پہلے ہی ایک اضطرابی کیفیت میں تھا، بالخصوص اس کے اہلِ علم طبقہ یعنی علماءِ اسلام پر اب ان بدلتے ہوئے جغرافیائی و سیاسی حالات اور جدید معلومات و ایجادات کی روشنی میں اعجازِ قرآنِ حکیم اور صداقتِ قرآن و سنت کو آشکار کرنے کی نئی ذمہ داری عائد ہوتی تھی بالکل اسی طرح جیسا کہ قدیم علمائے متکلمین اور مفسرینِ قرآن اور شارحینِ حدیث کو اپنے اپنے زمانہ میں یونانی فلسفہ و حکمت، الحاد اور باطنیت کا واسطہ پڑا تھا اور انہوں نے علمی و عقلی دلائل سے قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی حقانیت کو ثابت کر دکھایا تھا، اس کارِ عظیم کو انجام دینے کے لیے برصغیر پاک و ہند میں اللہ تبارک نے امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ کا انتخاب کیا اور انہوں نے ترجمانِ قرآن کی حیثیت سے کمرِ ہمت باندھی۔ بقول علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ:

''سرزمین پاک و ہند پر تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی، پھر انگریز تاجر بن کر آئے اور سازشوں کے ذریعے حکمران بن بیٹھے۔ وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے کہ مسلمانوں کی بقا اور ترقی کا راز ایمان اور اتحاد میں مضمر ہے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اسی بنیاد کو کمزور اور ختم کرنے میں صَرف کر دیں، دینی مدارس کو بے اثر بنانے کے لیے اسکول اور کالج کھولے اور وہاں تعلیم پانے والے بچوں کے ذہنوں کو الحاد اور بے دینی کے زہر سے مسموم کیا، اتحادِ ملت کو ختم کرنے کے لیے نئے نئے پیدا ہونے والے فرقوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ چنانچہ اس دور میں اس قسم کے مباحث چھیلے کہ

☆ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟

☆ نبی اکرم ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آجائے تو آپ کے خاتم النبیین ہونے میں فرق آئے گا یا نہیں؟

جب کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو نبی ہونے کا دعویٰ ہی کر دیا۔

☆ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ اور دیگر محبوبانِ خدا کی شان میں توہین و تنقیص کی زبان درازی کی گئی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ امتِ مسلمہ کئی فرقوں میں بٹ گئی اور متحدہ پاک و ہند میں اتنے فرقے پیدا ہوئے کہ دوسرے کسی بھی اسلامی ممالک میں اتنے فرقے نہیں ملیں گے۔

یہ وہ ماحول تھا جب سرزمینِ بریلی میں امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے اور تقریباً چودہ سال کی عمر میں مروّجہ علومِ دینیہ حاصل کر کے دینِ اسلام کی خدمت وحفاظت کی مسند پر فائز ہو گئے۔ انہوں نے ایک ہزار کے لگ بھگ چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے خلاف لب کشائی کرنے والوں پر بھرپور تنقید کی۔ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام، اہلِ بیت عظام، ائمہ دین، مجتہدین اور اولیائے کاملین کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا شدید محاسبہ کیا۔ قادیان میں انگریز کے کاشتہ پودے کا شدید ردّ کیا۔ اس دور میں پائی جانے والی بدعتوں کے خلاف جہاد کیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے تار و پود بکھیر دیے۔ سلف صالحین کے طریقے اور مذہب حنفی کی دلائل قاہرہ سے حمایت اور حفاظت کی۔ غرض یہ کہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر ہر محاذ پر جہاد کیا اور تمام عمر جہاد کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو پچاس سے

زائد علوم وفنون میں حیرت انگیز مہارت عطا فرمائی تھی۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین، ریاضی کا ایک لاینحل مسئلہ لے کر حاضر ہوئے جسے آپ نے اسی وقت حل کر دیا تو وہ بے ساختہ پکار اُٹھے کہ:

''یہ ہستی صحیح معنوں میں نوبل پرائز کی مستحق ہے۔''

فقہ میں تو انہیں وہ تبحر حاصل تھا کہ ان کے معاصرین میں کوئی بھی اُن کا ہم پلہ نظر نہیں آتا۔ حکیم عبدالحی ندوی، ''نزہۃ الخواطر'' میں لکھتے ہیں کہ

''فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر انہیں وہ عبور حاصل تھے جو شاید ہی کسی دوسرے کو حاصل ہو۔''

اس حقیقت پر ''فتاویٰ رضویہ'' شاہد ہے۔ علامہ اقبال نے واشگاف لفظوں میں اُن کی فقاہت کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ممبئی ہائی کورٹ کے پارسی جج پروفیسر ڈی ایف ملا نے ''فتاویٰ رضویہ'' کو فقہ کا عظیم شاہکار قرار دیا۔ علماءِ عرب و عجم نے ان کی جلالتِ علمی کے قصیدے پڑھے اور انہیں چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا۔

تحقیقاتِ علمیہ میں امام احمد رضا بریلوی کا بلند ترین مقام تو اہلِ علم کے نزدیک مسلّم ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ شعر و ادب میں قادر الکلام اساتذہ کی صف میں شامل تھے۔ جامعہ ازہر، مصر کے ڈاکٹر محی الدین الوائی نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ علمی موشگافیاں کرنے والا محقق، نازک خیال ادیب اور شاعر بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ انہوں نے اصنافِ سخن میں سے حمدِ باری تعالیٰ، نعت اور منقبت کو منتخب کیا اور قصیدۂ معراجیہ اور مقبولیتِ عامہ حاصل کرنے والے سلام

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

ایسے ادب پارے پیش کیے۔ فلسفہ جدیدہ (سائنس) اور فلسفہ قدیمہ کے غیر اسلامی نظریات پر ''الکلمۃ الملہمۃ'' اور ''فوزِ مبین'' میں سخت تنقید کی۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ سائنس کو اسلامی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ سائنس کو اسلام کے تابع کیا جائے نہ کہ اسلام کو سائنس کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی جملہ تصانیف کی بنیاد، اسلام اور داعیِ اسلام سید الانام ﷺ سے گہری وابستگی پر ہے۔ اسلامیانِ پاک و ہند کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبت و عقیدت، تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ بسانے میں انہوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات شروع ہوئی۔

☆ پہلی تحریک کا مقصد سلطنتِ عثمانیہ، ترکی کی حفاظت اور امداد تھا۔

☆ جب کہ دوسری تحریک کا مقصد ہندوستان کی آزادی کے لیے بائیکاٹ کے ذریعے حکومتِ برطانیہ پر دباؤ ڈالنا بتایا گیا۔

مسٹر گاندھی کمال عیاری سے دونوں تحریکوں کا قائد اور امام بن گیا۔ حالات اس نہج پر پہنچ گئے کہ قریب تھا کہ مسلمان اپنا ملّی تشخص کھو کر ہندومت میں مدغم ہو جاتے۔ اس ماحول میں امام احمد رضا نے المحجۃ المؤتمنۃ اور انفس الفکر ایسے رسائل لکھ کر دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنا دیا اور دلائل سے ثابت کیا کہ ہندو نہ تو مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور نہ ہی وہ مسلمانوں کا امام بن سکتا ہے۔ نیز یہ کہ مسلمان الگ قوم ہیں اور ہندو الگ قوم۔ ان کی دور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مسلمان انگریز کے چنگل سے رہا ہو کر ہندوؤں کے محکوم اور غلام بن کر رہ جائیں گے۔ اس لیے مسلمانوں کو وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ دونوں سے گلوخلاصی ہو جائے۔ یہی وہ دوقومی نظریہ ہے جس کی بنا پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ امام احمد رضا کے تلامذہ، خلفا اور تمام ہم مسلک علما و مشائخ نے نظریۂ پاکستان کی حمایت کی اور ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس کے اجلاس میں متفقہ طور پر قیامِ پاکستان کے حق میں قراردادیں پاس کی گئیں اور اپیل کی گئی کہ اپنے اپنے علاقوں میں مسلم لیگ کے نمائندوں کو کامیاب کروایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ حضرات

حمایت نہ کرتے تو پاکستان قائم نہیں ہوسکتا تھا۔

ایک طرف پاک و ہند کے درجنوں ادارے امام احمد رضا کی تصانیف اور اُن کی دینی و ملّی خدمات پر لکھی جانے والی کتابوں کی اشاعت میں مصروف ہیں، دوسری طرف پٹنہ، جبل پور، علی گڑھ، کراچی، سندھ اور پنجاب کی یونیورسٹی میں احمد رضا کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ اسی طرح افریقہ، قاہرہ، جامعہ از ہر، یورپ، لندن، امریکہ اور شکاگو وغیرہ کی یونیورسٹیوں میں بھی کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ غرض یہ کہ امام احمد رضا کی عبقری شخصیت کا تعارف بین الاقوامی سطح پر ہو رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب علمی دنیا ان کے صحیح مقام سے روشناس ہو جائے گی۔

کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن

۱۳۳۰ھ۔۱۹۱۱ء

امام احمد رضا نے قرآن و حدیث کا بہت ہی وسیع اور عمیق مطالعہ کیا تھا۔ سورۂ والضحیٰ کی تفسیر لکھنے لگے تو چھ سو صفحات سے تجاوز کر گئی۔ قرآن پاک کا ترجمہ لکھا جسے بلا مبالغہ ان کا عظیم علمی شاہکار قرار دیا جاسکتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی نے بجا فرمایا ہے:

"یہ نہ کسی ترجمے کا ترجمہ ہے اور نہ ترجموں کی ترجمانی ـــ یہ تو براہِ راست قرآن سے قرآن کا ترجمہ ہے۔"

بعض لوگوں نے لغات سامنے رکھ کر قرآن پاک کا ترجمہ لکھ دیا اور یہ نہ دیکھا کہ تقدیسِ الوہیت، شانِ نبوت و رسالت اور عقائدِ اہلِ سنت کا پاس بھی رہتا ہے یا نہیں۔ مترجم کے لیے صرف لغتِ عربی سے واقف ہونا کافی نہیں۔ اس کے لیے قرآن و حدیث، ارشاداتِ صحابہ اور اقوالِ سلف کا وسیع اور گہرا مطالعہ ضروری ہے۔ اسے شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کی معرفت بھی ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ مترجم کے لیے ضروری ہے کہ اسے علومِ عربیہ، صرف، نحو، معانی، بیان اور بدیع وغیرہ علوم پر عبور حاصل ہو اور عقائدِ اہلِ سنت سے پوری طرح باخبر ہو۔ امام احمد رضا ان تمام اُمور کے جامع تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہایت اہم اور نازک ترین مقامات پر جو احتیاط ملحوظ رکھی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔" [۳۴]

جیسا کہ راقم نے سورۃ الانعام کی انیسویں آیۂ کریمہ کے تحت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کی تفسیر کے حوالے سے ذکر کیا تھا کہ امام احمد رضا اس دور کے افقہ عالم تھے، چاہے اردو، فارسی، عربی اور ہندی زبان کا معاملہ ہو، یا علومِ قرآن و حدیث کا یا اس کے متعلقات کا، جدید سائنسی علوم کا معاملہ ہو یا قدیم علومِ نقلیہ کا، وہ ہر اعتبار سے افقہ عالم تھے۔ وہ تفسیری خدمات کے لیے موزوں ترین شخصیت تھے۔ وہ قدیم و جدید علوم کا سنگم تھے۔ اپنے عصر کے عوام و خواص کی نفسیات، ان کے معمولات، بول چال، مسائل، رسم و رواج سے پوری طرح باخبر تھے۔ ان کے مطالعہ میں وسعت اور گہرائی و گیرائی تھی۔ قرآن و حدیث اور کتبِ فقہ کے مضامین ان کے مستحضر تھے۔ سب سے بڑھ کر وہ سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ یہی ان کی حیات کا طرۂ امتیاز ہے۔ مولانا کوثر نیازی نے ان کے جذبۂ عشق کی بڑی صحیح عکاسی کی ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

"جس تشدد کی دہائی دی جاتی ہے، وہی ان کی ذات کی پہچان اور پوری حیات کا عرفان ہے، وہ فنافی الرسول (ﷺ) تھے اس لیے ان کی غیرتِ عشق احتمال کے درجے میں بھی توہینِ رسول کا کوئی خفی سے خفی پہلو بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھی۔ دمِ آخرین اپنے عقیدت مندوں اور وارثوں کو جو وصیت کی وہ بھی یہی تھی کہ:

"جس سے اللہ اور رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ، جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔" (وصایا شریف)

"حقیقت میں جسے لوگ امام احمد رضا کا تشدد قرار دیتے ہیں، وہ بارگاہِ رسالت میں ان کے ادب واحتیاط کی روش کا نتیجہ ہے۔ شاعر نے شاعری نہیں کی، شریعت کی ترجمانی کی ہے۔ جب یہ کہا ہے کہ۔

ادب گاہیست زیرِ آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید این جا

اور میرا اپنا ایک شعر ہے۔

لے سانس بھی آہستہ کہ دربارِ نبی ہے
خطرہ ہے بہت سخت یہاں بے ادبی کا

ادب واحتیاط کی یہی روش امام احمد رضا کی تحریر وتقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے، یہی ان کا سوزِ نہاں ہے جو ان کا حرزِ جاں ہے ان کا طرائے ایمان ہے، ان کی آہوں کا دھواں ہے، حاصلِ کون و مکاں ہے، برتر از این وآں ہے، باعثِ رشکِ قدسیاں ہے، راحتِ قلبِ عاشقاں ہے، سرمۂ چشمِ سالکاں ہے، ترجمۂ کنز الایمان ہے۔" [۳۵]

چنانچہ امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمہ فقہ وحدیث اور قرآن کریم کی خدمت پر اس دور میں مامور من اللہ ٹھہرے۔ انہوں نے تین بڑے علمی کام کیے۔

۱۔ جدید وقدیم مسائل کے حل کے لیے فتاوے تحریر کیے جو ۳۰ جلدوں میں اور مقدمہ واشاریہ کی تین مزید جلدوں کے ساتھ رضا فاؤنڈیشن، لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ قرآن حکیم کا ترجمہ "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" (۱۳۳۰ھ) کے نام سے کیا۔

۳۔ نعتیہ شاعری کے دو مجموعے "حدائقِ بخشش" کے نام سے مرتب کیے۔

کنز الایمان خوبیوں کا مجموعہ ہے جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا۔ کنز الایمان کی ایک اور اہم خوبصورتی بلکہ اعجاز کی طرف راقم اشارہ کیے دیتا ہے۔ آج کل بعض "کودکِ نادان" قسم کے محققین بڑا شور شرابا کرتے نظر آتے ہیں کہ کنز الایمان میں بعض الفاظ مرورِ زمانہ کی وجہ سے ترک کرنے اور بعض کی تسہیل کی ضرورت ہے۔ ہم کہتے ہیں آؤ تم کس لفظ کے ترک کرنے اور کس کی تسہیل کی بات کرتے ہو؟ لیکن سب سے پہلے اس امر کا تعین کرو کہ جن الفاظ کو تم متروک قرار دیتے ہو، وہ کنز الایمان میں کتنے ہیں؟ دوم یہ کہ مستند کتبِ لغت سے یہ ثابت کرو کہ وہ متروک ہیں (اور یہ تم ہرگز ثابت نہیں کر سکتے) اور سوم یہ کہ جو متبادل مترادف الفاظ تم لا رہے ہو، کیا وہ قرآنی الفاظ کی معنویت، اس میں پنہاں تہہ داری، گہرائی وگیرائی کو قاری کے ذہن تک پہنچانے میں کنز الایمان کے الفاظ سے زیادہ یا کم از کم اس جیسی ہی قوت اور ہمہ گیریت رکھتے ہیں؟ ہمارے ادارے کے ریسرچ اسکالر محترم اشرف جہانگیر صاحب جو خود بہت اچھے ادیب، نثر نگار اور افسانہ نگار بھی ہیں اور اردو ادب کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں، وہ گذشتہ تین برسوں سے رضویات کے مختلف پہلوؤں پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے کنز الایمان کا اردو لسانیات کے حوالے سے مطالعہ کیا ہے۔ پورے کنز الایمان میں مشکل سے بیس، پچیس ایسے الفاظ ہیں جن پر بعض حضرات کو یہ اعتراض ہے کہ یہ غیر مانوس اور متروک ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے لوگوں کے اعتراضات پڑھ کر چند جدید وقدیم مستند لغات کی ورق گردانی کی تو کسی لغت میں ان میں سے کسی ایک لفظ کے آگے یہ لکھا نہیں پایا کہ یہ متروک ہے۔ پھر اس کے مترادفات جو بعض لوگوں نے بدل کے طور پر لکھے ہیں، ان کے معنی کے لیے لغت دیکھی تو کوئی لفظ ایسا نظر نہیں آیا جو اعلیٰ حضرت کے استعمال شدہ لفظ سے زیادہ یا اس کے برابر قرآنی مفہوم بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور فصاحت و بلاغت کے معیار پر بھی پورا اترتا ہو۔ آخرکار صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں انہیں یہی کہنا پڑا کہ کنز الایمان کے لفظ کو ہی اٹل پایا۔

راقم اس مقام پر مناسب تصور کرتا ہے کہ حضرت علامہ بدرالدین علیہ الرحمۃ نے اپنی تصنیف سوانحِ اعلیٰ حضرت (ص ۳۶۶) پر سید عالم ﷺ کی تاریخِ ولادت کی نسبت سے کنزالایمان کی جو بارہ انفرادی خصوصیات مجملاً بیان کی ہیں، ان کا ذکر بھی یہاں کر دیا جائے تا کہ کنز الایمان کے عام قاری کو اندازہ ہو جائے کہ کم از کم کنزالایمان ہی ایک ایسا ترجمہ ہے جس کے مطالعہ سے وہ ہدایت و ارشاد اور عشق و ایمان کی تروتازگی برقرار رکھ سکتا ہے اور جو اہلِ علم و فن اور صاحبِ بصیرت ہیں تو جس کا دامنِ علم اور افقِ فکر جس قدر وسیع ہوگا، وہ اپنی بساط بھر نہ صرف اس سے استفادہ کر سکے گا بلکہ ان بارہ خصوصیات کی تہہ میں جو مزید ذیلی انفرادی امتیازات پوشیدہ ہیں، ان کی ہر خصوصیت کی عملی و نظری ابحاث کو صفحہ قرطاس پر قلمبند کر کے اہلِ علم و نظر کے لیے تازہ بستیاں آباد کرنے کا سامان بھی مہیا کرے گا جو رہتی دنیا تک "یاایھا الذین امنوا" سے خطاب یافتہ جماعت میں اس کے نام اور کام کو زندہ جاوید رکھے گا بلکہ یوم النشور پیشِ صاحب یوم النشور ﷺ اس کے لیے شفاعت کا مژدہ ہوگا۔ خدمتِ اقدس کے قدسی اس خادمِ کنزالایمان کو حساب و کتاب کے بغیر ان الفاظ میں خلد بریں کی خوش خبری سنائیں گے۔

آیۂ فتحِ مبیں کو خوب روشن کردیا
مژدہ ہے خلدِ بریں کا، کنزِ ایمانِ رضا

ان ۱۲ خصوصیات میں سے گیارہ تو تقریباً وہی ہیں جو آپ گزشتہ صفحات پر شیخ الاسلام حضرت علامہ مدنی میاں صاحب کی تحریر کے حوالے سے پڑھ چکے ہیں۔ بارہویں یہ ہے کہ کنزالایمان علماء و مشائخ کے لیے حقائق و صداقت کا امنڈتا ہوا سمندر ہے۔

ہم حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کے اس ادبی فتوے کی کہ "اعلیٰ حضرت نے جو لفظ استعمال کیا ہے، وہ اپنی جگہ اٹل ہے۔" کی مزید تصدیق کے لیے علامہ مولانا محمد شمشاد حسین رضوی (ایم۔اے) کے ایک مضمون "کنزالایمان۔ ضرورت و افادیت" کا ایک خوبصورت اقتباس پیش کر کے اہلِ علم و ادب حضرات کی توجہ "کنزالایمان" کی انفرادی خصوصیات کے مزید ان گوشوں کی طرف دلانا چاہتے ہیں جن پر گزشتہ سو برسوں میں علمی اور تحقیقی انداز میں اب تک کام نہ ہو سکا ہے اور ابھی ان پہلوؤں پر بہت کچھ لکھنا لکھانا باقی ہے:

"چلتے چلتے مضمون کے اختتام پر کچھ باتیں اور بھی عرض کیے دیتا ہوں جن سے مضمون میں خوبصورتی اور کشش آ سکتی ہے۔ بات کنز الایمان کی تھی اور اب بھی ہے کہ اہل علم و ادب اور صاحب بصیرت حضرات نے امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کو ہاتھوں ہاتھ لیا، آنکھوں سے لگایا اور اسے دلوں میں جگہ دی کیونکہ اس میں کچھ خوبیاں ہی ایسی ہیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی قلب و دماغ کا جھکاؤ اسی کی طرف دکھائی پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جو الفاظ، جملے اور عبارتیں لائی گئیں ہیں ان میں عشق و محبت، صدق و صفا اور قلبی کیفیات سموئی ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں فکر و نظر، شعور و ادراک کے عکوس و آثار بھی ہیں۔ جو لفظ جس موقع پر استعمال ہوا ہے اس میں سب سے بڑا ہاتھ صرف اور صرف طبعی تناسب کا ہے کہ اس طبعی مناسبت سے نہ تو اس لفظ کو جدا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس میں کسی لفظ کا اضافہ۔ وہ نگینہ کی مانند ہے کہ جب تک وہ لفظ اس مقام پر ہے اس کی خوبصورتی میں کوئی کمی نہیں، اس کو الگ کرتے ہی یا اس میں تسہیل کے طور پر کوئی اضافہ بھی طبعی مناسبت میں نقص پیدا کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم کے ترجمہ کو ہی لے لیجئے کہ اوروں نے اس کا ترجمہ کیا...... "ہمیں سیدھی راہ دکھا"، مگر میرے اعلیٰ حضرت نے ترجمہ فرمایا...... "ہمیں سیدھا راستہ چلا" فرض کر لیجئے کہ "چلا" کو ترجمہ کی صف سے ہٹا لیا جائے تو بتائیے اس کی جگہ کون سا لفظ لایا جا سکتا ہے؟ دکھا تو لا نہیں سکتے کیونکہ یہ تبدیلی خود امام احمد رضا فاضل

بریلوی نے کردی۔ اس کے لئے کوئی ایسا لفظ لایئے جو چِلا کے مقام پر فٹ ہو جائے۔ ذخیرۂ الفاظ کو کھنگال لیجئے، لفظوں کی ورق گردانی کر لیجئے۔ علاقائی بولیوں کو بھی ٹٹول لیجئے۔ میں پورے طور پر یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس مقام پر لفظ ''چلا'' سے زیادہ موزوں کوئی اور لفظ نہیں ہوسکتا۔ کنزالایمان کی اسی خصوصیت کے سبب یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا نے جو لکھ دیا وہی مناسب اور انسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس میں کسی ردوبدل کے قائل نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی جواز وامکان ہے۔ اسی لئے کنزالایمان اردو ادب کا ایک عظیم شاہکار ہے کہ اردو نثر میں اس سے بڑا اور کوئی شاہکار اب تک دیکھنے کو نہیں ملا۔ میری اس تحریر کو مبالغہ آرائی اور بیجا مدح وستائش پر محمول نہ کیا جائے کہ یہ حقیقت ہے۔ اس میں کذب ودروغ یا لاف وگزاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ کنزالایمان سلامت رہے۔ اس کی لطافتوں رعنائیوں کو سلام اور اس کی خوبصورت ترتیب وتدوین کو ہزاروں سلام۔ یہ وہ خورشید تاباں ہے کہ ہزار پابندیوں کے باوجود ان کی تابانیاں مدھم نہیں ہوسکتی۔''

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، چیئرمین شعبۂ ارضیات، جامعہ کراچی (جنرل سکریٹری، ادارہ ہذا) نے اپنے پی ایچ ڈی مقالہ ''کنزالایمان اور معروف تراجمِ قرآن'' میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کو قدیم وجدید علومِ عقلیہ معاشیات، اقتصادیات، فلکیات، ارضیات، کیمیا، طبیعیات، ریاضیات، جبر ومقابلہ، جیومیٹری ودیگر علوم وفنون پر جو کامل دسترس حاصل تھی، اس کی جھلکیاں جگہ جگہ قرآن کریم کے ترجمہ میں بھی نظر آتی ہیں جس نے قاری بالخصوص اس فن کے جاننے والے قاری کے لیے اصل قرآنی مفہوم ومراد تک پہنچنے کی راہ ہموار کردی ہے۔

''امام احمد رضا ترجمہ میں اس بات کا خاص اہتمام کرتے ہیں کہ جس آیت سے جس علم پر روشنی پڑتی ہے اس آیت کا ترجمہ ٹھیک اسی علم کی مصطلحات میں کیا جائے جیسا کہ انہوں نے اس آیت میں بھی کیا۔ اس کی وجہ سے یہ کہ امام احمد رضا بریلوی وہ واحد مترجمِ قرآن ہیں جن کے علومِ عقلیہ یعنی موجودہ اور قدیم سائنس وحکمت پر بھی سو سے زیادہ رسائل موجود ہیں اور سائنس وحکمت کا کوئی بنیادی شعبہ ایسا نہیں جس پر امام صاحب کی دو چار قلمی یادگاریں نہ ہوں۔ یہاں سائنس وحکمت کے حوالے سے چند امثال پیش کرنا چاہوں گا تا کہ امام موصوف کی ان علوم پر دسترس کا اندازہ لگایا جا سکے۔ مثلاً سورۃ النباء کی ۲۰ ویں آیت ملاحظہ ہو:

وسیرت الجبال فکانت سرابا○ (النباء: ۲۰)

ترجمہ: اور پہاڑ چلائے جائیں گے کہ ہو جائیں گے جیسے چمکتا ریتا اور پانی کا دھوکا دیتا۔''

دیگر مترجمین کا ترجمہ بھی ملاحظہ ہو:

(۱) اور چلائے جاویں گے پہاڑ ہو جاویں گے مانند ریت کی۔ [شاہ رفیع الدین دہلوی]

(۲) اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹا دیے جائیں گے سو وہ ریت کی طرح ہو جاویں گے۔ [مولوی اشرفعلی تھانوی]

(۳) اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) چلائے جائیں گے اور وہ غبار ہو کر رہ جائیں گے۔ [ڈپٹی نذیر احمد دہلوی]

(۴) اور پہاڑ چلائے جائیں گے یہاں تک کہ وہ سراب ہو جائیں گے۔ [ابوالاعلیٰ مودودی]

اس آیت کا ترجمہ جو امام احمد رضا نے کیا ہے اس کو پڑھ کر جہاں ایک دینی عالم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، وہیں علومِ عقلیہ کا ماہر خاص کر علومِ ارضیات اور طبیعات کا ماہر بھی امام صاحب کے اس ترجمۂ قرآن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا خاص کر لفظ ''سرابا'' کا ترجمہ جبکہ اکثر مفسرین نے انہی معنوں میں تفسیر فرمائی ہے۔ مثلاً تفسیر خازن میں ہے (فکانت سراباً) ای هبا، منبثا کالسراب

فی عین لناظر۔

ریت کے ذرات جو دور سے دیکھنے میں (پانی کی طرح) چمکتے ہیں انہیں سراب کہا جاتا ہے۔

مدارک میں ہے: ای هباء تخیل الشمس انه ماء۔

ریت کے ذرات جو سورج کی روشنی میں پانی کی طرح چمکتے معلوم ہوں۔

تفسیر فتح القدیر میں ہے: فکانت هباء منبثا یظن الناظر انها سراب والمعنی کما ان السراب یظن الناظر انهٗ ماء ولیس بماء

ریت کے ذرات کی چمک کا دیکھنے میں پانی کا گمان دیتا ہے مگر حقیقت میں وہاں پانی نہیں ہوتا۔

تفسیر البغوی میں ہے: ای هباء منبثا لعین الناظر کالسراب

چمکتا ریت دیکھنے والے کو سراب کا دھوکا دیتا ہے۔

مفردات القرآن میں ہے: والسراب اللامع فی المفازة کالماء وذلک لانسرابه فی مرأی العین وکان السراب۔

یعنی سراب اس کو کہا جاتا ہے کہ جب شدتِ گرمی میں دوپہر کے وقت بیاباں میں جو پانی کی طرح ریت چمکتی ہوئی نظر آتی ہے، اس کو سراب کہتے ہیں۔

معجم القرآن میں سراباً کے معنی ہیں: ریت جو موسمِ گرما میں دور سے پانی کی طرح چمکتی ہے۔

تفاسیر اور لغت کی معنویت سے جو بات سامنے آئی وہ یہ ہے کہ سراباً ایک قسم کا دھوکا ہے کہ جب ریگستان میں یا کسی سخت سطح پر سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں تو دور سے پانی کی موجودگی کا دھوکا ہوتا ہے۔ دیگر مترجمین نے اس کا ترجمہ صرف ریت کیا ہے جس سے ''سرابا'' کی جامعیت اجاگر نہیں ہوتی جبکہ امام احمد رضا نے ''سرابا'' کی جامعیت کے پیشِ نظر صحیح مفہوم اخذ کر کے ترجمہ کیا ہے۔

امام احمد رضا خاں نے دراصل قرآن پاک کی سورۃ القارعہ میں قیامت میں پہاڑوں کی حالت کے پیشِ نظر رکھ کر ترجمہ کیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ O (القارعه: ۵)

ترجمہ: اور پہاڑ ہوں گے جیسے دھنکی کی اون۔

اسی طرح سورۃ المرسلت کی آیت کے پیشِ نظر کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْO (المرسلت: ۱۰)

ترجمہ: اور جب پہاڑ غبار کر کے اڑا دیے جائیں۔

امام احمد رضا نے ''سرابا'' کا وہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جیسا اس وقت نظر آئے گا کیونکہ قیامت سے قبل جو زلزلوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگا جس کی وجہ سے پہاڑ جو اپنی جگہ سے چلنا (سرکنا) شروع ہوں گے، ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں گے اور زمین کی اپنی تھرتھراہٹ کی وجہ سے بڑے بڑے گڑھے پڑ جائیں گے جن میں سے زمین اپنے اندر کا لاوا (Lava) اگلے گی (یعنی Volcanic Eruption ہوگا) اور جب یہ لاوا (Lava) ٹھنڈا ہو جائے گا تو یہ دور سے چمکتی ریت کی طرح پانی کا دھوکا دے گا کہ لوگ پانی کی طرف دوڑیں گے مگر پانی ان کو نہ مل سکے گا کیونکہ اس وقت زمین سخت تنابے کی ہوگی اور تانبے پر سورج کی شعاعیں پڑیں تو دور سے دیکھنے والوں کو اس کی سطح پر پانی کا گمان ہوتا ہے۔ اس سارے منظر کے پیش منظر کو امام احمد رضا بریلوی نے لفظ ''سرابا'' کی مکمل جامعیت کے ساتھ اپنے ترجمہ میں سمو دیا ہے۔ انہوں نے ترجمہ کرتے ہوئے تمام علوم کا لحاظ رکھا ہے۔''

انہی خوبیوں کی بنیاد پر محقق کنز الایمان محسن اہلِ ایمان حضرت علامہ محمد عبد المبین نعمانی قادری نے بڑی دل لگتی اور ایمان افروز بات کہی ہے:

''بلکہ میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ جس طرح قرآنی اسرار و نکات

ختم ہونے والے نہیں، جیسا کہ حدیثِ پاک میں فرمایا گیا "لا تنقضی عجائبه "(اس کے اسرار و رموز ختم ہونے والے نہیں) اسی طرح اس ترجمہ کے محاسن پر بھی جس قدر غور کیا جارہا ہے، اسی قدر اس کے اسرار و حِکم واشگاف ہوتے جارہے ہیں۔" (خاتمة الطبع مشموله کنز الایمان جدید نسخہ، ص:۹۹۱، مطبوعہ دہلی)

علامہ نعمانی قادری مدظلہ العالی نے بجا فرمایا۔ اس کی سب سے بیّن دلیل کراچی کے ایک عالم جلیل حضرت علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی حفظہ اللہ الباری کا ۸۰۷ صفحات پر مشتمل "الذنب فی القرآن" کے نام سے ایک مقالہ ہے جو مکتبہ تہامہ، گلستانِ جوہر، کراچی دسمبر ۲۰۰۶ء کو کتابی صورت میں شائع ہوا ہے اور اب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے عرس پر گزشتہ سال فروری ۲۰۰۸ء میں رضا اکیڈمی، ممبئی، ہندوستان سے بھی وہاں کے علماء کے اصرار پر شائع ہوا ہے۔ یہ مقالہ حضرت گردیزی نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے سورۂ فتح کی آیت نمبر ۲

لیغفر لک الله ماتقدم من ذنبک و ما تاخر ہ

کے ترجمۂ کنز الایمان "تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے" کی تائید اور اس کو رد و قدح کرنے والے بعض "محققین عصر" کے تعاقب میں تحریر کیا ہے۔ انہوں نے دلائلِ قاہرہ سے اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے جبکہ معاندین کے مؤقف کے تاروپود بکھیر دیئے ہیں۔ اردو کے تفسیری لٹریچر میں یہ کتاب بلاشبہ ایک گرانقدر اضافہ ہے۔

یہ ایک نمونہ ہے کہ اگر اہلِ علم و نظر صاحبانِ تحقیق قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کے کنز الایمانی ترجمہ کی خوبیوں پر لکھنا شروع کر دیں تو اس جیسی ایک دو نہیں سیکڑوں کتابیں منصۂ شہود پر آسکتی ہیں۔

کنز الایمان کی انہی خوبیوں اور قرآنی ترجمہ نگاری کی تاریخ میں اس کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم نے اس سال امام احمد رضا کانفرنس کو "کنز الایمان کانفرنس" کے نام سے معنون کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ ۱۴۳۰ھ کا پورا سال کنز الایمان کی صد سالہ اشاعت کی یادگار کے طور پر منایا جائے اور ہر ماہ کم از کم ایک رسالہ کنز الایمان کی خوبیوں پر ادارہ کی جانب سے شائع کیا جائے گا۔

سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا اور کروروں درود اور کروروں سلام ہو اللہ عزوجل کے محبوبِ مکرم، رسولِ معظم اور نبی محترم ﷺ پر جو وجہ تخلیقِ کائنات، معلمِ کائنات، سیدِ کائنات اور جانِ کائنات ہیں ﷺ اور جن کے قلبِ اطہر پر ایمان کا خزانہ قرآن مجید نازل ہوا اور اس فرشتۂ معزز و محترم حضرتِ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کہ جن کے ذریعہ وحیِ الٰہی کی ترسیل ہوئی اور پھر ان تمام اصحاب کرام، امہات المؤمنین، آل بیت اطہار پر کہ جنہوں نے سید عالم ﷺ سے بنفس نفیس قرآن حکیم سماعت فرمایا، پڑھا، پڑھایا اور اس پر عمل کیا اور پھر اپنے بعد میں آنے والے تابعین کرام تک پوری امانت داری اور ایمان داری کے ساتھ اس کی ترسیل و ابلاغ کا فریضہ انجام دیا اور ان کے پیروکار تمام تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد آنے والے محسنین ائمہ کریم اور علمائے ربانیین پر جنہوں نے احسان و ایقان کے ساتھ اپنے اسلاف کرام کی پیروی کی اور ایمان کے اس خزانے یعنی قرآنِ حکیم اس کے بیان یعنی ارشاداتِ رسول ﷺ کے ساتھ نہایت حزم و احتیاط، ذمہ داری، ایمان داری، دیانت داری سے نسلاً بعد نسلاً، سلسلہ بہ سلسلہ منتقل کر کے اس مبارک کتابِ الٰہی کی ترسیل و ابلاغ کے سفر کو جاری رکھا تا آنکہ یہ سلسلہ اور یہ بارِ امانتِ کنز الایمان، ورثۃ العلمِ ہدیٰ، چودھویں صدی ہجری کے امام الھمام، عاشقِ سید الوریٰ، مجددِ امت رسولِ خدا، امام احمد رضا، محدثِ ارشاداتِ خیر الوریٰ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک پہنچا۔

اے مالک و مولیٰ تُو اپنے پیارے رسولِ مکرم ﷺ، ان کے آل و اصحاب اور ان کی احسان کے ساتھ اتباع کرنے والوں کے طفیل امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہٗ کی قبر انور پر بھی کروروں درود اور

کروروں سلام کی برکتیں اور رحمتیں نازل فرما کہ تیرے اس محبوب بندے نے "کنزالایمان" کی بارِامانت سنبھالنے سے قبل تیرے شبِ اسریٰ کے دولہا یعنی مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں والہانہ انداز میں لاکھوں سلام اور کروروں درود کے نغمۂ جانفزا کا نذرانہ پیش کیا کہ "یاایھا الذین امنوا" کے قرآنی الفاظ سے خطاب یافتہ تمام اکنافِ عالم میں پھیلی ہوئی تیری عظیم اور آخری رسول مکرم ﷺ کی امت احمد رضا کی شیدائی بن گئی، اور آج قریہ قریہ کوچہ کوچہ احمد رضا کی زبان سے زبان ملا کر کروروں درود اور لاکھوں سلام کی آواز سے گونج اٹھا ہے۔ آج حال یہ ہے کہ اس کائناتِ عالم میں جہاں کہیں بھی اذانِ فجر گونجتی ہے تو اس سے قبل مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام کا نغمہ سنا کر ایمان والوں کو حی علی الصلوٰۃ کی طرف بلایا جاتا ہے اور جب تیرے خطاب یافتہ ایمان والے دن کی آخری یعنی عشاء کی نماز کے لیے گھر سے نکلتے ہیں تو تیری حمد وثنا کے بعد

کعبہ کے بدرالدجیٰ، تم پہ کروروں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ، تم پہ کروروں درود

کا ورد کرتے جاتے ہیں اور مسجدوں سے گھروں کو واپسی پر بھی ان کی زبان پر اسی درود و سلام کا ورد ہوتا ہے۔ اور جب تُو نے اس درود و سلام کے انعام میں احمد رضا کو قرآن حکیم کے معانی و احکام کو جو "یاایھا الذین امنوا" سے خطاب شدہ امت کے لیے کنزالایمان ہے، بیان کرنے اور اہلِ ایمان تک پہنچانے کا حکم القا کیا، تو احمد رضا کو تُو نے یقیناً یہ علم بھی عطا فرما دیا تھا کہ احمد رضا اس عارضی دنیا میں تمہاری فرصت کے دن بہت کم ہیں اور تمہیں ابھی دین کی تبلیغ و ابلاغ کا بہت سارا کام کرنا ہے لہٰذا تم کو بہت عجلت میں قرآن حکیم کے معارف و مفاہیم کو اردو میں منتقل کرنا ہوگا، یہی تمہارا امتحان ہے، تمہیں قلم بھی نہیں چلانا ہوگا۔ بلکہ

"وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں"

کے تصورِ جانفزا کے ساتھ اپنی زبان کھولنا ہوگی۔ تمہارے عشقِ صادق کے طفیل جو تمہیں میری ذات اور میرے محبوب ﷺ کی ذات سے ہے، تمہارے قلب میں آیاتِ بینات، محکم و متشابہات کے معانی و معارف اور مفاہیم و مطالب القا کرنا میرا کام ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دنیا نے حیرت زدہ ہو کر دیکھا۔ اہلِ علم و بصیرت نے تحسین فرمائی۔ معاندین و مخالفین نے بھی کھسیانہ ہو کر تعریف کی، "ذنبیوں" نے گھما پھرا کر باتیں بنائیں مگر کنزالایمان کا توفق ختم نہ کر سکے بلکہ اسے تسلیم کیے بغیر چارہ کار نہ رہا۔ یہ جب اہلِ ایمان کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارا عقیدہ تو وہی ہے جو کنزِ ایماں میں ہے اور جب اپنی "ذنبی گروہ" میں واپس جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ان سے ٹھٹھا کر رہے تھے، احمد رضا کو حدیثوں کا علم کہاں تھا، وہ تو بس ایک فقیہ تھے، آج اگر ہوتے تو علمِ حدیث ہم سے سیکھتے۔ یارب العالمین! احمد رضا کی اور پھر ان کے "کنزالایمان" کی صورت میں تو نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے، کنزالایمان اب اہلِ ایمان کی جان ہے، احمد رضا اب "یاایھا الذین امنوا" سے خطاب یافتہ جماعت کی پہچان ہے۔ یارحمٰن و رحیم! تُو ان کی قبر انور پر رضوان و رحمت کی پے بہ پے بارشیں نازل فرما، ایسی بارشیں کہ صبحِ قیامت تک یہ سلسلہ منقطع نہ ہو۔ دنیا میں جب تک مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام اور کعبہ کے بدرالدجیٰ تم پہ کروروں درود پڑھا جاتا رہے، دربارِ رسالت مآب ﷺ میں تو احمد رضا کا سلام اسی رفتار اور تعداد کے ساتھ پہنچاتا جا۔ یاایھا الذین امنوا سے مخاطب جس جس اہلِ ایمان کے گھر میں کنزالایمان موجود ہو اسے دنیا کے کتوں اور ذنبی نسبت رکھنے والے دین و ایماں کے چوروں سے محفوظ و مامون فرما دے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

قارئین کرام! آج ہمیں جہاں کنزالایمان کا صد سالہ جشن مناتے ہوئے مسرت ہو رہی ہے، وہیں ایک احساسِ افسردگی اور محرومی بھی ہے کہ آج ادارہ کے سرپرستِ اعلیٰ ماہرِ رضویات، مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نور اللہ مرقدہٗ ہمارے درمیان نہیں۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے زیرِ اہتمام یہ پہلی امام احمد رضا کانفرنس ہے

جو پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمۃ کے بغیر منائی جارہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب بلاشبہ جہانِ رضویات کے امامِ اول تھے جنہوں نے رضویات کو مستقل ایک فن کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ آپ گزشتہ سال ۲۸/ اپریل ۲۰۰۸ء کو خالقِ حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسعودِ ملت کو فردوسِ بریں میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جہانِ رضویات کو ان کا سچا جانشین اور جماعتِ اہلِ سنت کو ان کا بدلِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کا کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن بلاشبہ آسان شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ عظمتِ الٰہی اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کا ضامن بھی ہے اور دنیا میں اس کا سوسالہ جشن منایا جارہا ہے۔ اس عظیم و مبارک موقع پر اس کے ابلاغ اور اشاعت کے لیے درج ذیل چند تجاویز پیش کی جارہی ہیں۔ علماء طلبہ اور عوامِ اہلسنت سے گزارش ہے کہ وہ اپنی اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جدّ و جہد کریں اور بڑھتے ہوئے فتنہ وفساد اور دہشت گردی کے ماحول میں پاکستان کے اربابِ بست وکشاد (موجودہ حکمرانوں) کا بھی فرض ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں خوفِ الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت و اطاعت کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے کنز الایمان اور امام احمد رضا کی دیگر تصانیف کو مشعلِ راہ بنائیں اور ہر سطح پر اس کے فروغ کی ذمہ داری نبھائیں۔ اس حقیقت پر دنیا کے تمام پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا ٹھوس ثبوت کے ساتھ گواہ ہیں کہ پاکستان سمیت دنیا میں جہاں جہاں دہشت گردی کے واقعات ہورہے ہیں، ان میں اہلِ حدیث اور دیوبندی فرقہ کے حضرات اور ان کے مدارس سے فارغ شدہ طلباء ملوث پائے گئے ہیں لیکن بحمد اللہ ڈھونڈے سے بھی اہلِ سنت و جماعت کا کوئی فرد نظر نہیں آیا۔ اس لیے کہ اہلِ سنت و جماعت اس ملک کی اکثریت اور سب سے زیادہ پُر امن جماعت ہے۔

۱۔ پرائیوٹ سیکٹر میں کنز الایمان پرنٹنگ پریس کا قیام۔ جو مستقل بنیادوں پر صرف کنز الایمان ہی کی اشاعت کے لیے وقف ہو۔

۲۔ کنز الایمان کے صد سالہ جشن پر مسرت کے موقع پر تنظیمیں، سوسائٹیاں اور تحقیقی ادارے کنز الایمان فنڈ قائم کریں جو امام احمد رضا کے افکار کی نشر و اشاعت کے لیے کوشاں ہیں۔ یہ فنڈ کنز الایمان کی اشاعت اور اس پر تحقیق کے لیے مخصوص ہو۔ اور ملک اور بیرون، ملک اس کی ترسیل اعزازی ہو۔

۳۔ کنز الایمان کے ناشرین کنز الایمان کی معیاری کمپوزنگ، طباعت، جلد بندی کی طرف خاص توجہ دیں۔ تاکہ کنز الایمان کی اشاعت تمام تر اغلاط سے مبرا ہو۔ اس کے ساتھ اس کا فنی اور تحریری حسن بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ کیوں کہ اس طرح کے اقدامات قارئین کے لیے آسانی کا سبب ہوتے ہیں اور سیکھنے والوں کے لیے کشش کا باعث ہوتے ہیں۔

۴۔ کنز الایمان اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دینی مدارس کی لائبریریوں میں رکھا جائے، اور یہ پبلک لائبریریوں میں بھی پہنچایا جائے، وزارتِ مذہبی امور اور محکمۂ اوقاف اس عظیم مقصد کے لیے مؤثر طور پر تعاون کریں۔ کنز الایمان حجاجِ کرام کو حج سے واپسی پر تحفے پر دیا جائے۔

۵۔ کنز الایمان سیمینار، کانفرنسز، فورم، علمی مذاکرہ، کوئز پروگرامز اور کنز الایمان نمبر کی منصوبہ بندی کرکے اس کے پرکشش فیچرز کا اجراء کیا جائے۔

۶۔ اس سال (۱۴۳۰ھ) کے دوران یہ بات مفید ہوگی کہ کنز الایمان کا ہر مستقل قاری اپنے عزیز و اقارب میں کنز الایمان کا ایک ایک نسخہ بطورِ تحفہ دے کہ اس سے کنز الایمان کے مطالعہ کی ترغیب ہوگی اور اشاعت میں اضافہ ہوگا۔

۷۔ دینی رسائل و جرائد و ہفت روزہ اپنے باقاعدہ شماروں میں کنزالایمان سے انتخاب شائع کریں، کنزالایمان کے صد سالہ جشن کی مناسبت سے اِن شماروں میں خصوصی نمبر شائع کیے جائیں۔

۸۔ کنزالایمان کراچی یونیورسٹی اور فیڈرل یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامی میں نصاب کے طور پر شامل ہے۔ اپنی لسانی، نحوی، اور نظریاتی خوبیوں کے سبب کنزالایمان کو ہائر ایجوکیشن اپنے شعبہ ہائے علومِ اسلامی میں نصاب کے طور پر شامل کرسکتی ہے، کنزالایمان کا مطالعہ اردو اسلامی ادب کے طلباء کے لیے بھی بہت مفید رہے گا، لہٰذا اس کی شمولیت ساؤتھ ایشیا کے M.A اردو شعبہ میں پڑھنے والوں کی وسعتِ نظری کا باعث ہوگی۔

۹۔ جستہ جستہ مطالعہ اور تشریح کے لیے کنزالایمان کو ایک ایک پارہ کی شکل میں شائع کرنا بہتر ہوگا۔ تاہم مناسب ہوگا کہ ہر پارہ کے ساتھ تشریح اور مکمل اشاریہ ہو۔

۱۰۔ کنزالایمان کے مختلف پہلوؤں پر مزید تحقیق کے لیے اُسے مطالعۂ قرآن، مطالعہ علومِ اسلامی اور مطالعۂ ادیان کے حوالے سے M.A، M.Phil اور PhD وغیرہ کے مقالات لکھوائے جائیں۔

۱۱۔ کنزالایمان کے آخر میں "فرہنگ کنزالایمان" شامل ہو۔ یہ فرہنگ کنزالایمان میں مستعمل ادبی الفاظ و محاورات کے معانی پر مشتمل ہو۔ اس سے مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اگر کنزالایمان مناسب حاشیے اور مضامین کے اعتبار سے ایک جامع اشاریے کے ساتھ شائع کیا جائے، تو یہ پڑھنے والوں کے لیے اور بھی مفید، جامع اور مؤثر ثابت ہوسکتا ہے۔

۱۲۔ اہلِ ادب اور عوام الناس کے لیے باقاعدہ طور پر ہفتہ وار، پندرہ وار یا ماہانہ درسِ کنزالایمان کا اہتمام کیا جائے۔ رمضان المبارک میں یہ درس خصوصی طور پر روزانہ ہو۔ سرکاری اور نجی اسلامی ٹی وی چینلز اپنی صبح کی نشریات میں کنزالایمان کو نشر کریں۔

۱۳۔ اس جشنِ صد سالہ کے عظیم موقع پر، کنزالایمان الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا پر مستند علماء و ادباء کے تبصرہ نشر کیے جائیں۔

۱۴۔ صوبائی اور وفاقی وزارت مذہبی امور و تعلیم کے ذریعے کنزالایمان کو نجی اور سرکاری تعلیمی اداروں میں بطورِ نصاب منظور اور شامل کروایا جائے۔

۱۵۔ قرآن کے حقیقی متعلمین کو قرآن کے حقیقی معانی بآسانی سمجھنے کا اہل بنانے کے لیے بذریعہ خط و کتابت کنزالایمان کورسز کروائیں۔ یہ کورسز آن لائن بھی ریلے (نشر) کیے جاسکتے ہیں۔

ذوقِ رومی، سوزِ جامی باخدا آموختم
عشقِ احمد (ﷺ) از امام احمد رضا آموختم
آنکہ اے شہزاد باشد کنزِ ایماں را امیں
من ز کردارش صفائے قلب را آموختم

☆☆☆

حوالہ جات

[۱] قمر رئیس، ڈاکٹر، ترجمہ کا فن اور روایت، تاج پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ص:۱۴۲ بحوالہ شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن، ص:۱۵۲، کتب خانہ امجدیہ، مٹیا محل، دہلی۔

[۲] ایضاً، ص:۱۵۰، بحوالہ شاہ حقانی اردو ترجمۂ تفسیرِ قرآن، ص:۱۵۳، ۱۵۴

[۳]"To translate is to reconstitute as nearly as possible the effect of a certain cause (the original) by means of another cause (the translation)."
(The Art of Translation - Delhi, 1962, P.23)

[۴] خلیق انجم، فنِ ترجمہ نگاری، انجمنِ ترقی اردو، ہند، دہلی، ص:۱۶۰، ۱۶۱

[۵] اعجاز راہی، اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔ ص:۳۸

[۶] قمر رئیس، ڈاکٹر، ترجمہ کا فن اور روایت، تاج پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔ ص:۱۱، ۱۲

[۷] الف۔ سید محمد امین، ڈاکٹر و محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی، شاہ محمد حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر، کتب خانہ امجدیہ، مٹیا محل، دہلی، ۲۰۰۱ء،

ص:۱۵۶تا۱۵۹۔

[۷]ب۔ترجمہ کافن اوراس کا جواز، ''ماہِ نو''، لاہور، مئی ۱۹۸۶ء

[۸] قمر رئیس، ڈاکٹر، ترجمہ کافن اور روایت، تاج پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ص:۶۳

[۹] اعجاز انجم لطیفی، ڈاکٹر، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، حیات، علمی و ادبی خدمات، ص:۴۰۰

[۱۰] شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیرِ قرآن، کتب خانہ امجدیہ، دہلی۔ص:۱۶۵

[۱۱] شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیرِ قرآن، کتب خانہ امجدیہ، دہلی۔ص:۱۷۵

[۱۲] خلیق انجم، فن ترجمہ نگاری، انجمن ترقیِ اردو، نئی دہلی۔ص:۱۰۹

[۱۳] قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں، مجموعۂ مقالات، سیمینار، خدابخش لائبریری، پٹنہ۔ ص:۳۹۰ بحوالہ شاہ حقانی کا ترجمہ و تفسیر قرآن۔ص:۱۶۷

[۱۴] مجید اللہ قادری، پروفیسر، ڈاکٹر، کنز الایمان اور معروف تراجمِ قرآن، ص:۲۰۷تا۲۱۷

[۱۵] شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیرِ قرآن، کتب خانہ امجدیہ، دہلی۔ص:۱۸۰۔۱۸۳

[۱۶] ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین نے اپنے پی.ایچ.ڈی مقالہ ''قرآن حکیم کے اردو تراجم'' میں ۱۶۷ مکمل تراجم کا عہد بہ عہد تعارف پیش کیا ہے جس میں بہت سی تفسیریں بھی شامل ہیں اور جزوی تراجم ان کے علاوہ ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر احمد خاں اپنی خالص اشاریاتی کتاب ''قرآن کریم کے اردو تراجم'' (ناشر مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، پاکستان) نے ۱۶۴ مترجمین کا ذکر کیا ہے جنہیں مکمل قرآن کریم کے ترجمہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔

[۱۷] قمر رئیس، ڈاکٹر، ترجمہ کافن اور روایت، تاج پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔ ص:۲۴۸

[۱۸] بدر الدین، مولانا، رضوی، سوانحِ اعلیٰ حضرت، جمشید پور، ص:۲۷۴۔۲۷۵

[۱۹] محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، تقدیمِ کنز الایمان اربابِ علم و دانش کی نظر میں، مرتبہ: محمد عبدالستار طاہر، ناشر: بزمِ عاشقانِ مصطفیٰ، لاہور، پاکستان۔ صفر ۱۴۱۴ھ/ستمبر ۱۹۹۳ء

[۲۰] علامہ جلال الدین سیوطی، زبدۃ الاتقان فی علوم القرآن، ج:۲، ص:۱۸۵، سہیل اکیڈمی، لاہور

[۲۱] محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، ضیاء القرآن پبلشنگ، لاہور، مئی ۱۹۸۸ء، ص:۱۶

[۲۲] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں''، مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ایم.اے، پی.ایچ.ڈی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

[۲۳] محمد حنیف اختر، سوانحِ اعلیٰ حضرت، مطبوعہ خانیوال ۱۹۸۸ء، ص:۴۴۴

[۲۴] شاہ حسین گردیزی، سید، علامہ، مفتی، الذنب فی القرآن، ناشر مکتبہ تہامہ، گلستانِ جوہر، کراچی۔ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ/دسمبر ۲۰۰۶ء، ص:۲۳

[۲۵] اب بحمد اللہ اس کو ۱۰۰ سال ہو گئے۔[وجاہت]

[۲۶] محمد عبدالستار طاہر، کنز الایمان اربابِ علم و دانش کی نظر میں، ناشر بزمِ عاشقانِ مصطفیٰ، لاہور، صفر المظفر ۱۴۱۴ھ/ستمبر ۱۹۹۳ء، ص:۳۴

[۲۷] یہاں اشارہ اہلِ سنت کے ایک دار العلوم کے استاذِ حدیث اور ان کے حواریوں کی طرف ہے۔اس موضوع پر نجی نشست میں راقم سے ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کی گفتگو بھی رہی ہے۔

[۲۸] سہ ماہی پیغامِ رضا، شمارہ:۲، ج:۱، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ء/شوال المکرم تا ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ، مدیر اعلیٰ محمد رحمت اللہ صدیقی

[۲۹] محمد عبدالستار طاہر، کنز الایمان اربابِ علم و دانش کی نظر میں، ناشر بزمِ عاشقانِ مصطفیٰ، لاہور، صفر المظفر ۱۴۱۴ھ/ستمبر ۱۹۹۳ء، ص:۵۷

[۳۰] ایضاً، ص:۳۰

[۳۱] ایضا، ص:۳۶

[۳۲] توضیح البیان، مصنفہ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ حافظ سلطان محمود، دریائے رحمت شریف (حضرت) اٹک، جولائی ۲۰۰۷ء، ص:۲۷

[۳۳] مدارج العرفان فی مناہج کنز الایمان، شیخ الحدیث علامہ مولانا پیر محمد چشتی

[۳۴] علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، مقالاتِ رضویہ، الممتاز پبلی کیشنز، لاہور، ص:۳۶

[۳۵] مولانا کوثر نیازی، امام احمد رضا خاں بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، ص:۱۸، ۱۹

[۳۶] مجید اللہ قادری، پروفیسر ڈاکٹر، کنز الایمان اور معروف تراجمِ قرآن، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، ص:۵۳۴تا۵۳۸

اصول ترجمۂ قرآن کریم

علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصاً عَلٰی اَفْضَلِ الخلق وَ سَیِّدُ الرُّسل مُحَمَّدِ ن النَبی الاُمِیّ الَّذِی اولی القرآن والسبع المثانی وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَO

اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم، تفسیر اور ترجمہ کے معانی اور تعریفات ذکر کردی جائیں تاکہ اصل مطلب کے سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی رہے۔

قرآن کریم:

عربی لغت میں قرآن، قراءت کا ہم معنی مصدر ہے، جس کا معنی پڑھنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ فَاِذَا قَرَاْنٰاہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ

(۷۶/۱۸-۱۷)

"بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے، تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت پڑھے ہوئے کی اتباع کرو"

(کنزالایمان)

پھر معنی مصدری سے نقل کر کے اللہ تعالیٰ کے نبی اکرم ﷺ پر نازل کیے ہوئے معجز کلام کا نام قرآن رکھا گیا، یہ مصدر کا استعمال ہے مفعول کے معنی میں جیسے خلق بمعنی مخلوق عام طور پر آتا ہے۔[۱]

تفسیر:

عربی زبان میں تفسیر کا معنی ہے "واضح کرنا اور بیان کرنا" اسی معنی میں کلمۂ تفسیر سورۂ فرقان کی اس آیت میں آیا ہے:

وَلَا یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا

(الفرقان ۲۵/۳۳)

"اور کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے مگر ہم اس سے بہتر بیان لے آئیں گے"

اصطلاحی طور پر تفسیر وہ علم ہے جس میں انسانی طاقت کے مطابق قرآن پاک سے متعلق بحث کی جاتی ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت کرتا ہے۔

جب یہ کہا گیا کہ تفسیر میں قرآن کریم سے بحث ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت کرنے کے اعتبار سے تو اس قید سے درج ذیل علوم خارج ہو گئے انہیں تفسیر نہیں کہا جائے گا۔

علم قراءت:

اس علم میں قرآن کریم کے احوال ہی سے بحث ہوتی ہے لیکن قرآن پاک کے کلمات کے ضبط اور ان کی ادائی کی کیفیت پیش نظر ہوتی ہے۔

علم رسم عثمانی:

اس علم میں قرآن کریم کے کلمات کی کتابت سے بحث کی جاتی ہے۔

علم کلام:

اس علم میں بحث کی جاتی ہے کہ قرآن پاک مخلوق ہے یا نہیں۔

علم فقہ:

اس علم میں بحث کی جاتی ہے کہ حیض و نفاس اور جنابت کی حالت میں قرآن پاک کا پڑھنا حرام ہے۔ [۲]

علم صرف:

اس علم میں کلمات کی ساخت سے بحث ہوتی ہے۔

علم نحو:

اس میں کلمات کے معرب (اعراب لگانا) ومبنی ہونے اور ترکیب کلمات سے بحث ہوتی ہے۔

علم معانی:

اس میں کلام فصیح کے موقع محل کے مطابق ہونے سے بحث کی جاتی ہے۔

علم بیان:

اس میں ایک مطلب کو مختلف طریقوں سے بیان کرنے کی بحث ہوتی ہے۔

علم بدیع:

اس میں وہ امور زیر بحث آتے ہیں جن کا تعلق الفاظ کے حسن و خوبی سے ہوتا ہے غرض یہ کہ صرف علم تفسیر ہی وہ علم ہے جس میں طاقت انسانی کے مطابق قرآن پاک کے ان معانی اور مطالب کو بیان کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی مراد ہیں۔

طاقتِ انسانی کی قید کا مطلب یہ ہے کہ متشابہات کے مطالب اور اللہ تعالیٰ کی واقعی مراد کا معلوم نہ ہونا علم تفسیر کے خلاف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی مراد اسی حد تک بیان کی جائے گی جہاں تک انسانی طاقت اور علم ساتھ دے گا۔

وہ علوم جن کی مفسّر کو حاجت ہے:

علما اسلام نے مفسر کے لیے درج ذیل علوم میں مہارت لازمی قرار دی ہے:

(۱) لغت	(۲) صرف	(۳) نحو
(۴) بلاغت	(۵) اصول فقہ	(۶) علم التوحید
(۷) قصص	(۸) ناسخ ومنسوخ	(۹) علم وہبی

(۱۰) اسباب نزول کی معرفت

(۱۱) قرآن کریم کے مجمل اور مبہم کو بیان کرنے والی احادیث

وہبی علم، عالمِ باعمل کو عطا کیا جاتا ہے، جس شخص کے دل میں بدعت، تکبر، دنیا کی محبت یا گناہوں کی طرف میلان ہو اسے علم وہبی سے نہیں نوازا جاتا۔

ارشاد ربانی ہے:

سَاَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الاَرْضِ بِغَيْرِ الحَقِّ

(نوح ۷/۱۴۶)

"اور میں اپنی آیتوں سے انہیں پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق بڑائی چاہتے ہیں۔"

(کنزالایمان)

امام شافعی فرماتے ہیں:

شَكَوتُ اِلىٰ وَكِيعٍ سُوءَ حِفظِي
فَاَرشَدَنِىْ اِلىٰ تَركِ المَعَاصِىْ
وَاَخبَرَنِىْ بِاَنَّ العِلمَ نُور
وَنُورُ اللّٰهِ لَا يُهدٰى لِعَاصِى

☆ میں نے امام وکیع کے پاس حافظے کی خرابی کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہوں کے ترک کرنے کی ہدایت فرمائی۔

☆ اور مجھے بتایا کہ علم نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور گناہگار کو عطا نہیں کیا جاتا۔

یہ علوم اور ان کے علاوہ دیگر شرائط تفسیر کے اعلیٰ مراتب کے لیے ضروری ہیں۔ عمومی طور پر اتنا علم کافی ہے جس سے قرآن پاک کے مطالب اجمالی طور پر سمجھے جاسکیں اور انسان اپنے مولائے کریم کی عظمت اور اس کے پیغام سے آگاہ ہوسکے۔

تفسیر کے اعلیٰ مراتب کے لیے چند امور نہایت ضروری ہیں:

۱۔ قرآن کریم میں واقع کلمات مفردہ کی تحقیق، لغت عربی کے استعمالات کے مطابق کی جائے، کسی بھی محقق کو چاہیے کہ کلماتِ قرآن کی تفسیر ان معانی سے کرے جن میں وہ کلمات نزول قرآن کے زمانے میں استعمال ہوتے تھے۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ یہ لفظ قرآن پاک کے مختلف مقامات میں کن معانی میں استعمال ہوا ہے، پھر سیاق وسباق اور موقع محل کے مطابق اس کا معنی بیان کیا جائے، قرآن پاک کی بہترین تفسیر وہ ہے جو خود قرآن پاک سے کی جائے۔

۲۔ بُلَغاء کے کلام کا وسیع اور گہرا مطالعہ کر کے ان کے کلام کے بلند پایہ اسالیب، نکات اور محاسن کی معرفت حاصل کی جائے اور متکلم کی مراد تک رسائی حاصل کی جائے، اس طریقے سے ہم اللہ تعالیٰ کی مراد مکمل طور پر سمجھنے کا دعویٰ تو نہیں کر سکتے، تاہم کلام الٰہی کے مطالب تک اس قدر رسائی حاصل کی جاسکتی ہے جس سے ہم ہدایت حاصل کر سکیں۔ اس سلسلے میں علم نحو، معانی اور بیان کی حاجت ہے، لیکن صرف ان علوم کے پڑھ لینے سے کام نہیں چلے گا بلکہ ان علوم کی روشنی میں بُلَغاء کے کلام، قرآن کریم اور حدیث شریف کا وسیع مطالعہ بہت ضروری ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں مخلوق کے بہت سے احوال اور ان کی طبیعتوں کا بیان کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ان کے بارے میں کیا رہا؟، سابقہ امتوں کے بہترین واقعات اور ان کی سیرتیں بیان کیں، اس لیے قرآن پاک کا مطالعہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ سابقہ قوموں کے ادوار اور اطوار سے واقف ہو اور اسے معلوم ہو کہ طاقتور کون تھا اور کمزور کون؟ اس طرح عزت کس کو ملی اور ذلت کسے نصیب ہوئی؟ علم اور ایمان کس کے حصے میں آیا اور کفر وجہل کس کو ملا؟ نیز عالم کبیر یعنی عناصر (آگ، ہوا، پانی اور مٹی) اور افلاک کے احوال سے باخبر ہو، اس مقصد کے لیے بہت سے فنون درکار ہیں، ان میں سے اہم علم تاریخ اپنے تمام شعبوں سمیت ہے۔

قرآن پاک میں امم سابقہ، سنن الٰہیہ اور اللہ تعالیٰ کی ان آیات کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے جو آسمانوں اور زمین، آفاق اور نفوس میں پائی جاتی ہیں، یہ اس ہستی کا بیان کردہ اجمال ہے جس کا علم ہر شے کو احاطہ کیے ہوئے ہے، اس نے ہمیں غور وفکر اور زمین میں سیر کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ ہم اس کے اجمال کی تفصیل کو سمجھ کر ترقی کے زینے طے کر سکیں، اب اگر ہم کائنات پر ایک سرسری نظر ڈالنا ہی کافی جان لیں تو یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کہ ایک شخص کسی کتاب کی جلد کی رنگینی اور دلکشی کو دیکھ کر خوش ہو جائے اور اس علم وحکمت سے غرض نہ رکھے جو اس کتاب میں ہے۔

٤۔ فرض کفایہ ادا کرنے والے مفسر پر لازم ہے کہ وہ یہ حقیقت معلوم کرے کہ قرآن پاک نے تمام انسانوں کو کس طرح ہدایت دی ہے، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں تمام انسان خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی، کس حال میں تھے؟ کیونکہ قرآن پاک کا اعلان ہے کہ سب لوگ گمراہی اور بدبختی میں مبتلا تھے اور نبی اکرم ﷺ ان سب کی ہدایت وسعادت کے لیے مبعوث ہوئے تھے، اگر مفسر اس دور کے انسانوں کے حالات (عقائد ومعمولات) سے کماحقہ، آگاہ نہیں ہوگا تو قرآن حمید نے ان کی جن عادتوں کو قبیح قرار دیا ہے انہیں مکمل طور پر کیسے جان سکے گا؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص احوال جاہلیت سے جس قدر زیادہ جاہل ہے اس کے بارے میں اتنا ہی زیادہ خوف ہے کہ وہ اسلام کی رسی کو تار تار کر دے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلام کی آغوش میں پیدا ہوا، پلا بڑھا اور اسے پہلے لوگوں کے حالات معلوم نہیں ہیں تو اسے پتا نہیں چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت وعنایت نے کس طرح انقلاب برپا کیا اور کس طرح انسانوں

کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے جگمگ راستے پر کھڑا کر دیا؟

۵۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا وسیع مطالعہ ہونا چاہیے، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کی سیرتوں سے بخوبی آگاہ ہونا چاہیے اور پتہ ہونا چاہیے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم علم و عمل کے کس مرتبے پر فائز تھے اور دنیاوی و اخروی معاملات کس طرح انجام دیتے تھے؟ [۳]

ترجمہ .... عربی لغت کی روشنی میں :

عربی زبان میں لفظ ''ترجمہ'' چار معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے:

۱۔ کلام کا اس شخص تک پہنچانا جس تک کلام نہیں پہنچا۔

ایک شاعر نے لفظِ ترجمہ اسی معنی میں استعمال کیا ہے:

اِنَّ الثَّمَانِيْنَ .... وَ بَلَغْتُهَا
قَد اَحْوَجَت سَمعِي اِلیٰ تَرجُمَانٖ

''بے شک میں اسّی سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوں اس عمر نے مجھے ترجمان کا محتاج بنا دیا ہے''

(یعنی مجھے مخاطب کی بات سنائی نہیں دیتی، اس لیے میں ایسے شخص کا محتاج ہوں جو خاص طور پر مجھے وہ بات سمجھائے)

۲۔ کلام جس زبان میں ہے اسی زبان میں اس کی تفسیر کرنا۔

اسی معنی کے اعتبار سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ''ترجمان القرآن'' کہا جاتا ہے۔

۳۔ کسی دوسری زبان میں کلام کی تفسیر کرنا۔

لسان العرب اور قاموس میں ہے کہ ترجمان: کلام کے مفسر کو کہتے ہیں، شارح قاموس نے جوہری کے حوالے سے بیان کیا کہ تَرجَمَهٗ و تَرجَمَ عَنهُ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے کلام کا مطلب دوسری زبان میں بیان کرے۔

البتہ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر بغوی سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ترجمہ، عربی زبان میں مطلقاً بیان کرنے کو کہتے ہیں خواہ اسی زبان میں ہو جس میں اصل کلام ہے یا دوسری زبان میں۔

۴۔ کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف نقل کرنا۔

لسان العرب میں ترجمان پہلے حرف پر پیش یا زبر، وہ شخص ہے جو کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف نقل کرے

قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمان کا تلفظ تین طرح کیا جا سکتا ہے۔

☆ تاء اور جیم دونوں پر پیش (تُرجُمان)
☆ دونوں پر زبر (تَرجَمان)
☆ تاء پر زبر اور جیم پر پیش (تَرجُمان)

چونکہ ان چاروں معنوں میں بیان پایا جاتا ہے، اس لیے وسعت دیتے ہوئے ان چار معنوں کے علاوہ ہر اس چیز پر ترجمہ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جس میں بیان ہو، مثلاً کہا جاتا ہے۔

☆ تَرجَمَ لِهٰذَا البَابِ بِكَذَا، مصنف نے اس باب کا یہ عنوان مقرر کیا۔
☆ تَرجَمَ لِفُلَانٍ، فلاں شخص کا تذکرہ لکھا۔
☆ تَرجَمَةُ هٰذَا البَابِ كَذَا، اس باب کا مقصد اور خلاصہ یہ ہے۔ [۴]

یاد رہے کہ تَرجَمَة رباعی مجرد کے باب فَعْلَلَةٌ سے ہے، اس لیے ترجمہ کرنے والے کو مُتَرجِم اور قرآن پاک کو مُتَرجَم کہا جائے گا مُتَرَجِّم اور مُتَرَجَّم میں جیم کو مشدد پڑھنا غلط ہے۔

ترجمہ کا عرفی معنی :

لغوی اعتبار سے لفظ ترجمہ چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جن کا ذکر ابھی ابھی کیا گیا ہے۔ عرف عام میں لفظ ترجمہ سے چوتھا معنی مراد لیا جاتا ہے یعنی ایک کلام کا معنی کسی دوسری زبان میں بیان کرنا۔

علامہ محمد عبد العظیم زرقانی کہتے ہیں کہ ترجمہ کا عرفی معنی یہ ہے کہ کلام ایک زبان میں ہو، اور اُس کا مطلب دوسری زبان میں اس طرح بیان کیا جائے کہ اس کلام کے تمام معانی اور مقاصد بھی ادا کردیے جائیں۔[۵] اور ظاہر ہے کہ کسی بھی کلام کا اور خاص طور پر قرآن مجید کا ایسا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا جس میں اصل کلام کے تمام معانی اور مقاصد ادا کردیے جائیں۔ اسی لیے علامہ محمد عبد العظیم زرقانی قرآن پاک کے ترجمہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تفسیر میں اصل کلام کے تمام معانی کا ادا کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ بعض مقاصد کا ادا کرنا کافی ہے، اس لیے قرآن پاک کی تفسیر تو کی جاسکتی ہے ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔

دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا گیا ہے اور کوئی بھی ترجمہ کرنے والا یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے قرآن مجید کے تمام معانی اور مقاصد کو اپنی زبان میں منتقل کردیا ہے، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا، تو اس بحث کی حاجت ہی نہیں رہتی کہ ایسا ترجمہ جائز ہے یا نہیں؟، اس سے پہلے لسان العرب اور شرح قاموس کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ ترجمہ کا مطلب ایک کلام کے معنی کو دوسری زبان میں بیان کرنا ہے، یہ قید علامہ زرقانی نے اپنے طرف سے لگائی ہے کہ اصل کلام کے تمام معنی اور مقاصد بھی ادا کیے جائیں، ظاہر ہے کہ اس قید کے اضافے میں ان سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، جو شخص بھی قرآن مجید کا ترجمہ کرے گا وہ بعض معانی اور مقاصد ہی کو بیان کرے گا، اگر ایسے ترجمہ کو تفسیری ترجمہ کہا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اقسام ترجمہ:

عرفی معنی کے لحاظ سے ترجمہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) لفظی (۲) تفسیری

لفظی ترجمہ میں اصل کلام کے کلمات کی ترتیب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور ایک ایک کلمہ کی جگہ اس کا ہم معنی لفظ رکھ دیا جاتا ہے، جیسے شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اور "تفسیر نعیمی" میں مفتی احمد یار خاں نعیمی اور "تفسیر الحسنات" میں علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری نے کیا ہے، اس ترجمہ کو حرفی ترجمہ بھی کہا جاتا ہے۔

تفسیری ترجمہ میں تحت اللفظ ایک ایک کلمہ کا ترجمہ نہیں کیا جاتا بلکہ مطالب و معانی کو بہتر اور مؤثر انداز میں پیش کیا جاتا ہے، اسے معنوی ترجمہ اور تفسیری ترجمہ کہا جاتا ہے، یہ ترجمہ تفسیر تو نہیں ہے جیسے کہ آیندہ سطور میں بیان کیا جائے گا، لیکن مقاصد کو بہتر انداز میں پیش کرنے کے اعتبار سے تفسیر کے مشابہ ضرور ہے۔

ترجمہ اور تفسیر میں فرق:

ترجمہ لفظی ہو یا تفسیری، وہ تفسیر سے الگ چیز ہے، ترجمہ اور تفسیر میں متعدد وجوہ سے فرق ہے۔

۱۔ ترجمہ کے کلمات مستقل حیثیت رکھتے ہیں، یہاں تک کہ ان کلمات کو اصل جگہ رکھا جاسکتا ہے، جب کہ تفسیر ہمیشہ اپنے اصل سے متعلق ہوتی ہے، مثلاً ایک مفرد یا مرکب لایا جاتا ہے پھر اس کی شرح کی جاتی ہے اور شرح کا تعلق اصل کے ساتھ ایسے ہوتا ہے جیسے خبر کا مبتدا کے ساتھ، پھر دوسری جز کی اسی طرح شرح کی جاتی ہے، ابتدا سے انتہا تک یہی سلسلہ جاری رہتا ہے، تفسیر اپنے اصل سے اس طرح متعلق ہوتی ہے کہ اگر تفسیر کو اصل سے جدا کردیا جائے تو وہ بے معنی ہو کر رہ جائے گی، اسے اصل کی جگہ نہیں رکھا جاسکتا۔

۲۔ ترجمہ میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ترجمہ تو ہو بہو اصل کی نقل ہے، اس لیے دیانت داری کا تقاضا ہے کہ نقل کسی کمی بیشی کے بغیر اصل کے مطابق ہو، برخلاف تفسیر کے کہ اس میں اصل کی وضاحت ہوتی ہے، مثلاً بعض اوقات مفسر کو الفاظ لغویہ کی شرح کی ضرورت پیش آئے گی، خصوصاً اس وقت جب کہ ان کے وضعی معانی مراد نہ ہوں،

اسی طرح کہیں دلائل پیش کیے جائیں گے اور کہیں حکمت بیان کی جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر تفسیروں میں لغوی، اعتقادی، فقہی اور اصولی مباحث بیان کی جاتی ہیں، کائناتی اور اجتماعی مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں، اسبابِ نزول اور ناسخ و منسوخ کا ذکر کیا جاتا ہے جبکہ ترجمہ میں ان مباحث و مسائل کی گنجائش نہیں ہوتی۔

۳۔ عرفی ترجمہ میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اصل کلام کے تمام معانی اور مقاصد بیان کر دیے گئے ہیں (یہ علامہ محمد عبد العظیم زرقانی کی ذاتی رائے ہے)، لیکن تفسیر میں صرف وضاحت مقصود ہوتی ہے،

...... خواہ اجمالاً ہو یا تفصیلاً،

...... تمام معانی اور مقاصد پر مشتمل ہو یا بعض پر،

اس کا دارومدار ان حالات پر ہے جن میں مفسر گزر رہا ہے اور ان لوگوں کی ذہنی سطح پر ہے جن کے لیے تفسیر لکھی گئی ہے۔

۴۔ عرف عام کے مطابق ترجمہ میں اس اطمینان کا دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مترجم کے نقل کردہ تمام معانی اور مقاصد، اصل کلام کے مدلول ہیں اور قائل کی مراد ہیں۔ تفسیر میں یہ دعویٰ نہیں کیا جاتا، بعض اوقات مفسر دلائل کے پیش نظر اطمینان اور وثوق کا دعوی کرتا ہے اور جب اسے قوی دلائل میسر نہیں ہوتے تو وہ اطمینان کا دعویٰ نہیں کرتا، کبھی وہ بعض احتمالات کا ذکر کرتا ہے، کبھی چند احتمالات ذکر کر دیتا ہے جن میں سے بعض کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، بعض اوقات وہ تصریح یا ترجیح سے گریز کرتا ہے اور کبھی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ کسی کلمے یا جملے کے بارے میں کہہ دیتا ہے کہ اس کا قائل ہی بہتر جانتا ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ جیسے کہ بہت سے مفسرین حروف مقطعات اور قرآنی متشابہات کے بارے میں کہہ دیتے ہیں۔ [۶]

اس جگہ اس موقف کا اعادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے والے علما کا یہ موقف ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم قرآن پاک کے تمام معانی اور مطالب کو دوسری زبان میں منتقل کر رہے ہیں، کیونکہ ایسا ترجمہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے اور انسانی طاقت سے باہر ہے۔

وہ چند امور جن کے بغیر ترجمہ نہیں کیا جاسکتا:

اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ مفسر کے لیے کن علوم میں دسترس ضروری ہے؟ قرآن حمید کے ترجمہ کے لیے بھی ان علوم میں مہارت لازمی ہے، ان کے علاوہ مترجم کے لیے جو امور ضروری ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہے اس زبان اور عربی لغت کے معانی وضعیہ سے آگاہ ہو، اسے معلوم ہو کہ کونسا لفظ کس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے؟

۲۔ اسے دونوں زبانوں کے اسالیب اور خصوصیات کا بھی پتا ہو۔

۳۔ کسی آیت کے متعدد مطالب ہوں تو ان میں سے راجح مطلب کو اختیار کرے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کو پیش نظر رکھے اور ترجمہ میں کوئی ایسا لفظ نہ لائے جو بارگاہِ الٰہی کے شایان شان نہ ہوں، مثلاً اس آیت کا ترجمہ کیا جاتا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ

(النساء/۱۴۲)

''البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا''

اللہ تعالیٰ کی طرح دغا کی نسبت کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:

''بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ تعالیٰ کو فریب دیا

چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا"

(کنزالایمان)

منافقین اللہ تعالیٰ کو دغا نہیں دے سکتے کیونکہ وہ تو عالم الغیب و الشھادۃ ہے، وہ ہر ظاہر اور مخفی امر کو جانتا ہے، اسے کون دھوکہ دے سکتا ہے؟ ہاں منافقین دھوکہ دینے کی اپنی سی کوشش کرتے ہیں، اگرچہ انہیں اس میں کامیابی نہیں ہوسکتی، وَھُوَ خَادِعُھُمْ کا کتنا عمدہ اور صحیح ترجمہ ہے؟ کہ:

"وہی انہیں غافل کر کے مارے گا"

یہ معنی نہیں کہ "وہی ان کو دغا دے گا"۔

۵۔ مقام انبیا علیہم السلام کی عظمت اور تقدس کو ملحوظ رکھا جائے، ارشاد ربانی ہے:

حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا

(یوسف۱۲/۱۱۰)

اس آیت کا ترجمہ بعض لوگوں نے یہ کیا:

"یہاں تک کہ جب ناامید ہوگئے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا"

اس ترجمہ میں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

۱۔ رسولان گرامی کی طرف مایوسی کی نسبت کی گئی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِن رَّوحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَومُ الْکٰفِرُوْنَ

(یوسف۱۲/۸۷)

"بے شک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ"

۲۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی نسبت کہا گیا:

اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا"

معاذ اللہ! انبیا کرام علیہم السلام معصوم ہیں ان کے گوشۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کہا گیا تھا وہ جھوٹ تھا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا وَظَنُّوْا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوا (الآیۃ)

"کیا رسولوں نے یہ گمان کیا کہ انہیں جھوٹ کہا گیا تھا"؟

انہوں نے فرمایا:

مَعَاذَاللّٰہِ لَمْ تَکُنِ الرُّسُلُ تَظُنُّ ذٰلِکَ بِرَبِّھَا، وَظَنَّتِ الرُّسُلُ اَنَّ اَتبَاعَھُمْ قَدْ کَذَّبُوْھُمْ [۸]

"اللہ کی پناہ! رسولان گرامی اپنے رب کے بارے میں یہ گمان کر سکتے تھے، رسولوں نے گمان کیا کہ اُن کے پیروکاروں نے انہیں جھٹلا دیا ہے"۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قراءت قَد کُذِّبُوْا ہے ذال مشدّد مکسور کے ساتھ۔ اس صورت میں معنی یہ ہے کہ رسولوں نے گمان کیا کہ انہیں ان کی قوم کی طرف سے جھٹلا دیا گیا ہے، دوسری قرأت میں قَد کُذِبُوا ہے اب اگر ظَنُّوا کی ضمیر رسولوں کی طرف راجع کریں تو معنی یہ ہوگا کہ رسولوں نے گمان کیا کہ انہیں جھوٹ کہا گیا، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ رسولوں کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جو کچھ کہا گیا تھا وہ جھوٹ تھا، اسی مطلب کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کے رسول اپنے رب کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے"

ام المؤمنین کا انکار اسی صورت سے متعلق ہے جب کہ ظَنُّوا کی ضمیر رسولوں کی طرف راجع کی جائے، ورنہ امام حفص کی قرأت میں قَد کُذِبُوْا ذال کی تخفیف کے ساتھ ہے، اس قرأت کے مطابق ظنُّوا کی ضمیر رسولوں کی طرف نہیں بلکہ ان کی قوم کے افراد کی

طرف راجع ہے، اب ترجمہ یہ ہوگا کہ لوگوں نے گمان کیا کہ انہیں (رسولوں کی طرف سے) جھوٹ کہا گیا تھا۔ اور اس ترجمہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرّہٗ العزیز نے اِس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے اہل علم اسے پڑھ کر داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے، ملاحظہ ہو۔

"یہاں تک جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا"

(کنزالایمان)

یعنی رسولوں کی مایوسی ظاہری اسباب سے نہ تھی نہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے، اور لوگوں نے گمان کیا کہ انہیں عذاب وغیرہ کے بارے میں جھوٹ کہا گیا تھا، انبیا کرام علیہم السلام کا دامنِ عصمت اس خیال سے ہرگز داغ دار نہ تھا۔

٦۔ اسلام کے قطعی اور یقینی عقائد کو ملحوظ رکھا جائے اور انہیں ذرا سی ٹھیس بھی نہ لگنے دی جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقدِرَ عَلَيْهِ

(الانبیا ۲۱/۸۷)

اس کا ترجمہ یہ کیا گیا:

"پھر سمجھا نہ پکڑ سکیں گے اس کو"

اس آیت میں سیدنا یونس علیہ السلام کا ذکر ہے، ترجمہ میں ان کی طرف اس امر کی نسبت کی گئی ہے کہ انہوں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں نہ پکڑ سکے گا، اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے جس کی نسبت حضرت یونس علیہ السلام کی طرف کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، مغالطہ اس لیے پیدا ہوا کہ قَدَرَ يَقْدِرُ کا استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے۔

...... قادر ہونا
...... تنگی کرنا

مترجم نے سمجھا کہ اس جگہ پہلا معنی مراد ہے جو قطعاً غلط ہے اس موقع اور عصمتِ انبیا کے مطابق صرف دوسرا معنی ہے۔

علامہ محمد بن مکرم افریقی فرماتے ہیں:

جس شخص نے اس آیت میں قدر کو قدرت سے ماخوذ مان کر کہا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے یوں گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہ پکڑ سکے گا، تو یہ ناجائز ہے اور اس معنی کا گمان کرنا کفر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ظن کرنا شک ہے اور اس کی قدرت میں شک کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا علیہم السلام کو اس قسم کے گمان سے محفوظ اور معصوم رکھا ہے، ایسی تاویل وہی کرے گا جو عرب کے کلام اور اُن کی لغات سے جاہل ہوگا۔ [٨]

اس تفصیل کے بعد امام احمد رضا بریلوی کا ترجمہ دیکھیے ایمان تازہ ہو جائے گا:

"تو گمان کیا (یونس علیہ السلام نے) کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔"

ایک دوسری آیت کریمہ دیکھیے!

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا

(ابراہیم ۱۴/۱۳)

اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

"ان کفار نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ"۔

"لوٹ آؤ" کا واضح مطلب یہ ہے کہ حضرات رسولانِ گرامی علیہم السلام معاذ اللہ! پہلے کافروں کے مذہب میں شامل تھے، حالانکہ انبیا کرام علیہم السلام کبھی بھی کافروں کے مذہب میں شامل نہیں ہوتے۔ اس جگہ مغالطے کی وجہ یہ ہے کہ عَادَ يَعُوْدُ کا استعمال دو طرح ہوتا ہے:

☆ فعل تام، اس وقت اس کا معنی لوٹنا ہوگا۔

☆ فعل ناقص، اس وقت یہ صَارَ کے معنی میں ہوگا اور ہوجانے کے معنی پر دلالت کرے گا۔

ترجمہ کرنے والے کے سامنے نحو کے مسائل وقواعد مستحضر ہوں تو وہ غور کرے گا کہ اس جگہ پہلا معنی مناسب ہے یا دوسرا؟ ظاہر ہے کہ مذکورہ ترجمہ میں پہلا معنی مراد لینے کے بنا پر غلطی ہوئی ہے، جب کہ اس جگہ دوسرا معنی مراد اور موزوں ہے، اسی لیے امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم ضرور تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین پر آجاؤ''

(کنزالایمان)

۷۔ قرآن پاک عربی زبان کا وہ شاہکار ہے جو مرتبۂ اعجاز پر فائز ہے، کسی بھی مترجم کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کا ترجمہ معجزانہ کلام سے کرے، تاہم علم معانی اور بیان کے مسائل ومباحث سے باخبر ایسا ترجمہ تو کر ہی سکتا ہے، جس سے اعجاز قرآنی کی جھلک دکھائی دے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ

(البقرہ ۲/۲)

عام طور پر اس آیت کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا جاتا ہے کہ:

''یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے''

اس ترجمے پر دو سوال وارد ہوتے ہیں:

☆ ذٰلِکَ کی وضع بعید کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے، اس لیے ترجمہ کرتے ہوئے ''وہ کتاب'' کہنا چاہیے تھا نہ کہ ''یہ کتاب''

☆ ''اس میں کوئی شک نہیں'' واقع کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن کریم میں بہت سے لوگوں نے شک کیا اور آج بھی ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ترجمہ دیکھیے جو اعجازِ قرآن کو واضح طور پر آشکارا کرتا ہے:

''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں''

(کنزالایمان)

اس ترجمہ پر پہلا سوال تو ظاہر ہے کہ وارد ہی نہیں ہوتا، دوسرے سوال کا جواب بھی دے دیا کہ اگرچہ قرآن پاک کے بارے میں بہت سے لوگوں نے شک کیا ہے لیکن وہ کوئی شک کی جگہ نہیں ہے، کوئی بھی منصف عاقل، عربی زبان کے اسلوب اور نزاکتوں سے واقف اس کا مطالعہ کرے تو اسے ماننا پڑے گا کہ یہ ربانی کلام ہے کسی انسان کے فکر کا نتیجہ نہیں ہے۔

۸۔ جس زبان میں ترجمہ کیا جائے اس کے اسلوب اور مزاج کو پیش نظر رکھا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَرْیَمَ بْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا

(التحریم ۶۶/۱۲)

اس کا ترجمہ یوں کیا گیا!

''اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو''

یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ اس ترجمہ میں اردو زبان کی شائستگی اور مزاج کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، اس کی بجائے یہ ترجمہ کتنا دلکش ہے۔

''اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی''

۹۔ قرآن پاک میں بیان کردہ کسی بھی واقعے کی واقعی تفصیلات سے آگاہی ضروری ہے ورنہ ترجمہ کرتے وقت کہیں بھی غلطی واقع ہوسکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَقَالَ اِنِّیْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ ج حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ O رُدُّوْھَا عَلَیَّ ط فَطَفِقَ مَسْحًاۢ بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ O

(ص ۳۸/۳۲ تا ۳۳)

عام طور پر مترجمین نے تَوَارَت بِالحِجَاب کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''سورج چھپ گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نماز عصر قضا ہوگئی، انہوں نے گھوڑوں کو طلب کیا اور ان کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹ دیں۔''

اس ترجمے پر دو سوال وارد ہوتے ہیں:

☆ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کو ملاحظہ فرمارہے تھے کہ نماز قضا ہوگئی، اس میں گھوڑوں کا کیا قصور تھا؟ کہ انہیں ہلاک کردیا گیا۔

☆ گھوڑوں کی گردنیں اور ٹانگیں کاٹ کر مال کے ضائع کرنے کا کیا جواز تھا؟ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ تمام گھوڑے خیرات کردیتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

عَن ذِکرِ رَبِّی مِن ذِکرِ طَفِقَ مَسحاً یَمسَحُ اَعرافَ الْخَیلِ و عَرَاقِیبَهَا [۹]

یعنی عَن بمعنی مِن ہے، اور طَفِقَ مَسحاً کا معنی یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی ایال (گردن کے بالوں) اور ان کے ٹخنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

اس اقتباس سے واضح ہوگیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو ہلاک نہیں کیا تھا، جب یہ حقیقت ہی نظروں سے اوجھل ہو تو ترجمہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ آیئے صحیح ترجمہ ملاظہ فرمائیں:

''تو سلیمان نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ نگاہ سے پردے میں چھپ گئے۔ پھر حکم دیا انہیں میرے پاس واپس لاؤ تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا''

(کنزالایمان)

غرض یہ کہ قرآن پاک ایسی عظیم الشان اور لافانی کتاب کا ترجمہ کرنا ہر کس و ناکس اور ہر عالم کا کام نہیں ہے، مترجم کے لیے جو امور ضروری ہیں ان کا مختصر تذکرہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پاک کے پڑھنے، اسے سمجھنے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بحرمة سید المرسلین ﷺ والحمدلله رب العالمین.

حوالہ جات

[۱] محمد عبدالعظیم زرقانی، علامہ: مناہل العرفان (دار احیاء الکتب العربیۃ، مصر) ج ۱، ص ۷

[۲] محمد عبدالعظیم زرقانی، علامہ: مناہل العرفان، ج ۱، ص ۱۷-۴۷۰

[۳] محمد عبدالعظیم زرقانی، علامہ: مناہل العرفان (ملخصاً) ج ۱، ص ۵۲۲-۵۱۹

[۴] محمد عبدالعظیم زرقانی، علامہ: مناہل العرفان (ملخصاً) ج ۲/ص ۶-۵

[۵] محمد عبدالعظیم زرقانی، علامہ: مناہل العرفان، ج ۲، ص ۷

[۶] محمد عبدالعظیم زرقانی، علامہ: مناہل العرفان ۲/۱۲-۱۰

[۷] محمد بن اسماعیل بخاری، امام: بخاری شریف (مطبع رشیدیہ، ہند) ج ۲/ص ۶۸۰

[۸] محمد بن مکرم افریقی، علامہ امام: لسان العرب (دار صادر، بیروت) ج ۵ ص ۷۷

[۹] محمد بن اسماعیل بخاری، امام: صحیح بخاری، ج ۲/ص ۱۰۷

× ...... × ...... ×

قرآنِ حکیم کے ترجمہ کرنے کی شرائط فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

اشرف جہانگیر

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت عاشق ماہِ رسالت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علوم وفنون کے بحرِ زخار تھے۔ آپ نے ہر علم اور فن پر کتب ورسائل تحریر فرمائے جن کو پڑھ کر عقل چکرانے لگتی ہے کہ اس خشک اور تنگ موضوع پر آپ علیہ الرحمۃ نے اتنا کیسے لکھ لیا۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی ذہن میں دوسرا سوال یہ اُٹھتا ہے کہ اگر ہم بھی ایسا لکھنا چاہیں تو کیسے لکھیں۔ تو یہ بھی حیرت فزا بات ہے کہ اس دوسرے سوال کا جواب بھی ہمیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی کتب سے مل جاتا ہے۔ یہ بات اعلیٰ حضرت پر کام کرنے والوں پر بخوبی عیاں ہے۔ اور راقم کے نزدیک یہ بات اعلیٰ حضرت کی کرامات سے ہے کہ سوال بھی خود دیتے ہیں اور اُس کا جواب بھی خود، شوق بھی خود دلاتے ہیں اور منزلِ شوق پر بھی خود پہنچاتے ہیں۔ ہم زیادہ دور نہیں جاتے صرف آپ علیہ الرحمۃ کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان ہی کو لے لیتے ہیں، اُس میں آپ علیہ الرحمۃ اپنے تمام علوم وفنون جو بارگاہِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کو عطا ہوئے بروئے کار لائے ہیں، مگر جن کے پاس وہ علومِ مصطفوی نہیں ہیں اور ترجمۂ قرآن کرنے کا شوق رکھتے ہیں اُن کے لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے یہ چند فتاویٰ پیش ہیں:

ترجمہ کرتے وقت شاہ عبد القادر کا ترجمہ پیشِ نظر رہے مگر:

یہ بات سب پر آشکارا ہے کہ امام اہلسنت نے جب ترجمۂ قرآن کنزالایمان املا فرمایا اُس وقت تک اُردو اور فارسی کے کچھ تراجمِ قرآن بازار میں آچکے تھے، اور وہ سب تراجم امام اہلسنت کے پیشِ نظر تھے مگر مشہور تراجم میں شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی، اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے بزبانِ فارسی اور ڈپٹی نذیر احمد، شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے بزبانِ اُردو شامل تھے۔ مگر آپ علیہ الرحمۃ نے اِن تمام تراجم میں سے شیخ سعدی کا ترجمہ پسند فرمایا۔ اور تراجم میں اگر کسی ترجمے کو آپ علیہ الرحمۃ نے فوقیت دی تو وہ شاہ عبدالقادر کا ترجمۂ قرآن موضح القرآن ہے۔ آپ کے فتاویٰ اور چند رسائل مثلاً الکوکبۃ الشہابیہ اور قوارع القہار وغیرہ میں آپ نے مخالفین کے منہ میں پتھر رکھنے کے لیے موضح القرآن ہی کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ مگر شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کے متعلق اعلیٰ حضرت کا ایک فتویٰ فتاویٰ رضویہ جلد ۲۶، ص ۴۵۷ میں ہے:

سوال مذکور نہیں ہے مگر مستفتی مولوی حکیم غلام محی الدین صاحب لاہوری ہیں۔ امام اہلسنت جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"فقیر کی رائے قاصر یہ ہے کہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ پیشِ نظر رکھا جائے اور اس میں چار۴ تبدیلیاں محفوظ رہیں:

﴿۱﴾ وہ الفاظ کہ متروک یا نامانوس ہوگئے، فصیح وسلیس رائج الفاظ سے بدل دیے جائیں۔

﴿۲﴾ مطلب اصح جس کے مطالعے کو جلالین کہ اصح الاقوال پر اقتصار کا جن کو التزام ہے سردست بس ہے، ہاتھ سے نہ جائے۔

﴿۳﴾ اصل معنی لفظ اور محاورات عرفیہ دونوں کے لحاظ سے ہر مقام پر اس کے کمال پاس رہے، مثلاً غیر المغضوب علیهم کا یہ ترجمہ کہ جن پر غصہ ہوا یا تو نے غصہ کیا، فقیر کو سخت ناگوار ہے۔ غصہ کے اصل معنی اُچھو کے ہیں یعنی کھانے کا گلے میں پھنسنا، جیسے طعاماً ذا غصۃ فرمایا۔ اس سے استعارہ کر کے ایسے غضب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جسے آدمی

کسی خوف یا لحاظ سے ظاہر نہ کر سکے، گویا دل کا جوش گلے میں پھنس کر رہ گیا۔ عوام کہ دقائق کلام سے آگاہ نہیں، فرق نہ کریں، مگر اصل حقیقت یہی ہے کہ علما پر اس کا لحاظ لازم ہے۔ ترجمہ یوں ہوا:

''نہ اُن کی جن پر تُو نے غضب فرمایا، یا جن پر تیرا غضب ہے، یا جن پر غضب ہوا، یا جو غضب میں ہیں۔''

خیال کرنے سے ان کے ترجمے میں اس کی بہت سے نظائر معلوم ہو سکتی ہیں۔

﴿۴﴾ سب سے اہم و اعظم و اقدم و الزم مراعات و متشابہات کہ ان میں ہمارے ائمۂ کرام سے دو مذہب ہیں:

اول: ہم نصوص پر ایمان لائے، نہ تاویل کریں نہ اپنی رائے کو دخل دیں، اٰمنّا بہ کل من عند ربنا، معنی ہمیں معلوم ہی نہیں، ان سے اگر قولہ تعالیٰ ثم استوی الی السماء کا ترجمہ کرائیے تو وہ فرمائیں گے: ''پھر استوا فرمایا آسمان کی طرف'' اگر پوچھیے استوٰی کے کیا معنی، تو لَاندری سے جواب ملے گا۔

دوم: تاویل کہ متاخرین نے تفہیم جہال کے لیے اختیار کیا کہ کسی خوبصورت معنی کی طرف پھیر دیں جس کا ظاہر شانِ عزت پر محال نہ ہو، اور طرف تجویز و تجارب میں لفظ کریم سے قرب بھی رکھتا ہو۔ ان سے اگر آیۂ کریمہ مذکورہ کا ترجمہ کرائیے تو وہ کہیں گے: ''پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا'' مگر یہ کہ تفویض چھوڑیں اور تاویل بھی نہ کریں بلکہ معنی محال و ظاہر کا صریح ادا کرنے والے لفظ قائم کر دیں جیسے کریمۂ مذکورہ کا ترجمہ ''پھر چڑھ گیا آسمان کو'' کہ چڑھنا اور اُترنا شانِ عزت پر محال قطعی اور جہال کے لیے معاذ اللہ موہم بلکہ مصرح بہ جسمانیت ہے۔ یہ ہمارے ائمۂ متقدمین کا دین نہ متاخرین کا مسلک، اس سے احتراز فرض قطعی ہے۔ فقیر نے جہاں تک دیکھا ترجمہ منسوبہ بحضرت قدسی منزلت سیدنا مصلح الدین سعدی قدس سرہ العزیز اس عیب مشابہ سے پاک و منزہ ہے، ان میں اس سے مدد لی جائے، وباللہ التوفیق۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔''

ترجمۂ قرآن کرنے والے حضرات کے لیے اعلیٰ حضرت کا یہ فتوی مشعل راہ ہے اس میں سب کچھ ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا ہے لوگوں کی زبان اور رکھ رکھاؤ میں بھی فرق پڑ جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمے کے متعلق لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں متروک و نامانوس الفاظ کی بھرمار ہے، تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اعلیٰ حضرت نے ترجمۂ قرآن املا کراتے وقت متروک و نامانوس الفاظ جان بوجھ کر استعمال کیے۔ بلکہ وہ تمام الفاظ جنہیں متروک کہا جا رہا ہے وہ اعلیٰ حضرت کے دور میں رائج تھے۔ اس کی دلیل امام اہلسنت کے عہد کے دیگر مصنفین کی کتب سے بآسانی مل سکتی ہے۔ ہم زیادہ نہیں تو اردو شعر و ادب کی چند پرانی کتابوں کی طرف توجہ کر کے دیکھتے ہیں کہ مختلف ادوار میں اردو زبان میں کتنا فرق آتا رہا،

۱) مثنوی نوسر ہار میں ہے، جس کا سنِ تصنیف ۹۰۹ھ ہے۔

کیا اب کہوں مرتے بار — لوگن کیرے عیب اظہار
کیا جو کچھ حکم اس کا — ہوا جوان چیتا تھا
اب سن میرے بھائی توں — تج دھر اپنی بات کہوں
بارے یوں تج مانڈیا حال — توں تج پیچھے سب سنبھال

۲) مثنوی لولوے از غیب ۱۱۰۲ھ کی اردو دیکھیے:

دکن میں پنج شنبہ کا وطن ہے — پسند اس کو سنہری پیرہن ہے
طرف اوتر اوس کا رخ ہے اے یار — اور اس کے سامنے رہتا ہے اتبار
درخت اوس سرزمیں پر ہیں بہت سے — کتائی اور دھتورہ کے نسب سے

اسی طرح مثنوی عاقبت بخیر جو ۱۲۳۲ھ کی تصنیف ہے، میں قدیم اردو کا نمونہ کچھ یوں ملتا ہے:

زمانہ کا کیا کوئی شکوہ کرے
زمانہ جو پیچھے کسی کے پڑے
کرے خوار اس طرح اس کے تئیں
او کہاڑے جڑ اوس کے زمیں سے وہیں
یہاں تک کرے خوار اوس کے تئیں
کہ دردر پھرے وہ بروئے زمیں

ایسی اور بہت سی مثنویاں ہیں جن کی زبان وقت کے ساتھ صاف اور آسان ہوتی گئیں،

یہ تو چند پرانی اردو مثنویوں کی زبان تھی اردو نثر کی اولین کتابوں میں ہم صرف دو کی زبان دیکھتے ہیں:

میر انشاء اللہ خان انشا، اپنی کتاب ''کہانی رانی کیتکی اور کنور اودھے بھان کی'' میں لکھتے ہیں،

''کسی دیس میں کسی راجہ کے گھر ایک بیٹا تھا، اوسے اوس کے ما باپ اور سب گھر کے لوگ کنور اودھے بھان کر کے پکارتے تھے، سچ مچ اوس کے جوبن کی جوت میں سورج کی ایک سوت آملی تھی، اوس کا اچھا پن اور بھلا لگنا کچھ ایسا نہ تھا، جو کسی کے لکھنے اور کہنے میں آسکے، پندرہ برس بھر کے اونے سولھوے میں پاؤں رکھا تھا، کچھ یوں ہیں سی اوس کی مسیں بھیگتی چلی تھیں، اکڑ تکڑ اوس میں بہت سی سما رہی تھی کسی کو کچھ نہ سمجھتا تھا، پر کسی بات کی لُوچ کا گھر گھاٹ پایا نہ تھا اور چاہ کی ندی کا پاٹ اونے دیکھا نہ تھا۔''

یہ خالص اردو زبان کا نمونہ ہے، اس کہانی کے متعلق دعویٰ ہے کہ اس میں کہیں عربی فارسی اور ترکی الفاظ استعمال میں نہیں لائے گئے مگر یہ خالص اردو چل نہ سکی اور اس میں وقت کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی، ترکی اور دیگر زبانوں نے جگہ پائی اور اسے چار چاند لگا دیے۔''

ڈاکٹر سید عبداللہ نے، شاہ عالم ثانی کی کتاب عجائب القصص کے مقدمہ میں عجائب القصص کی اہمیت کی تین وجہیں لکھیں ہیں۔ تیسری وجہ میں لکھتے ہیں:

''کہ یہ شمالی ہندوستان میں اردو نثر کی چند اولین کتابوں میں سے ایک ہے، شمالی ہندوستان کی قدیم اردو نثری کتابوں کی ترتیب قائم کی جائے تو کم و بیش یوں ہوگی۔

﴿۱﴾ فضلی کی دہ مجلس (کربل کتھا) (۱۷۳۲ء ۱۱۴۵ھ)

﴿۲﴾ نوطرز مرصع ۱۷۸۱ء (۱۱۹۵ھ) سے پہلے۔

﴿۳﴾ سودا (متوفی ۱۱۹۵ھ) دیباچہ دیوان مراثی اردو۔ (سودا نے میر تقی میر کی مثنوی کا اردو نثر میں ترجمہ کیا تھا مگر اب وہ دست یاب نہیں) ۱۷۸۱ء۔

﴿۴﴾ ترجمۂ قرآنِ مجید از شاہ رفیع الدین صاحب (۱۲۰۰ھ ۱۷۸۶ء)۔

﴿۵﴾ ترجمۂ قرآن مجید از شاہ عبدالقادر ۱۲۰۵ھ (۹۱۔۱۷۹۰ء)

﴿۶﴾ عجائب القصص ۱۲۰۷ھ (۹۳۔۱۷۹۲ء)

اِن کے علاوہ اردو نثر پر اور بہت سی کتابیں ہیں۔ اور نثری قصوں کی اگر فہرست تیار کی جائے تو وہ الگ ہے:

جیسا کہ راقم نے عرض کیا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زبان میں بھی فرق پڑتا رہتا ہے۔ تو ہر بعد میں آنے والا عہد اور اس کے علما، ادبا و شعرا اپنے سے پہلے کی زبان کو آسان اور عام فہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شاہ عالم ثانی، عجائب القصص کے سبب تصنیف و تالیف میں لکھواتے ہیں کہ

''اور اکثر بزرگ حق شناس اور بادشاہ قدسی اساس مشغول اور مصروف اس طرف رہے ہیں۔ ہر چند ہر ایک علم اپنا رکھتا ہے، لیکن نشہ شعر کا بھی خالی کیفیت سے نہیں، اور جب سب علموں سے ماہر ہو، تب اس علم سے واقف ہو۔ جب چند دیوان بہ زبان فارسی اور بہ زبان ریختہ ارشاد حضور والا مرتب ہوئے اور کبت دوھرے حد سے گزرے، یکا یک یہ مزاج اقدس ارفع اعلیٰ میں آیا کہ قصہ زبان ہندی میں بہ عبارت نثر کہیے اور کوئی لفظ اس میں غیر مانوس، اور خلاف روزمرہ اور بے محاورہ نہ ہو اور عام فہم اور خاص پسند ہووے کہ جس کے استماع سے فرحت تازہ اور مسرت بے اندازہ مستمع کو حاصل ہو۔ اور آداب سلطنت اور طریق عرض و معروض دریافت ہوں اور اگر جاہل پڑھے تو اس کے فیض سے عالموں سے بہتر گفتگو اور بول چال بہم پہنچائے۔''

تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے بھی یہی فرمایا:

''وہ الفاظ کہ متروک یا نامانوس ہو گئے، فصیح و سلیس رائج الفاظ سے بدل دیے جائیں۔''

تو یہ کہنا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے متروک و نامانوس الفاظ استعمال کیے ہیں تو یہ اعتراض بیجا ہے: بلکہ کسی بھی اردو لغت میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے استعمال کیے ہوئے الفاظ کو متروک نہیں لکھا گیا مثلاً ''ٹوٹے، اوسر، کوتک، نیگ، ریتی، پچھیت، بھوڑ، گرا، ٹنیٹ، سادھا، کونچا، پور، اوترا، چرتر، پھک، کینڈا، گابھ، گابھنی، کنڈے، چٹی پڑی، دوب، چومیٹا، پھنک وغیرہ۔

بلکہ ہمارے عہد کے بہت سے بوڑھے ہنوز یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ تو زبان کو وقت کے لحاظ سے آسان فہم کرنا اچھی بات ہے۔ اور یہی اعلیٰ حضرت نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ کے متعلق فرمائی، اور ایسے الفاظ کنزالایمان میں زیادہ نہیں صرف تیس ۳۰ کے لگ بھگ ہوں گے۔ اور اتنے لفظوں پر یہ کہہ دینا کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نامانوس و متروک الفاظ سے اپنے ترجمۂ قرآن کو بھر دیا ہے۔ کس قدر ستم ظریفی ہے۔ اور وہ بھی کہ ماہرین لغت کے نزدیک متروک نہیں۔

مگر اِس بحث میں ایک نقطہ ہے جو نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے وہ یہ کہ متروک و نامانوس الفاظ کو فصیح و سلیس رائج الفاظ سے بدلتے وقت اُس کے معنی و مفہوم کا ضرور خیال رہے یہ نہ ہو کہ نعم البدل کے طور پر جو لفظ رکھا گیا ہے وہ کچھ اور ہی معنی و مفہوم دے رہا ہو۔ تو اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن میں یہی ایک نقطہ مضمر ہے جس کا خیال نہیں کیا جاتا۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں جتنے بھی الفاظ متروک و نامانوس محسوس ہوتے ہیں۔ وہ اردو میں اپنا نعم البدل نہیں رکھتے، جن کا پتا اردو لغات کی ورق گردانی سے لگ سکتا ہے، یہ تو تھا ترجمہ کرنے کا مسئلہ جو اعلیٰ حضرت نے حل فرما دیا۔ اب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ترجمہ کہاں لکھا جائے:

بین السطور میں صرف ترجمہ ہو:

فتاویٰ رضویہ جلد ۲۳ ص ۶۷۸ میں مستفتی نے سوال کیا کہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف کا ترجمہ اس طرح پر کرنا کہ نیچے ترجمہ میں محذوفات اور مطالب وغیرہ خطوطِ ہلالی بنا کر لکھ دیے جائیں جائز ہے یا ناجائز؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اِس سوال کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ

''الحمدللہ قرآن عظیم بحفظ الٰہی عزوجل ابدالآباد تک محفوظ ہے تحریف محرفین و انتحال منتحلین کو اس کے سراپردۂ عزت کے گرد بار ممکن نہیں۔

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ م بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔

حمد اس کے وجہ کریم کو جس نے قرآن اتارا اور اس کا حفظ اپنے ذمۂ قدرت پر رکھا

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ O

توریت و انجیل کچھ تو ملعون احباروں نے اپنے اغراض ملعونہ سے روپے لے کر اپنے مذہب ناپاک کے تعصب سے قصداً بدلیں اور کچھ ایسے ہی ترجمہ کرنے والوں نے اس خلط و خبط کی بنیادیں ڈالیں مرورِ زماں کے بعد وہ اصل و زیادت مل ملا کر سب ایک ہوگئیں، کلامِ الٰہی و کلامِ بشر مختلط ہو کر تمیز نہ رہی۔ الحمدللہ نفس قرآن میں اگرچہ یہ امر محال ہے تمام جہان اگر اکھٹا ہو کر اُس کا ایک نقطہ کم بیش کرنا چاہے ہرگز قدرت نہ پائے مگر ترجمہ سے مقصود اُن عوام کو معانیِ قرآن سمجھانا ہے جو فہمِ عربی سے عاجز ہیں خطوط ہلالی نقول و در نقول خصوصاً مطابع مطابع میں ضرور مخلوط و نامضبوط ہو کر نتیجہ یہ ہوگا کہ دیکھنے والے عوام اصل ارشاد قرآن کو اس مترجم کی زیادت سمجھیں گے اور مترجم کی زیادات کو رب العزۃ کا ارشاد یہ باعثِ ضلال ہوگا اور جو امر منجر بہ ضلال ہو اس کی اجازت نہیں ہوسکتی اسی لیے علما مترجمین نے ترجمے کا یہی دستور رکھا کہ بین السطور میں صرف ترجمہ اور جو فائدہ زائدہ ایضاحِ مطلب کے لیے ہواوہ حاشیہ پر لکھا انھیں کی چال چلنی چاہیے۔ وباللّٰہ التوفیق، واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔''

تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس کلام سے پتا چلا کہ آیات کے نیچے صرف ترجمہ ہو اور اگر ترجمے کو زیادہ کھول کر سمجھانا ہو تو وہ سطریں اصل ترجمے کے ساتھ نہ ہوں اور نہ ہی جُدا سے خطوطِ ہلالی کے بیچ میں

کہ کبھی کبھی کاتب سے خطوط ہلالی چھوٹ بھی جاتے ہیں اور ساری عبارت مل کر ایک ہو جاتی ہے اور یوں کلام الٰہی نہ سمجھیں بلکہ مترجم کی طرف سے سمجھیں۔ مگر اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ وہ مطالب جو خطوطِ ہلالی میں رکھنے ہوں وہ حاشیے پر لکھیں جائیں تاکہ کلامِ الٰہی کے ترجمے کے ساتھ وہ مل کر ایک نہ ہو جائیں۔ اب آخر میں چند وہ فتوے جو اعلیحضرت نے دیگر مترجمینِ قرآن کے متعلق دیے:

ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمۂ قرآن

فتاویٰ رضویہ جلد ۲۳ ص ۷۰۸ میں استفتا ہے کہ نذیر احمد بی، اے، ایل، ایم کا ترجمہ صحیح ہے یا غلط؟ اور لڑکوں کو مدرسہ میں اس کا ترجمہ پڑھانا جائز ہے یا ناجائز؟

اعلیٰ حضرت جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"نذیر احمد کا نہ ترجمہ صحیح ہے نہ ایمان، وہ شخص منکرِ خدا تھا۔ جیسے اُس نے اور کتابیں نصرانیت و نیچریت آمیز لکھیں جن سے مال کمانا مقصود تھا ویسے ہی یہ ترجمہ بھی کر دیا گیا اس سے بھی داموں ہی کی غرض تھی، ورنہ جو شخص اللہ ہی کو نہ مانتا ہو وہ قرآن کے ترجمے کو کیا جانے گا۔ اس کا ترجمہ ہرگز نہ پڑھا جائے۔"

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ علیہ نے ڈپٹی نذیر احمد کے متعلق جو کہا وہ سب سچ ہے۔ یہ نہیں کہ آپ علیہ الرحمۃ نے سنی سنائی بات پر فتویٰ دے دیا: ڈپٹی نذیر احمد کا خاکہ لکھا ہے اور وہ خاکہ اردو خاکہ نگاری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ مرزا فرحت اللہ بیگ اردو کے مشہور و معروف صاحب طرزِ ادیب گزرے ہیں ان کے لکھے ہوئے خاکے اور مضامین کی اُردو ادب میں بڑی اہمیت ہے اپنے خاکہ "ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ انکی زبانی" میں اُن کے ترجمۂ قرآن کے متعلق لکھتے ہیں:

"مولوی صاحب کو اپنے ترجمے پر ناز تھا اور اکثر اس کا ذکر فخریہ لہجے میں کیا کرتے تھے۔ اردو ادب میں اُن کی جن تصنیفات نے دھوم مچادی ہے وہ ان کے نزدیک بہت معمولی چیزیں تھیں، وہ کہا کرتے تھے کہ میری تمام عمر کا اصلی سرمایہ قرآنِ مجید کا ترجمہ ہے اس میں مجھے جتنی محنت اٹھانی پڑی ہے اس کا اندازہ کچھ میں ہی کر سکتا ہوں۔ ایک ایک لفظ کے ترجمے میں سارا سارا دن صرف ہو گیا ہے، میاں سچ کہنا! کیسا محاورے کی جگہ محاورہ بٹھایا ہے" ہم نے کہا: "مولوی صاحب! بٹھایا نہیں ٹھونسا ہے جہاں یہ فقرہ کہا اور مولوی صاحب اچھل پڑے، بڑے خفا ہوتے اور کہتے۔

"کل کے لونڈو! میرے محاوروں کو غلط بتاتے ہو، میاں! میری اردو کا سکہ تمام ہندوستان پر بیٹھا ہوا ہے خود لکھو گے تو چیں بول جاؤ گے! محاوروں کی بھرمار کے متعلق اکثر مجھ سے ان کا جھگڑا ہوا کرتا تھا میں ہمیشہ کہا کرتا تھا، مولوی صاحب! آپ نے محاوروں کی کوئی فہرست تیار کر لی ہے اور کسی نہ کسی محاورے کو آپ کسی نہ کسی جگہ پھنسا دینا چاہتے ہیں خواہ اس کی گنجائش وہاں ہو یا نہ ہو۔"

تو نذیر احمد کے ترجمۂ قرآن کے متعلق مرزا فرحت اللہ بیگ کا مندرجہ بالا تبصرہ ہی بس ہے: اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا یہ لکھنا کہ "اس نے اور کتابیں نصرانیت و نیچریت آمیز لکھیں جن سے مال کمانا مقصود تھا ویسے ہی یہ ترجمہ (ترجمۂ قرآن) بھی کر دیا گیا" بالکل سچ ہے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ لکھتے ہیں کہ مولوی نذیر احمد نے انہیں بتایا کہ:

"کوئی سات بجے ہوں گے کہ صاحب کا چپراسی آیا اور کہا کہ "صاحب سلام بولتے ہیں، وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ صاحب بیٹھے مرأۃ العروس پڑھ رہے ہیں۔ سلام کر کے کرسی پر بیٹھ گیا، صاحب نے کہا۔

"مولوی صاحب! آپ نے ایسی مفید اور دلچسپ کتابیں لکھیں اور طبع نہ کرائیں اگر کل آپ کا لڑکا مجھ کو نہ ملتا تو شاید کوئی بھی ان کتابوں کو نہ دیکھتا اور چند ہی روز میں یہ کتابیں بچوں کے ہاتھوں پھٹ پھٹا کر برابر ہو جاتیں اگر آپ اجازت دیں تو میں "مرأۃ العروس" کو سرکار میں پیش کر دوں آج کل گورنمنٹ ایسی کتابوں کی تلاش میں ہے جو لڑکیوں کے نصاب تعلیم میں داخل ہو سکیں۔ میں نے کہا: "آپ کو اختیار ہے۔" یہ کہہ کر میں چلا آیا صاحب نے وہ کتاب گورنمنٹ میں

پیش کردی وہاں سے انعام ملا، یہاں شیر کے منہ کو خون لگ گیا اوپر تلے کئی کتابیں گھسیٹ ڈالیں جو کتاب لکھی، اس پر انعام ملا، جو لکھا پسند کیا گیا، غرض میں مصنف بن گیا اور ساتھ ہی ڈپٹی کلکٹر بھی۔"

اور سنیے مرزا فرحت اللہ بیگ لکھتے ہیں کہ مولوی نذیر احمد نے اُنہیں بتایا کہ

"میاں شرف نے۔ کہ وہ ایڈمبرا میں پڑھتے تھے، مجھے لکھا کہ اپنی (نذیر احمد کی) تمام تصنیفات و تالیفات کی نہایت عمدہ جلدیں بنوا کر بھجوا دیجیے سر ولیم میور دیکھنا چاہتے ہیں۔ سر ولیم میور پہلے ممالک مغربی و شمالی کے لیفٹننٹ گورنر تھے، مجھ پر بھی بہت مہربان تھے۔ میں نے شرف کے لکھے کو بیچ جانا، کتابوں کی جلدیں بنوا کر ایڈمبرا روانہ کریں۔ ان کتابوں میں میرا قرآن مجید کا ترجمہ بھی تھا۔ وہ بہت پسند کیا گیا۔ سر ولیم میور نے یہ کتابیں ایڈمبرا یونیورسٹی میں پیش کردیں اور ہمیں گھر بیٹھے ایک ایل ایل ڈی کی ڈگری مل گئی۔"

اور لیجیے، مرزا فرحت اللہ بیگ لکھتے ہیں:

"سود لینا وہ (ڈپٹی نذیر احمد) جائز سمجھتے تھے، اگر کوئی حجت کرتا تو مارے تاویلوں کے اس کا ناطقہ بند کردیتے ایک تو حافظ، دوسرے عالم، تیسرے لسان، بھلا ان سے کون ور آسکتا تھا اور تو اور خود مجھ سے (مرزا فرحت اللہ بیگ سے) سود لینے کو تیار ہوگئے واقعہ یہ ہے کہ ہم پر متفرق قرضے تھے خیال آیا ایک جگہ سے قرض لے کر سب کو ادا کردیا جائے، قرضہ کس سے لیا جائے یہ ذرا ٹیڑھا سوال تھا، ہر پھر کر مولوی صاحب پر نظر جاتی تھی، آخر ایک دن جی کڑا کر کے میں نے مولوی صاحب سے سوال کر ہی دیا کہنے لگے، کتنا روپیہ چاہیے؟ میں نے کہا "بارہ ہزار" "بولے ضمانت"؟ میں نے کہا چوڑی والوں کا مکان پوچھا کتنی مالیت کا ہے "میں نے کہا کوئی ساٹھ ستر ہزار روپے کا فرمایا کل قبالہ لیتے آنا میں نے دل میں سوچا چلو چھٹی ہوئی، بڑی جلدی معاملہ نپٹ گیا، دوسرے دن قبالہ لے کر پہنچا، پڑھ کر کہا ٹھیک ہے، مگر بیٹا سود کیا دو گے؟ میں نے کہا "مولوی صاحب آپ اور سود؟ کہنے لگے کیوں اس میں کیا ہرج ہے؟ میں نہ دوں گا تو کسی ساہوکار سے لو گے، اس کو بخوشی سود دو گے۔

ارے میاں! مجھے کچھ فائدہ پہنچاؤ گے تو دین و دنیا میں بھلا ہوگا، آخر میں تمہارا اُستاد ہوں یا نہیں میرا بھی کچھ حق تم پر ہے یا نہیں جاؤ شاباش بیٹا اپنے چچا سے جا کر تصفیہ کرآؤ! کل چیک بنگال بینک کے نام لکھے دیتا ہوں میں نے کہا مولوی صاحب! لوگ کیا کہیں گے مولوی ہو کر سود دیتے ہیں اور لیتے ہیں کس سے اپنے شاگردوں سے! کہنے لگے اس کی پروانہ کرو جب مجھ پر کفر کا فتویٰ لگ چکا ہے تو اب مجھے ڈر ہی کیا رہا جاؤ تمہارے ساتھ یہ رعایت کرتا ہوں اوروں سے روپیہ سیکڑہ لیتا ہوں تم سے چودہ آنے لوں گا۔ میں نے آکر گھر میں ذکر کیا ہم کو دوسری جگہ سے آٹھ آنے سیکڑے پر روپیہ مل گیا اس لیے یہ معاملہ یوں ہی رہ گیا۔"

تو ڈپٹی نذیر احمد کا یہ تھا دین وایمان اور یہ تھا کردار جو مختلف دیے گئے اقتباسات میں آپ نے پڑھا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا فتویٰ کہ اس کا ترجمہ ہرگز نہ پڑھا جائے۔ بالکل درست ہے کہ جو شخص اپنی زندگی میں کسی چیز کی پروا نہیں کرتا اور حرام حلال کی تمیز نہیں رکھتا اُس نے ترجمۂ قرآن میں کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔

کہاں کا حلال اور کہاں کا حرام
جو صاحب کھلائے وہ چٹ کیجیے
ع بے حیا باش ہرچہ خواہی کن

سرسید احمد خان کا ترجمۂ قرآن

سرسید احمد خان کے متعلق بھی سن لیجیے کہ اُس نے بھی قرآن کا ترجمہ کیا ہے:

ملفوظات اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ص ۲۹۳ میں ہے: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں عرض کیا گیا: بعض علیگڑھی کو سید صاحب کہتے ہیں:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا:

وہ تو ایک خبیث مرتد تھا۔ حدیث میں ارشاد فرمایا:

لا تقولو للمنافق سیدا فانه ان یکن سید کم فقد استخطتم ربکم.

''منافق کو سید نہ کہو کہ اگر وہ تمہارا سید ہوا تو یقیناً تم نے اپنے رب کو غضب دلایا۔''

سر سید کے ایمان کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مسلمان کا جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے وہ ان میں سے کئی ایک کا انکاری تھا، اس کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود و استحکام انگریز کی حکومت کے نیچے سمجھتا تھا۔ بابائے اردو مولوی عبد الحق اپنی کتاب چند ہم عصر، صفحہ ۲۳۱ میں لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ وہ انگریزی حکومت کو ہندوستان اور خاص کر مسلمانوں کے حق میں موجب برکت سمجھتے تھے، چنانچہ انھوں نے اس خیال کا اظہار صاف صاف ان الفاظ میں کیا ہے۔'' میں ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ کا استحکام کچھ انگریزوں کی محبت اور ان کی ہوا خواہی کی نظر سے نہیں چاہتا بلکہ صرف اس لیے چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی خیر اس کے استحکام میں سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اگر وہ اپنی حالت سے نکل سکتے ہیں تو انگلش گورنمنٹ کی بدولت نکل سکتے ہیں۔''

ایسا شخص جسے مسلمانوں کا استحکام انگلش گورنمنٹ میں نظر آئے وہ حقیقت میں مسلمانوں کا کس درجہ بدخواہ ہوگا یہ ہر عقلمند بخوبی سمجھ سکتا ہے، اس نے قرآن کے ترجمے میں کیا کچھ نا غلط کر دیا ہوگا، اللہ تعالیٰ ایسوں کے شر سے ہمیں بچائے۔ آمین

شیخ سعدی کا ترجمۂ قرآن؛

اعلیٰحضرت امام اہلسنت علیہ الرحمہ فتاوٰی رضویہ جلد ۲۳ ص ۳۸۲ میں ارشاد فرماتے ہیں؛

''قرآنِ عظیم کے مطالب سمجھنا بلاشبہ مطلوبِ اعظم ہے مگر بے علمِ کثیر و کافی کے ترجمہ دیکھ کر سمجھ لینا ممکن نہیں بلکہ اس کے نفع سے اس کا ضرر بہت زیادہ ہے، جب تک کسی عالمِ ماہر کامل سنّی دین دار سے نہ پڑھے خصوصاً اس حالت میں کہ ترجمۂ شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سوا آج تک اُردو فارسی جتنے ترجمے چھپے ہیں کوئی صحیح نہیں بلکہ اُن باتوں پر مشتمل ہیں کہ بے علم بلکہ کم علم کو بھی گمراہ کردیں واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔''

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے تراجم کے علاوہ دوسرے تمام تراجمِ قرآن کو (جو چاہے اُردو میں ہوں یا فارسی میں) صحیح نہیں فرمایا اس سے پتہ چلا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے وقت تک ہونے والے اُردو و فارسی کے تمام ترجمہ شدہ قرآن عظیم ملاحظہ فرمائے تھے تبھی یہ بات کہی، اور اب شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ فارسی میں اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ترجمہ کنز الایمان اُردو میں سب تراجمِ قرآن سے اچھے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں تراجمِ قرآن سے زیادہ سے زیادہ فیوض و برکات حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿حوالہ جات﴾

۱...... فتاوٰی رضویہ جلد ۲۳، امام احمد رضا خان بریلوی رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

۲...... فتاوٰی رضویہ جلد ۱۴ امام احمد رضا خان بریلوی رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

۳...... مثنوی نوسرہار۔ از: شاہ اشرف الدین اشرف بیابانی
انجمن ترقی اُردو پاکستان ۱۹۸۲ء

۴...... مثنوی لولوئے از غیب از: شیر لال
انجمن ترقی اُردو پاکستان ۱۹۸۳ء

۵...... مثنوی عاقبت بخیر از: سید ساجد علی فنائی
انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۸۱ء

۶...... کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی، از: میر انشاء اللہ خان انشاء
انجمن ترقی اردو پاکستان ۲۰۰۳ء

۷...... مقدمہ عجائب القصص از: ڈاکٹر سید عبد اللہ

۸...... عجائب القصص از: شاہ عالم ثانی

۹...... مضامین فرحت از: مرزا فرحت اللہ بیگ

۱۰...... ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت از: مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۱...... چند ہم عصر از: بابائے اُردو مولوی عبد الحق۔

کنزالایمان اور اس کا اسلوب

محمد شمشاد حسین رضوی (ایم۔اے)☆

کنزالایمان کیا ہے؟ عقیدہ و ایمان، عشق و وفا، خلوص و محبت کا خزانہ اور اس کا حسین و خوبصورت گلدستہ ہے۔ یہی کنزالایمان صحیح معنی میں قرآن مقدس کا ترجمہ اور اس کا سچا ترجمان ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ۱۳۳۰ھ میں قرآن مقدس کا اردو زبان میں ترجمہ کیا اور اس کا تاریخی نام کنزالایمان رکھا۔ رشد و ہدایت کا یہ ایسا چشمۂ سیال ہے جس سے ہزاروں فیضیاب ہوئے، اور اب بھی ہو رہے ہیں انشاء اللہ آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ جس وقت ترجمۂ قرآن کنزالایمان چھپ کر منظر عام پر آیا اس وقت اردو زبان و ادب میں کافی حد تک متانت و سنجیدگی اور شائستگی آچکی تھی۔ اس کا ذخیرۂ الفاظ بھی وسیع ہو چکا تھا۔ محاورے، استعارے اور تشبیہات بھی اس ذخیرہ میں کافی حد تک موجود تھے۔ اردو ادب کی خوبصورت بزم میں جہاں نظموں کا گلدستہ اور اس کا حسین پیکر موجود تھا وہیں اردو نثر کی تخلیقات بھی تھیں جو اپنے حسین جلوؤں سے اردو زبان و ادب کو نواز رہی تھیں کنزالایمان بھی انھیں میں ایک ادبی شاہکار اور عظیم شہ پارہ تھا۔ اس کی زبان بھی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی تھی۔ لب و لہجہ میں حسن و بانکپن، رعنائی اور شگفتگی تھی۔ کنزالایمان اس لائق تھا کہ ہمارے نقاد اور ادبی ذوق و شوق رکھنے والے افراد اس پر اپنی توجہ مبذول کر سکتے تھے اور اس کے اسلوب بیان اور انداز نگارش پر کھلے دل و دماغ سے سوچ سکتے تھے۔ مگر انھوں نے ایسا نہ کر کے اپنی تنگ نظری اور کم ظرفی کا ثبوت دیا۔ کیا فن تنقید اس بات کی اجازت دیتا ہے؟ اور جن افراد نے ایسا کیا، ان کی تحریریں کیا چشم کشا ہو سکتی ہیں؟ انصاف و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی تحریر کبھی بھی چشم کشا نہیں ہو سکتی ہے۔ اردو تاریخ و تنقید کا یہ زبردست المیہ ہے کہ اردو نثر کی تاریخ و ارتقا میں نقاد، باغ و بہار، فسانۂ عجائب، طوطی نامہ، امراؤ جان ادا اور اس صنف ادب سے تعلق رکھنے والی دوسری تخلیقات کا تذکرہ کرتے ہیں حتی کہ مولانا شاہ رفیع الدین، مولانا شاہ عبدالقادر اور ڈپٹی نذیر احمد کے اردو ترجموں کا بھی ذکر کرتے ہیں مگر کنزالایمان کا کوئی ذکر نہیں، کوئی تذکرہ نہیں۔ کیا اس چشم پوشی کا ان کے پاس کوئی جواز ہے؟ میں ایسے افراد سے پوچھنا چاہتا ہوں اس چشم پوشی کے کیا وجوہات ہو سکتے ہیں؟

کیا صرف اس لئے کہ یہ ایک مولوی کا ترجمہ قرآن ہے جو اردو ادب کا پروفیسر نہیں، ڈاکٹر نہیں اور نہ ہی اردو ادب و تنقید کا محقق و نقاد، یا صرف اس لئے کہ کنزالایمان کے مترجم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ہیں۔ اگر صرف یہی وجوہات ہیں تو مجھے ایسے افراد و رجال پر افسوس ہوتا ہے اور ان کی ہوشمندی اور دانشوری پر رونا آتا ہے کہ انھوں نے یہ رویہ اپنا کر اخلاق و دیانت اور انصاف و بصیرت کی بلی چڑھا دی۔ یہ ظلم و ستم کب تک؟ ایک دور ایسا ضرور آئے گا کہ تاریکیاں چھٹ جائیں گی، اندھیرے دور ہو جائیں گے اور حقیقت و واقعیت کا سویرا ضرور نمودار ہوگا۔ انوار و تجلیات کی چاندنی بکھر جائے گی اور کنزالایمان کا اجالا یقیناً ہمارے دل و دماغ پر چھا جائے گا اور کنزالایمان کی خوبیاں ہماری زبانوں پر ہوں گی۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کا شکر و احسان ہے کہ اب وہ دور آچکا ہے۔ ایک اندازہ

☆صدر المدرسین مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

کے مطابق کنزالایمان کے تعلق سے اب تک جس قدر مقالے، مضامین اور تحقیقات شائع ہو چکی ہیں۔ میرے خیال میں اس ترجمۂ رضا کے علاوہ کسی اور ترجمہ کے بابت شائع نہیں ہوئی ہیں۔ یہ خدائے پاک کا فضل ہے جب وہ دینے پر آتا ہے تو بے حساب دیتا ہے، اتنا دیتا ہے کہ لینے والوں کا دامن تنگ ہو جاتا ہے مگر اس کے خزانہ میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی۔

سعودی حکومت نے اس پر پابندی عائد کر دی۔ ایسا کرنا تو بہت زیادہ آسان ہے مگر دلیلوں سے اس پابندی کا جواز ثابت کرنا جوئے شیر جاری کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ سب مل کر کوشش کریں اس کے باوجود یہ اس کا جواز ثابت نہیں کر سکتے اور نہ ہی صبح قیامت تک اس کو جائز بتا سکتے ہیں۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ اندھیروں کو نور وضیا سے اور جہل و نادانی کو علم و ادب اور فکر و شعور سے فطری عداوت رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ اگر بات کچھ اسی طرح کی ہے تو پھر ہمیں اس تعلق سے بات کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ لہٰذا یہ بات یہیں ختم کی جاتی ہے اور کنزالایمان کا اسلوبیاتی مطالعہ و تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

تحریر و تخلیق کسی کی ہو، اس کا ایک اسلوب ہوتا ہے۔ لب و لہجہ اور انداز نگارش ہوا کرتا ہے۔ کسی بھی ادبی شاہکار کے لئے اسلوب کا ہونا ایک ضروری امر ہے اور یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اسلوب ایک طرح کا نہیں ہوتا بلکہ اس میں فرق و امتیاز ہوا کرتا ہے۔ ہر فن کار کا اسلوب الگ ہوتا ہے کسی اسلوب میں کچھ نمایاں خوبیاں ہوتی ہیں اور کسی اسلوب میں دوسری قسم کی خصوصیات ہوا کرتی ہیں۔

اسلوب اور اس کی تشکیل

اسلوب عربی زبان و ادب کا لفظ ہے اور اس کی جمع اسالیب آتی ہے از روئے لغت لب و لہجہ، طریقۂ تحریر اور بات کہنے کے ڈھب کو اسلوب کہا جاتا ہے۔ یہ اس کا عام تصور ہے جو سب کے ذہنوں میں موجود ہے۔ مگر جب گہرائی میں اتر کر اسلوب کی حقیقت پر غور کیا جاتا ہے۔ تو وہ ایک فلسفہ نظر آتا ہے اور اس میں بے پناہ وسعتیں دکھائی پڑتی ہیں کیونکہ اس کی جڑیں مختلف سمتوں میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ نفسیات سے بھی اس کا تعلق ہے اور سماجیات سے بھی، یہ مذہبیات سے رابطہ رکھتا ہے اور معاشیات سے بھی۔ جذبات کی لہریں بھی اسلوب کے پیکر میں نظر آتی ہیں اور فکر و شعور کی شعاعیں بھی۔ حزن و ملال، فرحت و انبساط کے آثار و عکوس بھی اُسلوب کے آئینہ میں نظر آتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ دیکھنے والی آنکھوں میں بھی تاب و توانائی ہو، اسی لئے اہل تحقیق کے نزدیک اسلوب ایک فلسفہ ہے۔ وہ خود میں تنہا نہیں، بلکہ اس میں مختلف چیزیں شامل ہوتی ہیں، تب کہیں جا کر اسلوب تشکیل پاتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو اسلوب ایک مرکب ہے، ایک خوبصورت مجموعہ ہے اور اس کے تشکیلی عناصر بھی ہیں جو ذیل میں درج کئے جارہے ہیں......

(۱) شخصیت
(۲) ماحول
(۳) مقاصد
(۴) ابلاغ خیال
(۵) مخاطب

یہ پانچ چیزیں ہیں جن سے اسلوب طریقۂ اظہار کی تشکیل ہوتی ہے۔ بعض مفکرین کا قول ہے اسلوب شخصیت کا مظہر اور ماحول کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس سے آپ خود بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلوب تو دیکھنے میں صرف پانچ لفظوں کا مرکب نظر آتا ہے مگر اس کی گہرائی میں معنیاتی نظام کا کوئی ناپیدا کنار سمندر ہے جو موجیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔

کنزالایمان بھی ایک ادبی شاہکار اور فن ترجمہ نگاری کا آئینہ دار ہے۔ اس کا بھی ایک اسلوب ہے اور طریقۂ اظہار بھی، جس میں انفرادیت بھی ہے اور امتیازی شان وشوکت بھی۔ یہ اسلوب بھی سب سے الگ اور منفرد ہے کیونکہ اسلوب کبھی بھی ایک جیسا نہیں ہوتا، اس میں کسی نہ کسی زاویہ سے انفرادیت ضرور ہوتی ہے ورنہ ادبی تخلیقات میں سرقہ کی روایت تسلیم کے لائق نہیں، لہٰذا یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان میں منفرد اسلوب پایا جاتا ہے۔ لیکن اس اسلوبیاتی انفرادیت کی نشو ونما کن اسباب و وجوہات کے سبب ہوئی یہ ضرور تحقیق طلب ہیں۔ اس لئے ہمیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت کنزالایمان کے پس منظر اور پیش منظر حالات، مقاصد اور ابلاغ خیال کا جائزہ لینا ضروری ہے، ایسا نہ کرنے کی صورت میں مسئلہ ادھورا رہ جائے گا۔

اعلیٰ حضرت کی عظیم شخصیت - امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذات محتاج تعارف نہیں انھیں ایک جائزہ کے مطابق ۵۵؍علوم وفنون پر مکمل عبور حاصل تھا اور مختلف علوم وفنون میں کتابوں، رسالوں کا تالیف فرمانا مہارت تامہ اور قدرت کاملہ کا بین ثبوت ہے۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ امام احمد رضا کی معلومات کس قدر وسیع اور گہری تھی۔ جہاں تک ان کے ذخیرۂ الفاظ کی وسعت کا معاملہ ہے وہ اظہر من الشمس ہے کہ اس کا دار ومدار صرف اور صرف معلومات کی وسعتوں پر ہے۔ جس قدر معلومات وسیع ہوگی، ذخیرۂ الفاظ بھی اسی قدر وسیع ہوگا اور معلومات کا وسیع نہ ہونا ذخیرۂ الفاظ کی تنگ دامنی کو لازم، جہاں تک عربی زبان وادب کا تعلق ہے، اس میں میرے سرکار اعلیٰ حضرت کو کیا کمال حاصل تھا یہ ان کی تصانیف اور رسائل سے ظاہر ہے۔ لفظوں کے معانی اور ان کے وجوہِ استعمال سے آپ بخوبی واقف تھے۔ کون سا لفظ کس موقعہ پر کلام عرب میں بولا جاتا ہے اور موقعہ ومحل کی مناسبت سے کس لفظ کا کون سا معنی متعین ہوتا ہے اس پر بھی آپ کو قدرت حاصل تھی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی زبان وادب کا صحیح اور کامل مذاق رکھتے تھے اور عبارت فہمی میں تو آپ کا کوئی جواب ہی نہ تھا۔ قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو باتیں اس میں نقش ہو جاتی تھیں وہ دائمی طور پر برقرار رہتی تھیں اور لفظوں کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ ان کے مذاق سخن اور طبعی مناسبت سے جملہ وکلام کے ریشمی دھاگوں میں از خود پرو جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں صرف اور صرف آمد ہی آمد کی کیفیت نظر آتی ہے۔ آورد تصنع اور تکلف کا دور دور تک اتا پتہ نہیں۔ یہی کیفیت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اسلوب اور کنزالایمان کے طریقۂ اظہار میں دکھائی دیتا ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ کنزالایمان کا انصاف کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ مطالعہ کر لیجئے، آپ کو ہر مقام پر عالمانہ شان، فنی کروفر اور آمد کی خوبصورت کیفیت دیکھنے کو ملے گی۔ اسی علمی شخصیت کا نتیجہ ہے کہ کنزالایمان کا اسلوب بیان، علم و ادراک فن وشعور اور فکر ونظر کا آئینہ دار نظر آرہا ہے اور اس پر مزید خوبی یہ ہے کہ یہ اسلوب آمد کے تسلسل سے منفرد اور نادر ونایاب بن کر ابھرا۔ بطور نمونہ سورۂ فاتحہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے......

''اللہ کے نام سے شروع، جو بہت مہربان رحمت والا، سب خوبیاں اللہ کو، جو مالک سارے جہان والوں کا، بہت مہربان رحمت والا روزِ جزا کا مالک، ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں، ہمیں سیدھا راستہ چلا۔ راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا''۔ (کنزالایمان)

اس ترجمۂ پاک کے خط کشیدہ الفاظ اسم جلالت کی تقدیم ''شروع''، ''خوبیاں''، ''چلا'' اور ''غضب'' پر غور کیجئے اور سنجیدگی سے اس کا مطالعہ کیجئے۔ یہ تمام الفاظ اور ان کا مناسب استعمال اعلیٰ

حضرت فاضل بریلوی کی علمی شخصیت اور فنی استعداد و صلاحیت کو نمایاں کررہے ہیں۔

(الف) اسم جلالت لفظ اللہ کو ترجمہ میں سب سے پہلے لانا مخصوص، مصلحتوں پر مبنی ہے اور وہ مصلحتیں درج ذیل ہیں......

(۱) اس مقام پر لفظ اللہ اس تقدیم کا مستحق ہے۔

(۲) اس تقدیم سے عملی طور پر برکتوں، رحمتوں کا حصول اولین مقصد ہے۔

(۳) ترجمہ نگاری کے عمل میں توفیق ایزدی کی شمولیت کا نظریہ،

(۴) قول و عمل میں موافقت۔

(ب) شروع کرتا ہوں سے احتراز اور صرف شروع پر اکتفا علم و ادراک اور فنی نزاکتوں کا آئینہ دار ہے۔ اگر دقتِ نظر اور تعمقِ فکر سے کام لیا جائے تو صرف لفظ شروع ہی اصول ترجمہ نگاری کی پاسداری کرتا ہے۔ یہ خوبی شروع کرتا ہوں والے ترجمہ میں نہیں پائی جاتی کیونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے والوں میں مرد حضرات بھی ہیں اور عورتیں بھی انھیں میں شامل ہیں مگر شروع کرتا ہوں، والے ترجمہ نے پڑھنے والوں کو محدود کردیا اور عورتوں کو اس زمرۂ سے نکال باہر کیا میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے علاوہ دوسرے مترجمین اصل متن کی عمومیت کو ترجمہ میں برقرار نہ رکھ سکے اور معنیٰ خصوصیت پیدا کرکے اِسے مردوں کے لئے خاص کردیا اور عورتوں کو بھلا بیٹھے۔ اب آپ خود ہی سوچ لیجئے، یہ کیسا ترجمہ ہے جس میں ترجمانی کی ناقص کیفیت پائی جاتی ہے۔ اس کے باوجود ان ترجموں کو سراہا جارہا ہے۔ کیا یہ انصاف و دیانت کا خون نہیں؟ تو پھر اِسے کیا کہا جائے، عقل و ہوش آپ کے پاس بھی ہے، فیصلہ کیجئے اور بتایئے۔

(ج) الحمد للہ کے ترجمہ میں سب خوبیاں اللہ کو لانا ہی بہتر و مناسب ہے۔ علم و ادراک بھی اسی کا تقاضہ کرتے ہیں۔ یہ مقام حمد ہے اس میں ایسے ہی لفظوں کا استعمال کرنا چاہیے جن سے صرف اور صرف حمد کا ہی تصور ہو لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے سوا تمام مترجمین نے اس کا ترجمہ سب تعریفیں اللہ کے لئے، کرکے مقام حمد کی نزاکتوں، رعنائیوں کو نظر انداز کردیا کہ تعریفیں از روئے لغت مدح اور ذم دونوں پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔ اس لئے اس مقام پر 'تعریفیں' لانا مناسب نہیں۔ ہاں 'خوبیاں' لانا ہی علم و ادراک اور فن و شعور کو جلا بخشتا ہے۔ یہ حصۂ خوب تر بھی امام احمد رضا فاضل بریلوی کو ملا۔

(د) اھدنا الصراط المستقیم یہ ایک دعا ہے جو ایک بندۂ مومن کی زبان سے نکلتی ہے اگر اس کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا، تو میں کہتا ہوں یہ ترجمہ کسی زاویہ سے مناسب نہیں۔

(۱) بندۂ مومن تو سیدھا راستہ دیکھ چکا ہے تو پھر وہ دکھا کی دعا کس طرح کرسکتا ہے؟ یہ تو تحصیل حاصل ہوئی جو محال ہے۔

(۲) اس دعا میں ہدایت کی نسبت ذات وحدہ لاشریک کی طرف کی گئی ہے اور قاعدہ ہے جب ہدایت اللہ کی ذات کی طرف منسوب ہو، تو وہاں ایصال الی المطلوب کا معنی لیا جاتا ہے اور جب ہدایت کی نسبت غیر خدا یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف ہوتی ہے تو اس کا معنی اراءۃ الطریق لیا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے 'سیدھا راستہ چلا' سے ترجمہ کرکے ایصال الی المطلوب کا لحاظ کیا اور دوسرے مترجمین نے اراءۃ الطریق کو پیش نظر رکھ کر 'راستہ دکھا' ترجمہ کردیا اور یہ فراموش کر بیٹھے کہ اھدنا الصراط المستقیم میں دعا ہونے کے سبب ہدایت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کی طرف ہے اِسے علم کی کمی کہا جائے؟ یا کچھ اور؟ یہ فیصلہ قارئین کے ذمہ ہے۔

(س) سورۂ فاتحہ میں غیر المغضوب علیھم بھی آیا ہے۔ المغضوب اسم مفعول ہے اور اس کا ماخذ غضب ہے۔ یہ آیت بھی دعا کی

جیز میں ہے اس لئے اس پر بھی حکم دعا ہی نافذ ہوگا۔ اس اعتبار سے غضب کی نسبت بھی اللہ کی طرف ہوگی۔ اس مقام پر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس غضب کا ترجمہ تمام مترجمین نے غصہ کیا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کا کوئی ترجمہ نہیں کیا بلکہ انھوں نے ترجمہ میں اسی کو بعینہٖ رکھ کر فرمایا ۔''نہ ان کا جن پر غضب ہوا'' میں کہتا ہوں، اس مقام پر غضب کا ترجمہ کرنا ہی نہیں چاہیے کہ اس کا متبادل لفظ غصہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مناسب نہیں کیونکہ

(۱) غصہ کا اصل معنی از روئے لغت گلے میں کھانے کا اٹک جانا، پھندہ لگنا اور اُچھو لگنا ہے۔ کیا غصہ کا یہ معنی خدا کی ذات کے لئے مناسب ہے۔ ظاہر ہے آپ کا بھی فیصلہ یہی ہوگا کہ ہرگز مناسب نہیں۔

(۲) جب آدمی کسی خوف یا لحاظ کے سبب اپنے دل کا جوش ظاہر نہ کر سکے اور وہ جوش وجذبہ گلے میں ہی اٹک کر رہ جائے، تو ایسی حالت میں چہرہ پر ناگواری کے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں اور جو کیفیت نمایاں ہوتی ہے اس پر بھی بطور استعارہ غصہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ غصہ کا یہ استعاراتی معنی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے مناسب نہیں کہ اسے کس کا خوف؟ اور کس کا لحاظ؟ اور پھر یہ کہ اس ذات تنزیہہ کے لئے جوش و جذبہ کا اٹک جانا کیونکر متصور ہوسکتا ہے؟

لہٰذا علم وادراک، فکر وشعور کا یہی فیصلہ ہے کہ غضب کا ترجمہ غصہ سے قطعی نہ کیا جائے، بلکہ لفظ ''غضب'' کو ہی ترجمہ میں رکھ دیا جائے کہ اس کا کوئی بھی متبادل لفظ اس غضب کی نمائندگی نہیں کرتا۔ جن لوگوں نے غضب کا ترجمہ غصہ سے کر دیا میں سمجھتا ہوں انھوں نے علم و ادراک کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا۔

یہ چند شواہد تھے جو نمونے کے طور پر بیان کر دیئے گئے جن سے یہ ثابت ہوگیا کہ کنز الایمان کا اسلوب بیان علم وادراک، فکر وشعور اور حسن تخیل کا مکمل طور پر آئینہ داری کرتا ہے۔ صرف سورۂ فاتحہ کے ترجمہ اور اس کے اسلوب سے جس علمی شخصیت کی طرف تبادرِ ذہن ہوتا ہے ۔ یقیناً وہ علمی شخصیت اپنے زمانہ میں منفرد اور تنہا نظر آتی ہے۔ اسی انفرادی شان کے سبب کنز الایمان کا اسلوب بھی منفرد علمی اسلوب نظر آتا ہے۔

اسلوب اور ماحول- اسلوب کسی بھی تخلیق وفن پارہ کی ہو اس میں ماحول پسِ منظر کے حالات کی جھلک ضرور نظر آتی ہے۔ دیگر اصناف سخن کی طرح ترجموں میں بھی ماحول اور فضا کی نمائندگی نظر آتی ہے۔ جب کنز الایمان کا املا کرایا جا رہا تھا اس وقت قرآنی تراجم کے کیا حالات تھے؟ اور مترجمین نے کیا ماحول پیدا کر دیا تھا؟ اس کا جائزہ بھی کنز الایمان کے اسلوب کا تعین کرتا ہے۔ عام طور پر مترجمین نے اردو میں قرآن کا ترجمہ کر کے ماحول میں تکدر اور فضا میں ناخوشگواری کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ ڈاکٹر خلیق انجم کی درج ذیل تحریر پڑھیے، آپ کو ترجمہ قرآن کا ماحول سمجھ میں آجائے گا۔ آنجناب لکھتے ہیں......

اُردو میں قرآن شریف کا پہلا ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدین نے کیا یہ ترجمہ لفظی تھا یعنی قرآن شریف کے ہر لفظ کا اس طرح ترجمہ کیا گیا کہ اردو فقروں کی ساخت بالکل بدل گئی اس ترجمہ میں سلاست اور روانی نہ ہونے کی وجہ سے اصل مفہوم سمجھنا مشکل تھا۔ شاہ رفیع الدین نے یہ ترجمہ ۱۷۷۶ء میں کیا تھا۔ تقریباً نو سال بعد یعنی ۱۷۹۵ء میں شاہ رفیع الدین کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر نے بھی قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ پہلے ترجمہ کے مقابلہ میں زیادہ سلیس شگفتہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا تھا۔ (فن ترجمہ نگاری، ص:۱۲)

مولانا شاہ رفیع الدین کا ترجمہ کوئی ترجمہ نہ تھا اور اس میں ابلاغ خیال کی زبردست کمی تھی۔ اس کے علاوہ اس کا اسلوب بھی ژولیدہ تھا۔ اسی لئے اصل مفہوم کے سمجھنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ ہاں البتہ اتنی

بات ضرور تھی کہ انھوں نے اردو ترجمہ کی روایت کی شروعات کر دی۔ عوام وخواص میں یہ ترجمہ پسند نہیں کیا گیا۔ اسی لئے مولانا شاہ عبدالقادر کو ٹھیک نو سال بعد قرآن مقدسہ کا اردو میں ترجمہ کرنا پڑا۔ کاش اگر شاہ رفیع الدین کا ترجمہ قرآن شرف قبولیت سے مشرف ہوتا تو اس ترجمہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ترجمہ کرتے وقت مترجم کے دل میں جو جذبہ و جوش اور مقاصد ہونے چاہیے وہ اس ترجمہ میں مفقود تھے۔ لہٰذا یہ بات روزِ روشن کی مانند واضح ہوگئی کہ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ میں جو سلاست، روانی اور شگفتہ بیانی پائی جاتی ہے، وہ آمد کے تسلسل میں نہیں بلکہ کیفیت آورد کے نتیجے میں پائی جاتی ہے۔ اسی لئے اس ترجمہ میں کچھ متروک اور غیر مانوس الفاظ استعمال کئے گئے، جو فصاحت سے دور اور نظام بلاغت کے تقاضوں پر کھرے نہ اتر پائے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس ترجمہ کے تعلق سے چند تبدیلیوں کا ذکر کیا۔ آپ فرماتے ہیں ......

فقیر کی رائے قاصر یہ ہے کہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ پیشِ نظر ہے اور اس میں تبدیلیاں ملحوظ رہیں۔

(۱) وہ الفاظ کہ متروک یا مانوس آگئے ہیں فصیح سلیس ورائج الفاظ سے بدل دیئے جائیں۔

(۲) مطلب اصح جس کے مطالعہ کو جلالین کہ اصح الاقوال پر اقتصار کا جن کا التزام ہے، سرِ دست بس ہے، ہاتھ سے نہ جائے۔

(۳) اصل معنی لفظ اور محاورات عرفیہ دونوں کے لحاظ سے ہر مقام پر اس کے کمال پاس رہے۔

(۴) آیات متشابہات کے تعلق سے یہ کہنا ہے کہ اس کی تاویل نہ کریں بلکہ نصوص پر ایمان لائیں اور اگر تاویل کی بھی جائے، تو یہ ضرور خیال رہے کہ اس کا ظاہری معنی ذات اقدس کے لئے محال نہ ہو۔

ان مذکورہ چار تبدیلیوں کو ذہن میں رکھ کر بتایئے کہ اس وقت قرآن مقدس کے ترجمہ کرنے کا کیا ماحول تھا اور کیسی فضا تھی؟ بات اگر اسی حد تک ہوتی تو اس کے لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مذکور بالا چند مشورے ہی کافی تھے اور قرآن کا اردو میں ترجمہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے اس وقت کوئی ترجمہ نہیں کیا، مگر بعد میں کچھ ایسے نا اہل مترجمین میدان میں اتر آئے کہ ان کے ترجموں سے ماحول میں تعفن اور فضا میں تکدر پیدا ہوگیا۔ ایسے مترجمین میں سرسید، نذیر احمد، اشرف علی تھانوی، محمود الحسن دیوبندی کے نام شامل ہیں۔ ان کے ترجموں کو دیکھئے اور پھر ان کی چیرہ دستیوں کا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے نظارہ کیجئے ......

(۱) اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے۔ از سرسید

(۲) اللہ ان کو بناتا ہے۔ از نذیر احمد

(۳) ان منافقوں سے خدا ہنسی کرتا ہے۔ فتح محمد جالندھری

(۴) اللہ جل شانہ ان سے دل لگی کرتا ہے۔ محمود الحسن دیوبندی

ٹھٹھا/ ہنسی/ دل لگی/ بنانا، یہ ایسے مخصوص الفاظ ہیں جو نہ صرف قوت سامعہ پر گراں محسوس ہوتے ہیں بلکہ کرخت آوازوں، ناخوشگوار اصوات پر مشتمل بھی ہیں۔ اسی طرح ان مترجمین نے اپنے ترجموں میں سرکار دو عالم ﷺ کے لئے "گمراہ" کا لفظ استعمال کر دیا جیسا کہ ووجدک ضالا کے ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ تمام ارباب ذوق اور انصاف پسند افراد سے صرف یہ التجا ہے کہ وہ عشق وایمان کو پیش نظر رکھ کر بتائیں، کیا ایک نبی معصوم کے لئے "گمراہ" کا استعمال کیا جا سکتا ہے؟ اور غیرت ایمانی اس استعمال پر خاموش رہ سکتی ہے؟ انصاف و دیانت کا اگر دھندلا سا عکس بھی آپ کی نگاہ میں ہے تو جواب نفی میں ہی ہوگا۔ ترجمہ کی یہ کیسی مسموم فضا تھی؟ کہ غیرت وحمیت کو اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

قرآن مقدس کے اردو ترجموں میں سب سے زیادہ اہمیت ڈپٹی

نذیر احمد کے ترجمۂ قرآن کو دی جاتی ہے یہ وہ نذیر احمد ہیں جو اردو ادب میں محتاج تعارف نہیں۔ منفرد اسلوب کے مالک ہیں، انشاء پرداز اور افسانہ نگار ہیں۔ محاوراتی اسلوب انھیں کی شناخت اور امتیازی شان ہے۔ روزمرہ کے لفظوں سے بزم ادب اور محفل سخن کو سجانے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ ترجمۂ قرآن میں بھی انھوں نے اسی اسلوب سے کام لیا اور یہ بھول گئے کہ یہ قرآن مقدس ہے کوئی عام ادبی تخلیق نہیں کہ ہر مقام پر اور ہر موضوع میں اس اسلوب سے کام نہیں لیا جا سکتا، بلکہ موضوع و مقام کے اختلاف سے اسالیب بھی مختلف ہو جایا کرتے ہیں۔ نذیر احمد کی اس غلطی کا اعتراف خود اردو ادب کے تاریخ نویسوں اور تنقید نگاروں نے کیا ہے۔ اس مقام پر ان کی رائے کا تذکرہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ پروفیسر منظر عباس نقوی تحریر کرتے ہیں......

مولوی نذیر احمد کے اسلوب میں اگر کوئی نقص ہے تو بس یہی کہ اس میں لچک بالکل نہیں۔ یہ محاوراتی اسلوب "مراۃ العروس"، "توبۃ النصوح"، "رویائے صادقہ" اور "ایامیٰ" جیسے قصوں میں تو زیب دیتا ہے لیکن ترجمۂ قرآن مجید 'الاجتہادات' اور امہات الامہ" جیسی مذہبی کتابوں کے لئے موزوں نہیں۔ (اسلوبیاتی مطالعے، ص:۱۵)

جناب خلیق انجم صاحب اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں......

قرآن کا ترجمہ مختلف مترجمین نے کیا ان میں سب سے آسان اور روزمرہ کا ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کا سمجھا جاتا ہے۔ موصوف شستہ اور بامحاورہ زبان لکھنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ "امہات الامۃ" لکھتے وقت بھی اسی صفت کو برت گئے اور برے پھنسے۔ رسول اللہ ﷺ کے راتوں رات مکہ سے باہر تشریف لے جانے کا تذکرہ یوں کیا "وہ راتوں رات سٹک گئے" یہ سٹک کا لفظ اگرچہ عوام کی بول چال میں استعمال ہوتا ہے لیکن پیغمبر کی شان میں یہی لفظ ایک گستاخی سمجھا گیا اور اس طرح کے الفاظ کی بنا پر ڈپٹی نذیر احمد کے خلاف عام جلوسوں میں تجویزیں پاس ہوئیں اور بہت شور مچا۔ (فن ترجمہ نگاری، ص:۸۹)

ان عبارتوں کو پڑھئے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ قرآن کا اردو میں ترجمہ کرنے کا کیا ماحول تھا اور کیسی فضا تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی دانش مند طبقہ اس ماحول سے مطمئن نہیں تھا بلکہ عوام و خواص کے دلوں میں کرب و اضطراب اور تشویش پنپ رہی تھی۔ اس مسموم فضا سے ہر ایک نکلنا چاہتا تھا۔ اسی ماحول کے بطن سے مقاصد کا تعین ہوتا ہے کہ عوام کے دلوں میں کیا تھا؟ اور خواص کیا چاہتے تھے؟

تعین مقاصد- ماحول کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد اہل علم پر مختلف قسم کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں......

اولاً- یہ کہ قرآنی تراجم میں جن مقامات پر غلطیاں ہوئی ہیں یا مترجم ترسیل خیالات میں ناکام ہوئے ہیں ان کی نشاندہی کی جائے اور ایسے غلط ترجموں کے مطالعہ سے عوام اہل سنت کو بچایا جائے۔

ثانیاً- یہ کہ ان ترجموں کے مطالعہ کے سبب قلب و ذہن پر جو مضر اثرات مرتب ہوئے ہوں ان کا ازالہ کیا جائے۔

ثالثاً- عوام اہل سنت کے ہاتھوں میں ایک ایسا ترجمہ قرآن دیدیا جائے جو تمام سابقہ ترجموں سے بہتر و افضل ہو اور اس میں قرآن مقدس کی مکمل ترجمانی پائی جاتی ہو اور وہ ترجمہ عظیم شاہکار کی حیثیت رکھتا ہو۔ زبان و بیان، اسلوب نگارش، فصاحت و بلاغت اور دیگر تمام خوبیوں کا جامع ہو تا کہ لوگوں میں اس کے مطالعہ کا ذوق و شوق پرورش پائے اور دلجمعی کے ساتھ اس کا مطالعہ کرے، اگر اس ترجمہ میں بھی دوسرے تمام ترجموں کے مقابلہ میں انفرادیت اور فوقیت نہ پائی جاتی تو پھر اس کی ضرورت ہی کیا تھی؟

حالات کے انھیں تقاضوں کا احساس حضرت صدر الشریعہ الشاہ مولانا محمد امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ کو ہوا اور انھوں نے حضرت سیدنا

امام احمد رضا کی بارگاہ میں ایک حسین و خوبصورت ترجمۂ قرآن کی ضرورت و افادیت کا تذکرہ کیا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی انھیں حالات کے سبب کنزالایمان کا املا کرایا۔ وہ مقاصد جو حالات اور مسموم و مکدر فضا کے بطن سے نکل کر سامنے آئے۔ نہایت ہی اہم اور پُر وقار تھے۔ یہ علم و ادراک، فکر و نظر اور فن و شعور کا جلوہ اور تابانیاں دکھانے کا مقام نہ تھا اور نہ اس کی ضرورت تھی اور پھر یہ کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ایسا مزاج اور فطرت بھی نہ تھی۔ علمی رعب و دبدبہ، فکری شان و شوکت کا مظاہرہ ان کی مزاج و عادت سے کوسوں دور تھی۔ آپ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں......

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم و گنج خمولی کہ نگنجد در وے
جز من و چند کتابے و دواتے قلمے

یہاں مسئلہ تحفظ ایمان و وفا اور خلوص و عشق کی صیانت کا تھا۔ ذات وحدہ لاشریک کی تقدیس و تنزیہہ کا تھا۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کنزالایمان کا املا کرا رہے تھے اور صدر الشریعہ املا کر رہے تھے۔ دونوں طرف ایک ہی جذبہ تھا، ولولہ و جوش تھا اور رفتہ رفتہ کنزالایمان نشو و نما اور عروج و ارتقا کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ خلوص میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اس میں اعلیٰ درجہ کی کشش اور جاذبیت ہوتی ہے۔ میرے دوست! اسی جذب و کشش کا نتیجہ تھا کہ آج کنزالایمان میرے ہاتھوں میں ہے اور اس کے مطالعہ سے میرے دیدہ و دل روحانی قلبی مسرت محسوس کر رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت اور ابلاغ خیال- امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت کی شخصیت علمی صلاحیت، وسعت معلومات اور ان کے ذخیرۂ الفاظ کی پنہائیوں کے جائزہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ قرآن فہمی میں اعلیٰ حضرت کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ اپنی مثال آپ تھے۔ زبان و بیان، اسلوب ادا اور انداز نگارش کے رمز شناس تھے۔ لفظوں کے معانی و مطالب، ان کے وجوہِ استعمال اور مواقع استعمال کی نزاکتوں، لطافتوں اور رعنائیوں کو خوب جانتے پہچانتے تھے اور اس بات سے بھی واقف تھے کہ کہاں طنز ہے اور کس مقام پر زجر و توبیخ ہے۔ آپ کی قرآن فہمی میں یہ تمام خوبیاں موجود تھیں۔ ترجمہ کیا ہوتا ہے؟ ترجمانی کی کیفیت کس نوعیت کی ہونی چاہیے؟ اس سے بھی آگاہ تھے۔ خیالات وجذبات کی ترسیل کس طرح ہو؟ اور کن لفظوں سے ہو، اس پر بھی آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ اس ابلاغ خیال کی قوت بروئے کار لاتے ہوئے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کنزالایمان کا املا کرایا اور اسلوب بھی ایسا اپنایا کہ اس میں ترجمہ کی تمام خوبیاں، خصوصیات در آئیں اور پھر لب و لہجہ کا بانکپن، شگفتگی سر چڑھ کر بولنے لگی۔ کنزالایمان میں سلاست و روانی، کہیں سادگی و شگفتگی اور حسن و رعنائی کا جلوۂ زیبا ملتا ہے۔ مثال کے طور پر کنزالایمان کی اس درج ذیل عبارت کا مطالعہ کیجئے۔ آپ اس کے مطالعہ سے یقیناً محظوظ ہوں گے۔

یہ آپس میں کاہے کی پوچھ گچھ کررہے ہیں، بڑی خبر کی جس میں وہ کئی راہ ہیں ہاں ہاں، اب جانیں گے۔ پھر ہاں ہاں جان جائیں گے، کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا اور پہاڑوں کو میخیں اور تمہیں جوڑے بنایا اور تمہاری نیند کو آرام کیا اور رات کو پردہ پوش کیا اور دن کو روزگار کے لئے بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط چنائیاں چنیں اور ان میں ایک نہایت چمکتا چراغ رکھا اور پھر بدلیوں سے زور کا پانی اُتارا کہ اس سے پیدا فرمائیں، ناج اور سبزہ اور گھنے باغ، بیشک فیصلہ کا دن ٹھہرا ہوا وقت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا کہ تم چلے آؤ گے، فوجوں کی فوجیں اور آسمان کھولا جائے گا، کہ دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ چلائے جائیں گے کہ ہو جائیں گے جیسے چمکتا ریتا دور سے پانی کا دھوکہ دیتا۔ بیشک جہنم تاک میں ہے، سرکشوں کا ٹھکانا، اس میں قرنوں رہیں گے۔ اس میں اس طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہ پائیں گے اور نہ کچھ پینے کو، مگر

کھولتا پانی اور دوزخیوں کو پیپ، جیسے کو تیسا بدلہ بیشک انھیں حساب کا خوف نہ تھا اور انھوں نے ہماری آیتیں حد بھر جھٹلائیں اور ہم نے ہر چیز لکھ کر شمار کر رکھی ہے۔ اب چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب۔ (از کنزالایمان، ص:۸۶۷، پارہ ۳۰، سورۃ انباء)

کنزالایمان کے اس اقتباس کو پڑھئے اور دل کھول کر پڑھئے۔ انصاف و دیانت سے کام لیجئے۔ اس عبارت منقولہ کے اسلوب اور لب و لہجہ پر غور کیجئے۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کس خوبصورت لب و لہجہ میں قرآن مقدس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اب تک جس قدر تراجم قرآن موجود ہیں ان میں کسی کا اسلوب اتنا اچھوتا اور ندرت لئے ہوئے نہیں ہے۔ خواہ یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب کا ہو یا مولانا عبدالقادر صاحب کا۔ اردو ادب کے کوہ گران ڈپٹی نذیر احمد بھی اس اسلوب کو نہ چھو سکے اور نہ ہی محمود الحسن دیوبندی وغیرہ۔ جہاں تک میں نے اس اقتباس کو پرکھا ہے اس میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں......

(۱) اس عبارت منقولہ میں سادگی و پرکاری، زبردست انداز میں پائی جاتی ہے۔ الفاظ نہایت ہی ہلکے پھلکے اور چست اور شگفتہ استعمال کئے گئے ہیں۔ مگر ان سادہ لفظوں میں بھی فصاحت و بلاغت اور مانوسیت کے سبب حسن و رعنائی کا ایسا تیکھا رنگ چڑھا ہوا ہے کہ عبارت کی پوری فضا ایک خوبصورت نگارخانہ دکھائی پڑتی ہے اور جگہ جگہ محاوروں کے استعمال نے ایسا جلوہ بکھیرا ہے کہ اس کی خوبصورت شعاعیں ہر سادہ لفظوں کے پیکر میں نظر آتی ہیں۔ یہی وہ اسلوب ہے جس نے ارباب ذوق کے لبوں پر تبسم کی کیفیت نمودار کر دی ہے اور علم و شعور کے دلدادگان کو محوِ حیرت کر دیا ہے۔ اس نادر و نایاب اسلوب بیان پر ہم اہل سنت جس قدر ناز کریں کم ہے۔

(۲) کاہے کی پوچھ گچھ، کئی راہ ہیں، ہاں ہاں۔ نیند کو آرام کیا، چنائیاں چنیں، فوجوں کی فوجیں، چمکتا ریتا، پانی کا دھوکا دینا، تاک میں ہے، جیسا کو تیسا، حد بھر، لکھ کر شمار کر رکھی ہے، نہ بڑھائیں گے مگر عذاب، وغیرہ یہ وہ الفاظ و جملے ہیں جو فصیح و بلیغ ہونے کے ساتھ ساتھ مروجہ اور مانوس بھی ہیں۔ ان میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے اجنبیت اور وحشی پن کا احساس ہوتا ہو، روزمرہ میں یہ الفاظ بولے جاتے ہیں مگر یہ بازاری اور دیہاتی بولیوں سے تعلق نہیں رکھتے۔ جس عبارت میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں اس کے حسن و بانکپن کا کیا کہنا؟ اس کا احساس تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ادبی ذوق رکھتے ہیں اور زبان و بیان کی رعنائیوں سے واقف ہیں۔

(۳) اس عبارت میں ایک خاص خوبی اور وصف یہ پایا جاتا ہے کہ جو لفظ جس مقام پر استعمال ہوا ہے وہ نگینہ کی مانند جڑا ہوا ہے اور موقع و محل کی مناسبت سے ایسا اٹوٹ رشتہ قائم کر لیا ہے، کہ اس مقام سے اس کی جدائی عبارت کے حسن و کمال اور اسلوب کی ندرت کو متاثر کر سکتی ہے۔ موقع و محل سے لفظوں کی یہ مناسبت صرف مناسبت نہیں۔ بلکہ فطری اور طبعی مناسبت ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حسن انتخاب اور خوبصورت شعور و فکر کی نمائندگی کر رہی ہے۔ دل چاہتا ہے اس حسن انتخاب کو سو بار سلام کیا جائے اور اس کے تذکرہ سے محظوظ ہوا جائے۔

ترجمۂ قرآن کنزالایمان کے اسلوب ادا میں جہاں سلاست، روانی، حسن و رعنائی، شگفتگی پائی جاتی ہے وہیں تخیل کا جلوۂ زیبا بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ کہیں تشبیہ و استعارہ کی قوس و قزح ہے تو کہیں رمز و کنایہ کی ضیا پاشی ہے۔ لفظی و معنوی صنعتوں کے استعمال سے اسلوب بیان میں ایسا نکھار اور ایسی ندرت پائی جاتی ہے کہ کنزالایمان کے مطالعہ سے کوئی سیری حاصل نہیں ہوتی بلکہ پیاس میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے اور قلب و نظر اس کے مطالعہ سے تکان محسوس نہیں کرتے۔ یہ ایک ایسی خوبی اور حسن و جمال ہے، جو صرف کنزالایمان میں پایا جاتا ہے۔ یہ بھی اس کی انفرادی اور امتیازی شان ہے۔ سورۂ مریم کی شروع

آیتوں کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں......

یہ مذکور ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر کی جب اس نے اپنے رب کو آہستہ پکارا، عرض کی، اے میرے رب میری ہڈی کمزور ہوگئی ہے اور سر سے بڑھاپے کا بھبھوکا پھوٹا۔ (کنزالایمان، ص:۴۱۱)

خط کشیدہ جملہ "بڑھاپے کا بھبھوکا پھوٹا" خالص استعاراتی نظام کی نشاندہی کر رہا ہے کہ بڑھاپے کے سبب سر کے کچھ سفید بالوں کو "بھبھوکا" بطور استعارہ کہا گیا ہے اور پھر اسی کی مناسبت سے "پھوٹا" استعمال کیا گیا ہے۔ اس کو دوسرے لفظوں میں اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ "سفید بالوں کا گچھا" مشبہ "بھبھوکا" مشبہ بہ اور اسی کی مناسبت سے فعل پھوٹا لایا گیا اور دونوں میں وجہ تشبیہ پھیل جاتا ہے جس طرح آگ کی روشنی پھیلتی ہے، اسی طرح سفید بال بھی پھیل جایا کرتے ہیں۔ اسلوب ادا میں استعاراتی نظام کی شمولیت مترجم کی قوت تخیل اور فکری صلاحیت کو اجاگر کر رہی ہے اور ترجمانی کی کیفیت کو نمایاں کر رہی ہے کہ ہر ایک مترجم ترجمہ کرتے وقت ترجمانی کی ذمہ داریوں اور اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کر پاتے کہ مترجم اگر اصل متن کے معنیاتی نظام کا پاس و لحاظ کرتا ہے تو لفظوں، جملوں اور موقعہ و محل کی نزاکتیں فراموش کر بیٹھتا ہے اور اگر وہ لفظیاتی نظام کا لحاظ و پاس کرتا ہے تو معنیاتی نظام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اسی لئے ترجموں میں کہیں، ناقص عبارت فہمی کا حادثہ پیش آتا ہے اور کسی مقام پر ترسیل کی ناکامی کا شکار ہو کر مترجم کی شخصیت مجروح نظر آتی ہے لیکن امام احمد رضا فاضل بریلوی نے کنزالایمان میں دونوں کا پاس و لحاظ رکھا گیا اور وہ لفظیاتی و معنیاتی نظاموں کا حسین سنگم دکھائی دیتا ہے۔ اگر لفظیاتی نظام کے تحت کہیں، ماضی کا ترجمہ حال سے یا حال کا ماضی سے نظر آ جائے تو آپ یہ سمجھیں کہ موقع و محل اور بلاغتی نظام اسی کا متقاضی تھا اور اعلیٰ حضرت نے وہی ترجمہ کیا جس کا بلاغت متقاضی تھی۔ اس اعتبار سے کنزالایمان میں اصل عبارت یعنی قرآن مقدس کے اسلوب بدیع کی زیادہ تر خوبیاں، خصوصیات اور انفرادی امتیازات در آئی ہیں۔ انہیں خوبیوں کا مشاہدہ کر کے کہنے والوں نے کہا اگر اردو میں قرآن نازل ہوا ہوتا تو وہ کنزالایمان ہوتا۔ یہ تعریفی جملہ میری نگاہ میں قطعی غلط نہیں بلکہ فکر و استدلال اور مشاہدہ کا منھ بولتا ثبوت و نمونہ ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ جذبۂ اعتدال و توازن کو دلوں میں سجا کر اس کا مطالعہ کیا جائے، تعصب اور تنگ نظری سے اپنے آپ کو دور رکھا جائے۔

کنزالایمان اور نظام تنزیہ۔ اس بات کا دھیان رکھئے کہ اردو زبان میں تراجم قرآنی کے جو مخدوش حالات اور مسموم فضا تھی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے ترجمۂ قرآن کنزالایمان کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی بلکہ اس مسموم فضا و تسلسل سے انحراف کرتے ہوئے، تقدیس و تنزیہہ کے نظام کو برقرار رکھا اور کنزالایمان میں وہی جملے اور الفاظ استعمال کئے جو خدا و رسول ﷺ اور بزرگان خاص کی ذوات قدسیہ کی شان کے مناسب تھے۔ کنزالایمان کھنگالنے کے بعد بھی کوئی ایسا لفظ نہیں مل پائے گا جس سے دلوں میں سوئے ادب کا شائبہ گذرتا ہو اور ذوق طبع جسے قبول کرنے کو تیار نہ ہو۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا یہ نظام تنزیہہ خالص ان کے عشق و وفا اور تائید ایزدی پر قائم ہے بلکہ میں کہتا ہوں اسی کا کرشمہ ہے جو دیکھنے کو مل رہا ہے۔ یہی تو دلوں میں سرور اور آنکھوں میں نور بھر رہا ہے۔ چشم بصیرت کھولئے اور نظام تقدیس و تنزیہہ کے خوبصورت جلوؤں کا مشاہدہ کیجئے۔

(الف) اللہ تعالیٰ کی ذات قدس کے لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں وہ تقدیس و تنزیہہ سے پرنور نظر آتے ہیں۔ کنزالایمان کے حوالہ سے چند ترجمے پیش کئے جا رہے ہیں......

(۱) اور اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے۔ (کنزالایمان، ص:۴)

(۲) بیشک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ (کنزالایمان، ص:۵)

(۳) اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔ (کنزالایمان، ص:۲۴۳)

(ب) اب ذرا اس بارگاہ ذی وقار میں سلام شوق پیش کیجئے، جس کے تصور ہی سے دیدہ و دل کے کوچوں میں عشق و ایمان، خلوص و یقین کی کلیاں مسکرا اٹھتی ہیں اور سوز و گداز، محبت و شیفتگی کا پورا منظر خوشبوؤں میں بس جاتا ہے۔ وہ بارگاہ سرکار دو عالم ﷺ کی ہے جو اصل کائنات روح ایمان اور جان یقین ہیں، جس کا تصور بھی ادب و احترام کے سانچے میں ڈھل کر کرنا چاہیے۔ باد صبا بھی سراپا ادب ہو کر اس راہ سے گزرتی ہے۔ نوری مخلوق بھی اس بارگاہ میں آکر عقیدتوں، محبتوں کا خراج پیش کرتے ہیں۔ اب آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ یہ بارگاہ کس ادب و احترام اور عزت و وقار کا متقاضی ہے، مگر عام مترجمین نے اپنے ترجموں میں جو خلاف ادب لفظوں کا استعمال کیا، کیا آپ کا شعور و دانش اسے قبول کرنے کو تیار ہے؟ انصاف اور دیانت سے بتایئے۔ میں مذکورہ ترجموں کو پیش کر کے اس خارستان میں جانا نہیں چاہتا، جہاں جیب و گریباں تار تار ہو جاتے ہیں اور قلب و روح نیم بسمل کی مانند تڑپنے لگتے ہیں، مگر امام احمد رضا فاضل بریلوی نے کنزالایمان میں پاکیزہ کلمات اور خوبصورت لفظوں اور جملوں کا استعمال کر کے، زخم خوردہ افراد کے دلوں میں تسلی اور مضطرب ذہنوں کو چین و سکون عطا کر دیا۔ سورۃ والضحیٰ میں ایک آیت ووجدک ضالا آئی ہے۔ عام مترجمین نے ضالاً کے لفظیاتی نظام میں الجھ کر رسول کریم ﷺ کو گمراہ اور راہ سے بھٹکا ہوا بتا دیا، لیکن امام احمد رضا کا عشق و کمال اور بالغ نظری دیکھئے کہ انھوں نے، اس ضالاً کا اس خوبصورت انداز میں ترجمہ کر دیا کہ ذوق جمال بھی مستی میں جھومنے لگا اور طبع نازک بھی مچل مچل سی گئی۔ آپ یوں ترجمہ فرماتے ہیں...... اور تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا، تو اللہ کی طرف راہ دی، اس ترجمہ میں نہ گمراہ کا لفظ آیا اور نہ ہی راہ سے بھٹکا ہوا، کہ یہ دونوں لفظ شان رسالت مآب ﷺ کے خلاف ہے اور خود رفتہ ایک ایسا لفظ ہے جو ادب و احترام، عزت و وقار کا آئینہ دار ہے اور ناموس عشق کا تحفظ کر رہا ہے۔ کیا کنزالایمان کا یہ لفظ حیرت میں ڈالنے والا نہیں؟

(ج) قرآن مقدس کی جن آیتوں میں بندگان خاص کا تذکرہ ہے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے ان کے ترجموں میں بھی اسی ادب و احترام کا التزام رکھا ہے اور ان کے تصرفات کا بھی خوبصورت پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ کیا یہ اکتسابی عمل و کیفیت کا نتیجہ ہے؟ نہیں بلکہ خداداد ذہانت و فطانت اور فکر و شعور کا کرشمہ ہے جو شب دیجور کے اندھیروں میں آفتاب و ماہتاب بن کر درخشاں ہے اور اپنی نوری کرنوں سے قلب و روح کو گرما رہا ہے۔

کاش اگر مترجمین سابق اور ہم عصر اس راز سے واقف ہوتے تو ان کی نوک قلم سے ناموس رسالت کا تحفظ ہوتا اور آئندہ بھی یہ صورت برقرار رہتی ہے۔

کنزالایمان اور مخاطبین - چونکہ کنزالایمان کا مطالعہ کرنے والوں میں متعدد افراد ہیں جن میں خاص طور سے یہ پہلو لائق تحسین ہے کہ یہ کنزالایمان وہ ترجمہ قرآن ہے، جس میں عوام و خواص کے دلوں کا بہتر انداز میں خیال رکھا گیا ہے اور مخاطبین کے ساتھ ہمدردی جتائی گئی ہے۔ ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء اور اس کے قریب کے زمانوں میں جو قارئین اور اہل ذوق حضرات تھے۔ ان کے شعور و فہم، نفسیاتی، ذہنی صلاحیتوں کا اگر تجزیہ کیا جائے اور پھر اس بات پر غور کیا جائے کہ ان ذہنی فکری صلاحیتوں کے اعتبار سے کنزالایمان میں اختیار کیا گیا طریقۂ اظہار کس قدر کامیاب ہے تو یہ بات بالکل روز روشن کی مانند واضح ہو جائے گی کہ یہ ذہنی صلاحیتیں اسی اسلوب ادا کا تقاضہ کرتی ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے کنزالایمان کا املا کرا کر نہ صرف اس تقاضہ کو پورا کیا بلکہ وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے اور

حقیقت یہ ہے کہ جو وقت کی اہم ضرورت کا احساس کر لے وہ زمانے کے کاندھوں پر سوار ہوتا ہے اور وقت و زمانہ اس کے تصرف میں رہا کرتے ہیں۔ تجدید دین اور احیائے ملت اس کا منصب ہوا کرتا ہے۔ امام احمد فاضل بریلوی کا یہ کارنامہ بھی ان کے تجدیدی خدمات سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم اہل سنت پر ان کا یہ بھی ایک احسان ہے، پلکوں سے حرفوں کو چن کر بھی ہم ان کے اس احسان کا قرض نہیں اتار سکتے۔ ہم جیسے کم پڑھے لکھے افراد پر لازم ہے کہ ان کے تجدیدی کارناموں کا احترام کریں، تحسین آمیز نگاہوں سے ان کی علمی شخصیت اور فنی صلاحیتوں کو دیکھیں اور جذبۂ شوق میں اپنے دیدہ و دل کو ان کی راہ کا فرش بنائیں۔ کنزالایمان اور ان کے دوسرے کارناموں سے استفادہ کریں لیکن استفادہ واکتساب کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت کا بھی پاس ولحاظ رکھیں۔ شخصیت کا پاس و لحاظ اور کارناموں سے بے اعتنائی یا کارناموں سے استفادہ اور ذات وشخصیت سے لاپرواہی، دونوں صورتیں منفی اور مضر اثرات کی حامل ہیں۔ دورِ حاضر میں کچھ اسی قسم کے جذبات پنپ رہے ہیں، جو دین وملت کے پیکر نور ونکہت کو مضمحل اور ناتواں کر رہے ہیں، یہ سراسر ظلم و زیادتی ہے۔ دانشمند طبقوں کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ اس طرح کے معاملات محسنین کی شان کے خلاف ہیں اور اصولِ دیانت اس کی اجازت نہیں دیتے۔

میں مانتا ہوں کہ دور حاضر علمی انحطاط اور زوال پذیر تہذیب کا آئینہ دار ہے۔ ہماری ملت کے نوجوان اردو زبان و ادب سے واقف نہیں اور نہ ہی اس کا ذوق رکھتے ہیں، فارسی اور عربی زبانوں کو تو جانے دیجئے مگر اس کے باوجود کنزالایمان میں جو زبان و بیان، اسلوب نگارش اپنایا گیا یا اس میں جو الفاظ جملے اور عبارتیں استعمال کی گئیں، کیا وہ دور انحطاط میں فہم وفراست سے بالاتر ہیں؟ یا معانی و مطالب کی ادائیگی میں خلل ڈال رہی ہیں؟ کیا اس کے محاورے، تشبیہات و استعارات دور از کار ہیں؟ کوئی بھی اس دور کا ارسطو و ابن سینا ہی کیوں نہ ہو، اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے جو لوگ کنزالایمان کا پابندی سے مطالعہ کرتے ہیں ان سے پوچھئے وہ اس کا مطالعہ کرتے ہیں انھیں کیا مزہ آتا ہے؟ اور وہ کس طرح محظوظ ہوتے ہیں؟ جہاں تک کنزالایمان میں کچھ ایسے لفظوں کا ہونا جو متروک الاستعمال ہو چکے ہیں یا پھر غیر مانوس ہیں؟ تو اس سلسلے میں مجھے چند باتیں آپ سے کرنی ہیں......

اولاً- کنزالایمان میں ایسا کوئی لفظ ہے نہیں۔

ثانیاً- تلاشِ بسیار کے بعد اگر کوئی ایسا لفظ مل بھی جاتا ہے تو اس کے تعلق سے یہ دیکھنا ہے کہ وہ ہندوستان کی علاقاتی بولیوں میں سے کس بولی سے تعلق رکھتا ہے یا تمام بولیوں سے تعلق رکھتا ہے اور یہ بھی متعین کرنا ہوگا کہ اس کا استعمال بالکلیہ متروک ہے یا جزوی طور پر متروک ہے۔

ثالثاً- اگر وہ لفظ جزوی طور پر متروک ہے اور بعض علاقوں میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے تو ایسے لفظوں کو متروک الاستعمال نہیں کہا جا سکتا ہے۔

رابعاً- اگر بالکلیہ متروک الاستعمال ہے تو کیا اس کا استعمال، فصاحت و بلاغت اور ادبی ذوق کو متاثر کر سکتا ہے یا نہیں؟ نہیں کی صورت میں کنزالایمان سے ایسے لفظوں کو خارج کرنا مناسب نہیں اور اگر متاثر کر سکتا ہے تو پھر باغ و بہار، فسانۂ عجائب اور دوسری قسم کی ادبی تخلیقات کو بھی زمرۂ ادب سے خارج کرنا پڑے گا۔ کیا اس قسم کی جرأت و بیبا کی کسی نقاد میں ہے؟

خامساً- اور اگر بالکل متروک الاستعمال ہے اور کنزالایمان کی ادبیت اس سے متاثر ہو سکتی ہے پھر بھی ایسے لفظوں کو خارج کرنا روا نہیں، ہاں اس کی تشریح و تجزیہ کیا جا سکتا ہے؟ اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں۔

(فکرِ رضا فکرِ رسا)

کنزالایمان اور تفہیم القرآن کا تقابلی جائزہ

علامہ مولانا محمد صدیق ہزاروی سعیدی ازہری☆

قرآنِ مجید واحد کتاب ہے جس کی تلاوت باعث اجر وثواب اور اس پر عمل رفعت وسرفرازی کا اہم زینہ ہے یہ کتاب جسمانی اور رُوحانی بیماریوں سے شفا کا اہم ذریعہ بھی ہے۔ اور طہارت وتزکیہ کے حصول کی ضمانت بھی۔

الہامی کتب کی یہ آخری سوغات کتاب ہدایت ہے اور تقدیس خداوندی ناموس رسالت اور احترام مسلم کی حفاظت کا سامان بھی۔

قرآن مجید کا نزول اس زبان میں ہوا جو اس کے پہلے مخاطبین اور اس رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان ہے یعنی عربی۔

اور یہی بات رحمت خداوندی کا تقاضا اور حکمت الٰہیہ کا مطلوب رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نمائندے (رسل عظام) اسی زبان کے ساتھ تشریف لائے، جو ان کی قوم اور اس ماحول میں بسنے والی قوم کی زبان تھی جہاں ان کو مبعوث کیا گیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ط

(سورۃ ابراہیم آیت ۴)

"اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں صاف بتائے۔"

لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف خاتم النبیین بن کر اور ختم نبوت کے تاج سے سرفراز ہو کر تشریف لائے بلکہ عالمگیر اور دائمی پیغام رسالت آپ کا طرّہ امتیاز ہے۔

آپ کی نبوت ورسالت کے دامن رحمت سے وابستہ لوگ قوم نہیں، اقوام ہیں، لغت واحدہ نہیں لغات متعددہ کے حامل ہیں اس لیے جہاں یہ بات ضروری ہے کہ قرآن مجید، تلاوت وقرأت اور اثر آفرینی کے اعتبار سے اپنی اصل زبان (عربی) میں قائم وثابت رہے اور ہر قسم کے دست بُرد سے محفوظ رہے اور اس عظیم مقصد کے لیے اس کو تحفظ کے حصار میں لیا جائے اور یوں اعلان کر دیا جائے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (سورۃ حجر آیت ۹)

"بے شک ہم نے اُتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔"

وہاں منشائے خداوندی یہ بھی ہے کہ اس کے افادہ واستفادہ کو عام کرنے کے لیے اس کو دوسری زبانوں میں منتقل کیا جائے تا کہ مشرق ومغرب، شمال وجنوب اور عرب وعجم کے لوگ اس کی ہدایت کو حرز جان بنا کر "هُدًى لِّلنَّاسِ" کے اعلان خداوندی پر مہر تصدیق بھی ثبت کر دیں اور کائنات انسانیت ضلالت وگمراہی کی وادیوں میں بھٹکنے کے بجائے شاہرائے ہدایت پر جادۂ پیماں بھی ہو جائے۔ اسی عظیم مقصد کے حصول کے لیے دیگر زبانوں کی طرح اردو میں بھی قرآن مجید کے تراجم لکھے گئے اور برصغیر کے لوگوں کے لیے قرآن مجید کی راہ آسان کر دی گئی۔

کسی مضمون کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے جہاں لغت کا خیال رکھنا پڑتا ہے وہاں یہ بات پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ ہر زبان کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں ایک لفظ عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے تغیرات مختلف ہوتے ہیں۔

جب ہم اس کو اردو زبان میں منتقل کرتے ہیں تو اس بات کا جائزہ

☆ شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ لاہور دربار عالیہ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ

لینا ضروری ہوتا ہے کہ یہاں کونسی تعبیر مناسب ہے اور ایسی تعبیر سے بچنا لازم ہو جاتا ہے جس سے تقدیس خداوندی یا ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف آئے یا منشاے خداوندی کی نفی ہوتی ہو۔

مثلاً لفظ مکر عربی زبان میں معیوب نہیں کیونکہ اس کا معنیٰ خفیہ تدبیر ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ لفظ مخالفین اسلام کفار کے لیے ذکر فرمایا وہاں اپنی ذات کے لیے بھی ذکر فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ ط (سورۂ اٰل عمران: ۵۴)

لیکن اردو زبان میں لفظ ''مکر'' فریب اور دھوکہ دہی کے لیے استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے فلاں شخص بڑا مکار ہے گویا اردو زبان میں یہ لفظ کفار کے لیے تو استعمال کیا جاسکتا ہے منافقین پر تو چسپاں ہوسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا شان کے لیے اس کا استعمال ممنوع ہے۔ اس لیے یہاں خفیہ تدبیر والا ترجمہ کرنا ہی مناسب اور ادب کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

لفظ ''ضال'' کا ایک معنیٰ ''گمراہ'' ہے تو اس کے ساتھ ساتھ دیگر کئی معانی بھی ہیں اگر یہ لفظ گمراہ لوگوں کے لیے استعمال کیا جائے تو اس سے گمراہی مراد لینا اور اردو ترجمہ میں لفظ گمراہ کا استعمال درست ہوگا لیکن جب یہی لفظ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوا تو یہاں اس معنیٰ کو ترک کرنا فرض ہوگیا ورنہ معاذ اللہ ہادی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب ہی نہیں خلاف وضع بات بھی لازم آئے گی کہ جس ذات کو ہادی بنا کر بھیجا گیا اس ذات کے لیے اس کے برعکس معنیٰ کا استعمال کر کے مقصد نبوت و رسالت کی نفی کا جرم عظیم بھی لازم آئے گا۔

برصغیر میں مختلف مکاتب فکر کے زعما اور قائدین نے قرآن مجید کو اردو قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی اور بزعم خویش امت کی راہنمائی کا قصد و ارادہ کیا لیکن یہ بات افسوس سے کہنا پڑتی ہے کہ ان لوگوں کے تراجم میں بعض مقامات مفید ہونے کی بجائے نقصان دہ ثابت ہوئے اور جن ذوات کی عزت و احترام کو دین پر عمل کی بنیاد قرار دیا گیا تھا اور ''وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ'' (سورہ فتح آیت ۹)

''اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو''

ایسے اہم اعلان کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کو ناموس رسالت اور یہودیوں کی اعتقادی بداعتدالیوں کی طرف وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ.

(سورۃ انعام آیت ۹۱)

''اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی''

کے ذریعے اشارہ کر کے امت مسلمہ کو تقدیس خداوندی اور ناموس رسالت کے تحفظ کے نورانی پرچم کو تھامنے کی طرف متوجہ کیا گیا تھا ان تراجم نے امت مسلمہ کو اس سے محرومی کی راہ دکھائی جب کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فقیہ اسلام مجدد دین و ملت الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ کی فکر رسا کے نتیجے میں ''کنزالایمان'' کے نام سے ایک ایسا ترجمۂ قرآن منصہ شھود پر جلوہ گر ہوا جو ان تمام خوبیوں کا حامل ہے جن کا کسی ترجمۂ قرآن میں ہونا ضروری ہے اور ان تمام خرابیوں سے مبرا ہے جو دیگر تراجم میں نظر آتی ہیں۔

برصغیر کے تراجم قرآن اور کنزالایمان کے درمیان تقابلی جائزہ متعدد بار علماے کرام نے پیش کیا اور دلائل کی روشنی میں کنزالایمان کی عظمت اور افادیت کو ثابت کیا ہے۔

مولانا مودودی ایک خاص فکر کے حامل لوگوں کی امارت و قیادت کے منصب پر فائز ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا تعارف دیگر ممالک میں بھی ہے انہوں نے تفہیم القرآن کے نام سے قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھی لیکن افسوس! کہ انہوں نے بھی بعض مقامات پر ٹھوکر کھائی اور تقدیس خداوندی اور ناموس رسالت کے تقاضوں کو نظرانداز کر گئے۔

ہم نے اسی سلسلے میں چند آیات کا انتخاب کیا ہے جن کے حوالے سے کنزالایمان اور تفہیم القرآن کا تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے یقیناً اسے پڑھنے کے بعد کوئی بھی منصف مزاج شخص اس اقرار سے فرار کی راہ اختیار نہیں کر سکتا ہے کہ اس سلسلے میں فکرِ رضا ہی فکر رسا ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵ میں ارشادِ خداوندی ہے:

''اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ'' اس کا ترجمہ مولانا مودودی نے یوں کیا ہے ''اللہ ان سے مذاق کرتا ہے''۔

جب کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ''اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے)''۔

یقیناً استہزا کسی کو ہلکا سمجھنا ہے، مذاق کے اندر بھی دوسرے کی تحقیر ہوتی ہے۔ لیکن یہاں استہزا کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہو رہی ہے۔ اس لیے ادب کا تقاضا یہی تھا کہ اس کا معنیٰ مذاق نہ کیا جائے یہی لفظ اس سے پہلے آیت نمبر ۱۴ میں کفار کے قول کے طور پر مذکور ہے کہ وہ اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں۔

''اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ'' یہاں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں ترجمہ فرمایا۔

''ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے تھے''

یہ وہ خوبی ہے جو کنزالایمان کے علاوہ کہیں اور نظر نہیں آتی کیونکہ کفار یا کسی عام آدمی کا ہنسی مذاق کرنا ان کی شان کے خلاف نہیں لہٰذا اسی لفظ کا یہ ترجمہ فرمایا لیکن چونکہ ہنسی مذاق کا عمل اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہے لہٰذا آپ نے اللہ تعالیٰ کے حوالے سے یہ ترجمہ نہیں فرمایا۔ اس لیے امام بیضاوی رحمۃ اللہ نے یہاں تفصیلی بحث کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے استہزا کا بدلہ دیتا ہے۔

سورۃ النمل میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَکَرُوْا مَکْرًا وَّمَکَرْنَا مَکْرًا (سورۃ النمل آیت ۵۰)

یہاں مودودی صاحب ترجمہ کرتے ہیں:

''یہ چال تو وہ چلے پھر ایک چال ہم نے چلی''۔ لفظ چال کا اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ذوقِ سلیم پر کتنا بھاری اور ادب کی دنیا سے کس قدر بیگانہ ہے۔ حالانکہ خود مودودی صاحب سورۂ آل عمران میں اس کا ترجمہ خفیہ تدبیر سے کرتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہاں آکر وہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا مناسب ترجمہ خفیہ تدبیر ہی ہے یقیناً کچھ اعتقادی کمزوری ہے جس نے نسیان یا ذہول کی کیفیت پیدا کردی۔

اس موقع پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ترجمہ فرماتے ہیں:

''اور انہوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی۔''

(سورۃ النمل آیت ۵۰)

کتنا پُر حکمت انداز ہے کفار کے لیے ان کے مناسب اور ذات باری کے لیے اس کے شایانِ شان ترجمہ فرمایا۔

جبکہ مودودی صاحب نے سورۃ آل عمران میں خفیہ تدبیر والا معنیٰ کیا لیکن کفار کے لیے بھی یہی لفظ استعمال کیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی۔

(دیکھیے تفہیم القرآن سورۂ آل عمران آیت ۵۴)

یعنی نمل میں اللہ تعالیٰ اور کفار دونوں کے لیے لفظ چال کا استعمال اور سورۂ آل عمران میں دونوں کے لیے خفیہ تدبیر والا ترجمہ کرکے امتیاز کی راہ اختیار کرنے سے بھی گریز کیا۔

سورۂ اعراف کی آیت ۹۹ میں ارشادِ خداوندی ہے:

اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ ج فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ O

یہاں بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اللہ تعالیٰ کے لیے خفی تدبیر کے الفاظ استعمال کر رہے ہیں جب کہ مودودی صاحب نے اللہ تعالیٰ کے لیے ''چال'' کا لفظ استعمال کیا جبکہ ''چالباز'' لفظ کا استعمال ایک دین دار مسلمان کے لیے بھی جائز نہیں تو اللہ تعالیٰ کی شان کے لیے کیسے مناسب ہوسکتا ہے؟

سورۂ اعراف آیت ۸۸ میں ارشادِ خداوندی ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ۔

یہاں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا ترجمہ اس طرح ہے:

''اس کی قوم کے متکبر سردار بولے، 'اے شعیب! قسم ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے

یا تم ہمارے دین میں آجاؤ۔''

مودودی صاحب یہاں ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ تم لوگوں کو ہمارے دین میں واپس آنا ہوگا۔''

غور کیجیے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی جانتے تھے کہ ''لتعودن'' کا معنیٰ بظاہر واپس آنا یا لوٹنا ہے لیکن آپ کی ایمان افروز بصیرت نے آپ کو ''واپس آنے'' والے ترجمہ سے روکا کیونکہ واپسی وہاں ہوتی ہے جہاں سے آدمی جاتا ہے تو معاذ اللہ حضرت شعیب علیہ السلام پہلے ان لوگوں کے دین پر تھے جو کفر تھا۔ اور اب ان کو واپس بلایا جا رہا ہے اس لیے آپ نے ''واپس آنا ہوگا'' کی بجائے یوں ترجمہ فرمایا ''تم ہمارے دین میں آجاؤ''

جب کہ مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ ورنہ تم لوگوں کو ہمارے دین میں واپس آنا ہوگا۔

مفسرین کرام نے یہاں تفصیلی گفتگو کی ہے جس سے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کنزالایمان کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ''عاد یعود'' ''صار یصیر'' کے معنیٰ میں بھی آتا ہے یعنی لوٹنے کی بجائے معنیٰ ''آنا'' مراد ہوتا ہے۔

(راقم (محمد صدیق ہزاروی) نے اپنے کتابچہ ''کنزالایمان تفاسیر کی روشنی میں'' مطبوعہ رضا اکیڈمی لاہور میں اس کی تفصیل نقل کی ہے)

حضرت آدم علیہ السلام کا مشہور واقعہ یعنی جنت کے درخت سے کھانے کے حوالے سے ارشاد خداوندی ہے:

وَعَصٰیٓ اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۱)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مقام نبوت کے آداب اور ناموس نبی کی حفاظت کو سامنے رکھتے ہوئے اس آیت کا یوں ترجمہ فرمایا:

''اور آدم (علیہ السلام) سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔''

اس مطلب کے حوالے سے صدر الافاضل حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ رقم طراز ہیں:

''اور اس درخت کے کھانے سے دائمی حیات نہ ملی پھر حضرت آدم علیہ السلام توبہ و استغفار میں مشغول ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کی۔''

(تفسیری حاشیہ خزائن العرفان)

مودودی صاحب نے یوں ترجمہ کیا۔

''آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ راست سے بھٹک گئے۔''

''آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی' تاجدار بریلی کا یہ ترجمہ کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی زبان اور ناموس رسالت کے تحفظ کا آئینہ دار ہے۔''

جبکہ مودودی صاحب حضرت آدم علیہ السلام کو نافرمان قرار دے رہے ہیں اور راہ راست سے بھٹکا ہوا قرار دے رہے ہیں۔ یہ ترجمہ عظمت نبوت کے سراسر خلاف اور ادب و احترام کی دنیا سے بیگانگی کا ثبوت ہے۔

اسی آیت کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

''بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریص کے زیر اُبھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے''۔

''معصیت'' اور ''پستی میں گرنے'' کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔ بلاشبہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ الفاظ ان کو عام انسانوں جیسے بشر سمجھنے کی فکر کے عکاس بھی ہیں۔

ہم نے چند مثالوں کے ذریعے قارئین کو یہ بات بتانے کی کوشش کی ہے کہ کنزالایمان کی عظمت، افادیت، فرق مراتب کا لحاظ اور دیگر بے شمار محاسن نے اس ترجمہ کو تمام اردو تراجم میں منفرد مقام عطا کیا ہے اور یہ ترجمہ مترجم کے حسن اعتقاد، فکر آخرت اور اللہ تعالیٰ اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محبت اور ان کے مقام و مرتبہ کو سمجھنے کے حوالے سے اپنی مثال آپ ہے۔

............xxx............

بیسویں صدی پر کنزالایمان کے فکری اثرات

پروفیسر محمد الیاس اعظمی ☆

انیسویں صدی کے دوسرے عشرے سے شروع ہونے والا دور برصغیر کے اندر مسلم معاشرے میں مذہبی و اعتقادی تفرق وتشتت کی شروعات کا زمانہ ہے، آگے جا کر جس کی کوکھ سے بڑے بڑے فتنوں نے جنم لیا ہے۔ یہی وہ دور ہے جس میں بدعقیدگی اور غلط فکری کی کالی گھٹائیں نجد کی طرف سے برصغیر کا رخ کرتی ہیں اور آہستہ آہستہ پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں یوں مسلم معاشرہ اس کی تاریکیوں میں ڈوب جاتا ہے۔

دوسری طرف برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی خفیہ و اعلانیہ چالوں اور درونِ خانہ نااہل مغل شہزادوں کی باہمی رسّہ کشی اور اقتدار کی جنگ کے باعث جب دہلی کے لال قلعے پر گرفت کمزور پڑتی ہے تو مطلعِ سیاست بھی ابر آلود ہو جاتا ہے اور سرحد پار سے آنے والے قزاقوں، برطانوی لٹیروں کے ہندوستان پر غاصبانہ اقتدار کی کالی گھنگور گھٹائیں پورے طبقے پر چھا جاتی ہیں۔

یوں ظلمت کی ان تاریک اور گہری راتوں میں مسلم امّہ پر جو سب سے بڑا اور شدید حملہ ہوتا ہے وہ امت کے اجتماعی عقیدہ و ایمان پر ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں کے مرکزِ عقیدت و محبت لیکن گنبدِ خضریٰ کی ذاتِ بابرکات پر کیا جاتا ہے۔ محبوبِ کل صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کو متنازعہ بنانے کے لیے نت نئے عقیدے وضع کیے گئے کبھی عظمتِ نبوت پر حملے کیے گئے تو کبھی حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب پر شب خون مارتے ہوئے نبوت کے دعوے کیے گئے، کبھی مقامِ ولایت پر حرف گیری کی گئی تو کبھی ایسا بھی ہوا کہ شانِ الوہیت میں بھی تنقیص کی پیوند کاری کی گئی مختصر یہ کہ برصغیر میں دینی فتنوں کی یلغار اور افتراق بین المسلمین کے یہی بڑے اسباب تھے جن کی وجہ سے جسدِ ملت لخت لخت ہو گیا۔ اور اس کا شیرازہ بکھر گیا۔

فطرت کا اصول یہ ہے کہ جب زمین کا سینہ دھوپ کی تمازت سے خوب تپ جاتا ہے۔ تیز آندھیاں آتی ہیں اور کالے سیاہ بادلوں کی گھٹائیں چھا جاتی ہیں تو پھر رحمتِ الٰہی کے بادل بھی جھوم کر آتے ہیں اور ابرِ کرم باراں کی صورت میں خوب برستا ہے تو زمین کا سینہ نہ صرف ٹھنڈا ہوتا ہے بلکہ اس کے فیضِ کرم سے زمین کا سینہ چاک کر کے اس سے سبزہ اُگاتے ہیں یوں رحمتِ حق کی سرسبز و شاداب کھیتیاں ہر طرف لہلہاتی نظر آتی ہیں۔ بلا تشبیہ و بلا مثال ملتِ اسلامیہ ہند کے زوال و انحطاط کے اس دور میں بریلی کے مردم خیز خطّے پر بہار میں گلشنِ نقی علی میں محلۂ سوداں گراں کی سرزمین میں احمد رضا کی صورت میں ایک پھول کھلتا ہے اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرپور اپنی مہک سے خطۂ ہند ہی نہیں بلکہ چار دانگ عالم کو معطر کر دیتا ہے۔ تو پھر عالمِ عرب و عجم اسے اعلیٰ حضرت "عظیم البرکت"، "سراج الامۃ"، "مجددِ دین و ملت" ایسے عظیم القابات سے یاد کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام القابات کی ردا فقط انہی کو زیبا دیتی ہے مگر اس کے باوجود حقیقت بین نگاہوں کو ممدوحِ عالم کا سرو قامت اس ردائے فخر سے کہیں بلند نظر آتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی عمر عزیز کی ابھی چودھویں بہار دیکھ رہے تھے کہ مسند افتاء و ارشاد پر فائز کر دیے گئے۔ تو پھر آپ کی

☆ کوٹ اعظم خان، قصور۔

تحقیقاتِ انیقہ سے کشتِ ایمان میں وہ بہار آئی کہ جس سے اسلام اور اسلامیانِ عالم کو حیاتِ نومل گئی۔ انہیں اثر خامۂ رضا میں سے ایک نادرو شاہکار آپ کا وہ ترجمۂ قرآن ہے جس کو آپ نے ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' کے نام سے موسوم کیا۔

ہندوستان کی سرزمین ترجمۂ قرآن کی دولت سے محروم نہیں تھی بلکہ اس سے پہلے بہت سے فارسی اور اردو تراجم بساطِ علم پر موجود تھے جن میں لفظی اور بامحاورہ ترجمے، مختصر حواشی یا جامع تفاسیر سبھی شامل تھے۔ ایسے میں ذہن میں یہ سوال بار بار انگڑائیاں لیتا ہے کہ پہلے تراجم کی موجودگی میں ایک نئے ترجمے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اور یہ کہ اس نے مسلم معاشرے پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ پہلے سے موجود تراجمِ قرآنی کی موجودگی میں ایک نئے ترجمے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری رقمطراز ہیں:

''اعلیٰ حضرت کے ترجمے کنزالایمان میں ادبِ رسالت کا پہلو تو جداگانہ اور امتیازی شان کے ساتھ جلوہ گر ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپ کی ساری زندگی عشق و ادبِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور پاسِ ادب سے نابلد لوگوں کے ساتھ معرکہ آرائی میں بسر ہوئی۔ رب العزت نے ایک مقام پر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی

اس مقام کا ترجمہ اہلِ علم کے لیے ایک آزمائش سے کم درجہ نہیں رکھتا۔ اکثر مترجمین نے اس کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے،

''اللہ نے آپ کو بھٹکا ہوا، راہ حق سے بے خبر، اور گم کردہ پایا تو ہدایت کی راہ دکھائی۔''

یہ تراجم بلاشک و شبہ شانِ رسالت اور ادبِ بارگاہِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی تھے۔ مترجمین کے ہاتھ سے بوجوہ ادبِ رسالت کا دامن چھوٹ گیا تھا۔ اور وہ اس حقیقت سے صرف نظر کر بیٹھے کہ اللہ کا کلام جو اترا ہے ''وَرَفَعْنَا لَکَ'' کا مصداق بن کر ہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ''وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'' (اے محبوب بے شک تو سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے) کا دعویٰ کرتا ہے تو ایسے معظم و اعلیٰ مرتبت رسول کی نسبت یہ کہنا کہ وہ معاذ اللہ راہ حق سے بھٹکا ہوا، بے خبر یا گم کردہ راہ تھا کتنا بڑا ظلم ہے جس کا اپنا یہ عالم ہو کہ وہ راہ صواب سے بھٹکا ہوا ہو کس طرح دوسروں کو ہدایت کی دولت سے بہرور کر سکتا ہے؟۔

﴿کنزالایمان کی فنی حیثیت، ص:۳۰﴾

حاصل کلام یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کنزالایمان'' کے نام سے جو قرآن مجید کا نادرو شاہکار ترجمہ کیا ہے وہ محض شوق ترجمہ کے جذبات کی تسکین کے لیے نہیں تھا۔ بلکہ عقیدہ و عمل اسلامی فکر و فلسفہ، اسلامی تہذیب و ثقافت کی روحانی اقدار کا یہ تقاضا بھی تھا کہ بدعقیدگی کے بسائے جانے والے اس شبستان میں نورِ ایمان کے چراغ روشن کرنے کے لیے اس کتابِ نور قرآن مجید کا ترجمہ اور ترجمانی اس اسلوب بیان میں کی جائے کہ صاحبانِ ایمان اور اہلِ عقیدت و محبت کا دامن ایمان کے خزانوں سے اس طرح بھرپور ہو جائے کہ پھر کسی اور ترجمے اور ترجمانِ قرآن کی انہیں حاجت تک نہ رہے۔ اسی لیے حدی خوان قافلۂ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ترجمۂ قرآن کا نام ہی ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' رکھا ہے۔

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن کا ایک صدی پر محیط یہ سفر خود اس امر کی شہادت فراہم کر رہا ہے کہ اس نے بیسویں صدی پر جو دور رس اثرات مرتب کیے ہیں ان کا اندازہ اس کی پاک و ہند اور دنیا کے دیگر ممالک میں اور مختلف زبانوں میں کثرتِ اشاعت سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت امرِ واقعی ہے کہ قرآن کی تاثیر و اثر اس کی ذاتی صفت

ہے البتہ اس امر کا انکار بھی ممکن نہیں ہے کہ مطالب قرآنی کے فہم اور اس سے فکری و نظریاتی راہنمائی لینے میں اس کا ترجمہ و تفسیر اہم کردار ادا کرتا ہے اور یوں ایک مترجم یا مفسّر بھی طالب ہدایت کی فکری تعمیر اور ذہن سازی میں کردار ادا کرتا ہے۔

بیسویں صدی بالخصوص فکری و نظریاتی اور اعتقادی و مسلکی اعتبار سے اپنے اندر ایک ایسی تاریخ سمائے ہوئے ہے کہ جس کے مختصر جائزے کے لیے بھی ایک دفتر درکار ہے ان زلازل و فتن میں قصرِ عقیدہ واعتقاد ہچکولے لے رہا تھا۔ اہل حق کسی مسیحا کی راہ تک رہے تھے کہ امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کشتیِ ملت کے پاسباں بن کر میدانِ عمل میں اترتے ہیں اور قلم و قرطاس کے ذریعے ہچکولے کھلاتے ہوئے قصرِ ایمان کا اس جرأت و استقامت کے ساتھ دفاع کرتے ہیں کہ فتنۂ اعتزال کے زخم خوردہ اور تہذیب مغرب کے اسیر بھی اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ سرزمین بریلی سے اُٹھنے والی عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس آواز میں کچھ ایسی علمی گھن گرج تھی کہ ماہرین فلسفۂ قدیم اور حاملینِ علوم جدید اس پر توجہ دیے بغیر رہ نہ سکے۔

ایک وضاحت:

آگے بڑھنے سے پہلے اس بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ زیرِقلم موضوع "بیسویں صدی پر کنزالایمان کے فکری اثرات" پر راقم کی اس تحریری کاوش میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے صرف ترجمۂ کنزالایمان کے اثرات ہی مراد نہیں ہیں بلکہ میں نے موضوع میں توسع کا پہلو اختیار کیا ہے۔ کنزالایمان کے اثرات سے میرا مطمح نظر فکرِ رضا کے اثرات ہیں، اس لیے میری اس کاوش کو اسی زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔

آمد برسر مطلب:

سطورِ سابقہ کا حاصل یہ ہے کہ انسانی زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا شعبہ ہو جس پر کنزالایمان نے اپنے اثرات نہ چھوڑے ہوں۔ اور کوئی ایسا طبقہ نہیں جو اس سے متاثر نہ ہوا ہو۔

مذہبی اثرات:

جمہور امتِ مسلمہ ہند اور بعض نوخیز اقلیتی فرق کے درمیان پائے جانے والے اختلافات میں سے اہم ترین اور سب سے بڑا اختلاف یہ ہے کہ قرآن مجید کے کچھ مترجمین سے ترجمۂ قرآن کرتے ہوئے بعض مقامات پر شان و مقام رسالت کے حوالے سے زبردست لغزشیں واقع ہوئی ہیں۔ یوں ادب و احترامِ رسالت کا دامن اُن کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ طرفہ یہ کہ اس طرف توجہ دلانے کے باوجود بھی اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔ مراسلت کی گئی مگر عقائد حقہ سے عدول کی رہ سے مراجعت نہ کی گئی۔ اس سلسلے میں صرف ایک حوالہ نذرِ قارئین کیا جاتا ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے اللہ رب العزت اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں توہین و گستاخی کے کلمات پر متوجہ کرتے ہوئے اور اپنے مخترعہ عقائد سے رجوع کرنے کی طرف بار بار دعوت دی مگر نہ مکتوباتِ رضا کا جواب دیا گیا اور نہ اپنے مذعومہ عقائد سے رجوع کیا گیا۔ مکتوباتِ رضا میں سے صرف ایک مکتوب کا مختصر اقتباس ملاحظہ ہو۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے نام ایک خط میں رقمطراز ہیں:

"آپ جانتے ہیں اور زمانے پر روشن ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ سالہا سال سے کس قدر رسائل کثیرہ غریزہ آپ اور آپ کے اکابر جناب مولوی گنگوہی صاحب وغیرہ کے رد میں ادھر سے شائع ہوئے اور بحمدہٖ تعالیٰ ہمیشہ لاجواب رہے۔

سوالات گئے، جواب نہ ملے، رسائل بھیجے، داخل ہوئے، رجسٹریاں پہنچیں، منکر ہو کر واپس فرمادیں۔"

﴿ کلیات مکاتیب رضا۔ جلد اوّل۔ ڈاکٹر شمس المصباحی ﴾

کلیات مکاتیب رضا میں تھانوی صاحب کے نام اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے پانچ مکاتیب موجود ہیں ان تمام مکتوبات کا ایک ایک لفظ اس امر کی گواہی دے رہا ہے کہ مکتوب نگار کے دل میں دینِ

حق اور افرادامت کے لیے کس قدر درد ہے اور وہ کس دل سوزی کے ساتھ جادۂ حق سے بھٹک جانے والوں کو دلائل و براہین کے ساتھ رجوع الی الحق کی دعوت دے رہے ہیں۔ خود اعلیٰ حضرت کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

''الحمد اللہ اس فقیر بارگاہ غالب قدیر عزوجلالہ کے دل میں کسی شخص سے نہ ذاتی مخالفت نہ دنیوی خصومت، میرے سرکار ابد قرار حضور پُر نور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنے کرم سے اس خدمت پر مامور فرمایا ہے کہ مسلمان بھائیوں کو ایسے حال سے خبردار رکھوں جو مسلماں کہلا کر اللہ واحد قہار جل جلالہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماذون مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس پر حملہ کریں تا کہ میرے عوام بھائی مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ان ذیاب فی ثیاب کے جبّوں، عماموں، مولویت، مشیخت کے مقدس ناموں قال اللہ، قال الرسول کے روغنی کلاموں سے دھوکے میں آ کر شکار گرگان خونخوار ہو کر معاذ اللہ سقر میں نہ گریں۔''

﴿مکتوبات امام احمد رضا۔ مرتبہ مولانا پیر محمود احمد قادری، مکتبۂ نبویہ لاہور، ص:۱۱۵﴾

ناموس رسالت کے تحفظ کی اس تحریک میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر جس طرف سے بھی اور جو بھی ذاتی سوقیانہ حملے ہوتے رہے ان کے جواب میں آپ لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''ایسے وقائع بکثرت ہیں اور اب جو صاحب چاہیں امتحان فرمائیں ان شاء اللہ ذاتی حملوں پر کبھی التفات نہ ہوگا۔ سرکار سے مجھے یہ خدمت سپرد ہوئی ہے کہ عزت سرکار کی حمایت کروں نہ کہ اپنی، میں تو خوش ہوں کہ جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے، افترا کرتے، بُرا کہتے ہیں، اتنی دیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی، مَنقَصت جوئی سے غافل رہتے ہیں میں چھاپ چکا اور پھر لکھتا ہوں، میری آنکھ کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ میری اور میرے آباے کرام کی آبروئیں عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سپر د ہیں اللّٰھم آمین ۔

﴿ایضاً ص:۱۱۷﴾

مذکورہ بالا اقتباسات کا لفظ لفظ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ آپ کو کسی سے کوئی ذاتی رنج نہ تھا اور نہ کوئی ذاتی مفاد تھا۔ مفاد تھا تو صرف اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت اور ناموس کے تحفظ کا تھا۔ اللہ عزوجل اور رسول معظم ومحتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مضطرب دل سے نکلنے والی اور دردوسوز میں ڈوبی ہوئی ان آہوں کا ہی نتیجہ تھا کہ اکابر مجرمین کے پیروکاروں میں سے ہی بہت سے لوگوں کو حضور ایزدی سے یہ توفیق نصیب ہوگئی کہ انہوں نے اگرچہ اپنی تحریروں اور تراجم قرآنی میں اس کشتۂ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام تو ذکر نہیں کیا مگر اُن کی دعوتِ فکر ادب واحترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت پر مبنی فکر رضا کو صحیح اور درست تسلیم کرتے ہوئے اپنے اساتذہ اور اکابر کی بارگاہِ رسالت کی بے ادبی کی راہ کو مسترد کر دیا ہے۔ ہم اپنی اس بات کی تصدیق میں چند مثالیں حق پسند اور حق طلب قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

قرآن مجید کی سورۂ والضحیٰ کی آیت کریمہ ہے،

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى

﴿پ ۳۰، الضحیٰ﴾

اس آیتِ کریمہ کا مختلف مترجمین کی طرف سے کیا گیا ترجمہ ملاحظہ ہو،

(۱) پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سمجھائی۔

﴿محمود الحسن﴾

(۲) پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ دی۔

﴿شاہ عبد القادر﴾

(۳) اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتلایا۔

﴿اشرفعلی تھانوی﴾

(۴) تمھیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی۔

﴿مودودی﴾

(۵) اور رستے سے ناواقف پایا تو سیدھا رستہ دکھایا۔

﴿مولوی فتح محمد﴾

(۶) اس نے تجھ کو بھولا بھٹکا پایا پھر راہ پر لگایا۔

﴿وحید الزمان﴾

(۷) آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتادیا۔

﴿عبد الماجد دریا آبادی﴾

(۸) پس پایا تجھ کو راہ بھولا ہوا پس راہ دکھائی۔

﴿شاہ رفیع الدین﴾

(۹) اور تم کو دیکھا کہ (راہ حق کی تلاش میں بھٹکے) بھٹکے (پھر رہے) ہو تو (تم کو دین اسلام کا) سیدھا رستہ دکھادیا۔

﴿ڈپٹی نذیر احمد دہلوی﴾

(۱۰) اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت دی۔

(مولانا محمد جونا گڑھی)

(۱۱) تو بے راہ تھا یعنی تجھے پڑھانے والا کوئی نہ تھا، اللہ نے تجھ کو شریعت یعنی قرآن سکھایا۔

﴿حسین علی واں بھچراں﴾

آپ نے ملاحظہ کیا کہ محولہ بالا تمام تراجم میں بھٹکا، بے خبر، بھولا ہوا، بے راہ، کے الفاظ وکلمات مشترک دکھائی دیتے ہیں۔ راقم الحروف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے سوئے ادبی پر مشتمل ان کلمات پر اتفاق و اجماع محض اتفاقی نہیں بلکہ یہ بدعقیدگی اور غلط فکری کا اشتراک ہے۔ یہ سب بادیۂ گمراہی میں بھٹکی ہوئی سوچ بے خبر و راہ بھولی ہوئی فکر کا نتیجۂ بد ہے۔ ورنہ ہر وہ شخص جس کو فہم صحیح اور عقل سلیم کا ایک ذرّہ سا حصہ بھی بارگاہِ ایزدی سے حاصل ہوا ہے، وہ پہلی ہی نظر میں جان کر پکار اٹھتا ہے کہ ان تراجم کو دولتِ ایمان اور دین اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور مقام واحترام رسالت سے خالی ہیں۔ اور اس عظیم بارگاہ سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے۔ ان تراجم اور ان کے مترجمین کو اپنے دور کی اعتزالی سوچ قرار دیا جائے تو یہ غلط نہ ہوگا۔

مولانا کوثر نیازی کا تبصرہ

مذکورہ بالا تراجم پر ہم اپنی طرف سے کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے سابق وفاقی وزیر مذہبی امور وحج واوقاف مولانا کوثر نیازی جو مسلکی اعتبار سے دیوبندی نظریات کے حامل تھے جب مودودی سے سیاسی تربیت پا کر میدان سیاست میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دستِ راست کی حیثیت سے پیپلز پارٹی کے اسٹیج سے پروان چڑھے اور وفاقی وزارت کے منصب تک پہنچے تھے۔ غرض یہ بتانا مقصود ہے کہ مولانا کوثر نیازی نہ تو امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ یا بیعت کی نسبت رکھتے تھے اور نہ آپ کے عقیدت مندوں میں شامل تھے نہ صرف یہ بلکہ امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سے فکری ہم آہنگی رکھنے والے کسی بزرگ سے بھی اُن کو کوئی ایسی نسبت حاصل نہ تھی۔ وہ خالص دیوبندی فکر کے پروردہ تھے۔ خود اُن کا اپنا بیان ہے:

"میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم ومغفور سے لیا ہے"۔

﴿امام احمد رضا خاں بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت، ص: ۷، مطبوعہ، ادارۂ معارف نعمانیہ، نومبر ۱۹۹۰ء﴾

مولانا کوثر نیازی کا تبصرہ

مولانا کوثر نیازی مذکورہ تراجم اور ان کے مترجمین پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى کے ترجمے کو دیکھ لو، قرآنِ پاک شہادت دیتا ہے، "مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى" رسول گرامی نہ گمراہ ہوئے نہ بھٹکے۔ "ضَلَّ" ماضی کا صیغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ ماضی میں آپ کبھی گم گشتہ راہ نہیں ہوئے۔ عربی زبان ایک سمندر ہے اس کا ایک

ایک لفظ کئی کئی مفہوم رکھتا ہے، ترجمہ کرنے والے اپنے عقائد وافکار کے رنگ میں ان کا کوئی سا مطلب اخذ کر لیتے ہیں۔ ''وَوَجَدَكَ ضَآلًّا'' کا ترجمہ مَا ضَلَّ کی شہادت قرآن کو سامنے رکھتے ہوئے عظمتِ رسول کے عین مطابق کرنے کی صورت تھی مگر ترجمہ نگاروں سے پوچھو انہوں نے آیت قرآنی سے کیا انصاف کیا ہے؟

مترجمین کا محاکمہ:

(تراجم پر تبصرہ کرنے کے بعد مترجمین کا محاکمہ یوں کرتے ہیں۔)

شیخ الہند مولانا محمود الحسن ترجمہ کرتے ہیں،

'اور پایا تجھ کو بھٹکتا، پھر راہ سجھائی'

کہا جاسکتا ہے مولانا محمود الحسن ادیب نہ تھے ان سے چوک ہوگئی آیئے ادیب، شاعر، مصنف اور صحافی مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کا ترجمہ ہے،

'اور آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتایا'

مولانا دریا آبادی پرانی وضع کے اہل زبان تھے، ان کے قلم سے صرف نظر کر لیجیے اس دور میں اردوئے معلیٰ میں لکھنے والے اہل قلم حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے دروازے پر دستک دیتے ہیں، ان کا ترجمہ یوں ہے،

''اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی''

پیغمبر کی گم راہی اور پھر ہدایت یابی میں جو وسوسے اور خدشے چھپے ہوئے ہیں انہیں نظر میں رکھیے اور پھر ''کنزالایمان'' میں امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کو دیکھیے

بیاورید گر اینجا بود سخن دانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

امام نے کیا عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے فرماتے ہیں:

'اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی'

﴿کنزالایمان﴾

کیا ستم ہے فرقہ پرور لوگ ''رشدی'' کی ہفوات پر تو زبان کھولنے اور عالم اسلام کے قدم بہ قدم کوئی کارروائی کرنے میں اس لیے تامل کریں کہ کہیں آقایانِ ولی نعمت ناراض نہ ہو جائیں مگر امام احمد رضا کے اس ایمان پرور ترجمے پر پابندی لگا دیں جو عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے''

﴿ایضاً، ص:۸، ۹﴾

کنزالایمان میزان نقد میں

اب ذرا کنزالایمان پر مولانا نیازی کا تبصرہ ملاحظہ ہو،

''ادب واحتیاط کی یہی روش امام احمد رضا کی تحریر وتقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔ یہی ان کا سوز نہاں ہے جو ان کا حرز جاں ہے۔ ان کا طغرائے ایمان ہے، ان کی آہوں کا دھواں ہے۔

حاصل کون و مکان ہے، برتر از ایں و آں ہے، باعث رشک قدسیاں ہے، راحتِ قلب عاشقاں ہے، سرمۂ چشم سالکاں

﴿ایضاً، ص:۸﴾

مولانا کوثر نیازی کے ''کنزالایمان'' اور دیگر تراجم قرآنی پر اس جامع اور غیر جانب دارانہ تبصرے کے بعد مزید کسی تبصرہ وتجزیہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

کنزالایمان کے علمی وفکری اثرات

راقم کا وجدان یہ کہتا ہے اور میری پختہ رائے بھی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام شاہ احمد رضا خاں قدس سرہ المنان کی دیگر حسنات کا اگر ذکر نہ بھی کیا جائے اور فقط اس ایک خوبی وخصوصیت کو ہی لے لیا جائے جو آپ نے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حرمت وتقدیس رسالت کے لیے سرانجام دی ہے اور ''عشق ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اصل ایمان ہے'' کے اپنے فکر وفلسفے کو جس طرح سے ہر مسلمان کے دل میں

اتار کر اُن کے عقیدہ و ایمان کی حفاظت کی ہے۔ آپ کے بقائے دوام، بخشش و مغفرت اور بلندیِ درجات کے لیے یہی کافی تھا۔ آپ نے اپنے ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' اور دیگر تصانیف بالخصوص اپنے فتاوٰی ''فتاوٰی رضویہ'' کے ذریعے سے تقدیسِ الوہیت، حرمتِ ناموس رسالت اور عظمت اولیا کے تحفظ کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ اس کی مثال اسلام کی صدیوں پر محیط تاریخ میں عنقا ہے۔ اور مستقبل میں بھی اس کی مثال کی پیش گوئی مشکل ہے۔

برصغیر میں بدعقیدگی کی تحریک کا آغاز مولوی اسماعیل دہلوی (م ۱۸۳۱ء) کی بدنام زمانہ کتاب نام نہاد ''تقویۃ الایمان'' کے منظر عام پر آنے سے ہوا اور پھر ملتِ اسلامیہ میں چھپے ہوئے مارِ آستینوں اور کچھ غیروں کے ''دست غیب'' کی کرشمہ سازیوں سے اس اعتزالی تحریک کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا گیا۔ اہانتِ رسول کی اس تحریک میں نئے نئے فتنے جنم لیتے رہے۔ چھوٹے چھوٹے فرقے وجود میں آتے رہے اور ملتِ اسلامیہ کے جسد ناز پر نوتراشیدہ، بدعی اور باطل عقائد کے نشتر چلاتے رہے ہیں۔ اس طوفانِ بلاخیز میں جو ذات ہمیں ملت کے مجموعی ایمان کا دفاع کر کے اس کے بکھر جانے والے اجزا کو ملا کر ایک مالا میں پرونے میں کوشاں و ساعی نظر آتی ہے اور افرادِ ملت کو اسلاف کی راہ پر گامزن رہنے کا درس دیتی نظر آتی ہے وہ صرف اعلٰی حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ یہ بات ہم محض عقیدت کے طور پر ہی نہیں کہہ رہے بلکہ خود امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین بھی برملا اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے پیرو کار قدیم طریقوں پر قائم رہے۔ مولانا سلیمان ندوی جو اپنے طبعی میلان کے اعتبار سے اہل حدیث (غیر مقلدانہ) خیالات رکھنے والے تھے وہ لکھتے ہیں:

''تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو اہل سنت کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علما تھے۔''

﴿حیاتِ شبلی، ص: ۴۶ بحوالہ تقریب تذکرۂ اکابر اہل سنت، ص: ۲۲ از مولانا عبدالحکیم شرف قادری﴾

اہلِ حدیث مکتبِ فکر کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری کی گواہی بھی ملاحظہ ہو۔

''امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے۔ اسّی (۸۰) سال قبل سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔''

﴿شمع توحید (مطبوعہ سرگودھا) ص ۴۰ بحوالہ امام احمد رضا محدث بریلوی پر دنیا بھر میں نئی نئی تحقیقات، از علامہ عبدالحکیم شرف قادری، ص: ۵﴾

مذکورہ بالا دو مذہبی گواہوں کے علاوہ ایک مؤرّخ اور جدید تعلیم یافتہ غیر جانب دار شخصیت کی گواہی بھی ملاحظہ ہو:

''انہوں (مولوی احمد رضا علیہ الرحمۃ) نے نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی۔''

﴿موج کوثر: ص: ۷۰، از شیخ محمد اکرام﴾

مذکورہ بالا ان تمام حوالہ جات کے پیش کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ امام احمد رضا خاں نے نہ تو کوئی نیا فرقہ قائم کیا اور نہ کوئی نیا مسلک و مذہب ایجاد کیا، بلکہ آپ پوری تندہی، پورے اخلاص اور کمال استقامت کے ساتھ اسلاف امت کے عقائد کی تبلیغ و اشاعت کی۔ انہی کا دفاع کیا اور مخترعہ عقائد کے حاملین کو اسلاف امت کے ہی مذہبی عقائد کی طرف دعوت دی۔ یہ آپ کے اخلاص ہی کا نتیجہ اور آپ کی فکر کے مبنی بر صداقت ہونے کی دلیل ہے کہ ان بدعتی گروہوں کے بانیاں کے بعد آنے والی اُن کی معنوی اولاد جب میدان میں اترتی ہے تو وہ امام احمد رضا خاں کے فکری و اعتقادی نشتروں کا مقابلہ کرنے سے کتراتی ہے، اپنے بڑوں کی راہ پر چلنے سے بظاہر گریز کرتی ہے: وہ اپنے تراجم اور تحریروں میں بظاہر ایسے

الفاظ لا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ اپنے اکابرین کے تراجم سے متفق نہیں ہیں۔

حکمتِ احمد رضا تیری کیا بات ہے

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ والضحیٰ کی آیت نمبر ۷ "وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی" کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"اور تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"

مخالفین حق نے جب اپنی مزعومہ توحیدی عینک لگا کر عشق محبت میں ڈوبے ہوئے ترجمے کنزالایمان کو دیکھا اور پڑھا تو بغضِ رسالت میں جلتے ہوئے یہ فتوٰی صادر کیا کہ "مولانا احمد رضا خاں نے یہ ترجمہ درست نہیں کیا اور اُن کا ترجمہ غلط ہے" اس کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہی قرار دیا جائے گا کہ یہی "مفتیان" جب قلم اُٹھائے قرآن مجید کا ترجمہ کرنے بیٹھتے ہیں تو اگر چہ وہ "اپنی محبت میں خودرفتہ پایا" کی ترکیب تو اختیار نہیں کرتے مگر اشارۃً اس ترجمۂ رضا کی تائید ضرور کرتے ہیں۔

آیئے ہم اپنے اس موقف کی تائید میں چند مثالیں پیش کرتے ہیں تاکہ حقیقت پوری طرح مبرھن ہوکر سامنے آجائے۔

مولانا ابوالکلام آزاد جو کانگریس کے "شوبوائے" کے نام سے پورے ہندوستان میں شہرت پانے والے مذہبی راہنما تھے، آزاد سیاسی طور پر کانگریسی اور مسلکی اعتبار سے پکے "دیوبندی" تھے اگرچہ اپنی "ابوالکلامی" کا اظہار کرتے ہوئے تقلید ائمہ اور اپنے اسلاف جیسے والا بزرگ مولانا خیرالدین، مولانا منورالدین وغیرہ جو پکے اور متصلّب اہل سنت تھے اور اسماعیل دہلوی و تقویت الایمانی تصورِ توحید کے سخت مخالف تھے، ان سے بیزاری کا اکثر اظہار کرتے رہتے تھے (اُن کی اپنی کتاب "تذکرہ" کے مندرجات اس پر بطور سند و دلیل کافی ہے)۔ مولانا آزاد نے بھی ترجمۂ قرآن اور "ترجمان القرآن" کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر لکھی، مولانا آزاد کا ترجمۂ قرآن ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ آزاد نے اپنے اس ترجمے میں "سورۂ الضحیٰ" کا ترجمہ کرتے ہوئے زیر بحث آیت کریمہ کا ترجمہ بایں الفاظ کیا!

"اے پیغمبر! ہم نے دیکھا کہ ہماری تلاش میں ہو۔ ہم نے خود ہی تمہیں اپنی راہ دکھلادی۔"

﴿ترجمان القرآن جلد سوم، ص: ۱۸۴﴾

آزاد کا یہ ترجمہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کے ترجمۂ کنزالایمان کی بڑی حد تک تائید کرتا ہے۔ الفاظ کے فرق کے باوجود مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے۔

تفسیر عثمانی

دیوبند کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن نے "موضح الفرقان" کے نام سے قرآن مجید کا ترجمہ کیا جو ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء میں مکمل ہوا۔ مترجم نے تکمیل ترجمہ کے بعد اس کے حواشی بھی لکھنا شروع کیے مگر وہ صرف "سورۂ آل عمران" تک حواشی لکھ سکے بعد میں ان حواشی کو ان کے شاگرد مولوی شبیر احمد عثمانی نے مکمل کیا۔ جو تفسیر عثمانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مولوی محمود الحسن نے ترجمہ تو خالص دیوبندی فکر کے مطابق ہی کیا ہے لیکن شبیر احمد عثمانی نے اس پر جو حاشیہ لکھا ہے وہ قابل توجہ ہے ملاحظہ ہو:

"جب حضرت جوان ہوئے قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم و راہ سے سخت بیزار تھے۔ اور قلب میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا۔ عشق الٰہی کی آگ سینۂ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا اندر ہی اندر جوش مارتا تھا۔ لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جس سے اس عرش و کرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اسی جوش طلب اور فرط محبت میں آپ بے قرار اور سرگرداں پھرتے اور غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے۔ آخر اللہ تعالیٰ

نے 'غارِ حرا' میں فرشتے کو وحی دے کر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ پر کھول دیں یعنی دین حق نازل فرمایا ''مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (شوریٰ رکوع ۵) (تنبیہ) یہاں ''ضآلًّا'' کے معنی کرتے وقت ''سورۂ یوسف'' کی آیت ''قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ O'' کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔''

﴿تفسیر عثمانی، بذیل حواشی سورۃ الضحیٰ، ص: ۷۷۸، ۷۷۹، مطبوعہ دارالتصنیف کراچی﴾

اب ذرا عثمانی صاحب کا سورۂ یوسف کی مذکورہ آیت پر لکھا گیا حاشیہ بھی ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

''یعنی یوسف کی محبت، اس کے زندہ ہونے اور دوبارہ ملنے کا یقین تیرے دل میں جاگزیں ہے، وہی پرانے خیالات ہیں جو یوسف کی خوشبو بن کر دماغ میں آتے ہیں''۔

﴿ایضاً بذیل حواشی سورۂ یوسف آیت نمبر ۹۵، ص:۳۱۹، حاشیہ:۱﴾

عثمانی صاحب کے اوّل الذکر حاشیہ سے اشارۃ النص سے اور ثانی الذکر حاشیے سے بطور ''عبارۃ النص'' ثابت ہوا کہ 'ضآل'' کا معنیٰ صرف گمراہ ہونا اور بھٹکنا ہی نہیں ہیں۔ بلکہ کسی کی محبت کا غالب آجانا اور کسی کی محبت میں وارفتہ ہوجانے کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مولانا عثمانی کبھی ''لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ'' کا معنی ''یوسف کی محبت'' نہ کرتے عثمانی صاحب اپنے حواشی میں صراحتہً امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں کے بیان فرمودہ ترجمے ''آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا'' کی تائید و تصدیق کر رہے ہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ موصوف کے استاد اور مترجم مولوی محمود الحسن صاحب کی نظر اس معنی کی طرف کیوں نہ گئی؟ مقام رسالت سے اس قدر بے خبری کو غلط فکری اور بدعقیدگی کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔

ایک اور شہادت

پروفیسر مولوی فیروز الدین روحی دیوبندی نے سورۂ والضحیٰ کی زیر بحث آیتِ مبارکہ کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''اور آپ کو طالب پایا تو ہدایت دی''

اس ترجمہ پر اپنے تفسیری حاشیے میں لکھتے ہیں:

''پھر آپ کس طرح قلبی اضطراب میں مبتلا تھے کہ کسی طرح دنیا کی ضلالت اور کفر و شرک کا ازالہ ہوجائے تو اللہ تعالیٰ نے اس دلی تڑپ اور شوق کو اس طرح پورا کردیا کہ اس نے آپ کو منصب نبوت و رسالت پر تفویض فرما کر ہدایت کی وہ راہ بتادی جس پر گامزن ہوکر کفر و شرک کی گند میں مبتلا لوگ نور ہدایت سے اپنے قلوب کے گند کا ازالہ کرلیں۔''

﴿قرآن کریم اردو ترجمہ مع مختصر تفسیر، پارہ ۳۰، ص:۶۷ مطبوعہ ادارۂ تبلیغ القرآن نمبر ۱۱۸، گولیمار کراچی﴾

پروفیسر روحی اپنے زیرنظر آیت کریمہ کے ترجمے اور اس کے حاشیے میں ضلالت و گمراہی کی نسبت حضور پرُنور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں بلکہ ''قلبی اضطراب'' یعنی محبت الٰہی میں خود رفتگی کی نسبت کرتے ہوئے عام لوگوں کی ضلالت و گمراہی اور کفر و شرک میں مبتلا ہونے کو بیان کرکے آیت کے مفہوم کو واضح کررہے ہیں کہ العیاذ باللہ گمراہ اور راہ حق سے بھٹکے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تھے بلکہ وہ لوگ تھے جن کی طرف آپ نبی بن کر مبعوث ہوئے تھے۔

یہ ایک مُسلَّمہ حقیقت ہے کہ قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں محبت الٰہی کا بحرِ نا پیدا کنار موجزن تھا وہاں قلب اطہر اس حوالے سے بھی مضطرب رہتا تھا کہ بادیۂ ضلالت میں گم کردہ راہ لوگ میری دعوت حق پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی گئی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ O ﴿الشعراء ۲۶:۳﴾

''(اے حبیب مکرم!) کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اُن کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔''

بلا شبہ یہ امام احمد رضا خاں اور آپ کے ترجمے "کنز الایمان" کے فکری اثرات ہیں کہ ایسے چراغ روشن کیے ہیں جن کے ذریعے اعتقادی بے راہ روی کے اندھیرے خود بخود چھٹ جاتے ہیں۔ اور ہر صحیح العقل سلیم الفطرت شخص جادۂ مستقیم کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ جو یقیناً فکر رضا کے صحیح وصواب ہونے کی بین دلیل ہے۔

جدید مترجمین قرآن پر اثرات:

جس طرح یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید ایک ابدی اور دائمی شان رکھنے والی آخری الہامی کتاب ہے تو یہ بات بھی بغیر کسی شک و شبہ کے کہی جاسکتی ہے کہ قرآن مجید کے تراجم میں سے "کنزالایمان" بھی اپنے اندر یہ شان رکھتا ہے، جس طرح قرآن کی تاثیر ہر دور میں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اسی طرح کنزالایمان بھی اپنے اثرات مرتب کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس نے صرف علوم قدیمہ کے ماہرین کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ عصری علوم کے ماہرین وارباب علم و دانش کے قلوب واذہان کو بھی مسخر کیا ہے۔

﴿۱﴾ قیام پاکستان کے بعد ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے قرآن وسنت کے پیغام کی اشاعت کے حوالے سے جن اہل علم نے شہرت پائی ہے اُن میں سے ایک نام حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانی علیہ الرحمۃ کا بھی ہے۔ موصوف جدید ذہن رکھنے والے روشن خیال عالم اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے نامور شیخ بھی تھے۔ آپ سورۂ والضحیٰ کی اس آیت کریمہ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"اور آپ کو مقصود کی چاہت میں گم گشتہ دیکھا تو مقصود تک پہنچا دیا۔"

﴿عرفان القرآن، سورۂ والضحیٰ، ۹۳:۷﴾

یاد رہے کہ موصوف نے "عرفان القرآن" کے نام سے قرآن مجید کا عمدہ اور شستہ و رواں ترجمہ کیا ہے۔ "ضَآلًّا فَهَدٰى" کا ترجمہ مقصود کی چاہت اور مقصود تک پہنچا دینا، ایک عمدہ تعبیر ہے۔ اور مقام رسالت کے آداب کے تقاضوں کے بھی قریب تر ہے۔ اِس لیے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود و مطلوب ذاتِ حق کے سوا اور کچھ نہ تھا، مترجم نے اپنے ترجمے میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح موصوف "سورۂ یوسف" میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کی بات جس کو قرآن نے ذکر کرتے ہوئے یوں بیان فرمایا ہے!

"قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ"

"کہنے لگے خدا کی قسم آپ تو محبت کے اسی پُرانے غلبے میں گرفتار ہیں۔"

بیٹوں نے "ضلال" کی نسبت حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی تھے کی طرف کی تھی حضرت مترجم نے اسی نسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ "غلبۂ محبت" انتہائی مؤدب الفاظ میں کیا ہے، مقام نبوت کا یہی تقاضا تھا۔ جو ترجمے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

﴿۲﴾ جامعہ اسلامیہ (اسلامی یونیورسٹی) بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی کا نام اسلامی دنیا بالخصوص پاکستان کے علمی حلقوں میں کسی قسم کے تعارف کا محتاج نہیں۔ موصوف نے "فیوض القرآن" کے نام سے قرآن مجید کا بڑا ہی وجد آفریں ایمان افروز ترجمہ کیا ہے جس کو پڑھتے ہوئے قلب و روح اپنے اندر تازگی محسوس کرتے ہیں علاوہ ازیں اس ترجمے کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ تمام مکاتب فکر کے اکابر علما نے اس کی تائید و توثیق کی ہے۔ اکابرین اہلِ سنت میں سے حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اور زینت مسند فقہ حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے اسمائے گرامی اس کے مؤیدین میں شامل ہیں: اکابر زعمائے ملت کے مؤید اس ترجمے میں سورۂ والضحیٰ کی زیر بحث آیت مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (سرگشتۂ شوق، وادی عشق الٰہی میں) سرگرداں پایا تو (اس نے) آپ کو منزل مقصود پر پہنچایا (غار حرا سے اُٹھا

کر تبلیغ کے فرائض سونپے کہ دنیا اپنے ہادی کو دیکھے، ہدایت پائے)''۔

﴿فیوض القرآن، سورۂ والضحیٰ ۹۳:۷﴾

﴿۳﴾ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے بھی ''عرفان القرآن'' کے نام سے تقدیس الوہیت اور ادب و احترام رسالت سے لبریز ایسا ایمان افروز اور روح پرور ترجمہ کیا ہے کہ جس کو پڑھتے ہوئے قاری اپنی کشتِ ایمان میں بہار کو جوبن پر دیکھتا ہے۔ عشق و محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر لکھے گئے اس وجدانی ترجمۂ قرآن میں سورۂ الضحیٰ کی زیرِ نظر آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''اور اس نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ و گم پایا تو اس نے مقصود تک پہنچا دیا۔''

﴿سورۃ والضحیٰ، ۹۳:۷﴾

صاحب عرفان القرآن ڈاکٹر محمد طاہر القادری، صاحب کنزالایمان اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں سے کس قدر متاثر ہیں؟ اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے آپ سورۂ والضحیٰ کی اسی زیرِ تبصرہ آیت کریمہ کے غلط تراجم پر جرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ ایک طویل اقتباس ملاحظہ ہو:

''بے شک ضلال میں بے خبری کا معنی پایا جاتا ہے اور بے خبر ہونا ضلال کا تقاضا بھی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز سے بے خبری؟ کسی نے اس بے خبری کو راہ شریعت سے بے خبری پر محمول کیا، کسی نے راہ ہدایت سے بے خبری پر اور کسی نے راہ حق سے عدم آگہی پر لیکن اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسے وفورِ محبت میں خود سے بے خبری پر محمول کیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفورِ محبت الٰہی میں اس قدر مستغرق تھے کہ آپ کو اپنی ذات تک کی خبر نہ رہی۔

تاریخی تناظر میں بھی یہی حق و صواب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے چالیس چالیس روز غار حرا کی تنہائیوں میں یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی عشق الٰہی میں استغراق و محویت کی اسی کیفیت کو ترجمے کے قالب میں ڈھالتے ہوئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ترجمہ فرمایا:

''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی''

یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب تیری محبت و محویت اس کمال تک پہنچ گئی کہ تجھے نہ اپنی خبر رہی نہ دنیا و مافیہا کی یعنی جب تیرا استغراق وانہماک اپنے نقطۂ عروج کو چھونے لگا تو ''فَهَدٰى'' ہم نے تمام حجابات مرتفع کر دیے۔ تمام پردے اُٹھا دیے۔ تمام دوریاں مٹا دیں۔ تمام فاصلے سمیٹ دیے اور اپنی بارگاہ صمدیت میں مقام محبوبیت پر فائز کر دیا۔

اعلیٰ حضرت نے محبّ و محبوب کے مابین چاہت و محبت کی کیفیات اور کمال درجہ احوال و دلربائی کا لحاظ کرتے ہوئے اس انداز سے ترجمہ کیا کہ لغت و ادب کے تقاضے بھی پورے ہوگئے اور بارگہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پایا۔''

''ایں سعادت بزور بازو نسبت''

﴿کنزالایمان کی فنی حیثیت، ص:۳۱، ۳۲﴾

کنزالایمان کے تہذیبی و ثقافتی اثرات:

اس وقت موجود تمام تراجم قرآنی میں سے جس قدر گہرے تہذیبی و ثقافتی اثرات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ترجمۂ کنزالایمان نے معاشرے پر کیے ہیں کسی اور ترجمے نے نہیں کیے۔ آج معاشرے میں اسلامی و روحانی ثقافت کے جو مظاہر ہمیں نظر آتے ہیں اور معمول بہ دین کی بہاریں چمنستانِ حیات میں تازگی ایمان کا ساماں لیے نظر آتی ہیں یہ سب فیض ہے کنزالایمان کا۔

سائنس کی نو بہ نو ایجادات نے اگر چہ بظاہر تہذیب انسانی کو ترقی و عروج کی انتہائی حدوں تک پہنچا دیا ہے مگر اس مادی ترقی کے چکا چوند عہد میں بھی انسان مادیت پرستی کا شکار ہو کر خالق سے تو دور ہوا ہی تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ سے بھی دور ہو چکا ہے بلکہ خود

سے نفرت کرنے لگا ہے۔ مادی مال و دولت اور مادہ پرستی کی اندھی محبت نے تمام اقدار حیات کو پامال کر کے رکھ دیا ہے۔ تمام رشتوں کا تقدس ہوائے نفس کی نذر ہو چکا ہے۔ غرض یہ کہ یہ سارا شاخسانہ ہے مادی تہذیب کا۔ بقول اقبال۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

اس ماحول میں بھی ہر طرف محافل قرأت و نعت، محافل میلاد، عرس بزرگان دین، محافل گیارہویں شریف نہ صرف پاک و ہند میں بلکہ پوری دنیا میں بلا امتیاز رنگ و نسل اپنی خوشبو پھیلا رہی ہیں۔ اسلامی تہذیب و ثقافت اور تمدن کا شکوہ پوری آن بان کے ساتھ جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ بلاشبہ مسلم روحانی ثقافت کا احیا اور دفاع کرنا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایسا تاریخی اور انقلابی کارنامہ ہے کہ ہند کی پوری تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

امام احمد رضا نے اس دور میں اقدار دین کو ثابت رکھنے میں کردار ادا کیا جب جدید مغربی تہذیب کی فسوں کاریوں اور فرقِ مبتدعہ کی مخترعات سے قصر دین کی بنیادوں کو کمزور کیا جا رہا تھا۔ امتِ مسلمہ کا رشتہ اس کے کعبۂ ایمان حضور پُر نور سید الانس والجان سے اور اسلافِ امت سے توڑنے کی سر توڑ کوششیں کی جا رہی تھیں علامہ علاؤ الدین صدیقی سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کے بقول:

"جب دین کی قدروں کو نیچے گرایا جا رہا تھا۔ اس وقت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری آگے بڑھے اور انہوں نے دین کی قدروں کو صحیح مقام پر ثبات بخشا۔"

﴿انوار رضا، ص: ۶۵۵ بحوالہ مقالاتِ یوم رضا، ص: ۷۰ مطبوعہ دائرۃ المصنفین لاہور﴾

امام احمد رضا نے قلم و قرطاس کے ذریعے اسلامی ثقافت کا دفاع ہی نہیں کیا بلکہ اس کے فروغ میں تمام تر جوش ایمان، غیرت دینی اور ملی حمیت کے سرفروشانہ جذبوں کے ساتھ اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی بلند پایہ علمی تصانیف بالخصوص عظیم فقہی شاہکار "فتاویٰ رضویہ" نے نہ صرف مسلم فکر و فلسفہ اور عقائد اسلامیہ کے دفاع میں اہم کردار ادا کیا ہے بلکہ اصلاح احوال، تعمیر سیرت اور پختگی عمل میں بھی راہنمائی کا فریضہ ادا کیا ہے۔ دلوں میں خوفِ خدا اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی آپ کی تصانیف کی اہم خصوصیت ہے۔ آپ کے علم و فکر کا یہ ایک ایسا پہلو اور وصف ہے، جس کو اپنے اور پرائے سب تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ مودودی کے معتمد خاص، سابق جسٹس ملک غلام علی مسلکی و اعتقادی، فکری و نظریاتی ہر اعتبار سے اختلاف رکھنے کے باوجود فکرِ رضا کے اس خصوصی وصف کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں ان کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علما میں پائی جاتی ہے۔ اور عشق خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔"

﴿انوار رضا، ص: ۶۵۶ بحوالہ ارمغانِ حرم، ص: ۱۴ مطبوعہ لکھنؤ﴾

علامہ عبد الحمید شیخ الجامعہ، الجامعۃ النظامیہ، حیدر آباد دکن، بھارت، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس وصف حیات کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں گویا ہوتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں صاحب سیف الاسلام اور مجاہد اعظم گزرے ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک و عقائد کی حفاظت کا ایک مضبوط قلعہ تھے۔ آپ کا مسلمانوں پر احسانِ عظیم ہے کہ ان کے دلوں میں عظمت و احترام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاے امت کے ساتھ وابستگی برقرار ہے۔ خود مخالفین پر بھی اس کا اچھا اثر پڑا اور ان کا گستاخانہ لب و لہجہ ایک حد تک درست ہوا۔"

﴿امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، مطبوعہ الہ آباد، ۱۹۷۷ء، ص: ۱۴۵﴾

پروفیسر عبدالشکور شاد، کابل یونیورسٹی، کابل، افغانستان، کا بیان بھی ملاحظہ ہو:

''علامہ موصوف کی تحقیقی کاوشیں اس قابل ہیں کہ ہندوستان و پاکستان کی تاریخ ثقافت اسلامی میں بالتفصیل ثبت ہوں اور تاریخ علم وہنگ افاغنہ و آریانا دائرۃ المعارف کو لازم ہے کہ ان کے اسم گرامی کو ساری مؤلفات کے ساتھ اپنے اداروں میں محفوظ کریں۔''

﴿پیغاماتِ یوم رضا، ص: ۳۳، بحوالہ حیات مولانا احمد رضا خاں، از پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد، ص: ۱۷﴾

مولانا کوثر نیازی کی ایک روایت بھی نظروں میں رہنی چاہیے۔ وہ اپنے استاذ مولانا ادریس کاندھلوی کا قول یوں بیان کرتے ہیں:

''میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے لیا ہے۔ کبھی کبھی اعلیٰ حضرت کا ذکر آجاتا تو مولانا کاندھلوی فرمایا کرتے تھے۔ ''مولوی صاحب! (یہ مولوی صاحب اُن کا تکیہ کلام تھا) مولانا احمد رضا خاں کی بخشش تو انہی فتوؤں کے باعث ہوجائے گی'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا احمد رضا خاں تمہیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا۔ تم نے سمجھا کہ انہوں نے توہین رسول کی ہے۔ تو ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگادیا۔ جاؤ اسی ایک عمل پہ ہم نے تمہاری بخشش کردی۔''

﴿امام احمد رضا خاں ایک ہمہ جہت شخصیت، ص: ۷﴾

غرض یہ کہ وہ تمام اسلامی معاشرتی رسومات جو اسلامی ثقافت کی شناخت اور اس کی علمبردار ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیمات میں نصوص شرعیہ سے جہاں اُن کا جواز ثابت کیا وہاں اُن تمام دینی و اسلامی رسومات میں پیدا ہوجانے والی خرابیوں کی اصلاح بھی کی، اور یوں مسلم ثقافت کا چہرہ نمایاں کیا۔ شیخ محمد اکرام جو عقائد کے اعتبار سے وہابی اور نظریاتی طور پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سخت مخالفت رکھتے تھے اپنی کتاب میں یوں رقمطراز ہیں:

''مولوی احمد رضا خاں نام: (انہوں) نے کوئی پچاس کے قریب کتابیں مختلف نزاعی اور علمی مباحث پر لکھیں اور نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی۔ وہ تمام رسوم فاتحہ خوانی، چہلم، برسی، عرس، تصورِ شیخ، قیام میلاد، استمداد از اہل اللہ (مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ سے) اور گیارہویں کی نیاز وغیرہ کے قائل ہیں۔

(موج کوثر، ص: ۷۰۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ مکب روڈ)

سماجی ومعاشرتی اثرات

کنزالایمان شریف نے صرف مذہبی واعتقادی زندگی کو ہی متاثر نہیں کیا۔ بلکہ اس نے عامۃ الناس کی سماجی و معاشرتی زندگی پر بھی اپنے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں مثلاً یہ کہ

﴿۱﴾ شادی بیاہ کے موقع پر دلہن کو جہاں جہیز میں عمدہ اور قیمتی سامان دیا جاتا ہے۔ وہاں ہمارے معاشرے میں بچی کو قرآن مجید کا تحفہ دے کر گھر سے روانہ کرنے کا قابل قدر اور مستحسن طریقہ بھی پایا جاتا ہے۔ راقم کا یہ مشاہدہ بھی ہے اور تجربہ بھی کہ اس موقع پر بالعموم جو مصحف شریف دلہن کو اس کے گھر والوں کی طرف سے دیا جاتا ہے وہ ترجمۂ کنزالایمان شریف ہی ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن کا یہ خصوصی فیض ہے کہ جوں جوں لوگوں میں قرآنی تعلیمات کا شوق بڑھ رہا ہے توں توں اُن کے اندر عشق و محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات بھی فروغ پارہے ہیں۔ اور ان کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ پہلے بالخصوص شادی کی تقریبات پر ناچ گانے اور رنگ وسرود کی محفلیں سجائی جاتی تھیں۔ اور حد سے بڑھ جانے والے شراب میں مست ہوکر دادِ عیش دیتے تھے مگر اب الحمدللہ رنگ ثقافت بھی بدل رہا ہے اور طرز معاشرت بھی تبدیل ہورہا ہے اور روز بروز خوشی ومسرت کے ان لمحات میں محافلِ قرأت ونعت، محافل

میلاد کی صورت میں ذکر الٰہی اور عشق ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روح پرور نغمے الاپے جاتے ہیں۔ دلوں کو ذکر خدا اور رسول سے تسکین پہنچانے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ اس سماجی و معاشرتی انقلاب اور ذہنی سوچ میں تبدیلی کا سہرا سراسر صاحب کنز الایمان اور کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے سر ہے تو یہ خلاف حقیقت نہ ہوگا۔

﴿۳﴾ اس وقت مارکیٹ میں متعدد تراجم قرآنی شائع بھی کیے جارہے ہیں اور وہ کثرت سے فروخت بھی ہورہے ہیں لیکن جس قدر اشاعتی ادارے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری کا ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' چھاپتے ہیں کوئی دوسرا ترجمہ اتنی کثیر تعداد میں شائع نہیں ہوتا۔ راقم نے حضرت حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ یا علامہ اقبال احمد فاروقی دونوں میں سے کسی ایک بزرگ سے سنا تھا کہ شروع شروع میں تاج کمپنی والے اپنے مخصوص نظریات کی وجہ سے کنز الایمان شریف کو چھاپنے پر تیار نہ تھے۔ انہیں بہت سے لوگوں نے اس طرف متوجہ کیا لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے مگر اہل علم کے اصرار پر جب انہوں نے اس مبارک اور سوادِ اعظم کے مقبول ترین ترجمۂ قرآن کو پہلی مرتبہ چھاپا تو اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ پہلے ایڈیشن کی نکاسی اتنی سرعت کے سات ہوئی کہ لوگوں کی مانگ پوری کرنا مشکل ہوگئی۔ چنانچہ اس سے حوصلہ پا کر تاج کمپنی کے مطبوعہ دیگر تراجم پر سبقت لے گیا۔ اور آج تک اُس کا یہ اعزاز برقرار ہے۔

یہ تو تاج کمپنی کا معاملہ تھا یہی نہیں بلکہ قرآن مجید کی طباعت و اشاعت کرنے والی جتنی کمپنیاں ہیں، اُن سب کا اگر جائزہ لیا جائے تو سب کی صورت حال یہی ہوگی کہ اشاعت و ترسیل کے اعتبار سے کنز الایمان شریف باقی تمام تراجم سے فائق ہوگا۔ کثرتِ اشاعت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کی مانگ بھی سب سے زیادہ ہے جب یہ ایک حقیقت ہے تو اس امر سے بھی انکار نہیں کہ سب سے زیادہ یہی پڑھا جانے والا ترجمہ ہے۔ چنانچہ یہ سب کنز الایمان کے سماجی و معاشرتی اثرات ہیں کہ اس نے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں سے لے کر ایک عام شخص تک کو اپنی فکر سے متاثر کیا ہے اور یوں دینی و روحانی ذہن سازی میں اہم کردار ادا کیا ہے، اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک اس کا یہ فیضان جاری رہے گا۔

سیاسی اثرات

کنز الایمان شریف کے سیاسی اثرات کا جائزہ لینے کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ تحریک ترک موالات اور تحریک خلافت کے موقع پر صاحب کنز الایمان مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے ان دونوں تحریکوں سے عملی طور پر علیحدہ ہو کر جس قومی و ملی حمیت کا ثبوت دیا وہ آپ کی مومنانہ فراست، بیدار مغزی، دور اندیشی اور تدبر کا بین ثبوت ہے۔ آپ نے اپنی دانش نورانی سے خلافتی لیڈروں کو مشرکینِ ہند (ہندوؤں) کی سفاکی اور اُن کے مظالم سے (اُس وقت جب کہ ان دونوں کی مسلمان قیادت نے تاریخی حقائق کو پس پشت ڈالتے ہوئے مشرکین ہند سے مودت و محبت اور اتحاد کی پینگیں چڑھانا شروع کیں اور ہر اس راہنما کو ملت دشمن، مخالفدین اور انگریز کا ایجنٹ قرار دیا جس کسی نے بھی تحریک خلافت اور ترک موالات کی مخالفت کی۔ مگر افسوس کہ ہندوؤں سے اتحاد و محبت کے جوش میں ہوش و حواس کھو بیٹھنے والے جذباتی لیڈروں نے اس مرد خدا کی ایک نہ سنی حالانکہ آپ نے تاریخی پس منظر کے طور پر درج ذیل حقائق کو انتہائی دلسوزی اور درد مندی کے ساتھ) آگاہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

''کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانیِ گاؤ پر اُن کے سخت ظالمانہ فساد پُرانے پڑ گئے؟ کیا کٹار پور و آرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک و ہولناک مظالم جو ابھی تازہ ہیں دلوں سے محو ہو گئے؟ بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کیے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں

نے پاک مسجدیں ڈھائیں، قرآنِ کریم کے پاک اوراق پھاڑے، جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لیے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔''

مسٹر گاندھی جس کو خلافتی لیڈر اپنا رہبر و پیشوا تسلیم کر چکے تھے، وہ اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا۔ اس کے عزائم سے خلافتی لیڈروں کو آگاہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں، تم سب ہندو پرستوں کا امام ظاہر و بادشاہِ باطن ہے یعنی گاندھی صاف نہ کہہ چکا کہ مسلمان اگر قربانیِ گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑا دیں گے۔ اب بھی کوئی شک رہا کہ تمام مشرکین ہند دین میں ہم سے محارب ہیں۔''

﴿المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ از امام احمد رضا خاں، مطبوعہ مکتبۂ حامدیہ گنج بخش روڈ، لاہور، ملخص، ص: ۱۱۶ تا ۱۱۹﴾

قرآن مجید نے اہلِ ایمان کو یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین سے دوستی کرنے اور اُن کو اپنا ہم راز بنانے سے منع فرمایا ہے جب خلافتی لیڈروں نے اسلام سے کھلم کھلا بغاوت کرتے ہوئے مشرک اعظم گاندھی کو اپنا رہبر و پیشوا بنالیا، یہاں تک کہ اس کو مسجد میں لا کر منبر رسول پر بٹھایا گیا۔ بلکہ یہ تک کہا گیا کہ

''نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتے''

﴿اخبار اتفاق، دہلی، ۲۷/ اکتوبر ۱۹۲۰ء بحوالہ المحجۃ المؤتمنۃ حاشیہ ص: ۱۸۴، حاشیہ ۵، از مولانا حشمت علی﴾

امام اہلِ حق نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''انہیں راز دار و دخیل کار بنانا حرام قطعی تھا۔ یہ اس سے بھی بدرجہا بڑھ کر اُن کے ہاتھ بک گئے۔ انہیں اپنا امام و پیشوا بنالیا۔ اُن کو اپنا راہنما بنالیا ہے۔ جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں میرا حال تو سردست اس شعر کے موافق ہے۔

عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت
رفتی و نثار بت پرستی کردی

اللہ یونہی چھاپ لگا دیتا ہے ہر مغرور ستمگر کے دل پر۔''

﴿المحجۃ المؤتمنۃ، ص: ۱۸۴﴾

یہ دو قومی نظریہ کا دینی و قرآنی تصور ہے جس کو امام المحققین، سید المفسرین اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی صرف ایک آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر بیان کرتے ہوئے پیش کیا تھا۔

فکر رضا کا اثر:

راست فکری پر مشتمل امام احمد رضا خاں کے ان افکار و نظریات کے سائے میں پروان چڑھنے والوں نے کنزالایمان سے مستنیر فکر اسلامی سے اپنے دامن علم و عمل کو بھرتے ہوئے اور صاحب کنزالایمان کے فیض صحبت سے حمیتِ ملّی اور غیرتِ دینی کا جو درس لیا تھا اس کا پرچم تھامے ہوئے وہ آل انڈیا سنّی کانفرنس کے نام سے میدانِ عمل میں اترے اور قائد اعظم کی قیادت میں مسلم لیگ کا سبز جھنڈا اٹھائے ہندو اور انگریز دونوں کی غلامی کا انکار کرتے ہوئے آزاد مسلم ریاست کا مطالبہ کرتے ہیں تو چشم فلک نے دیکھا ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو جس اسلامی ریاست کا مطالبہ کیا جاتا ہے صرف ساڑھے چھ سال کے مختصر عرصے میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ایک آزاد و مختار ریاست کی حیثیت سے عالمی نقشے پر اُبھر کر سامنے آتی ہے، یوں اقبال کا یہ خواب عملی تعبیر کی صورت میں دنیائے انسانی کے سامنے آتا ہے۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

﴿بانگِ درا۔ کلیاتِ اقبال اردو، ص: ۲۲۲﴾

مشہور کالم نگار اور صحافی میاں عبدالرشید مرحوم قیام پاکستان میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ اور آپ کے متبعین کی خدمات اور کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''When Pakistan Resolution was passed in 1940. The efforts of Hazrat Barelvi bore fruit and all his adherents and spiritual leaders rose as and man to support Pakistan movement. Thus the contribution of Hazrat Barelvi towards Pakistan is not less than that of Allama Iqbal and Quaid-e-Azam.''

[Mian Abdul Rasheed: Islam in Indo Pak sub-continent, Lahore 1977]

ترجمۂ مفہومی:

''۱۹۴۰ء میں جب قرارداد پاکستان پاس ہوئی تو حضرت بریلوی کی ساعی بارآور ہوئی۔ آپ کے متبعین جن میں علما وصوفیا سب ہی شامل تھے۔ تحریکِ پاکستان کی حمایت کے لیے فردِ واحد کی طرح اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بلاشبہ پاکستان کے لیے حضرت بریلوی کی خدمات قائداعظم اور علامہ اقبال سے کسی طرح کم نہیں۔''

﴿برصغیر پاک و ہند میں اسلام، مطبوعہ لاہور، ص:۶۷، از میاں عبدالرشید﴾

یہی مصنف اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

''یہ صحیح ہے کہ مغربی تعلیم یافتہ لوگوں نے جن میں کالجوں کے نوجوان طلبہ پیش پیش تھے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا، لیکن حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کے ہم مسلک حضرات کے تعاون نے بھی اس تحریک کو بڑی تقویت بخشی اور تحریک کے سفر کامرانی کو آسان بنادیا۔ علمائے دیوبند کی اکثریت، بعض علمائے اہل حدیث اور اسی طرح علمائے ندوہ کی ایک شاخ تحریک پاکستان کی مخالف تھی۔''

﴿پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر از میاں عبدالرشید، ص:۱۱۷، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء﴾

حاصل کلام

نتیجۂ بحث یہ کہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے براہ راست قرآن وسنت کے انوار سے فیض پاکر فکرِ صحیح اور فہم سلیم تک رسائی حاصل کی اور پھر پوری تندہی سے بلاخوف لومۃ اللائم اللہ تعالیٰ جل وعلا اور حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکروں، دین اسلام اور عقائد حقہ کے مخالفوں اور ملتِ اسلامیہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کیا وہ آپ ہی کا مقدر اور آپ ہی کا نصیب تھا۔ آپ نے فدایان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر تیار کیا کہ جس کی سوچ فکر اور عقیدہ ہی یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت پر جان قربان کردینا ہی روح ایمان اور اصل زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے وہ خواہ کوئی بھی ہو باپ ہو، بیٹا ہو، بھائی ہو، لیڈری کا دعویدار ہو، دنیا کا رئیس وسرمایہ دار ہو۔ اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کفر کی منزل کا راہی بن گیا ہے جب کہ اہل ایمان کی منزل تو مکۃ المکرّمۃ اور مدینۃ المنورۃ ہے۔ پاکستان کے سابق مرکزی وزیر تعلیم خاں محمد علی خاں ہوتی نے مندرجہ بالا حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''فاضل بریلوی جنہوں نے مسلمانوں کی فکری آبیاری کے لیے ایک ہزار کے لگ بھگ کتب ہر موضوع پر تحریر فرمائی ہیں، مسلمانوں کو یہ پیغام دے رہے تھے کہ کفر کی سب قسموں سے الگ رہنا چاہیے، اگر انگریز سے ترک موالات ضروری ہے تو ہندو سے بھی ترک موالات لازمی ہے، نہ ہندو مسلمان کا ساتھی بن سکتا ہے اور نہ ہی غمخوار۔''

﴿گناہِ بے گناہی از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ، ص،۴۷ مطبوعہ حیدرآباد، سندھ ۱۹۸۸﴾

یہ مختصر مضمون ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' کے گذشتہ اور رواں صدی پر مرتب ہونے والے چند پہلوؤں پر مشتمل اثرات کو بیان

کرتا ہے۔ اگر زندگی کے مختلف اور بڑے بڑے پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر اس موضوع پر کام کیا جائے تو اس کے لیے ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔ اور ایک ٹیم کا متقاضی ہے جو اس فریضے کو سرانجام دے سکے۔

اہم نکات

کنزالایمان کے فکری اثرت کے موضوع پر لکھے گئے زیرنظر مضمون کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

﴿1﴾ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن میں امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیس الوہیت، آداب بارگاہ نبوت و رسالت اور تعظیم اولیا کا کامل طور پر پاسِ ادب و فرق مراتب کو ملحوظ رکھا ہے۔

﴿2﴾ ترجمہ کرتے وقت اسلافِ امت کے فکر و فلسفہ اور عقائد و نظریات کو مدنظر رکھا گیا ہے، اور ترجمے میں اہلِ حق سے کہیں بھی اعتزال کی راہ کو نہیں اپنایا گیا۔

﴿3﴾ ترجمہ اس انداز میں کیا گیا ہے کہ قرآن کا طالب علم ایک حد تک لمبی لمبی تفاسیر سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

﴿4﴾ ترجمۂ کنزالایمان کو پڑھتے ہوئے قاری کے دل میں محبت و اطاعتِ الٰہی اور عشق و محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات والہانہ طور پر پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں جو قاریِ قرآن کو عمل کی طرف، سنت نبوی کی اتباع کی طرف اُبھارتے ہیں۔

"مآخذ و مراجع"

تراجم قرآن

﴿1﴾ ابوالکلام آزاد، مولوی (۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۸ء)
ترجمان القرآن

﴿2﴾ احمد رضا خاں، مولانا شاہ (۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء)
کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن

﴿3﴾ اشرف علی تھانوی، مولوی (۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء)
ترجمہ و تفسیر بیان القرآن

﴿4﴾ محمد جوناگڑھی، مولوی
قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر

﴿5﴾ حسین علی واں بھچراں، مولوی (۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۳ء)
بلغۃ الحیر ان فی ربط آیات القرآن

﴿6﴾ حامد حسن بلگرامی، ڈاکٹر سید
فیوض القرآن

﴿7﴾ رفیع الدین دہلوی، مولانا شاہ
(۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء)

﴿8﴾ شبیر احمد عثمانی، مولوی
(۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء)

﴿9﴾ محمد طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر
حیات عرفان القرآن

﴿10﴾ عبدالقادر دہلوی، مولانا شاہ (۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۸ء)
موضح القرآن مع ترجمۂ قرآن

﴿11﴾ عبدالماجد دریا آبادی، مولوی
القرآن الحکیم مع ترجمہ و تفسیر

﴿12﴾ فتح محمد جالندھری، مولوی
فتح المجید

﴿13﴾ فیروزالدین روحی، پروفیسر مولوی
تفسیر القرآن مع ترجمہ

﴿14﴾ محمود الحسن دیوبندی، مولوی (۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء)
قرآن شریف مترجم

﴿15﴾ مودودی، سید ابوالاعلیٰ (م ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء)
تفہیم القرآن

﴿16﴾ نذیر احمد دہلوی، ڈپٹی مولوی (م ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء)

غرائب القرآن

﴿17﴾ وجیہ السیما عرفانی، سیّد

عرفان القرآن

کتب و رسائل

﴿18﴾ احمد رضا خاں، امام، الحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ، مکتبۂ حامدیہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۹۷۶ء-۱۳۹۶ھ

﴿19﴾ محمد اکرام شیخ، موج کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، 2 کلب روڈ، لاہور، مئی ۲۰۰۰ء

﴿20﴾ محمد جلال الدین قادری، ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، مکتبۂ رضویہ ۲۴/۲ سوڈ ایوال کالونی، ملتان روڈ، لاہور، رجب ۱۴۰۰ھ مئی ۱۹۸۰ء

﴿21﴾ محمد طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر، کنزالایمان کی فنی حیثیت، منہاج القرآن پبلی کیشنز ۳۶۵ ایم بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور، اپریل ۱۹۹۷ء

﴿22﴾ عبدالحکیم شرف قادری، علامہ، امام احمد رضا محدث بریلوی پر دنیا بھر میں نئی نئی تحقیقات، رضا اکیڈمی رجسٹرڈ لاہور، ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء طبع اوّل

﴿23﴾ عبدالحکیم شرف قادری، علامہ تذکرۂ اکابر اہل سنت، مکتبہ قادریہ

﴿24﴾ صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، ڈاکٹر، قرآن حکیم کے اُردو تراجم، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی،

﴿25﴾ عبدالرشید، میاں، پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر، ادارۂ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب لاہور، جون ۱۹۸۲ء

﴿26﴾ ABDUL RASHID: Islam in Indo Pak sub-continent Lahore, 1977

﴿27﴾ کوثر نیازی، مولانا، امام احمد رضا خاں بریلوی، ایک ہمہ جہت شخصیت، ادارۂ معارف نعمانیہ، لاہور، ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ/نومبر ۱۹۹۰ء

﴿28﴾ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء

﴿29﴾ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، فاضل بریلوی اور ترک موالات، مرکزی مجلس رضا، لاہور، بار پنجم رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ/اگست ۱۹۷۷ء

﴿30﴾ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، گناہِ بے گناہی، جماعتِ اہل سنت، ضلع حیدر آباد، سندھ، ۱۹۸۸ء

﴿31﴾ غلام جابر شمس المصباحی، ڈاکٹر، کلیّاتِ مکاتیب رضا، مکتبۂ بحر العلوم، مکتبۂ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

﴿32﴾ عبداللطیف، الحاج شیخ، انوار رضا، شرکتِ حنفیہ لمیٹڈ، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۳۹۷ھ (مجموعۂ مقالات)

﴿33﴾ محبوب الرسول قادری ملک، انوار رضا، انٹرنیشنل غوثیہ فورم، جوہر آباد، ضلع خوشاب، ۲۰۰۳ء (مجموعۂ مقالات)

﴿34﴾ محمود احمد قادری، مولانا پیر، مکتوباتِ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، مکتبۂ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور، جنوری ۱۹۸۶ء

﴿35﴾ محمد یٰسین اختر مصباحی، مولانا امام احمد رضا اہلِ دانش کی نظر میں، الہ آباد، بھارت، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء

﴿36﴾ محمد اقبال علامہ کلیاتِ اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۵ء

﴿37﴾ مقبول احمد قادری، حاجی، پیغاماتِ یوم رضا، مرکزی مجلس رضا، لاہور، ۱۹۷۶ء

﴿38﴾ عبدالنبی کوکب، قاضی، مقالاتِ یوم رضا، لاہور، ۷۱-۱۹۶۸ء

﴿39﴾ اختر راہی، تذکرۂ علماے پنجاب، مکتبۂ رحمانیہ اردو بازار، لاہور، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۱ء

﴿40﴾ خورشید احمد، پروفیسر، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر جلد: ۲، محمد اقبال طاہر ۱۸۹۔ ریواز گارڈن، لاہور، تیسرا ایڈیشن جنوری ۱۹۸۸ء

x......x......x

کنزالایمان
کی تاریخی حیثیت کا جائزہ

ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی ایم اے پی ایچ ڈی ☆

یہ مقالہ ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی صاحب نے جامعہ رضویہ منظر اسلام کے طلباء کے اصرار پر اس وقت تیار کیا جب یکم محرم الحرام ۱۴۳۰ھ کو طلباء نے کنزالایمان کا جشن صد سالہ منایا۔ طلباء نے ڈاکٹر صاحب سے یہ کہہ کر مقالہ لکھوایا کہ ہم لوگ اعلیٰ حضرت کی عبقری شخصیت پر تقاریر سنتے رہتے ہیں۔ لیکن یکم محرم الحرام کو ہم لوگ جشن صد سالہ منا رہے ہیں۔ اس موقع پر کنزالایمان کی خوبی اور محاسن نیز تاریخی حیثیت سے ہمیں روشناس کرایا جائے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کب اور کیسے کنزالایمان کی تصنیف فرمائی۔ طلباء کی خواہش کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت اور کاوش سے مقالہ تیار کیا اور پورا مقالہ جشن صد سالہ میں پڑھ کر سنایا۔ طلباء نے اسے بے حد پسند کیا۔ بعض حضرات نے اس کی کاپی طلب کی۔ لہٰذا قارئین کی معلومات میں اضافہ کے لیے پورا مقالہ پیش کیا جا رہا ہے۔ (بشکریہ: ادارہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف)

کنزالایمان کی تصنیف کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ امام اہلسنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ۱۳۳۰ھ میں علما کرام بالخصوص حضور صدر الشریعہ کے اصرار پر قرآن پاک کا فی البدیہہ ترجمہ صرف اپنی یادداشت پر چند ماہ کی قلیل مدت میں کر دیا تھا۔ جو سیکڑوں لغت اور تفاسیر کی کتابوں پر مشتمل ہے اب تک کیے گئے تمام قرآنی تراجم پر بھاری ہے اس واقعہ کی نشاندہی کرتے ہوئے مولانا بدرالدین احمد قادری علیہ الرحمۃ مصنف سوانح اعلیٰ حضرت رقمطراز ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت سے ترجمہ کر دینے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ تو فرمایا لیا۔ لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی۔

''جب صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا چونکہ ترجمے کے لیے ہمارے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لیے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آ جایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ قلم اور دوات لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور یہ دینی کام شروع ہو گیا۔

ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہے۔ لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر و لغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہ آیات کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف فر فر فر فر پڑھتا جاتا ہے۔ پھر جب حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل عین

☆ استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

مطابق ہے۔"

(سوانح اعلیٰ حضرت ص ۳۶۵/۳۶۶/ قادری مشن بریلی)

ترجمے کی تکمیل کتنی مدت میں ہوئی؟

اس سلسلے میں علامہ مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب قبلہ رقمطراز ہیں۔

"ترجمۂ کنزالایمان کی تحریر کا آغاز جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ میں ہوا اور اختتام ۲۸/ جمادی الآخر ۱۳۳۱ھ میں۔ لیکن کام مسلسل نہیں ہوا ہے۔ بعض صفحات مسودے کے درمیان سے غائب بھی ہیں۔ جن کی تاریخیں معلوم کرنا مشکل ہے۔ البتہ اس بات کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ یہ نادر و نایاب اور مہتم بالشان ترجمہ قرآن موسوم بہ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن سال کے چند مہینوں میں مکمل ہوا پورے ایک سال بھی صرف نہ ہوئے"۔

(صدر الشریعہ نمبر اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء ص ۲۱۱/)

کنزالایمان کی طباعت کس نے کرائی؟

اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب اپنے ایک مقالے میں رقمطراز ہیں۔

"صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی (م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) کنزالایمان کا مسودہ بغرض طباعت مراد آباد لے گئے۔ مفتی محمد اطہر نعیمی کے مطابق پہلی مرتبہ کنزالایمان مفتی محمد عمر صاحب نعیمی کے زیر اہتمام "نعیمی پریس مراد آباد" میں طبع ہوا۔ کتابت منشی ارشاد علی نے فرمائی۔ دوسری اشاعت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی کے تفسیری حواشی "خزائن العرفان" کے ساتھ اہلسنت برقی پریس مراد آباد میں ہوئی۔ اور تیسری مرتبہ المکتبہ کراچی نے طباعت کی۔ چوتھی مرتبہ از ہر بک ڈپو آرام باغ کراچی کے زیر اہتمام اشاعت ہوئی"

(ماہنامہ جہان رضا لاہور شمارہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۹ء)

ہندوستان و پاکستان کی تقسیم کے بعد کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی نے اسے شائع کرنا شروع کیا وہ سلسلہ اب تک جاری و ساری ہے۔ بلکہ اب تو مختلف مکتبے والوں نے بغرض تجارت اس کی اشاعت شروع کر دی ہے۔ اس سے کنزالایمان کی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

کنزالایمان پر پابندی کب لگائی گئی؟

حاسدین و معاندین نے ۱۹۸۲ء میں رابطہ عالمی اسلامی کے توسط سے سعودی عرب میں پابندی عائد کرادی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس پابندی کے بعد پوری دنیا میں کنزالایمان کی شہرت ہوگئی۔ اپنے پرائے سب نے اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔

کنزالایمان پر کس نے پی ایچ ڈی کی

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے ۱۹۹۳ء میں ڈاکٹر مسعود احمد کی نگرانی میں "کنزالایمان اور دیگر معروف اردو تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ" کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

کنزالایمان کا ترجمہ کتنی زبانوں میں ہوا ہے؟

کنزالایمان کا ترجمہ مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے۔ مختلف زبانوں میں ترجمہ ہونے سے کنزالایمان کی اہمیت و افادیت کا پتہ چلتا ہے۔ میری معلومات کے مطابق اس کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے۔

انگریزی:	پروفیسر محمد حنیف اختر انگلینڈ
انگریزی:	پروفیسر شاہ فرید الحق کراچی پاکستان
انگریزی:	ڈاکٹر اے مجید اے اولک لاہور پاکستان
انگریزی:	ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم مارہروی، ایٹہ ہندوستان
انگریزی:	سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی، ایٹہ ہندوستان
ھندی:	سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی، ایٹہ ہندوستان
ھندی:	مولانا نور الدین نظامی، رام پور ہندوستان

ھندی: مفتی عبدالعزیز،
بنگلہ: مولانا عبدالمنان چٹاگام بنگلہ دیش
گجراتی: مولانا حسن آدم گجراتی ہندوستان
سندھی: مفتی محمد رحیم سکندری، سندھ پاکستان
سندھی: مولانا عبدالوحید سرہندی
ڈچ: مولانا غلام رسول قادری
ترکی: مولانا اسماعیل حقی

(معارف رضا کراچی سالنامہ ۲۰۰۱ء)

کنزالایمان کے ترجمے میں کس قدر سلاست و فصاحت اور بلاغت ھے

اس کا اندازہ لگانا تو اہل بصیرت کا کام ہے۔ البتہ تھوڑی سی جھلک دیکھنی ہو تو سورۂ لقمان کی یہ آیت ملاحظہ فرمایئے۔

یَا بُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ O وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ O وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ.

ترجمہ:

اے میرے بیٹے نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔ اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسارہ کج نہ کر اور زمین پر اتراتا نہ چل۔ بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا فخر کرتا اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کچھ پست کر بے شک سب آوازوں میں بری آواز، آواز گدھے کی۔

(کنزالایمان)

ترجمے میں کیسی سلاست اور روانی ہے یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ کسی عربی عبارت کا ترجمہ ہے۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ باپ بیٹے میں بات چیت ہو رہی ہے۔ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہے ہیں اور اعلیٰ حضرت اس کی ترجمانی فرما رہے ہیں۔

کنزالایمان کی انفرادیت اور اھمیت:

کنزلایمان کی انفرادیت اور اہمیت کو واضح کرنے کے لیے ہم یہاں صرف دو آیات کا موازنہ دیگر ترجموں سے پیش کر رہے ہیں۔

وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ O

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی:

"اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے"۔

ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری:

"اور وہ (یعنی یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور خدا بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) چال چلا اور خدا خوب چال چلانے والا ہے۔

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی:

"اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں"

ترجمہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی:

"اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے"۔

مقام غور ہے کہ "مکر" "داؤ" اور "چال چلانے والا" جیسے الفاظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کیا گیا ہے۔ جس سے پاکیزگی اور ستھرائی کا اظہار نہیں ہوتا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاکیزہ ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے دشمنان خدا کے مکر و فریب کو خفیہ تدبیر کہہ کر شری اور فسادی ذہن پر پردہ ڈال دیا ہے۔ کافروں کے لیے خفیہ

تدبیر جیسے لفظ کا استعمال موزوں نہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے جو ترجمہ کیا ہے وہ نفس آیت کے عین مطابق ہے۔ اسی طرح سے اسلام کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ انبیا کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور ان سے غلطیوں کا صدور ممکن ہی نہیں۔ اس عقیدہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اور مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔

وَعَصىٰ آدَمَ رَبُّهٗ فَغَوىٰ

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی:

"اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا"

ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری:

"اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا (تو وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے"

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی:

"اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے"

ترجمہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی:

اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی"

ترجمے میں صرف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے عصمتِ انبیاء کا خیال رکھا باقی سب نے شان نبی میں گستاخی اور بے ادبی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ کنزالایمان کی انفرادیت و اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری رقمطراز ہیں!

ترجمے میں مقصدیت کے بیان کے حوالے سے یہاں ایک واقعہ کا بیان خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ جو سپریم کورٹ کے شریعت بنچ میں پیش آیا۔ مجھے پچھلے دنوں عدالت مذکورہ میں ایک کیس کے سلسلے میں بغرض مشاورت بلایا گیا مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ اسلام میں تحدید ملکیت جائز ہے یا نہیں؟ ملک میں زرعی اصلاحات کے ذریعہ جو تحدید ملکیت کا تصور دیا گیا ہے۔ شرعاً درست ہے یا غلط؟ دوران سماعت ایک فاضل وکیل نے زمین کی تحدید ملکیت کو ناجائز قرار دیتے ہوئے قرآن و سنت سے استدلال پیش کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے سورۂ الزخرف کی آیات نمبر ۳۲/۳۳ کا حوالہ دیا۔ جس سے وہ اس تصور کو واضح کرنا چاہتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو امیر اور کسی کو غریب بنایا ہے۔ کسی کو ضرورت سے زیادہ دیا ہے۔ اور کسی کو محض مفلس و نادار بنایا ہے۔ یہ سب اللہ کی مشیت ہے۔ غربت و امارت کی یہ تقسیم خدا کی مشیت اور فطری نظام معیشت کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا خالق کائنات ہی نے جب یہ تفاوت اور درجہ بندی رکھی ہے تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ حق ملکیت کو محدود کر کے مشیت ایزدی کی خلاف ورزی کرے۔ اس تصور کی توضیح کرتے ہوئے انہوں نے قرآن حکیم کی یہ آیت بطور استدلال پیش کی۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ، نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا.

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جس مبارک گھرانے میں پیدا ہوئے وہ مالی اعتبار سے متمول اور زیادہ خوشحال نہیں تھا۔ اس گھرانے کے مقابلے قریش مال و دولت کی کثرت رکھتے تھے۔ وہ دنیا کی ہر قدر کو مال دولت میں کثرت و قلت کے پیمانے پر پرکھنے کے عادی تھے۔ اور یہ بات تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں تھے کہ کوئی ایسا شخص بھی منصب نبوت پر فائز ہو سکتا ہے جو زیادہ اثر و رسوخ کا مالک اور مالدار و متمول نہ ہو۔ ان کا خیال تھا کہ منصب نبوت کسی دولت مند رئیس یا دنیوی جاہ و حشمت کے حامل انسان کو ملنا چاہیے تھا۔ ان کے اسی خانہ ساز معیار نبوت کی مذمت میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ فاضل وکیل نے اس حصہ آیت وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًا کا ترجمہ یہ کیا، کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر مال و دولت کے اعتبار سے برتری عطا کی

(یعنی کسی کو مال و دولت کی فراوانی عطا کی اور بعض کو دوسروں سے کم تر رکھا) تا کہ کچھ لوگ دوسروں کی ہمیشہ خدمت کرتے رہیں۔

وکیل موصوف نے غربت وامارت کے طبقاتی تصور کو مستقل طور پر قائم رکھنے کی تائید میں آیت مذکورہ سے استنباط کیا اور ثابت کرنے کی کوشش کی خدا نے غریب کو غریب اس لیے رکھا ہے کہ وہ امیروں کی خدمت کرتے رہیں۔ وکیل موصوف نے اپنے استنباط کے ثبوت میں قرآن پاک کے متعدد تراجم پیش کیے جن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ غربت وامارت کا امتیاز اسی لیے رکھا گیا ہے۔ کہ کچھ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوسروں کے کام آتے رہیں۔ جب فاضل وکیل مختلف تراجم کی روشنی میں اپنی تھیوری ESTABLISH کر چکے تو عدالت میری طرف متوجہ ہوئی اور ترجمے کی حقیقت کے بارے میں استفسار کیا۔ میں نے فاضل عدالت کو بتایا کہ میرے نزدیک لفظ "سخریا" کا معنی ومفہوم یکسر مختلف ہے۔ اور یہ لفظ یہاں خدمت ونوکری کے معنی میں نہیں بلکہ تمسخر واستہزاد کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہاں قرآن استفہامیہ انداز میں اس زعم باطل اور نخوت وتکبر کے بت کو پاش پاش کرنا چاہتا ہے جو کثرت دولت کے سبب امیروں میں پیدا ہو جاتا ہے۔

خطاب قرآن کے حکیمانہ پہلو پر نظر رکھنے والے اہل علم اس حقیقت سے بخوبی باخبر ہیں کہ اس مقام پر استفہام محذوف ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ قرآن کثرت دولت کے زعم میں مبتلا لوگوں کو یہ باور کرا رہا ہے کہ مال ودولت میں یہ تفاوت اس لیے نہیں رکھا گیا کہ تم اپنے سے کم لوگوں کا استہزاء کرتے پھرو۔

اس آیت میں درحقیقت غربت وامارت کی اس غیر فطری تقسیم کے نظام کو رد کیا جا رہا ہے اور اسے کافرانہ تصور قرار دے کر مطعون کیا جا رہا ہے۔ کہ غربت وامارت کے فرق کو اپنے معاملات کی حد تک تو رکھو لیکن اس تقسیم کو غریبوں کے مذاق کی بنیاد نہ بناؤ۔

عدالت نے مجھ سے لفظ سخریا کا معنی مذاق کرنے پر دلیل مانگی میں نے اپنے موقف کے اثبات میں متعدد آیات قرآنی پیش کیں اور عدالت کو بتایا کہ آیت مذکورہ کے پس منظر سیاق وسباق اور جملہ قواعد عربی کی رو سے اس کا یہی ترجمہ درست ہے۔ اس پر عدالت نے مجھ سے استفسار کیا کہ کیا کسی اور مترجم نے بھی آیت مذکورہ کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے۔ میں نے عدالت سے کہا جس قدر تراجم عدالت میں موجود ہیں انہیں باری باری دیکھا جائے۔ مجھے یقین تھا کہ جو تصور رب العزت کے نظام معیشت کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ یقیناً اس کے بیان پر مشتمل ہوگا۔ عدالت میں بیس پچیس کے قریب تراجم موجود تھے لیکن جو ترجمہ بھی دیکھا جاتا اس میں سخریا کا معنی خدمت ہی لکھا تھا۔ اتفاق سے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ عدالت میں موجود نہ تھا۔ میں نے عدالت سے کہا کہ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ منگوایا جائے چنانچہ ترجمہ منگوالیا گیا اور اگلے دن جب عدالت کی کاروائی دوبارہ شروع ہوئی تو عدالت کے چیرمین کے ہاتھ میں اعلیٰ حضرت کا ترجمہ تھا۔ انہوں نے مجھے مبارک باد دی اور بتایا کہ اعلیٰ حضرت نے سخریا کا معنی مذاق ہی کیا ہے۔ میں نے رب العزت کا شکر ادا کیا اور اس طرف متوجہ ہوا کہ اگر اعلیٰ حضرت نے یہ ترجمہ کیا ہے تو اس کی کوئی اصل بھی ضرور ہوگی۔ میں نے تلاش کیا تو شیخ سعدی کے فارسی ترجمے میں بھی یہی مفہوم ملا۔ آگے بڑھا تو امام المفسرین امام قرطبی نے بھی سخریا کا یہی معنی بیان کیا تھا۔ زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آگئے۔ کہ اعلیٰ حضرت آپ کی وسعت نظر اور کمال فہم پر قربان جائیں کہاں کہاں تک آپ کی نظر بصیرت پہنچی ہے۔ ترجمہ قرآن میں مقصدیت کا یہ وہ پہلو ہے جو اسے دیگر تراجم سے منفرد وممتاز کرتا ہے۔"

(کنزالایمان کی فنی حیثیت ص ۲۱، ۲۰، ۱۹/ر)

کنزالایمان کی خصوصیات اور محاسن:

کنزالایمان کے محاس کا تذکرہ کرتے ہوئے عالی جناب ملک

شیر محمد خاں اعوان پاکستان رقمطراز ہیں۔

"امام احمد رضا برصغیر پاک و ہند کے وہ عظیم ترین مترجم ہیں جنہوں نے انتہائی کدوکاوش سے قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ پیش کیا ہے جس میں روح قرآن کی حقیقی جھلک موجود ہے۔ مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور وہ بھی اس طرح گویا لفظ اور محاورہ کا حسین ترین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ پھر انہوں نے ترجمہ کے سلسلے میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے متعدد معانی میں سے ایسے معانی کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق وسباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہوں۔ اس ترجمہ سے قرآنیچا نکلے وہ اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں۔ جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔ یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت سے بہت قریب ہے۔ ان کے ترجمہ کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیاء علیہم السلام کے ادب و احترام اور عزت و عصمت بطور خاص ملحوظ رکھا ہے۔ اُن کے ترجمۂ قرآن کے جملہ محاسن بیان کرنے کے لیے توضخیم تصنیف کی ضرورت ہے"

(ماہنامہ قاری امام احمد رضا نمبر شمارہ اپریل، ۱۹۸۹ء ص ۱۱۷ر)

اسی طرح محاسن اور فصاحت و بلاغت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا حکیم خلیل الرحمن صاحب رضوی پاکستان رقمطراز ہیں۔

"امام احمد رضا کو سرور کائنات علیہ التحیہ والتسلیمات کی ذات پاک سے والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ آپ نے محبت نبوی کو ترجمہ قرآن میں بھی پورا پورا ملحوظ رکھا ہے۔ اور جہاں کہیں بھی آنحضرت ﷺ سے خطاب ہوا ہے۔ ترجمہ میں ادب و محبت کو سمودیا ہے۔ مثلاً "الم تر" سورۂ فیل کے پہلے الفاظ کا ترجمہ عام طور پر مترجمین حضرات نے کیا ہے۔ "کیا تو نے نہ دیکھا" لیکن امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے!

"اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا" اسی طرح قرآن مقدس میں لفظ قل کا ترجمہ عام طور پر "کہو" سے کیا گیا ہے۔ مگر امام احمد رضا نے شان فصاحت و بلاغت قرآن کا پورا خیال رکھ کر ادب نبوی کا حق بھی ادا کر دیا ہے۔ ترجمہ کرتے ہیں "تم فرماؤ" پارہ چوتھا سورۂ آل عمران کے ان الفاظ "اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ" کا ترجمہ کتنا صحیح اور دلکش ہے "جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے" یہ اور اس طرح کی بے شمار آیات کے ترجمے کو پیش کیا جا سکتا ہے کہ حضرت امام موصوف نے آنحضرت ﷺ کی عزت و توقیر کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ اور ہر مسلمان پر آنحضرت ﷺ کی توقیر کا خیال رکھنا اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز روزہ فرض ہے۔ بلکہ یہ فرض تمام فرائض سے زیادہ اہم ہے۔"

(ایضاً ص ۱۵۵ر)

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت کے مختلف گوشوں پر مختلف جہتوں سے بڑے تحقیقی، تاریخی اور غیر جانبدارانہ انداز میں کام کیا ہے اعلیٰ حضرت کے کنزالایمان سے متعلق اپنا تاثر اس طرح پیش کرتے ہیں۔

"امام احمد رضا خان کا ترجمۂ قرآن کنزالایمان اپنی مثال آپ ہے کسی کتاب کا ترجمہ اتنا آسان نہیں جتنا آسان سمجھا جاتا ہے حقیقت میں ترجمہ کرنا ایک سینے سے دل نکال کر دوسرے سینے میں رکھنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں پھر قرآن جیسی عظیم کتاب کا ترجمہ کرنا اور بھی مشکل ہے ہر ترجمے کے لیے ضروری ہے کہ مترجم جس زبان کی کتاب کا ترجمہ کر رہا ہے اور جس زبان میں کر رہا ہے دونوں زبانوں کے نشیب و فراز سے باخبر ہو اگر وہ کتاب مترجم کے عہد سے بہت پہلے کی ہے تو پھر الفاظ کے ان معانی کا جاننا بھی بہت ضروری ہے جو اس عہد میں لیے جاتے تھے جس عہد میں کتاب سامنے آئی کیونکہ زمانہ گزرنے کے ساتھ الفاظ کے تلفظ و معانی میں تبدیلیاں ہوتی

رہتی ہیں بعض الفاظ سفر کر کے دوسری زبانوں سے بھی آجاتے ہیں اس لیے جب قومیں آپس میں ملتی ہیں تو ان کی زبان اور تہذیب و تمدن ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں داخل ہوجاتے ہیں کبھی ہو بہو قبول کر لیے جاتے ہیں اور کبھی الفاظ و معانی میں کچھ تغیر کے ساتھ مترجم کو زبان پر کامل عبور اور اہل زبان کے اسرار و رموز کے ساتھ ان تمام کا جاننا بھی ضروری ہے اس کے ساتھ ساتھ سباقیات و سیاقیات اور ان علوم و فنون پر اس کی نگاہ ہونی چاہیے جس سے وہ کتاب بحث کر رہی ہے کیونکہ علمی و فنی کتاب کے ترجمے کے لیے صرف زبان دانی کافی نہیں۔

قرآن حکیم میں بعض مقامات ایسے ہیں جن کا تعلق علوم جدیدہ سے ہے ایسے مقامات کا ترجمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان علوم پر بصیرت حاصل نہ ہو الفاظ کے معنی کا صحیح تعین متکلم کے تیور اور چہرے کا اتار چڑھاؤ انداز بیان کے نشیب و فراز اور اسلوب خطابت سے ہوتا ہے لیکن کتاب میں الفاظ تنہا رہ جاتے ہیں اس تنہائی میں ان کے معانی کا صحیح ادراک ایک مشکل کام ہے اس لیے مترجم کے لیے ضروری ہے کہ کتاب اور صاحب کتاب کی معرفت رکھتا ہو، کتاب اللہ کا ترجمہ اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک معرفت الٰہی کے ساتھ ساتھ معرفت رسول علیہ التحیۃ والتسلیم بھی حاصل نہ ہو، جس کو یہ معرفت حاصل نہیں وہ ترجمہ کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ امام احمد رضا کی ذہنی و فکری وسعت کا اندازہ ترجمہ، کنزالایمان کے مطالعہ سے ہوتا ہے کہ جب ایک صاحب علم و فضل ترجمہ کرتا ہے تو برسوں کے مطالعات و مشاہدات اس کے دل میں آتے چلے جاتے ہیں اور جو کچھ وہ بولتا یا لکھواتا ہے وہ برسوں کی محنت کا نچوڑ ہوتا ہے اس کو سرسری نگاہ سے نہ دیکھنا چاہیے بلکہ مترجم کے فکری اور علمی پس منظر میں اس ترجمہ کو دیکھنا اور پرکھنا چاہیے۔ اردو میں قرآن حکیم کے مکمل اور جزوی تراجم کی تعداد کچھ کم نہیں ہمارے اندازے کے مطابق مکمل اور جزوی تراجم کی تعداد ۱۲۳ ر ہے ان کثیر تراجم کی موجودگی میں فاضل بریلوی کا ترجمۂ اردو بعض لوگوں کی نظر میں خاص اہمیت نہیں رکھتا خصوصاً جبکہ اس سے قبل کئی ترجمے شائع ہوچکے ہیں، مثلاً

ترجمہ قرآن — حکیم محمد شریف خاں — ۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱ء
ترجمۂ قرآن — مولوی امانت اللہ — ۱۲۱۹ھ ۱۸۰۴ء
ترجمۂ قرآن — نواب صدیق حسن خاں — ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۰ء
ترجمۂ قرآن — مولوی نذیر احمد دہلوی — ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۵ء
ترجمۂ قرآن — محمود حسن — ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۶ء
ترجمۂ قرآن — مولوی اشرف علی تھانوی — ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۳ء

لیکن جہاں تک ہماری معلومات اور مطالعہ کا تعلق ہے یہ ترجمہ اس حیثیت سے جملہ تراجم میں ممتاز نظر آتا ہے کہ جن آیات قرآنی کے ترجمے میں ذرا بے احتیاطی سے حق جل مجدہ اور حضور ﷺ کی شان اقدس میں بے ادبی کا شائبہ نظر آتا ہے، فاضل بریلوی نے ایسی آیات کا ترجمہ ایسی احتیاط اور کامیابی کے ساتھ کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

(ڈاکٹر محمد مسعود احمد حیات علمی اور ادبی خدمات ص ۱۴۰۱/۱۴۰۰ر)

مذکورہ بالا ان تمام اقتباسات کو پڑھنے کے بعد بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اتنے کم اور مختصر وقت میں کیسا انوکھا اور نرالا ترجمہ کیا ہے کہ آج دنیا کے اہل علم اور دانشور حضرات کنزالایمان کے محاسن اور اس کی اہمیت و افادیت پر مقالے لکھ رہے ہیں۔ اور اپنی حیرت کا اظہار کر رہے ہیں اسی لیے کہنے والوں نے کہا ہے کہ ؂

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

x......x......x

امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن

کنزالایمان تاریخ کے آئینے میں

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے اردو ترجمۂ قرآن سے قبل بیسیوں اردو تراجمِ قرآن موجود تھے مگر اتنی بڑی تعداد میں تراجم کی کیا ضرورت تھی؟ کیا شاہ برادران[1] کے اردو تراجمِ قرآن کافی نہ تھے کہ اتنی بڑی تعداد میں تراجمِ قرآن کیے گئے۔ اصولی اعتبار سے ایک یا چند اردو تراجم کافی تھے کہ اس کو تمام مسلمان پڑھتے اور استفادہ کرتے یا جب ایک خاصی تعداد اردو ترجمۂ قرآن کی سامنے آ گئی تھی تو سب مسلمان مل کر ایک قرآن کے ترجمے پر متفق ہو جاتے اور اگر کسی مستند ترجمۂ قرآن پر اتفاق نہ ہو پاتا تو پھر کسی ایک عالم پر اتفاق کر کے اس سے ترجمۂ قرآن کرواتے تا کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمان ایک ترجمہ پر متفق رہتے اور بغیر تفرقہ کے پُرسکون زندگی گزارتے۔ مختلف تراجمِ قرآن پڑھنے کے بعد قاری کو یہ احساس ہوتا ہے ہر مترجمِ قرآن کی فکر جدا ہے اور عقائد کے معاملے میں ہر مترجم ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اس کی اس فکر اور جدید نظریات کو ترجمۂ قرآن میں پڑھا جا سکتا ہے۔ مترجمینِ قرآن نے جہاں ۱۳ویں صدری ہجری میں ترجمۂ قرآن کے ذریعہ اردو زبان کے دینی ادب کو فروغ دیا وہاں انہوں نے اپنے خود ساختہ عقائد اور نظریات کو بھی ترجمۂ قرآن میں بھرپور جگہ دی لیکن اس عمل سے ایک عام قاری کے اعتماد کو سخت دھچکا لگا کہ وہ اس ترجمۂ قرآن کو ہی منشاءِ الٰہی سمجھنے لگا اور جو کچھ ترجمے کے ذریعہ اس کو عقیدہ ملا، وہ اس کو ہی حق سمجھا۔

قارئین کرام! ۱۳رویں صدی ہجری میں متعدد نئے عقائد رکھنے والے مترجمِ قرآن نے برصغیر پاک و ہند میں اپنے اپنے ترجمۂ قرآن کے ذریعہ فرقہ بندیوں کا ایک جال بچھا دیا۔ ابتدا میں نیچری، چکڑالوی، دیوبندی، پرویزی، اہلِ قرآن، اہلِ حدیث، قادیانی، وغیرہ وغیرہ نہ جانے کتنے نئے نئے نظریات رکھنے والے سامنے آئے اور انہوں نے اپنے عقائد کے پرچار کے لیے قرآن کا سہارا لیا اور اپنے عقائد انہوں نے ترجمۂ قرآن کے ذریعے لوگوں تک پہنچائے اور عام لوگ صحیفۂ قرآن کے ترجمہ کو بھی روحِ قرآن سمجھتے ہوئے اس پر یقین کرتے چلے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے برصغیر میں عقائد کی ایک جنگ چھڑ گئی۔ برصغیر میں جہاں ایک طرف اردو زبان فروغ پا رہی تھی تو دوسری طرف ترجمۂ قرآن کے ذریعہ تفرقہ کی آگ سلگائی جا رہی تھی اور ہر کوئی ترجمۂ قرآن سے سہارا لے رہا تھا۔ شاید اان ہی حالات کے لیے قرآن میں ایک جگہ ارشاد موجود ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ (البقرۃ: ۲۶)

ترجمہ: اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔ اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں۔

قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے نازل کیا کہ یہ ہر دور میں حق و باطل میں امتیاز بتائے۔ ۱۳ویں صدی ہجری برصغیر پاک و ہند میں اس لحاظ سے بڑی ابتر تھی کہ انگریز یہاں مختلف سازشوں کے ذریعہ مسلمانوں کو آپس میں لڑوا رہا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے درمیان خونی جنگ سے ابتداء نہ کی بلکہ اس نے مسلمانوں کی یکجہتی ختم کرنے کے لیے نام نہاد مسلمانوں اور نام نہاد علماء کے ذریعہ اول ترجمۂ قرآن کے ذریعہ لوگوں کو منتشر کرنے کی سازش کی اور دوسری طرف اس نے نبی

---

[1] شاہ رفیع الدین دہلوی، اول لفظی اردو مترجمِ قرآن (۱۲۰۰ھ)

[2] شاہ عبدالقادر دہلوی، اول با محاورہ مترجمِ قرآن (۱۲۰۵ھ)

کریم ﷺ کی محبت اور عظمتوں کو کم کرنے کے لیے نام نہاد مسلمانوں سے ایسی باتیں قلم سے لکھوائیں جو ۱۳۰۰سو سال میں کسی نے نہ لکھیں اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کو منتشر کر دیا۔ لہٰذا ان حالات کے پس منظر میں ایک جامع، مستند اور صحیح العقیدہ ترجمہ کی ضرورت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا سے ترجمۂ قرآن کا کام لیا۔ امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن میں اسلاف کے عقائد کا رنگ نمایاں ہے بالخصوص برصغیر پاک و ہند کے اکابرین مثلاً حضرت عبدالحق محدثِ دہلوی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی، حضرت شاہ برکت اللہ مارہروی، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہم الرضوان۔

قارئین کرام کے ذہن میں یہ سوال بھی جگہ پا سکتا ہے کہ اس کا کیا بین ثبوت کہ امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن ہی مستند ہے اور باقی تراجم مستند تراجم نہیں۔ یقیناً یہ سوال قاری کے ذہن میں آسکتا ہے اس کے لیے راقم اصولِ ترجمۂ قرآن کی کسوٹی پیش کرتا ہے۔ پھر قاری خود فیصلہ کرے کہ کون سا مترجم مستند ہے اور کون سا نہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) مفسرِ قرآن کے لیے بیسیوں علوم پر دسترس کو لازمی قرار دیتے ہیں جن میں سے چند نقل کیے جا رہے ہیں:

علم اللغۃ، علمِ نحو، صرف، علمِ معانی و بیان، علمِ اصولِ دین، علم اصول فقہ، علمِ حدیث، علمِ ناسخ و منسوخ، علم التاریخ، علم محاورات عرب وغیرہ وغیرہ۔

(الاتقان فی علوم القرآن، جلد۲، ص ۱۸۵، سہیل اکیڈمی، لاہور)

علامہ جلال الدین سیوطی کی بیان کردہ شرائط کی روشنی میں مترجمِ قرآن کی ذمہ داری مفسرِ قرآن سے بھی زیادہ بنتی ہے کیوں کہ مترجمِ قرآن کو بہت ہی محدود الفاظ میں وہی کچھ کہنا یا لکھنا ہے جو منشاءِ الٰہی ہے اور یہ کام ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔ تمام احتیاط کے ساتھ مستند ترجمہ جب ہی ممکن ہے کہ مترجمِ قرآن تمام تفاسیر، تمام کتبِ حدیث، فقہ و تاریخ پر دسترس کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب پر کامل عبور رکھتا ہو۔ ساتھ ہی وہ عبقری شخصیت کا مالک ہو۔ علاوہ ازیں مترجمِ قرآن اصل مآخذ عربی زبان سمجھنے کی حد درجہ صلاحیت رکھتا ہو۔ احقر اس میں صرف یہ اضافہ کرے گا کہ مترجمِ قرآن تمام دینی علوم کے ساتھ ساتھ تمام دنیاوی علوم کو بھی سمجھتا ہو کہ قرآن میں ہر علم سے متعلق آیات موجود ہیں اور ترجمہ کرتے وقت ضروری ہے کہ مترجم اس علم کو بھی جانتا ہو اور پھر اس علم سے متعلق اصطلاحات کو ترجمہ میں استعمال کرے تاکہ اس علم کی نشاندہی ہو سکے۔

ان حقائق اور قوانینِ تفاسیر و ترجمہ کے آئینے میں جب آپ اردو مترجمینِ قرآن کو دیکھیں گے تو آپ کو اکثر مترجمین اس کسوٹی پر پورے اترے ہوئے نظر نہیں آئیں گے کیونکہ اکثر مترجمینِ قرآن کنزالایمان سے قبل کے اور متعدد مترجمِ قرآن کنزالایمان کے بعد کے بھی، مستند عالمِ دین ہی نہیں ہیں اور ان کی کوئی مستند کتب نہ اصولِ دین پر ہیں نہ اصولِ حدیث و تفسیر پر ہیں، نہ ہی فقہ پر دسترس ہے اور نہ ان کی عربی زبان میں کوئی تصنیف ہے جس سے ان کی قابلیت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اصل عربی متنِ قرآن سے ترجمہ کرنے والا بھی شاید کوئی ایک بھی مترجم سوائے امام احمد رضا کے نظر نہ آئے گا۔ تمام مترجمینِ قرآن نے ترجمہ کرتے وقت اپنے سے قبل اردو تراجم سامنے رکھے ہیں یا انہوں نے صرف لغت کا سہارا لیا ہے۔ آپ معروف مترجمین کے حالات کا مطالعہ کریں، اکثریت آپ کو صحافی پیشہ نظر آئے گی یا کسی نہ کسی نئے فرقے کا بانی یا ان کا پیروکار نظر آئے گا ان تمام فرقوں میں کسی فرقے کی عمر سو برس بھی نہیں ہے اور ان تمام مترجمینِ قرآن میں ایک بھی مترجم ایسا نہیں ہے جس کو دین و دنیا کے تمام علوم پر دسترس حاصل ہو سوائے امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے۔ اور یہ محبت یا عقیدت میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے کہ امام احمد رضا نے

ایک ہزار سے زائد رسائل ایک سو سے زیادہ علوم وفنون پر اردو، فارسی اور عربی میں لکھے۔ فقہ میں ان کا عظیم قلمی شاہکار ۱۲؍جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ ہے جس کے ہر ہر مسئلہ میں قرآن وحدیث وفقہ کے اصول سے استفادہ کیا گیا ہے۔ دوسری طرف دیگر مترجمینِ قرآن پر اجمالی نظر ڈالیے، سرسید احمد خان، دنیاوی ماہرِ تعلیم اور گورنمنٹ کے ملازم۔ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، عام مدرس۔ مولوی فتح محمد جالندھری، کے سوائے ترجمۂ قرآن کے اور کوئی تصنیف نہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، افسانہ نگار۔ مولوی محمود الحسن دیوبندی، دیوبندی عالم دین۔ مولوی مرزا وحید الزمان، اہلِ حدیث۔ مولوی اشرف علی تھانوی، معروف دیوبندی عالم مگر شانِ رسول میں گستاخ۔ ابوالکلام آزاد، صحافی۔ مولوی مودودی، صحافی وسیاستدان۔ مولوی عبداللہ، چکڑالوی، اہلِ قرآن۔ غلام احمد پرویز، فرقۂ پرویز کا بانی۔ [تفصیل کے لیے احقر کا Ph.D تھیسس بعنوان کنزالایمان اور معروف تراجمِ قرآن کا مطالعہ ضرور کریں] فیصلہ قاری خود کرسکتا ہے کہ کون سا مترجمِ قرآن مستند ہے۔

برصغیر پاک وہند میں ایک صدی کے اندر کثیر تعداد میں نئے نئے فرقے سامنے آئے اور ہر فرقے کا اپنا ترجمۂ قرآن ہے جو اس فرقے کے نظریات کی تائید کرتا ہے مگر عام قاری کیونکہ عربی زبان سے نابلد ہوتا ہے اس لیے وہ ہر فرقے کے ترجمے کو ترجمۂ قرآن ہی سمجھتا ہے اور اس دھوکے میں آ کر اس کو ہی اپنا عقیدہ بنالیتا ہے۔

امام احمد رضا کے احباب نے آپ سے گزارش کی کہ ملتِ اسلامیہ غیر مستند اردو تراجمِ قرآن کے باعث فرقہ بندیوں کا شکار ہورہی ہے اور روزانہ نئے فرقے اور عقائد سے دوچار ہورہی ہے، اس لیے آپ ایک مستند ترجمۂ قرآن لکھیں تا کہ ملتِ اسلامیہ کو راہِ نجات ملے۔ چنانچہ امام احمد رضا خان جو پہلے ہی پورے دن میں ۲۲ گھنٹے مسلسل دین کی خدمت میں قلم کے ذریعہ مصروفِ عمل تھے، اس ذمہ داری کو بھی قبول کیا اور مغرب وعشاء کے درمیان (جو آپ کا آرام اور وظائف پڑھنے کا وقت تھا) مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی کو کہا کہ آپ میرے پاس آجایا کریں۔ جیسے جیسے وقت ملے گا، احقر ترجمہ املا کروادے گا۔ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے حکم کے مطابق ان اوقات میں ان کے پاس بیٹھنا شروع کردیا۔

امام احمد رضا نے قرآن مجید کا ترجمہ املا کروانا شروع کیا۔ اس دوران کوئی تیسرا آدمی نہ ہوتا۔ مولانا امجد علی آیت تلاوت کرتے جاتے اور امام احمد رضا فی البدیہہ ترجمہ لکھواتے جاتے اور دورانِ ترجمہ کسی آیت کے لیے بھی نہ لغت کی ضرورت پیش آئی نہ کسی تفسیر کو دیکھا نہ کسی اور ترجمۂ قرآن کو سامنے رکھا۔ ایک ایک گھنٹے میں ایک، آدھ پارے کا ترجمہ لکھوادیا اور کبھی کسی لفظ یا جملے کو دوبارہ لکھوانے کی ضرورت پیش نہیں کی۔ مولانا امجد علی بعض دفعہ مطمئن نہ ہوتے مگر جب وہ تفسیر یا لغت دیکھتے، ان کو وہی ترجمانی نظر آتی جو امام احمد رضا نے ترجمہ میں کی تھی۔ (ھذا من فضلِ ربی)

امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کے مخطوطے سے اس بات کی واضح نشاندہی ہوتی ہے کہ ترجمہ تقریباً سال، ڈیڑھ سال کے اندر ۲۸؍جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ کو مکمل ہوا جو جلد ہی مرادآباد کے پریس سے شائع ہوا۔ اول صرف ترجمہ شائع ہوا تھا اور بعد میں مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے حاشیہ کے ساتھ شائع ہونا شروع ہوا جو آج تک شائع ہورہا ہے۔

احقر نے پاک وہند کے اکثر علماء سے رابطہ کرکے اس اول ترجمۂ قرآن جو بغیر حاشیہ کے شائع ہوا تھا، حاصل کرنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ قدیم ترین ترجمہ جو حاشیہ خزائن العرفان کے نام سے مرادآباد سے شائع ہوا، وہ احقر کے پاس موجود ہے۔

امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کو جلد ہی ایک مستند ترجمۂ قرآن کی حیثیت حاصل ہوگئی جس کا بین ثبوت اس کی لاتعداد اشاعت ہے۔ برصغیر پاک وہند کا کوئی مکتبہ ایسا نہ ہوگا جہاں یہ ترجمۂ قرآن موجود نہ ہو۔ ابھی چونکہ عوامِ اہلِ سنت کی تعداد دیگر فرقوں کی مجموعہ تعداد سے بھی

زیادہ ہے، اس لیے عوام الناس کی کثیر تعداد اس ترجمے کو برابر خرید رہی ہے اس لیے اس کی مقبولیت برقرار ہے۔

احقر کے خیال میں کنزالایمان کی فروخت نے دیگر فرقے کے ترجمے شائع کرنے والوں کے کاروبار کو جب بالکل ٹھپ کر دیا تو انہوں نے اپنے کاروبار کو سنبھالنے کے لیے دیگر فرقوں کے علمائے کرام سے مل کر ایک سازش تیار کی کہ کسی طرح کنزالایمان پر پابندی لگائی جائے تا کہ ہمارے ترجمے بھی لوگ خریدیں اور پڑھیں۔ چنانچہ غیر اہلِ سنت کے علماء جمع ہوئے۔ انہوں نے غور و فکر کیا اور پابندی لگوانے کی وہاں سفارش کی جہاں کی زبان اردو نہیں، عربی ہیم گروہ اپنی سازش میں کامیاب ہوئے۔ ان علماء کی سفارش پر ۱۹۸۲ء میں سعودی عرب، کویت اور امارات پر اردو زبان کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان پر پابندی لگا دی۔ ساتھ ہی ساتھ ایک سازش یہ بھی کی گئی کہ کنزالایمان کی مقبولیت کو مزید کم کرنے کے لیے اور لوگوں کو اس سے دور کرنے کے لیے سعودی حکومت کو سفارش کی گئی کہ حج کے موقع پر اردو زبان والے حجاج کو مولوی محمود الحسن دیوبندی کا ترجمۂ قرآن تحفتاً دیا جائے تا کہ ہر سال برصغیر پاک و ہند کے اردو بولنے والے مسلمان اس ترجمہ کو پڑھ کر اپنے عقائد کنزالایمان سے بدل کر اس نئے ترجمے کے مطابق کر لیں۔ چنانچہ ۱۹۸۲ء سے یہ عمل آج تک جاری ہے اور ہر سال لاکھوں کی تعداد میں مولوی محمود الحسن کا ترجمۂ قرآن نہایت خوب صورت آرائش کے ساتھ چھپا ہوا اردو بولنے والے حجاج کو حج سے واپسی پر زم زم کے ساتھ ساتھ تحفتاً پیش کیا جاتا ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اب کتنی بڑی تعداد اردو ترجمۂ قرآن کنزالایمان سے دور ہوتی جا رہی ہے۔

قارئین کرام! آپ کی معلومات کے لیے محمود الحسن کے ترجمۂ قرآن کا مختصر تعارف پیش کر رہا ہوں ملاحظہ کیجیے:

محمود الحسن دیوبندی ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے اور اسی مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ ۱۹۱۴ء تک اسی دارالعلوم میں خدمت انجام دیتے رہے۔ مولوی قاسم نانوتوی اور مفتی رشید احمد گنگوہی کی شاگردی حاصل ہوئی جب کہ ان کے تلامذہ میں مولوی حسین احمد مدنی، مولوی عبیداللہ سندھی، مولوی انور شاہ کشمیری، مولوی احمد علی لاہوری اور مولوی الیاس کاندھلوی (بانی، تبلیغی جماعت) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ مالٹا کے جزائر میں ۱۹۱۷ء تا ۱۹۱۹ء قید رہے۔ اسی دوران ترجمۂ قرآن کا کام مکمل کیا جس کی تفصیل وہ خود بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"عاجز محمود ابن مولوی ذوالفقار علی عرض کرتا ہے کہ بعض احباب نے بندے سے درخواست کی کہ قرآن شریف کا ترجمہ سلیس مطالب خیز اردو زبان میں مناسب حال زمانہ کیا جائے تا کہ لفظی اغلاط جو بعض آزاد پسند صاحبوں کے ترجمے سے لوگوں میں پھیل رہی ہیں۔ ان سے بچاؤ کی صورت نکل آئے۔[1] اس عاجز نے اس درخواست کے جواب میں عرض کیا کہ اکابر کے فارسی و اردو کے تراجم موجود ہیں۔ پھر اب کسی جدید اردو ترجمہ کی کیا حاجت بجز اس کے کہ اسمائے مترجمین میں ایک نام اور زیادہ ہو جائے اور کوئی نفع نہیں اور اگر یہ اکابر قرآن مقدس کی اس ضروری خدمت کو انجام نہ دیتے تو اس شدت ضرورت کے وقت میں ترجمہ بہت دشوار ہوتا۔ علماء کو صحیح اور معتبر ترجمہ کرنے کے لیے متعدد تفاسیر کا مطالعہ کرنا پڑتا اور بہت ہی فکر کرنا ہوتا اور ان وقتوں کے بعد بھی شاید ایسا ترجمہ نہ کر سکتے جیسا کہ اب کر سکتے ہیں۔"

(مولوی محمود الحسن، مقدمۂ ترجمۂ قرآن، ص:۱، دارالتصنیف، کراچی)

---

[1] الفاظ قابلِ غور ہیں اور راقم کے خیالات کی تائید کر رہے ہیں کہ اس زمانے میں کئی تراجم تھے جن کے ترجموں سے بچنا ضروری تھا۔ یہ اشارہ غالباً سر سید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے تراجم کی طرف ہے۔ مگر یہی صورت حال خود محمود الحسن صاحب کے ترجمۂ قرآن میں بھی موجود ہے۔ جہاں انہوں نے شانِ الوہیت اور شانِ رسالت میں ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو کسی طرح بھی اللہ و رسول کے شایانِ شان نہیں۔

آگے چل کر شاہ برادران یعنی حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی و شاہ عبدالقادر کے تراجمِ قرآن کو سراہتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"زیادہ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ ہم جیسوں کا ہرگز کام نہیں۔ اگر ہم ان کے کلام کی خوبیوں کو اور ان اغراض و اشارات کو جو ان کے سیدھے سیدھے مختصر الفاظ میں ہی سمجھ میں آجائیں تو ہم جیسوں کے فخر کے لیے یہ امر بھی کافی ہے۔"

(ایضاً، ص:۲)

مزید خود ترجمہ کرنے سے متعلق رقم طراز ہیں:

"تراجم موجودہ صحیح و معتبرہ کے ہوتے ہوئے ہمارا جدید ترجمہ لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونا ہے جس سے نہ مسلمانوں کو کوئی نفع معتبرہ پہنچ سکتا ہے نہ ہم کو بلکہ جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا جدید ترجمہ کرنا گویا زبانِ حال سے یہ کہنا ہے کہ تراجم موجودہ میں کوئی خلل ہے جس کا تدارک کیا جارہا ہے یا ہمارے ترجمے میں کوئی خوبی اور منفعت زیادہ ہے جس کی وجہ سے جدید ترجمہ کی حاجت ہوئی تو ہم کو جدید ترجمہ کرنا فضول سے بڑھ کر نہایت مذموم اور مکرر نظر آتا ہے۔"

(ایضاً، مقدمہ، ص:۲)

آخر میں اپنے ترجمہ کی غایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس لیے اس تنگِ خلائق کو یہ خیال ہوا کہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کے مبارک مفید ترجمہ میں لوگوں کو جو کل ۲ خلجان ہیں یعنی ایک بعض الفاظ و محاورات کا متروک ہوجانا، دوسرے بعض بعض مواقع میں ترجمے کے الفاظ کا مختصر ہونا جس سے اپنے مفید و قابلِ قدر ترجمہ کے متروک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ سو اگر غور و احتیاط کے ساتھ الفاظ متروکہ کی جگہ الفاظ مستعملہ لے لیے جائیں اور اختصار و اجمال کے موقعوں کو تدبر کے ساتھ کوئی لفظ مختصر زائد کرکے کھول دیا جائے تو یہ عمل مستقل ترجمہ سے زیادہ مناسب ہے اور مفید بھی۔"

(ایضاً، مقدمہ ترجمہ قرآن، ص:۲)

مولوی محمود الحسن دیوبندی کا اعتراف اور ان کا کیا ہوا ترجمۂ قرآن کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ مولوی محمود الحسن مترجمِ قرآن نہیں ہیں کیونکہ اس ترجمہ میں ۹۰ فیصد ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی کا ہی استعمال ہوا ہے جس کا آپ نے خود اقرار کیا اور اِک اور ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی میں صرف چند مقامات پر متروک الفاظ کو بدل دیا، کچھ محاورات تبدیل کیے البتہ اپنے عقائد اور نظریات کو بھرپور جگہ دی ہے جو عقائد اہلِ دیوبند کے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ شاہ عبدالقادر دہلوی یا شاہ عبد العزیز دہلوی یا ان کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے دادا شاہ عبد الرحیم دہلوی کے عقائد و نظریات ہرگز ہرگز وہ نہ تھے جو اہلِ دیوبند کے ہیں جب کہ محمود الحسن دیوبندی کا ترجمۂ قرآن عقائد میں اہلِ دیوبند کی نمائندگی کرتا ہے جس کے اصل عقائد نجدی ہیں۔ محمود الحسن دیوبندی کے ترجمۂ قرآن کو اس لیے تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ اہلِ دیوبند کے عقائد لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کیے جائیں۔

کنزالایمان پر جب پابندی لگوائی گئی تو اہلِ سنت و جماعت کے عوام برصغیر پاک و ہند میں سراپا احتجاج بن گئے۔ دنیا بھر میں بڑے بڑے جلسے اس پابندی کے خلاف منعقد کیے گئے اور اہلِ عرب سے مطالبہ کیا گیا کہ یہ پابندی جلد ہٹائی جائے۔ اس احتجاج کے باعث کچھ نرمی ضرور برتی گئی مگر مستقل پابندی سالوں لگی رہی۔ اب آہستہ آہستہ یہ پابندی مکمل طور ختم کردی گئی ہے لیکن اہلِ دیوبند نے اس پابندی سے خاصا فائدہ حاصل کرلیا۔

اللہ کی شان دیکھئے کہ سالوں پابندی لگی رہی مگر کنزالایمان کی ترسیل میں کمی آنے کے بجائے اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جس مقصد کے لیے انہوں نے پابندی لگوائی تھی کہ پابندی کے بعد عوام امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن نہیں خریدیں گے مگر سازش ناکام ہوگئی۔ کنزالایمان کے مقابلے میں برصغیر پاک و ہند کے مکتبوں میں محمود الحسن کے ترجمہ قرآن کی ترسیل نہ ہوسکی جب کہ کنزالایمان کی مانگ اتنی بڑھ گئی کہ برصغیر

پاک و ہند کے تمام ہی بڑے بڑے مکتبے اور مطبع خانے اس اشاعت میں مصروف ہوگئے اور سب تر جمے فروخت ہوتے رہے۔ آج بھی اگر معلومات اکٹھا کی جائیں تو تمام تراجم کی فروخت ایک طرف اور کنزالایمان کی فروخت ان سب کے مجموعے سے بھی زیادہ ہوگی۔ خدا عوام الناس کے عقائد کو سلامت رکھے اور کنز الایمان سے افادہ کی سعادت نصیب کرے۔

کنزالایمان پر پابندی لگنے کے بعد پاک و ہند کے اندر بے شمار مقامات پر احتجاجی جلسے منعقد ہوئے، ریلیاں نکالی گئیں اور علمی مذاکرے ہوئے۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا جو ۱۹۸۰ء میں چند احبابِ اہلِ سنت کی مشاورت سے قائم ہوا تھا۔ اس نے اس پابندی کے خلاف قلمی جہاد کا کام کیا اور اپنی سالانہ کانفرنسوں میں مسلسل کنز الایمان کے حوالے سے مقالات پڑھوائے، لکھوائے۔ اس کے علاوہ بھی ادار کی کاوشوں سے اہلِ قلم نے کنز الایمان کے حوالے سے جو مقالات تحریر کیے تھے، ان کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

۱۔ پروفیسر امتیاز احمد سعید۔ کنز الایمان کا ترجمۂ قرآن مجید کنز الایمان۔ معارفِ رضا۱۹۸۵ء

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری۔ ترجمۂ قرآن مولانا احمد رضا خان۔ معارفِ رضا۱۹۹۴ء

۳۔ مولوی سعید بن یوسف زئی (اہلِ حدیث)۔ کنزالایمان ایک اہلِ حدیث کی نظر میں۔ معارفِ رضا۱۹۸۳ء

۴۔ محترمہ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف۔ مولانا احمد رضا خاں اور ان کا ترجمۂ قرآن۔ معارفِ رضا۱۹۹۴ء

۵۔ عبدالستار طاہر مسعودی۔ کنزالایمان علم و دانش کی نظر میں۔ معارفِ رضا۱۹۸۹ء

۶۔ مولانا غلام مصطفیٰ رضوی۔ کنز الایمان اور تحقیقی امور۔ معارفِ رضا۲۰۰۵ء

۷۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر۔ کنزالایمان کے ایک علمی تجزیے کا جائزہ۔ معارفِ رضا۱۹۹۶ء

۸۔ مولانا فضل القدیر ندوی۔ کنزالایمان وخزائن العرفان۔ معارفِ رضا۱۹۹۴ء

۹۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری۔ قرآن، سائنس اور امام احمد رضا۔ معارفِ رضا۱۹۸۹ء

۱۰۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری۔ کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات۔ معارفِ رضا۲۰۰۴ء

۱۱۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری۔ سائنس، ایمانیات اور امام احمد رضا۔ معارفِ رضا۲۰۰۰ء

۱۲۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری۔ کنز الایمان اور دیگر اردو تراجمِ قرآن (مقالہ PhD)۔ ۱۹۹۹ء

۱۳۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری۔ اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ۔ معارفِ رضا۲۰۰۷ء۔

۱۴۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری۔ کنز الایمان میں سائنسی مصطلحات۔ ۲۰۰۳ء

۱۵۔ علامہ محمد حنیف رضوی بریلوی۔ علمِ تفسیر میں امام احمد رضا کا مقام۔ معارفِ رضا۲۰۰۸ء۔

۱۶۔ پروفیسر محمد طاہر القادری۔ کنز الایمان کا اردو تراجم میں مقام۔ معارفِ رضا۔ ۱۹۸۵ء

۱۷۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل۔ قرآن حکیم فتاویٰ رضویہ کا اصل مآخذ۔ معارفِ رضا۱۹۹۴ء

۱۸۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ کنز الایمان کی ادبی جھلکیاں۔ معارفِ رضا۱۹۹۲ء

۱۹۔ علامہ نوشاد عالم چشتی۔ کنزالایمان اور عظمتِ رسالت۔ معارفِ رضا۱۹۹۴ء

۲۰۔ علامہ سید وجاہت رسول قادری۔ قرآن پاک کے اردو تراجم کا تقابلی جائزہ۔ معارفِ رضا ۱۹۸۹ء

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے علاوہ متعدد مکتبوں نے مختلف اہلِ قلم کے مقالات، مضامین اور کتابیں کنزالایمان کے حوالے سے شایع کیں۔ ان میں سے چند معروف کی تفصیل بھی ملاحظہ کیجیے:

۱۔ امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن حقائق کی روشنی میں۔ از: مولانا اختر رضا خاں ازہری (المیزان، امام احمد رضا نمبر)

۲۔ امام احمد رضا اور اردو تراجمِ قرآن کا تقابلی مطالعہ۔ از: علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی (المیزان، امام احمد رضا نمبر)

۳۔ کنزالایمان اور معارف القرآن۔ (المیزان، امام احمد رضا نمبر)

۴۔ امام احمد رضا اور ترجمۂ قرآن کی خصوصیات۔ از: مولانا حکیم خلیل الرحمٰن (المیزان، امام احمد رضا نمبر)

۵۔ کنزالایمان پر اربابِ علم و دانش کے تاثرات۔ از: کلیم احمد قادری (سہ ماہی افکارِ رضا، ۲۰۰۷ء)

۶۔ کنزالایمان اور عظمتِ توحید۔ از: جناب یٰسین اختر مصباحی (القول السدید، جولائی ۱۹۹۵ء)

۷۔ فاضلِ بریلوی کا ترجمۂ کنزالایمان۔ از: ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی (ماہنامہ "قاری" تعلیماتِ قرآن نمبر)

۸۔ کنزالایمان۔ تفاسیر کی روشنی میں۔ از: مولانا عبداللہ خاں صاحب عزیزی بستی۔ (القول السدید، ستمبر ۱۹۹۲ء)

۹۔ ترجمۂ قرآن۔ مولوی فتح جالندھری۔ از: صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی۔ (القول السدید، جون ۱۹۹۲ء)

۱۰۔ صاحبِ کنزالایمان۔ از: ابوطیب نذیر فریدی۔ ("نورالحبیب، جون ۱۹۹۱ء)

۱۱۔ کنزالایمان پر اعتراض کا تحقیقی جائزہ۔ از: محمد آفتاب عالم رحمانپوری ("اعلیٰ حضرت"، اپریل ۱۹۸۹ء)

۱۲۔ دولتِ عشق و ایمان یعنی کنزالایمان۔ از: سید کفیل احمد ہاشمی، بریلی شریف۔ ("اعلیٰ حضرت"، مارچ ۲۰۰۲ء)

۱۳۔ ایک اہم جملہ اور اس کا فکری و فنی تجزیہ۔ از: مفتی محمد شمشاد حسین رضوی۔ ("اعلیٰ حضرت"، فروری ۲۰۰۷ء)

۱۴۔ ترجمانِ قرآن۔ امام احمد رضا خان۔ از: علامہ عبدالحکیم شرف قادری۔ (ماہنامہ "کاروانِ قمر"، فروری ۲۰۰۸ء)

۱۵۔ اعلیٰ حضرت کا بے مثال ترجمۂ قرآن، کنزالایمان۔ از: مولانا بدرالدین احمد قادری۔ ("مصلح الدین"، مارچ ۲۰۰۸ء)

۱۶۔ انوارِ کنزالایمان۔ از: محمد وارث جمال (ناشر: مکتبہ غوثیہ، بمبئی)

۱۷۔ کنزالایمان پر اعتراضات کا علمی محاسبہ۔ از: خواجہ غلام حمید الدین سیالوی مدظلہ (رضا اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۱ء)

۱۸۔ الرد علی الشبہ الثارۃ حول کنزالایمان۔ از: فضیلۃ الشیخ غلام حمید الدین سیالوی (اکادیمیۃ رضا، لاہور ۲۰۰۱ء)

۱۹۔ شانِ کنزالایمان۔ از: مولانا محمد توفیق احمد نعیمی، قاضی امان اللہ صاحب (شہید امت علیہ الرحمہ اکیڈمی، اسلام آباد، آزاد کشمیر، ۱۹۹۶ء)

۲۰۔ کنزالایمان کی امتیازی شان۔ از: محمد ارشد حسین قادری (ادارہ کنزالایمان، سندھ)

۲۱۔ خصائصِ کنزالایمان۔ از: علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری۔ (مرکزی مجلسِ امام اعظم، لاہور)

۲۲۔ محاسنِ کنزالایمان۔ از: ملک شیر محمد اعوان نواب آف کالا باغ (رضا اکیڈمی، لاہور ۲۰۰۸ء)

۲۳۔ کنزالایمان اور تحقیقی امور۔ از: غلام مصطفیٰ رضوی (نوری مشن، مالیگاؤں)

۲۴۔ کنزالایمان کے خلاف سازش اور اس کا مثبت جواب۔ از: علامہ الستار خان نیازی۔ (مرکزی مجلسِ رضا، لاہور، ۱۴۰۳ھ)

امام احمد رضا کے ترجمہ کنزالایمان کی اشاعت کے بعد ۷۰ تا ۸۰ سال تک کسی نے ترجمۂ قرآن کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس کی

بنیادی وجہ یہ تھی کہ ایک مستند ترین ترجمے کے بعد مزید ترجمہ کرنا سورج کے آگے چراغ دکھلانے کے مترادف تھا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جب اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے ایک چیز کو شہرتِ دوام حاصل ہوجائے۔ اس کے بعد اس جیسی دوسری چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مثلاً اس دنیا میں خلافتِ راشدہ جیسی حکومت دوبارہ قائم نہیں ہوسکتی۔ یہ بات نہیں کہ یہ قدرت کے لیے ممکن نہیں (معاذ اللہ) بلکہ اللہ عزوجل کی بھی یہ سنت ہے کہ وہ ایک ہی دفعہ ایک شاہکار تخلیق دیتا ہے جیسے حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذاتِ والا۔ اب ان جیسا دوسرا ناممکن ہے۔ اسی لیے ان کو آخر میں بھیجا تاکہ بقیہ انبیاء کرام کی فضیلتیں متاثر نہ ہوں۔ اسی طرح انبیاء کے بعد خلافتِ راشدہ اس کے فضل وکرم سے دنیا میں قائم ہوئی، اب ایسی جیسی خلافت ناممکن ہے۔ اس نے فقہائے کرام میں امام ابوحنیفہ کو فہم وذکا عطا کی، اب ان جیسا امام مطلق ممکن نہیں۔ اس نے سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کو طریقت میں اعلیٰ مقام عطا فرمادیا کہ اب ان جیسا صاحبِ طریقت قیامت تک ممکن نہیں۔ اسی طرح اللہ عزوجل نے امام احمد رضا سے جہاں اور دین کی خدمات لیں، وہاں ان سے قرآن کریم کا ایسا جامع ترجمہ کروادیا کہ اب اس کے بعد کسی اور ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ یہ ترجمۂ قرآن اُردو ملتِ اسلامیہ کے لیے قیامت تک صحیح العقیدہ ترجمانی کرتا رہے گا۔

خدمت قرآنِ پاک کی وہ لاجواب کی
راضی رضا سے صاحبِ قرآں ہے آج بھی

(مرزا ادیب)

پچھلے ۱۵، ۲۰ سالوں میں اہلِ سنت کی طرف سے بھی کئی اردو ترجمۂ قرآن سامنے آئے ہیں جن کی اولاً ضرورت نہ تھی مگر انھوں نے ترجمۂ قرآن کو سعادت سمجھتے ہوئے یہ خدمت انجام دی۔ مثلاً

ترجمۂ قرآن البیان۔ حضرت علامہ سعید احمد شاہ کاظمی
ترجمۂ قرآن عرفان القرآن۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترجمہ قرآن۔ علامہ مفتی سرور قادری
تبیان القرآن۔ مولوی غلام رسول سعیدی
ضیاء القرآن۔ پیر کرم شاہ الازھری

مگر ان تمام تراجم کو وہ مقبولیت حاصل ہی نہ ہوسکی جو کنزالایمان کو حاصل ہے۔ پچھلے دور کے علماء نے امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کو حرفِ آخر سمجھا اور انہوں نے ترجمہ کرنے کی بجائے اس ترجمہ قرآن کی روشنی میں تفاسیر لکھیں اور ترجمہ کنزالایمان برقرار رکھا۔ ان مفسرین کی عظمتوں کو سلام جنہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن سے بہتر ترجمہ ممکن ہی نہیں۔ اس لیے انہوں نے تفاسیر لکھیں اور اس کمی کو پورا کیا جو امام احمد رضا اپنی مصروفیت کے باعث نہ کرسکے۔

امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کا جب کسی عام ترجمۂ قرآن سے تقابل کیا جاتا ہے تو صاحبِ کنزالایمان کے ترجمے میں بہت خوبیاں اور انفرادیت نظر آتی ہیں۔ اس ترجمہ کی ایک اہم ترین خوبی عصرِ حاضر کے ایک بہت بڑے عالم دین حضرت علامہ مولانا عطا محمد بندیالوی علیہ الرحمہ نے مولانا مفتی غلام نبی فخری صاحب مدظلہ العالی کے سامنے بیان کی، جو انہوں نے مجھ سے زبانی بیان کی۔ وہ فرماتے ہیں:

"امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن کنزالایمان کی جہاں اور بے شمار خوبیاں ہیں وہاں ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ اس ترجمہ کو جس علمی سطح کا آدمی پڑھے گا، اس کو اپنی علمی سطح کے مطابق ترجمانی ملے گی۔ ہر بلند علمی سطح کے عالم کو اس میں بلند علمی سطح کا ترجمہ ملے گا اور وہ اس مقام پر امام احمد رضا کے ترجمے کی بلندی کو سمجھے گا جب کہ باقی تراجم میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ اس لیے اردو زبان میں صرف امام احمد رضا کا ترجمہ ہی سب سے زیادہ مستند اور صحیح ترجمانی کرنے والا ترجمہ ہے۔"

اب ملاحظہ کیجئے ان مفسرین کی فہرست جنہوں نے کنزالایمان کو ماخذ بنا کر تفاسیر لکھیں۔

۱۔حاشیہ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن از مولانا مفتی محمد نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۹۴۸ء)
۲۔تفسیر امداد الدیان فی تفسیر القرآن از مولانا مفتی حشمت علی خاں قادری پیلی بھیتی (م ۱۹۶۱ء)
۳۔ احسن البیان لتفسیر القرآن از علامہ عبد المصطفیٰ الازھری (م ۱۹۸۹ء)
۴۔حاشیہ نور العرفان از مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی (م ۱۹۷۱ء)
۵۔تفسیر نعیمی از مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی (۱۵ جلدیں)
۶۔خلاصۃ التفاسیر از مولانا مفتی خلیل احمد خان برکاتی (م ۱۹۸۴ء)
۷۔تفسیر حسنات از مولانا مفتی سید محمد احمد قادری (م ۱۹۸۰ء)
۸۔تفسیر نبوی از مولانا محمد نبی بخش حلوائی نقشبندی (م ۱۹۴۴ء)
۹۔ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان از علامہ مولانا فیض احمد صاحب اویسی
۱۰۔نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن از مولانا مفتی عبد الرزاق بھترالوی حطاردی۔

امام احمد رضا کے ترجمۃ القرآن کنز الایمان کو دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جارہا ہے۔ جو ترجمے مختلف زبانوں میں کیے جاچکے ہیں اور شائع بھی ہوچکے ہیں، ان کی فہرست ملاحظہ کیجئے:

۱۔ڈاکٹر حنیف اختر فاطمی (انگریزی)
۲۔پروفیسر شاہ فرید الحق قادری (انگریزی)
۳۔مفتی عبد الرحیم سکندری، شیخ الحدیث جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ (سندھی زبان)
۴۔مفتی عبد المنان (بنگلہ زبان)
۵۔مولانا غلام رسول اللہ دین (ڈچ زبان)
۶۔مولانا اسمٰعیل حقی (ترکی زبان)
۷۔مولانا نور الدین نظامی (ہندی زبان)
۸۔قاری نور الہدیٰ نعیمی (پشتو زبان)
۹۔ڈاکٹر عبد المجید (انگریزی)
۱۰۔مفتی محمد حسین مقدم (انگریزی)
۱۱۔سخاوت علی (انگریزی)
۱۲۔مولانا حسن آدم گجراتی (گجراتی)
۱۳۔مولانا ذاکر اللہ نقشبندی (پشتو)۔ زیرِ طبع
۱۴۔مولانا ریاض الدین شاہ صاحب (سرائیکی)
۱۵۔مولانا پیر محمد چشتی صاحب (چترالی)

راقم الحروف نے ادارہ میں ۱۹۸۲ء کے آخر میں بحیثیت ادنیٰ کارکن شمولیت اختیار کی اور ادارہ سے وابستگی کے ساتھ ہی کنز الایمان پر پابندی کی آوازیں کانوں میں بازگشت کرنے لگیں۔ اس دوران کئی بڑے بڑے جلسوں میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اور ادارہ کی کانفرنسوں میں بھی علماء سے کنز الایمان کی نمایاں خصوصیات سننے کو ملیں۔ نشتر پارک میں ۱۹۸۳ء میں ایک بہت بڑا احتجاجی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں حضرت مفتی اختر رضا خاں قادری بریلوی الازھری مدظلہ العالی نے بھی شرکت کی۔ اس جلسے میں متعدد تقاریر نے دل پر اثر کیا اور بغیر سوچے سمجھے احقر نے ارادہ کرلیا کہ اب کنز الایمان پر پابندی کا علمی جواب اس پر PhD کر کے دیا جانا چاہیے۔ چنانچہ سب نے احقر کی حمایت کی لیکن ضروری تھا کہ پہلے ایم۔اے کیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۸۶ء میں اسلامیات میں کراچی یونیورسٹی سے ایم۔اے کیا اور اس میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ کراچی کے شعبہ اسلامک لرننگ کے استاد پروفیسر ڈاکٹر عبد الرشید صاحب کے پاس گیا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ انہوں نے مولانا منتخب الحق قادری (م ۱۹۸۹ء) سے ملنے کے لیے کہا۔ احقر ان کے پاس گیا اور عرض کیا کہ احقر کنز الایمان پر علمی تحقیقی کام کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے ہمت بندھائی اور خاکہ لکھنے کے لیے کہا۔ احقر نے علمی احباب کی مدد سے خاکہ تیار کیا اور

اس کو یونیورسٹی میں جمع کرادیا۔ جب اس خاکہ کی منظوری ہوئی تو اس کو صرف M.Phil کے لیے منظور کیا گیا۔ احقر کو زیادہ معلومات نہ تھیں۔ یہ خیال کیا کہ پہلے اس پر ایم۔فل کیا جاتا ہے، بعد میں Ph.D چنانچہ کام شروع کردیا۔ اس دوران پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۲۰۰۸ء) سے بھی برابر مشاورت جاری رہی۔ اس کام کے دوران ۱۹۸۹ء میں مولانا منتخب الحق قادری صاحب کا انتقال ہوگیا۔ پھر احقر نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کو اپنا سپروائزر مقرر کروایا۔ ڈاکٹر صاحب کی توجہ سے احقر نے ۱۹۹۰ء میں مقالہ مکمل کرلیا اور اس کو جمع کرادیا۔ اب مرحلہ تھا ممتحن حضرات کا کہ یہ مقالہ کس کس کے پاس بھیجا جائے گا۔ آپ تعجب کریں گے کہ اس مرحلہ میں مجھے تین برس سے زیادہ لگ گئے۔ کبھی یہ مقالہ امریکہ بھیجا گیا، کبھی ساؤتھ افریقہ اور کبھی ہندوستان اور کبھی پاکستان کے مختلف اسکالرز کو بھیجا گیا۔ بالاخر اس کی ایک رپورٹ امریکہ کے ایک اسکالر کے پاس سے آئی اور ایک رپورٹ سندھ کے معمر اسکالر کے پاس سے آئی اور ان دونوں کی سفارش پر احقر کو ۱۹۹۳ء میں PhD کی سند تفویض کردی گئی۔

اس مقالے کو حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے علاوہ حضرت شمس بریلوی (م ۱۹۹۷ء) نے اول تا آخر بغور دیکھا اور پڑھا اور اس کی اصلاح فرمائی۔ اس کے علاوہ حضرت عبد الحکیم شرف قادری (م ۲۰۰۵ء) نے بھی اس کے چند اہم باب پڑھے اور انڈیا کے معروف مذہبی رہنما حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی نے بھی اس کو پڑھا اور احقر کی ہمت افزائی فرمائی۔ ان حضرات کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی دہلوی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

"فاضل مقالہ نگار نے تقریباً ۴سو مآخذ سے رجوع کیا ہے جس سے مقالے کے علمی معیار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر مجید اللہ قادری بنیادی طور پر چونکہ سائنس کے استاذ ہیں اس لیے ممکن ہے کہ بعض قارئین کو ان کی بعض عبارات میں جھول نظر آئے، تحریر میں پختگی بڑے ریاض کے بعد آتی ہے۔ ان شاء اللہ مستقبل میں یہ کمی بھی دور ہوجائے گی۔ ڈاکٹر مجید اللہ تحقیق کا ذوق رکھتے ہیں، اور جب لکھتے ہیں تو موضوع کا حق پورا ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات مقالے کے مطالعے کے بعد سامنے آجائے گی۔

آخر میں مقالہ نگار کے بارے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ وہ شعبہ ارضیات کے استاد ہیں، جدید رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے ہمت کی اور رنگ بدلا اور اللہ کے رنگ میں رنگ گئے۔ اللہ تعالیٰ یہ رنگ اور گہرا کردے۔ آمین۔"

"ارضیات میں مہارت کے باوجود انہوں نے بلند ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جامعہ کراچی سے ایم اے اسلامیات کیا اور زمین (ارضیات) سے آسمان (اسلامیات) کی طرف سفر شروع کیا۔ ان کے والد گرامی شیخ حمید اللہ قادری حشمتی علیہ الرحمہ سلسلہ قادری میں بیعت تھے، عاشقِ رسول تھے اور فقیر سے بہت محبت کرتے تھے۔ فاضل مقالہ نگار نے بہت جلد میدانِ تحقیق میں قدم بڑھایا، ان کے کئی وقیع مقالات اور رسائل شایع ہوچکے ہیں اور برابر شایع ہورہے ہیں۔ تحقیق میں علم سے زیادہ لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ الحمدللہ ان میں یہ لگن بدرجہ اتم موجود ہے اور مسلسل مطالعہ سے علم میں ترقی کررہے ہیں۔ راقم کی دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان کو دین و دنیا میں سرفراز کرے۔ مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کی خدمت کرتے رہیں اور امام احمد رضا محدثِ بریلوی کا نام روشن کرتے ہیں۔"

اظہارِ مسعود از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۱۹۹۸ء
(بر مقالہ کنز الایمان اور معروف اردو تراجم قرآن، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔ ۱۹۹۹ء)

صدر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، محترم جناب سید وجاہت رسول قادری کا تبصرہ بھی ملاحظہ کیجئے۔

''زیرِ نظر تحقیقی مقالہ کنزالایمان اور دیگر معروف اردو قرآن تراجم کا تقابلی مطالعہ میں محترم پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے سینکڑوں تراجم، بیسیوں تفاسیر اور شروع الاحادیث کی روشنی میں واضح دلائل اور مثالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان بدرجہ اتم مذکورہ خصوصیات کا حامل ہے اور اسی وجہ سے دیگر اردو تراجم کے مقابلے میں اس کی اپنی انفرادیت اور امتیازی نشان ہے اور یہ ایک اعلیٰ معیار و مراتب کا حامل ہے۔

مقالہ نگار کی جانفشانی اور دقت نظری کا اندازہ کتابیات کی فہرست سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس کی چند خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کے اردو ترجمۂ قرآن کنزالایمان پر نقد و نظر کے حوالے سے PhD کی یہ پہلی تھیسس ہے۔

۲۔ قرآنی آیات، تراجمِ قرآن اور تفاسیر و احادیث کے حوالہ جات کا ایک عظیم ذخیرہ مہیا کیا گیا ہے جو اس موضوع پر تحریر کیے گئے کسی اور مقالہ میں نہیں ملتا۔

۳۔ ترجمہ و تفاسیر قرآن پر کام کرنے والے بعض گم نام حضرات اور ان کے قلمی کارناموں کو بھی دریافت کرکے مستقبل کے محققین کے لیے آسانی پیدا کی گئی ہے۔

۴۔ زبان و بیان سادہ ہے اور علمی و فنی اصطلاحات کی تسہیل کی گئی ہے۔

(پیش لفظ برائے مقالہ کنزالایمان اور معروف اردو تراجم قرآن)

علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس وقت مقالے کے تین باب میرے سامنے ہیں۔ فاضل محقق نے ساتویں باب میں صحیح بخاری، تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر روح البیان، وغیرہ۔ بیسیوں عربی اردو تفاسیر اور اردو تراجم کا مطالعہ کیا ہے اور ان کا حوالہ دیتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی کے ترجمہ کی اہمیت و افادیت سامنے آجائے گی۔

آٹھویں باب میں کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات بیان کرتے ہوئے مثالیں دے کر بتایا ہے کہ کنزالایمان کا اسلوبِ ترجمہ تمام اردو تراجم سے بہتر اور فائق ہے۔ نویں باب میں کنزالایمان پر اعتراضات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور ان کے اعتراضات بے بنیاد شکوک و شبہات سے زیادہ حیثیت نہیں۔''

(تبصرہ بر مقالہ کنزالایمان اور معروف اردو تراجمِ قرآن)

حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی کا اظہارِ خیال:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے اس مقالے کے لکھنے میں بڑی جانفشانی، عرق ریزی اور دقتِ نظر سے کام لیا ہے بلکہ مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ آپ نے اس مقالے کو عمدہ سے عمدہ اعلیٰ سے اعلیٰ کرنے میں اپنی پوری ذہنی توانائیاں صرف کردی ہیں جس کے مطالعہ کرنے کے لیے آپ نے سیکڑوں کتابوں کا بالاستعیاب مطالعہ کیا اور متعلق باتوں کو محفوظ کیا۔ پھر ان سب کو نہایت عمدگی سے مرصع کرکے اپنی تحقیق کو نہایت خوب صورت انداز سے سجایا کہ جی چاہتا ہے کہ آپ کو زندگی بھر داد دیتا رہوں۔

آپ کا یہ مقالہ ایسا گلدستہ ہے جو صرف ایک باغ کے پھولوں سے نہیں سجایا گیا بلکہ پورے عالم کے باغوں سے اعلیٰ سے اعلیٰ پھولوں کو منتخب کرکے سجایا گیا ہے جس سے ایک طرف مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے آپ کی روحانی وابستگی اور بے پناہ عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ایک عامی مولف نہیں بلکہ اپنے وقت کے ایک ممتاز محقق ہیں اور یہ سب فیض ماہرِ رضویات محسنِ رضویت مکرم و معظم جناب ڈاکٹر مسعود احمد مدظلہ العالی کا ہے جن کی رہنمائی میں آپ نے ایک ایسا مقالہ لکھا جسے پڑھنے کے بعد دنیا کو کہنا پڑے گا

کم ترک الاولین للاخرین

(اظہارِ خیال، ص: ۲۵-۲۶)

x......x......x

ترجمۂ قرآن کنزالایمان کی اشاعت

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری☆

ادھر چند سالوں سے تصنیفات اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا جو کام وسیع پیمانے پر ہوا ہے وہ بڑا ہی خوش آئند اور مسرت بخش ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب اعلیٰحضرت کی اکثر تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ البتہ حواشی و تعلیقات میں اکثر ابھی منتظر طبع ہیں۔ بہت سی تصانیف کے متعدد ایڈیشن اور بعض کے تراجم بھی دوسری زبانوں میں طبع ہوچکے ہیں جس کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔ البتہ سب سے زیادہ جس کی اشاعت ہوئی ہے وہ آپ کا ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' ہے۔ ترکی، ہندی، انگریزی، ڈچ، گجراتی، بنگالی اور سندھی زبانوں میں بھی اس کے متعدد ترجمے ہوچکے ہیں۔ سب سے پہلے کنزالایمان کی اشاعت مطبع اہل سنت مراد آباد سے ہوئی ہے۔ سنا ہے پہلے صرف ترجمہ شائع ہوا تھا جو اب تک راقم الحروف کی نظر سے نہ گزر سکا۔ پھر متعدد ایڈیشن حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کی تفسیر خزائن العرفان کے ساتھ شائع ہوئے۔ البتہ تقسیم ہند اور وفات صدر الافاضل کے بعد عرصہ دراز تک اس صحیح ترین ترجمے کی اشاعت موقوف رہی جس کا الزام کسی پر نہیں۔ البتہ حالات کا تقاضا ہی کچھ ایسا تھا۔ ہاں! اس طویل وقفے کے بعد سب سے پہلے مکتبہ رضویہ کراچی کی طرف سے حضرت علامہ مفتی ظفر علی صاحب نعمانی قبلہ نے اس کی بہترین اشاعت کا اہتمام کیا۔ اس کی تقریب یوں ہوئی کہ حضرت مفتی صاحب نے تاج کمپنی کراچی والوں سے کہا آپ بہت سے تراجم قرآن چھاپتے ہیں۔ اعلیٰحضرت کا ترجمۂ قرآن کنزالایمان بھی چھاپیں۔ تو اس پر تاج کمپنی والوں کی طرف سے جواب ملا کہ اس کو کون خریدے گا۔ بس یہ بات حضرت مفتی صاحب کو لگ گئی۔ آپ نے خود اس کی اشاعت کا اہتمام کیا اور تجربے کے طور پر تاج کمپنی کو بھی دیا کہ دیگر تراجم کے ساتھ اس کو بھی فروخت کریں۔ سنی حضرات عرصہ سے پیاسے تھے ہی مارکیٹ میں کنزالایمان دیکھتے ہی ٹوٹ پڑے۔ اور دم کی دم میں اس کا ایک ایڈیشن نکل گیا۔ جس کی کافی تعداد خود تاج کمپنی کے ہاتھوں فروخت ہوئی۔ جب ترجمۂ اعلیٰحضرت نے خود اپنی اہمیت بتائی تو اب تاج کمپنی نے بھی اس کی شاعت کا اہتمام کیا۔ اگرچہ اس کے وہابی کار پردازوں نے جل بھن کر اس میں کافی تحریفیں بھی کیں۔ افسوس کہ اس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ اگرچہ توجہ دلانے پر تاج کمپنی نے اکثر مقامات پر اصلاح کر ڈالی ہے مگر کثیر اغلاط اب بھی باقی ہیں۔ اور دوسرے ناشرین تو بالکل آنکھ بند کر کے تاج کمپنی کے محرف نسخے کا عکس لے کر اب بھی شائع کرتے جا رہے ہیں۔ یہاں ہمیں صرف یہ دکھانا ہے کہ تاج کمپنی کی اشاعت کے بعد سے بڑے پیمانے پر ترجمۂ اعلیٰحضرت کی نکاسی ہونے لگی۔ اور گھر گھر یہ ترجمۂ قرآن عام ہونے لگا۔ اور اس کے بعد ہی پھر ہندوستان میں بھی اس کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے ۱۹۶۸ء میں کتبخانہ اشاعت الاسلام نئی دہلی نے (جو ایک آریہ پنجابی غیر مسلم کا کتب خانہ ہے) کنزالایمان کی اشاعت کی۔ کچھ سالوں تک تو وہ اکیلا ہی چھاپتا رہا لیکن دھیرے دھیرے اس کی کثرت اشاعت کی بھنک دہلی کے دوسرے ناشرین قرآن کو بھی لگ گئی۔ پھر کیا تھا اب تو اکثر بڑے کتب خانوں نے یہ سوچ لیا ہے کہ جب تک ہم اعلیٰحضرت کا ترجمۂ قرآن نہیں چھاپیں گے ترقی نہیں کرسکیں گے۔ چنانچہ اس وقت ہندوستان میں تقریباً بیس کتب

☆ دارالعلوم قادریہ چریا کوٹ یو۔ پی

خانے ترجمۂ اعلیٰحضرت کی اشاعت میں مصروف ہیں جس کو دیکھ کر یقیناً یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اب کنزالایمان کی اشاعت لاکھوں میں ہو چکی ہے۔

شمس الاطباء حکیم محمد حسین بدر بی اے (علیگ) نے تقریباً پچیس سال پیشتر کنزالایمان کی اشاعت کا ایک جائزہ لیا تھا وہ انہیں کے قلم سے اختصار کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے۔

"مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے رفقاء اور احباب کی فرمائش پر قرآن حکیم کا جو ترجمہ فرمایا اس کی مثال برصغیر پاک و ہند میں نہیں ملتی۔ کلام پاک کے بیسیوں اردو تراجم چھپ چکے ہیں لیکن جو مقام و مرتبہ آپ کے ترجمہ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔ اس ترجمے کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ تاج کمپنی (لاہور/کراچی) نے اس ترجمہ کو مختلف انداز اور کئی اقسام میں کئی بار شائع کیا جس کی اشاعت لاکھوں تک پہونچتی ہے۔ تفصیل کے لئے تاج کمپنی کے منیجر کا انٹرویو ملاحظہ فرمائیے"۔

"صرف چند سال پہلے اعلیٰحضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی کا ترجمہ مبارکہ مسمیٰ بہ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن کی اشاعت تاج کمپنی نے شروع کی۔ اس سے پہلے تاج اور تراجم شائع کر چکی ہے مگر اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے ترجمۂ مبارکہ کے بیشمار تراجم کی موجودگی میں اور سب سے آخر میں شائع ہونے کے باوجود بفضلہ تعالیٰ و ببرکتہ حبیبہ علیہ التحیۃ والثناء نہایت قلیل مدت میں حیرت انگیز مقبولیت و فوقیت حاصل کی۔ ترجمۂ اعلیٰحضرت کے اشاعتی سلسلہ میں نمائندہ "رضائے مصطفی" (ماہنامہ) نے جب مفتی خلیل الرحمٰن منیجر تاج کمپنی سے انٹرویو لیا تو انہوں نے مختلف اقسام کے نمبروں کے لحاظ سے جو اعداد و شمار فراہم فرمائے ان کی مجموعی تعداد دو لاکھ گیارہ ہزار (۲۱۱۰۰۰) تک پہونچتی ہے۔

اس کے بعد متعدد قسم کے مزید ایڈیشن بھی شائع ہوئے جن کی تعداد اس سے کئی گنا بڑھ چکی ہے۔"

(سات ستارے ص ۴۹، ۵۰، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء)

تقریباً پچیس سال پہلے صرف تاج کمپنی نے چند سالوں میں دو لاکھ گیارہ ہزار کی تعداد بتائی ہے۔ اب تک اس کی اشاعت بشمول تاج کمپنی دیگر اداروں سے یقیناً ایک کروڑ کے قریب پہونچ گئی ہوگی۔ بلکہ اس سے تجاوز بھی کر گئی ہو تو تعجب نہیں۔ یہ بھی عجب حسن اتفاق ہے کہ جب سے سعودی نجدی حکومت نے کنزالایمان پر پابندی لگائی ہے اس کی اشاعت آندھی طوفان کی طرح بڑھتی جا رہی ہے جسے دیکھ کر شاید پابندی لگوانے والوں کو بھی افسوس ہو رہا ہوگا۔ بڑی سچی بات کہی ہے مولانا کوثر نیازی نے جو عرصے تک غلط پروپیگنڈے کا شکار تھے۔ لیکن جب انہوں نے حقیقت کی نظر سے کنزالایمان کا مطالعہ کیا تو انصاف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور امام احمد رضا کی بارگاہ میں ان کے ادب واحتیاط کو یوں خراج تحسین پیش کیا۔

"ادب واحتیاط کی یہی روش امام رضا کی تحریر و تقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔ یہی ان کا سوز نہاں ہے جو ان کا حرز جاں ہے۔ ان کا طرۂ ایمان ہے۔ ان کی آہوں کا دھواں ہے۔ حاصل کون و مکان ہے۔ برتر از این و آں ہے۔ باعثِ رشکِ قدسیاں ہے۔ راحت قلب عاشقاں ہے۔ سرمۂ چشم سالکاں ہے۔ ترجمۂ کنزالایمان ہے"۔

پھر چند آیات کے تراجم کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "کیا ستم ہے فرقہ پرور لوگ "رُشدی" کی ہفوات پر تو زبان کھولنے سے اور عالم اسلام کے قدم بقدم کوئی کارروائی کرنے میں اس لئے تامل کریں کہ کہیں آقایان ولی نعمت ناراض نہ ہو جائیں۔ مگر امام رضا کے اس ایمان پرور ترجمہ (ترجمۂ قرآن) پر پابندی لگا دیں جو عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے"

(امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت ص ۲۱، ۲۲، مطبوعہ رضا اسلامک مشن، بنارس)

x......x......x

کنزالایمان : پس منظر اور پیش منظر

غلام مصطفیٰ رضوی☆

قوانین الٰہی کی اطاعت اور انسانیت کی رہبری کے لیے انبیاے کرام کی بعثت ہوئی اور پھر جب وقارِ آدمیت و انسانیت زوال کی انتہا کو پہنچا تو خاتم الانبیا سید عالم رحمت کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد آمد ہوئی اور یوں دین مکمل ہوا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی دین ٹھہرا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۱؎

"بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے"

(کنزالایمان)

قرآنی انقلاب:

کتابِ حکمت قرآن مقدس کے نزول نے دین کی اکملیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی جب کہ عرب میں فصاحت و بلاغت کا بڑا زور تھا اور اخلاقی لحاظ سے پستی میں رہ کر بھی عرب ادب کی زبان میں کلام کیا کرتے تھے اور اس قدر نازاں تھے کہ ساری دنیا کو گونگا گردانتے۔ ایسے میں قرآن مقدس کا نزول ان کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا اور وہ بے زبان ہو کر رہ گئے۔

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منھ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

عرب کا معاشرہ بڑا ابتر اور ظلم سے مکمل طور پر آلودہ تھا۔ قرآن مقدس کی بنیاد پر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو معاشرہ تشکیل فرمایا وہ ایک انقلابی اور آفاقی معاشرہ کہلایا۔ جو ظالم تھے وہ رحم دل اور نیک بن گئے، پتھر دل موم ہو گئے۔ اس کے اثرات عالم گیر تھے نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا پیغام پوری کائنات کے لیے متاثر کن ثابت ہوا۔ قرآن نے معاشرے میں انقلاب برپا کر دیا۔ شعور کو صحیح راہ دی اور علم و فن کا ذوق دلایا۔ تجربہ و مشاہدہ کی سمت مائل کیا۔ قرآن سے روشنی لے کر مسلمانوں نے سمتوں میں علم و فن کی روشنی پھیلائی اور جبینوں کے وقار کو پامال ہونے سے بچایا۔ معبود برحق کی بارگاہ میں سروں کو جھکایا۔ قوانین فطرت کا پابند بنایا۔

قرآن مقدس کی رہنمائی ایسی جامع اور عالم گیر ہے کہ ماضی، حال و مستقبل سب اس سے فیض یاب ہیں اور ممنون کرم۔ جغرافیائی و سیاسی اور لسانی و ارضیاتی حدود و قیود قطعاً حائل نہیں اور پوری کائنات کو قرآنی ہدایات و احکام کی ضرورت ہے۔ کتاب ایسی کہ شکوک و شبہات سے بری و منزہ:

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۲؎

"وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو"

(کنزالایمان)

ایک سازش:

نزول قرآن سے اسلام دشمن اور فطرت سے انحراف کرنے والے ادیانِ باطلہ لرز اٹھے۔ فطری دین کی تابشیں بہت جلد نہاں خانۂ دل کو

☆نوری مشن، مالیگاؤں، انڈیا

روشن کرنے لگیں۔ اسلام کی دعوت کے نتیجے میں دنیا ایک عظیم و صالح انقلاب سے دوچار ہوئی تو تمام باطل قوتیں متحد ہو کر اسلام کے مقابلے پر جٹ گئیں۔ اللہ کریم کی مدد اور قرآن کی رہنمائی نے مسلمانوں کو ناکامی سے بچائے رکھا اور ہر جا مسلمان کامیاب ہوتے گئے۔ جب دو بہ دو، مقابلے میں مخالفین ناکام و نامراد ہوگئے تو قرآن مقدس کے خلاف سازشیں تیار کرنے لگے، اس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہات پھیلانے لگے حالاں کہ پہلے ہی قرآن مقدس نے چیلنج کر رکھا تھا:

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ ۳

''اور اگر تمھیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ''

(کنزالایمان)

مخالفین مبہوت ہو کر رہ گئے۔ ان سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ انھیں پتہ تھا کہ قرآن کا جواب نہیں اور اس کے احکام شک و شبہہ سے بالاتر ہیں، اس کے فیصلے غلطیوں سے مبرا ہیں۔ پھر بھی وہ اسلام سے مخالفت میں قرآن کے خلاف سرگرم رہے اور توہین کے حیلے بہانے تلاش کرتے رہے۔

۱۸ ویں صدی عیسوی میں اسلام کے خلاف متحرک برطانوی سامراج نے جو خفیہ منصوبہ بنایا اس میں جو اہم نکتہ تھا اسے برٹش جاسوس ہمفرے نے اس طرح لکھا ہے: ''ضروری ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود قرآن میں کمی بیشی کر کے لوگوں کو شک میں مبتلا کیا جائے۔''۴ ایک اور مقام پر تحریر کرتا ہے کہ: ''قرآن میں کمی بیشی ......ایک جدید قرآن کی نشر و اشاعت۔''۵......ان کی یہ سازش بار آور تو نہ ہو سکی اس لیے کہ قرآن مقدس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۶

''بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں''

(کنزالایمان)

اور یہ اعجاز ہے قرآن کا جو کسی اور کتاب کو نہ ملا اس لیے بھی کہ جس طرح سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں قرآن بھی آخری پیغام جس کے احکام جاری و ساری رہیں گے۔ قرآن مقدس کے خلاف رچی جانے والی سازش کے دو رُخ سامنے آئے:

(۱) خارجی (۲) داخلی

خارجی رُخ تو ساری دنیا کے سامنے کھلے طور پر ہے کہ کس طرح صہیونی سازشیں کام کر رہی ہیں، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و بے ادبی، قرآنی اصولوں کے خلاف معاشرے کی تشکیل، اسلامی قوانین و مبادیات پر طنز و تشنیع، تمدنی حملہ، تہذیبی و ثقافتی حملہ، اسلامی مملکتوں میں سود و رشوت اور خرد برد کو رواج دینا، قرآنی احکام پر عمل سے روکنا، اسلامی مملکتوں کے معاشی وسائل پر کنٹرول، یوں ہی فلم، اخبارات، انٹرنیٹ، الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے مسلسل اسلام پر تنقید کی جارہی ہے۔

برطانوی سامراج کے سازشی نکتہ ''ایک جدید قرآن کی نشر و اشاعت'' کو بہ زعم خود اس طرح عمل میں لایا گیا کہ ''فرقان الحق'' (True Furqan) کو منظر عام پر لایا گیا۔ اس کی کم زوری کھل گئی اور مسلم معاشرے نے اس خود ساختہ کتاب کو مسترد کر دیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَمَا کَانَ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنُ اَنۡ یُّفۡتَرٰی مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ۷

''اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنا لے بے اللہ کے اتارے'' (کنزالایمان)

فتنوں کی بھیڑ:

یہود و نصاریٰ نے جان لیا کہ ہم اسلام کے مقابلے میں کوئی سازش بناتے ہیں، کوئی چال چلتے ہیں تو مسلمان اسے ناکام کر دیتے ہیں اور ان کا بھرم کھل جاتا ہے۔ پھر منصوبہ بند طریقہ یہ اپنایا کہ جو ظاہراً مسلمان رہیں وہ ہمارے کام انجام دیں۔ اسلاف کی راہ چھوڑ بیٹھنے اور دینی اصولوں سے انحراف کرنے والے ایسے مسلم نما افراد کے بارے میں جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری تحریر فرماتے ہیں:

"بعض نوجوانوں کو جن میں حکمت کی متانت کم اور جوش وخروش زیادہ ہوتا ہے انگریز نے اپنے دام فریب میں آسانی سے اسیر کر لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک ایسی کھیپ تیار ہو گئی جن کے قلب و نظر کو اغیار کی عشوہ طرازیوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ برملا اسلامی تعلیمات کا استخفاف کرنے لگے۔ دین کے اصول، دین کے مسلمات کا انکار ان کے لیے قطعاً کوئی اہم بات نہ رہی، انھیں اپنی اسلامی تمدن سے بھی گھن آنے لگی۔" ۸

اس وجہ سے کہ یہ کوئی بات کہیں گے تو نوعیت مسلمان کی سی ہوگی اور بات انگریز کی۔ اس تناظر میں جب ہم برصغیر میں انگریزی اقتدار کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ جب انگریزوں نے یہاں قبضہ جمایا تو سب سے شدید مخالفت مسلمانوں نے کی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا معرکہ پیش آیا۔ جس میں اصل کردار علمائے حق نے ادا کیا۔ پھر ایسے علما خریدے گئے جنھوں نے بارگاہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اہانت و گستاخی کی جسارت کی، ان کی پس پشت مادی منفعت و آسائش کارفرما تھی۔ قرآن تو بدلنے سے رہے پھر ایسی من گڑھت تفسیریں منظر عام پر لائی گئیں کہ عقیدے کی دنیا بنجر ہو کر رہ جائے اور فکر مجروح۔ اس سلسلے میں وہابیت، دیوبندیت، غیر مقلدیت، نیچریت، قادیانیت وغیرہ نو پیدا فرقے قابل ذکر ہیں۔ جن کے لٹریچر ایسے ہی افکار سے آلودہ ہیں کہ ایمان جاتا رہے۔

ان فرقوں کے پیش رووں نے قرآن مقدس کے ترجمے بھی کیے جن کا مقصد قرآن کی اپنے فہم وعقیدے کے مطابق تعبیر پیش کرنا تھا۔ ان کے اکابر نے اپنی اپنی کتابوں میں عظمت وشان رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی کی جرأت کی اور کتابیں بھی شائع کیں جن سے مسلمانوں میں انتشار پھیلا، اختلاف پروان چڑھا۔ انھیں علمائے حق نے رجوع وتوبہ کی ترغیب دی، ان کی حرکتوں پر حکم شرع بیان کیا لیکن وہ باز نہ آئے اور اپنے فرنگی آقاؤں کی خوشنودی کے اور دنیوی فائدے کے لیے اپنی ایمان سوز عبارات کی تاویلیں گڑھتے رہے۔

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

دیوبند کے ایک ذمہ دار عالم مولوی عامر عثمانی نے اپنے اکابر کی کتابوں میں متنازعہ عبارتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس طرح کا ریمارک دیا ہے جو لائق غور ہے: "ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے یہ کہ یا تو تقویۃ الایمان اور فتاویٰ رشیدیہ، فتاویٰ امدادیہ اور بہشتی زیور اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چوراہا پر رکھ کر آگ دے دی جائے اور صاف اعلان کر دیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔" ۹

دیابنہ کے اکابر نے قرآن مقدس کے جو ترجمے کیے ان میں بھی اپنے مذموم عقائد کو ملا یا یوں عقیدہ وایمان کو پراگندہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ علامہ عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری رقم طراز ہیں:

"یوں تو قرآن کریم کا کتنے ہی علما نے اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے جن میں سے مولوی محمود حسن دیوبندی (المتوفی ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء)، مولوی اشرف علی تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء)، مولوی فتح محمد

جالندھری، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی اور جناب ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم پاک و ہند میں آج کل بڑی آب و تاب سے شائع ہو رہے ہیں اور ان حضرات کو کلام الٰہی کی ترجمانی کے علم بردار منوانے کی بھرپور سعی کی جاتی رہی ہے لیکن انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو ان حضرات نے اپنے اپنے مخصوص خیالات کو ترجمے کی آڑ میں قرآن کریم سے ثابت کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا۔''۱۰

طلوع سحر:

خائف و لرزاں ہوا تجھ سے ہر اک باطل پرست
تیرے علم و فضل کی ہے کیا ہی یہ روشن دلیل

یہ بھی خدائی اہتمام تھا کہ انیسویں اور بیسویں صدی میں وجود میں آنے والے فتنوں کے سد باب کے لیے ۱۸۵۶ء میں شہر بریلی میں مجدد اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی (م ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی ولادت ہوتی ہے۔

ایک طرف فتنوں کی بھیڑ تھی اور ہر ایک اسلام کے قصر رفیع میں شگاف ڈالنا چاہتا تھا۔ اسلاف کی راہوں کو چھوڑ کر نئے نئے راستے تراش لیے گئے تھے اس وقت ان فتنوں کے دامِ فریب سے امت مسلمہ کو بچانے کے لیے امام احمد رضا کی ذات میدان عمل میں آئی۔ جس طرح فاسد انقلابات کا آپ نے مقابلہ کیا اور حق کے چہرے پر غبار نہ آنے دیا اس بارے میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۲۰۰۸ء) لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا متقدمین اہل سنت و جماعت کے مسلک پر قائم تھے اور اس استقامت کے ساتھ کہ زمانہ کا کوئی انقلاب ان کو متاثر نہ کر سکا حالاں کہ ان کے معاصرین میں اکثر زمانے کی رو میں بہہ گئے اور تاریخی عمل کی زد میں آ گئے مگر امام احمد رضا نے اپنی بے پناہ ہمت و استقامت اور حق تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا، زمانے سے ٹکر لی، اسلام کی خاطر اپنی جان و مال اور ناموس و شہرت کو داؤ پر لگا دیا اور بالآخر وہی سب کچھ ہوا جو ان کے مولیٰ نے چاہا، بے شک ؎

ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر'' ۱۱

ہند میں عہد اکبری میں جو الحاد نے سر ابھارا تھا اور مشیت نے مجدد الف ثانی کو بھیجا تھا ایسے ہی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد رونما ہوا۔ اگر مجدد اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی شعار مشرکین اور باطل تحریکات کا سد باب نہ فرماتے تو شاید ایمانی حمیت و رمق الحاد و بے دینی اور مراسم شرک کی نذر ہو کر رہ جاتی۔ علامہ ارشد القادری تحریر فرماتے ہیں:

''تاریخ شاہد ہے کہ وقت کا بڑے سے بڑا فتنہ، چاہے اپنے چہرے پر کتنا ہی خوب صورت نقاب ڈال کر سامنے آیا ہو اعلیٰ حضرت کے قلم کی ضرب سے پاش پاش ہو کے رہ گیا۔ باطل کی آمیزش سے اسلام کو پاک کرنے کے لیے انھیں چومکھی لڑائی لڑنی پڑی۔ فتنہ چاہے اندر کا ہو یا باہر کا ان کے قلم کی تلوار یکساں طور پر سب کے خلاف نبرد آزما رہی۔ عمل تطہیر کی اس مہم کے پیچھے نہ کسی حکومت کی سرپرستی تھی نہ کسی دولت مند کی منت پذیری۔''۱۲

ایک ایمان افروز بہار آئی۔ ڈالیاں جھولنے لگیں۔ شاخیں جھومنے لگیں۔ ایمان کے گلستاں میں تازہ پھول کھلنے لگے۔ بلبلیں چہکنے لگیں۔ قمریاں نغمہ ریز ہو گئیں۔ امام احمد رضا نے ایک انقلاب برپا کر دیا۔ صالح اور ایمان افروز انقلاب، باطل سوز انقلاب کہ ہر طرف چاندنی پھیل گئی بقول علامہ بدر القادری مصباحی ؎

خونِ دل سے جس نے بزمِ دیں کو بخشی روشنی
ہند میں چاروں طرف ہے اُس کے رُخ کی چاندنی
روشنی ہی روشنی
تازگی ہی تازگی
عشق کی تابندگی
زندگی ہی زندگی

خوشبوئے ایماں لیے آئی نسیم آ گہی
عشقِ سرور کی شمیمِ جاں فزا
یوں چلی، مُرجھائے غنچے کھل گئے
قافلے صحراؤں میں بھٹکے ہوئے
گنبد خضریٰ کے رُخ پر چل پڑے ۱۳؎

چوں کہ اس دور میں قلم کا زور تھا۔ اسی کے ذریعے عقیدے کی عمارت میں نقب زنی کی گئی تھی تو امام احمد رضا نے قلم کے ذریعے احیاو تجدید دین کا فریضہ انجام دیا۔ ملک شیر محمد خاں لکھتے ہیں:

"اس وقت اعلیٰ حضرت بریلوی کے علم و دانش نے زبان و قلم کے ہتھیاروں سے تجدد کی فتنہ انگیز تحریک کے خلاف صف آرائی کی اور تاریخ آج تک شہادت دے رہی ہے کہ اس منھ زور تحریک نے علم کے اسی بحر زخّار کے سامنے دم توڑ دیا۔ وہ معارف قلب و روح کے ساتھ ساتھ علوم عقلی و نقلی میں بے مثال مہارت کے حامل تھے۔ مسلمانان پاک و ہند کے سوادِ اعظم کو ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور دیگر علماے اہل سنت کے فتویٰ جہاد کے بعد آپ ہی کی تحریک عرفان رسالت نے مجتمع کیا تھا۔" ۱۴؎

امام احمد رضا نے یہود و نصاریٰ کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔ مشرکین کے شعار کا رد کیا۔ تہذیبی و تمدنی حملوں کا جواب دیا۔ اور اسلامی معاشرے کے قیام کو یقینی بنایا۔ ختم نبوت کے عقیدے پر ضرب لگانے والے مولوی قاسم نانوتوی اور مرزا غلام احمد قادیانی کو دنداں شکن جواب دیا۔ قرآن مقدس کی من مانی تفسیریں کرنے والوں پر قدغن لگایا اور تفہیم قرآن کے سلسلے میں رہنمائی کی اس رخ سے "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" (۱۳۳۰ھ) ایک شاہ کار ہے جس سے ایمان کی کھیتی سیراب ہوتی ہے اور عقیدے کے گلشن میں بہار آجاتی ہے۔

کنزالایمان کی جوہر پاشی:

"کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" جسے امام احمد رضا نے ۱۳۳۰ھ میں مکمل فرمایا قلیل مدت میں مقبولیت و شہرت کی بلندیوں پر فائز ہوگیا۔ اور ایمان سے لبریز دلوں میں بس بس گیا۔ مومنوں کی نگاہوں کا نور اور دل کا سرور بن گیا۔ جس میں ادبی وفنی نیز شرعی لوازمات کی پاس داری کے ساتھ ساتھ حفظ مراتب کا بھی اہتمام ہے۔ ملک شیر محمد خاں لکھتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی برصغیر پاک و ہند کے وہ عظیم ترین مترجم ہیں جنھوں نے انتہائی کدو کاوش سے قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ پیش کیا ہے جس میں روح قرآن کی حقیقی جھلک موجود ہے۔ مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور بامحاورہ بھی اس طرح گویا لفظ اور محاورہ کا حسین ترین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ پھر انھوں نے ترجمہ کے سلسلے میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے متعدد معانی میں سے ایسے معانی کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق و سباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہوں۔ اس ترجمہ سے قرآنی حقائق و معارف کے وہ اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔ یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے۔ ان کے ترجمہ کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیا علیہم السلام کے ادب و احترام اور عزت و عصمت کو بہ طور خاص ملحوظ رکھا ہے۔" ۱۵؎

کنزالایمان اگرچہ صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی کو املا کروایا گیا لیکن ظاہری اہتمام کے بغیر فی البدیہہ وجود میں آنے والا یہ ترجمہ خصوصیات و محاسن کا حامل ہے اس لیے بھی کہ اس ترجمہ کی زمانے کو

ضرورت تھی۔ ترجمہ جس نے فرمایا اور جس ذات نے اسے قلم بند کیا دونوں کو رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے وافر حصہ عطا ہوا تھا۔ دونوں نے اپنی اپنی زندگی اسلام کی اشاعت اور قرآنی احکام کی ترویج میں گزاری۔ امام احمد رضا نے شریعت کو ہی مقدم رکھا...... شریعت سے جدا راہ تلاش کرنے والوں کی خبر لی...... قرآنی احکام سے منھ موڑ جانے والوں کا محاسبہ کیا...... وہ عملی زندگی میں قرآنی احکام کی جھلک دیکھنا چاہتے تھے...... اس لیے کہ جو قرآن سے قریب ہو جائے گا وہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوہ سے قریب ہو جائے گا...... اور اللہ عزوجل ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری کا پیکر بن جائے گا...... قرآن مقدس کے معنی ومفہوم کی گہرائی و گیرائی اور اس کی اہمیت نیز اس کے جواہر کی شان سے متعلق امام شرف الدین بوصیری (م ۶۹۴ھ) فرماتے ہیں۔

لَهَا مَعَانٍ كَمَوْجِ الْبَحْرِ فِي مَدَدٍ
وَفَوْقَ جَوْهَرِهٖ فِي الْحُسْنِ وَالْقِيَمِ

ترجمہ:

ان کے معانی کثرت اور زیادتی میں سمندر کی لہروں کی طرح ہیں اور حسن و جمال اور قدر و قیمت میں دریا کے موتیوں سے بڑھ کر ہیں۔[۱۶]

کنزالایمان بے شک ایمان کا خزانہ ہے...... دوسروں نے متاع ایمانی کی تباہی کا سامان کیا...... قرآن مقدس کے ترجمے کی آڑ میں ایمان کی کھیتی کو بنجر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیا...... جب کہ ''کنزالایمان'' قرآن کی ترجمانی میں نمایاں رہا...... یہ ایمان کے جوہر تقسیم کرتا رہا...... خوش عقیدگی کی قلمیں لگاتا رہا...... ایمان کی جوت جگاتا رہا...... فکر کو مہکاتا رہا...... مشام جاں کو معطر کرتا رہا...... علامہ عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہاں پوری نے سچ فرمایا:

''قرآن مجید کے یوں تو اردو میں بہت سے ترجمے منظر عام پر آچکے ہیں لیکن کنزالایمان کے نام سے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں جو ترجمہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے کیا اس کا جواب نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اردو میں کلام الٰہی کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ ایک جانب تفاسیر معتبرہ کے عین مطابق ہے تو دوسری جانب اردو ادب کی جان، عظمت خداوندی و شان مصطفوی کا نگہبان اور حفظ مراتب کا پاسبان ہے۔ واقعی یہ ترجمہ کنزالایمان یعنی ایمان کا خزانہ ہے اسی لیے تو راقم الحروف نے لکھا ہے۔

ترجمہ قرآں کا لکھا کنز ایماں کر دیا
اے مفسر! واقفِ رمزِ خدا پائندہ باد''[۱۷]

خصوصیات کی ایک جھلک:

مولانا بدرالدین احمد قادری رضوی تحریر فرماتے ہیں: ''دور حاضر میں اردو کے شائع شدہ ترجموں میں صرف ایک ترجمہ کنزالایمان ہے جو قرآن کا صحیح ترجمان ہونے کے ساتھ......

﴿۱﴾ تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے مطابق ہے۔
﴿۲﴾ اہل تفویض کے مسلک اسلم کا عکاس ہے۔
﴿۳﴾ اصحاب تاویل کے مذہب سالم کا مؤید ہے۔
﴿۴﴾ زبان کی روانی اور سلاست میں بے مثل ہے۔
﴿۵﴾ عوامی لغات و بازاری بولی سے یکسر پاک ہے۔
﴿۶﴾ قرآن حکیم کے اصل منشاو مراد کو بتاتا ہے۔
﴿۷﴾ آیات ربانی کے انداز خطاب کو روشناس کرواتا ہے۔
﴿۸﴾ قرآن کے مخصوص محاوروں کی نشان دہی کرتا ہے۔
﴿۹﴾ قادر مطلق کی ردائے عزت وجلال میں نقص و عیب کا دھبا لگانے والوں کے لیے شمشیر براں ہے۔
﴿۱۰﴾ حضرات انبیا کی عظمت و حرمت کا محافظ و نگہبان ہے۔

﴿۱۱﴾ عامۂ مسلمین کے لیے بامحاورہ اردو میں سادہ ترجمہ ہے،
﴿۱۲﴾ لیکن علماو مشائخ کے لیے حقائق و معارف کا امنڈتا سمندر ہے۔''۱۸

کنزالایمان کی جامعیت کے حوالے سے علامہ شمس بریلوی (م ۱۹۹۷ء) کے ملفوظات میں ایک نفیس نکتہ نظر سے گزرا جسے بہ طور مثال یہاں درج کرتا ہوں، جامع ملفوظات پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری فرماتے ہیں:

''(علامہ شمس بریلوی نے) احقر سے سوال کیا: قادری صاحب! یہ بتایئے کہ قرآن میں سفر معراج میں جانے کا ذکر تو سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کریمہ میں موجود ہے واپسی کا ذکر کس آیت میں ہے؟ فقیر کو فوری ذہن میں نہیں آیا۔ پھر خود ہی فرمایا کہ: قربان جایئے اعلیٰ حضرت پر اور ان کے فہم قرآن پر آپ نے سورۃ النجم کی پہلی آیت کریمہ وَالنَّجْمِ اِذَاھَوٰی ''اس پیارے چمکتے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے'' کا جو ترجمہ کیا ہے وہ اردو زبان کے تراجم میں بالکل منفرد ہے۔ آپ نے قرآن پاک کی اس آیت کریمہ کا جو ترجمہ کیا ہے اس سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفر معراج سے واپسی کا اس طرح ثبوت پیش کر دیا ہے کہ داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔''۱۹

ڈاکٹر صابر سنبھلی نے اپنے ایک تحقیقی و علمی مقالہ میں کنزالایمان کی ادبی نقطۂ نظر سے ۸ر خصوصیات بیان کی ہیں:

(۱) آیات کے تراجم میں ربط باہمی (۲) روانی
(۳) سلاست (۴) اردو کا روزمرّہ
(۵) اللہ (تعالیٰ) اور رسول (ﷺ) کے مراتب کا لحاظ (۶) احتیاط
(۷) سوقیانہ اور بازاری الفاظ سے اجتناب (۸) سہل ممتنع ۲۰

ہمہ گیر اثرات اور مقبولیت:

از طفیل سرور ہر دو جہاں ﷺ
کنز ایماں در جہاں مشہور شد

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن کی پہلی اشاعت ''نعیمی پریس'' مراد آباد میں ہوئی۔ دوسری اشاعت ''اہل سنت برقی پریس'' مراد آباد میں صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۹۴۸ء) کے تفسیری حواشی ''خزائن العرفان'' کے ساتھ ہوئی۔ پھر جب طلب بڑھتی گئی اشاعت کا دائرہ پھیلتا گیا۔ اس کی شہرت برصغیر سے نکل کر اکناف عالم میں پھیل گئی۔ ایسی مقبولیت نصیب ہوئی کہ اردو زبان میں کسی اور ترجمۂ قرآن کو نہیں ملی جس سے مخالفین کے حواس جاتے رہے اور وہ بجائے اس سے استفادہ کے اس کی مخالفت پر اتر آئے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' جب لاکھوں کی تعداد میں مشرق و مغرب میں پھیلنے لگا تو بڑی تشویش ہوئی، یہ کوشش کی گئی الزام تراشیوں کا سہارا لے کر کم از کم عرب ملکوں میں اس پر پابندی لگوا دی جائے اور بالآخر پابندی لگا دی گئی...... جب کہ ایسے مترجمین کے ترجموں پر پابندی نہ لگی جو قرآن کی اداؤں کے راز دار نہیں...... جو ترجمے کے مزاج سے واقف نہیں۔''۲۱

پھر عرب میں بھی اس کی عظمتوں کے گن گائے جانے لگے۔ نگاہوں سے پردے اٹھنے لگے۔ صداقت شعار اس کی طرف مائل ہونے لگے اور مطلع صاف نظر آنے لگا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے سچی اور دل لگتی بات کہی: ''مطالعہ و مشاہدہ نیک و بد اور خیر و شر کی پہچان کا بہترین ذریعہ ہے۔ پروپیگنڈے سے کچھ وقت کے لیے خیر کو شر اور نیک کو بد بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے مگر ہمیشہ کے لیے نہیں...... مطالعہ کے بعد جب جہل و لاعلمی کے پردے اٹھتے ہیں تو مطلع صاف نظر آنے لگتا ہے۔''۲۲...... اور ایمان کے خزانے تقسیم ہونے لگے...... اس ترجمے کے مختلف زبان میں ترجمے ہونے لگے۔ راقم نے اپنے ایک مقالے میں ایسے ۹ر تراجم کا ذکر کیا ہے جن میں

اکثر مطبوعہ ہیں ان میں انگریزی، بنگلہ، ڈچ، ترکی، ہندی، کرول، گجراتی، بروہی، پشتو، اور سندھی تراجم شامل ہیں۔ کتب و مقالات بھی اس کثرت سے لکھے گئے کہ راقم نے اجمالی فہرست تیار کی تو تعداد ۶۰ر سے بڑھ گئی جب کہ جن کا علم نہیں وہ سوا ہیں اور یہ ۲۰۰۵ء کی بات ہے اس کے بعد بھی کئی اہم کام ہوئے ہیں۔ مولانا محمد عبدالمبین نعمانی تحریر فرماتے ہیں:

"ناشرین قرآن کا فیصلہ ہے کہ آج کنزالایمان جس کثرت سے پھیل رہا ہے اور جس عقیدت سے پڑھا جا رہا ہے دوسرے تمام اردو تراجم اس سے بہت پیچھے ہیں اس کی مقبولیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اب تک انگریزی، ہندی، بنگالی، گجراتی، پنجابی، سندھی، بلوچی، ڈچ وغیرہ متعدد زبانوں میں اسے منتقل کیا جا چکا ہے اور بہت ساری زبانوں میں اس کو منتقل کرنے پر کام جاری ہے۔"[۲۳]

ڈاکٹر صابر سنبھلی نے "ترجمۂ کنزالایمان کا لسانی جائزہ" کے زیر عنوان ایک تفصیلی مقالہ قلم بند کیا ہے۔ کراچی یونی ورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی نگرانی میں "کنزالایمان اور معروف قرآنی تراجم" کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ۱۹۹۳ء میں کراچی یونی ورسٹی کراچی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

کنزالایمان میں کشش ہے۔ جوہر چمکتا ہے لیکن حالات کی گرد کی جب تہہ اسے دھندلا دیتی ہے حسن کی کشش کم ہو جاتی ہے لیکن یہ وہ خزانہ ہے جس کی چمک دمک میں نشیب نظر نہیں آتا، سچ ہے وہ شمع کیا بجھے گی جسے خدائے تعالیٰ نے روشن فرمایا ہے، کنزالایمان؛ قرآن مقدس سے روشن ہوا اور ایسا کہ جہاں بھر میں مشہور ہو گیا۔ اہل علم کی نگاہوں کا نور بن گیا۔ اپنوں کی کیا بات بیگانے بھی اس کی عظمت کے معترف ہیں راقم نے اس کے مظاہر خود دیکھے۔

چند سال گزرے کہ شیخ الازہر دکتور محمد سید طنطاوی کی سرپرستی میں چلنے والا تحقیقی ادارہ "مجمع البحوث الاسلامیہ" قاہرہ مصر نے کنزالایمان کو تحقیق کے بعد اردو زبان کا معتبر و مستند ترجمۂ قرآن قرار دیا اس سلسلے میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی کوششیں شامل ہیں۔ ازہر سے معرکہ آرا ترجمہ کے متعلق سند کے اجرا کی خبر درج ذیل عربی اخبارات میں شائع ہوئی جن کے عکس راقم کے پاس محفوظ ہیں:

(۱) صوت الازهر — قاہرہ مصر، ۱۲ر ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ
(۲) الجمهورية — ۲۸ر ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(۳) الازهر — ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

آخرالذکر نے تفصیلی خبر دی علاوہ ازیں انگریزی و فرانسیسی میں شائع ہونے والے اخبار "الدعوة" نے ۲۶ر ربیع الاول ۱۴۲۱ھ کے شمارے میں خبر دی۔

حزم و احتیاط:

قرآن مقدس کی ترجمانی سعادت کی بات ہے لیکن یہ بڑی احتیاط کی راہ ہے۔ یہاں صرف علم ہی کافی نہیں بلکہ شعور و فکر پر خشیت و خوف الٰہی کا ہونا بھی ضروری ہے اور دل میں احترام و محبت کا جلوہ بھی۔ علم کے ساتھ ساتھ وہ ترجمہ نگاری کے تمام اصول و ضوابط سے پوری طرح باخبر ہو، علامہ عبدالحکیم شرف قادری (م ۱۴۲۸ھ / ۲۰۰۷ء) رقم طراز ہیں:

﴿۱﴾ مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہے اس زبان اور عربی لغت کے معانی وضعیہ سے آگاہ ہو، اسے معلوم ہو کہ کون سا لفظ کس معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے؟

﴿۲﴾ اسے دونوں زبانوں کے اسالیب اور خصوصیات کا بھی پتا ہو۔

﴿۳﴾ کسی آیت کے متعدد مطالب ہوں تو ان میں سے راجح مطلب کو اختیار کرے۔

﴿۴﴾ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کو پیش نظر رکھے اور ترجمہ میں کوئی ایسا لفظ نہ لائے جو بارگاہ الٰہی کے شایان شان نہ ہو۔[۲۴]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کردہ اصولوں کے پیش نظر دو مثالیں درج کردی جائیں۔ پہلی عظمت الٰہی عزوجل سے متعلق ہے اور دوسری عظمت سیدنا آدم علیہ السلام سے متعلق۔

پہلی مثال:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ۲۵

''البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا'' (ترجمہ از مولوی محمود حسن دیوبندی)

اللہ تعالیٰ کی طرف دغا کی نسبت کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:

''بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انھیں غافل کرکے مارے گا'' (کنزالایمان)

منافقین اللہ تعالیٰ کو دغا نہیں دے سکتے کیوں کہ وہ تو عالم الغیب و الشھادۃ ہے، وہ ہر ظاہر اور مخفی امر کو جانتا ہے، اسے کون دھوکہ دے سکتا ہے؟ ہاں منافقین دھوکہ دینے کی اپنی سی کوشش کرتے ہیں، اگرچہ انھیں اس میں کامیابی نہیں ہوسکتی، وَھُوَ خَادِعُھُمْ کا کتنا عمدہ اور صحیح ترجمہ ہے کہ: ''وہی انھیں غافل کرکے مارے گا۔'' ۲۶

دوسری مثال:

عصمت انبیا کا تقاضا ہے کہ ان کا ادب واحترام بجالایا جائے، آیت مبارکہ: وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی ۲۷ کے دو ترجمے دیکھیں پھر کنزالایمان کا ایمان افروز ترجمہ،

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی:

''اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہوگیا سو غلطی میں پڑ گئے''

ترجمہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی:

''اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے''

اول الذکر نے حضرت آدم علیہ السلام کی ذات سے ''قصور'' اور ''غلطی'' کا انتساب کیا جب کہ آخرالذکر نے ''نافرمانی'' اور ''گمراہی'' کا۔ اور یہ عصمت انبیا کے موافق اور شایانِ شان نہیں جب کہ امام احمد رضا نے جو ترجمہ کیا اس میں ترجمہ کے قواعد کا اہتمام بھی ہے اور عصمت انبیا کا پاس بھی:

''اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی'' (کنزالایمان)

اختتامیہ:

اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کو مقبولیت عطا کی۔ آپ کے ترجمۂ قرآن کو مقبولیت عطا کی۔ ایسی مقبولیت کہ بڑھتی ہی جارہی ہے۔ پھیلتی ہی جارہی ہے۔ امام احمد رضا ایسے مقبول تھے کہ حرمین کے اکابر علما تعظیم بجالاتے، مدح میں زبان تر رہتی۔ مکہ معظمہ کے جلیل القدر عالم مولانا عبدالحق الہ آبادی کے تلمیذ مولانا محمد کریم الفنجابی (مدینہ منورہ) فرماتے ہیں:

''میں سالہا سال سے مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوں ہندوستان سے ہزاروں انسان آتے ہیں ان میں اہل اصلاح، اہل تقویٰ سب ہوتے ہیں انھیں دیکھا ہے کہ وہ بلدۂ مبارکہ کی گلیوں میں گھومتے ہیں کوئی ان کی طرف دھیان نہیں کرتا لیکن آپ کی مقبولیت کی عجیب شان دیکھتا ہوں کہ بڑے بڑے علما، عظما آپ کی طرف دوڑے آرہے ہیں اور تعظیم بجالانے میں جلدی کررہے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے وہ بڑے فضل والا ہے۔'' ۲۸

جیسے جیسے وقت گزرتا جارہا ہے امام احمد رضا کی خدمات سے آشنائی بڑھتی جارہی ہے اور تطہیر فکر کا عمل برابر جاری ہے اور کنزالایمان کی عظمت وشہرت کے نقوش گہرے ہوتے جارہے ہیں، اس خزانے کی چمک دمک سے نگاہیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں اور باطن بھی روشن، لاریب:

ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء

حوالہ جات

۱...... سورۃ آل عمران:۱۹

۲...... سورۃ البقرۃ:۲

۳...... سورۃ البقرۃ:۲۳

۴...... ہمفرے کے اعترافات، رضوی کتاب گھر دہلی، ص۱۱۶

۵...... مرجع سابق:۱۳۰

۶...... سورۃ الحجر:۹

۷...... سورۃ یونس:۳۷

۸...... پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا، ماہ نامہ ضیائے حرم لاہور، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص۵۸

۹...... ارشد القادری، علامہ، زلزلہ، مکتبۂ جام نور دہلی (تبصرہ برزلزلہ از مولوی عامر عثمانی) ص۲۳

۱۰...... عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہاں پوری، علامہ، سیرت امام احمد رضا، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کشمیر ۲۰۰۷ء، ص۱۰

۱۱...... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، امام احمد رضا اور عالم اسلام، ادارۂ مسعودیہ کراچی ۲۰۰۰ء، ص۳۶

۱۲...... ارشد القادری، علامہ، تقدیم سوانح اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۲ء، ص۱۳

۱۳...... بدر القادری، مولانا، امام احمد رضا کون؟ مشمولہ یادگار رضا سال نامہ ۲۰۰۵ء، رضا اکیڈمی ممبئی، ص۱۱۸-۱۱۹

۱۴...... ملک شیر محمد خاں، محاسن کنز الایمان، کنز الایمان سوسائٹی آزاد کشمیر ۲۰۰۴ء، ص۱۷

۱۵...... مرجع سابق، ص۲۲

۱۶...... نفیس احمد مصباحی، مولانا، کشف بردہ، المجمع القادری مبارک پور ۲۰۰۵ء، ص۳۱۱

۱۷...... عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہاں پوری، علامہ، خصائص کنز الایمان، مشمولہ ماہ نامہ قاری دہلی، مئی ۱۹۹۰ء، ص۴۹

۱۸...... بدرالدین احمد قادری، علامہ، سوانح اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۲ء، ص۳۶۶

۱۹...... مجید اللہ قادری، ڈاکٹر، ملفوظات شمس، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۳ء، ص۶۴-۶۵

۲۰...... صابر سنبھلی، ڈاکٹر، سہ ماہی افکار رضا ممبئی، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۰ء، ص۱۶

۲۱...... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، مقدمہ البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، رضا اسلامک فاؤنڈیشن بھیونڈی، ص۱۴-۱۵

۲۲...... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، آئینۂ رضویات، مرتبہ محمد عبدالستار طاہر، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۴ء، ص۶۱

۲۳...... محمد عبدالمبین نعمانی قادری، مولانا، خاتمۃ الطبع، مشمولہ کنز الایمان، رضا اکیڈمی ممبئی، ص۹۹۱

۲۴...... محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ، مقالات رضویہ، المجمع المصباحی مبارک پور ۲۰۰۰ء، ص۲۹

۲۵...... سورۃ النساء:۱۴۲

۲۶...... محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ، مقالات رضویہ، المجمع المصباحی مبارک پور ۲۰۰۰ء، ص۲۹

۲۷...... سورۃ طٰہٰ:۱۲۱

۲۸...... احمد رضا خاں، امام، الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، مشمولہ رسائل رضویہ، مترجم محمد احسان الحق رضوی، مولانا، ادارۂ اشاعت تصنیفات رضا بریلی، ص۱۰۳

x......x......x

کنزالایمان کا ادبی و لسانی جائزہ

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ☆

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے اردو ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' سے قبل متعدد مترجمین کے تراجم شائع ہو چکے تھے۔ جیسے:

شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، ڈپٹی نذیر احمد، سرسید احمد خاں، عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی فتح محمد جالندھری، نواب وحیدالزماں، عبداللہ چکڑالوی اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ کے تراجم قرآن۔

اوراعلیٰ حضرت کے بعد کے مترجمین ہیں:

ابوالکلام آزاد، ابوالاعلیٰ مودودی، عبدالماجد دریا آبادی

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن معروف بہ ''کنزالایمان'' ۱۳۳۰ھ میں مکمل ہوا۔ وہ بھی کتب تفسیر ولغت کو دیکھے بغیر بہ ذریعہ املائی البدیہہ برجستہ اور پھر جب اس ترجمہ کا کتب تفسیر سے تقابل کیا جاتا تو تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق پایا جاتا۔

''کنزالایمان'' کے بعد سنی علما کے تراجم قرآن منظر عام پر آئے لیکن یہاں ان کا ذکر مقصود نہیں۔

''کنزالایمان'' لاریب! خزانۂ ایمان ہے اور صرف خزانۂ ایمان ہی نہیں بلکہ علم وزبان وادب کا بھی خزانہ ہے۔ ''کنزالایمان'' کی خوبیوں کی بابت اپنوں کے علاوہ بیگانے بھی معترف ہیں۔ لکھتے ہیں:

(۱) علامہ سعید بن یوسف زئی:

''بہ وقت ترجمہ جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہاں پر بھی اوروں کی طرح صرف لفظی ولغوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا ہے بلکہ صاحب مَایَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اور وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ کے مقام عالی شان کو ہر جگہ ملحوظ رکھا ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو دیگر تراجم میں بالکل ناپید ہے۔''

(مضمون: کنزالایمان اہل حدیث کی نظر میں، مشمولہ معارف رضا کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۹۰ تا ۱۰۰)

(۲) جماعت اسلامی ہند کا ترجمان ماہ نامہ الحسنات رام پور:

''فقہ میں جدالممتار اور فتاوٰی رضویہ کے علاوہ ایک اور علمی کارنامہ ترجمۂ قرآن مجید ہے جو ۱۳۳۰ھ میں ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' کے نام سے منظر عام پر آیا اور جس کے حواشی ''خزائن العرفان فی تفسیر القرآن'' کے نام سے مولانا مفتی نعیم الدین مرادآبادی نے تحریر فرمائے۔ یہ ترجمہ اس حیثیت سے ممتاز نظر آتا ہے کہ جن چند آیاتِ قرآنی کے ترجمہ میں ذرا سی بے احتیاطی سے حق جل مجدہ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے ادبی کا شائبہ نظر آتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے ان کے بارے میں خاص احتیاط برتی ہے۔''

(شخصیات نمبر، سال نامہ ۱۹۷۹ء ص ۵۴-۵۵)

ماہ نامہ ''معارف'' اعظم گڑھ اور مولانا ماہرالقادری نے بھی ''کنزالایمان'' کو سراہا ہے۔ بہ خوف طوالت زیادہ حوالے نہیں دیے گئے۔

☆ ۱۰۴، جسولی، بریلی شریف

ادبی و لسانی جائزہ:

قرآن کریم، ربِ عظیم کا کلام بلاغت نظام ہے اور کسی بھی زبان میں قرآن کے ترجمہ کی سعادت جو بھی حاصل کرے گا وہ اپنی استعداد و فکر کے اعتبار سے بعض معانی و مقاصد ہی بیان کر سکے گا لہٰذا کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ کلام اللہ کے تمام معانی و مقاصد کو ترجمہ کی زبان میں منتقل کر رہا ہے۔ کنزالایمان کے اسلوب کی بابت پروفیسر طاہر القادری رقم طراز ہیں کہ:

''میرا عقیدہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کا ترجمۂ قرآن، الفاظ قرآن کی توجہ اتحادی کے فیضان سے معمور ہے جو حسن خوبی، ربط و نظم اور روانیِ بیان الفاظِ قرآنی میں ہے ان کی جھلک اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن میں بہ درجۂ اتم دکھائی دیتی ہے۔''

(کنزالایمان اور اس کی فنی حیثیت، ص ۳۲۔۳۳)

لسانی جائزہ

(۱) لفظ ''پوجا'' کا استعمال:

کچھ لوگوں نے امام احمد رضا کے لفظ ''پوجا'' پر اعتراض کیا ہے کہ یہ تو ہندو اپنی عبادت کو کہتے ہیں اور وہ مشرک ہیں لہٰذا یہ لفظ ان کی عبادت کا مفہوم ادا کرتا ہے لیکن معترضین حضرت امام قدس سرہ العزیز کے اس لفظ کے استعمال کی معنویت کو نہیں سمجھ سکے۔

جہاں تک لفظ بندگی کا تعلق ہے تو اس لفظ سے عبادت الٰہی کا پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ لفظ بندگی اللہ کے سوا دوسرے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد ''غلامی'' بھی ہے اور آداب و تعظیم بھی مراد ہے۔ اب رہی بات ''پوجا'' کی تو یہ عام ہندوستانی لفظ ہے گو اس کا ماٰخذ سنسکرت ہے۔ ''پوجا'' سے مراد عبادت بھی ہے اور تعظیم و تکریم بھی۔ جیسے ہندی میں استاد (گرو) یا والد (پتا) وغیرہ کے لیے اس طرح لکھا یا بولا جاتا ہے:

(۱) پوجیہ گرو جی۔ یعنی قابل تعظیم استاد محترم

(۲) پوجیہ پتا جی۔ یعنی قابل تعظیم یا واجب الاحترام والد صاحب

لیکن جب مشرکین عبادت کرتے ہیں تو اسے بھی ''پوجا'' کہتے ہیں۔ وہ جسے بھی پوجتے ہیں، اس کے ساتھ پوری وفاداری اور خود سپردگی کا اظہار کرتے ہیں اور اسی کو معبود سمجھ کر پوجتے ہیں لیکن امام احمد رضا نے یہ کہہ کر کہ ''ہم تجھی کو پوجیں'' شرک کی جڑ کاٹ دی اور بتا دیا کہ ہم اس کو پوجتے ہیں جو سارے جہان کا رب ہے اور معبود حقیقی ہے اور اس کا کوئی ساجھی ہے نہ شریک! اس طرح امام احمد رضا نے اللہ وحدہٗ لاشریک اور معبود حقیقی سے کامل وفاداری اور خود سپردگی کا اظہار فرمادیا۔

(۲) ''نبی'' کا ترجمہ:

یٰۤاَیُّهَاالنَّبِیُّ کے چند تراجم دیکھیے:

﴿الف﴾ اے نبی...... (شاہ عبدالقادر)

﴿ب﴾ اے نبی...... (مولوی اشرف علی)

﴿ج﴾ اے پیغمبر...... (ڈپٹی نذیر احمد)

﴿د﴾ اے نبی ...... (شاہ رفیع الدین)

قرآن مقدس میں لفظ ''نبی'' اور ''رسول'' متعدد مقامات پر آئے ہیں۔ مترجم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان الفاظ کا صحیح ترجمہ کرے۔ ''رسول'' کا ترجمہ تو ''پیغمبر'' ظاہر ہے لیکن ''نبی'' کا ترجمہ ''پیغمبر'' نامکمل ہے۔ اب امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے: ''اے غیب کی خبر بتانے والے۔''

حضرت امام نور اللہ مرقدہ نے ''نبی'' کا ترجمہ اس اسلوب سے کیا ہے کہ لفظ کی معنویت اور حقیقت آشکارا ہو کر سامنے آ گئی۔

قاموس اور صراح وغیرہ لغات میں ''نبی'' کا معنی ''غیب کی خبر دینے والا'' ہی لکھا ہے۔ مصباح اللغات میں مولوی عبدالحفیظ بلیاوی نے ''نبی'' کا معنی ''غیب کی خبر دینے والا'' ہی لکھا ہے یعنی ''اللہ تعالیٰ

کے الہام سے غیب کی باتیں بتانا، پیشین گوئی کرنا، خدا کی طرف سے پیغام بری!

ہندی اور علاقائی زبانوں کا استعمال

حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ترجمہ کو عام فہم اور معنویت سے پر بنانے کے لیے آسان ہندی اور خطہ روہیل کھنڈ کی زبان کا بھی استعمال کیا ہے۔

اُوْتُوا الْکِتٰبَ (النسآء:۴۷) اور

اَهْلَ الْکِتٰبِ (آل عمران:۶۴) کے تراجم دیکھیے:

امام احمد رضا نے کہیں تو ان کے ترجمے میں ''کتاب والو'' لکھا ہے اور کہیں ''کتابیو'' لکھا ہے۔ دونوں عام فہم الفاظ ہیں اور مطلب ہے ''اہل کتاب'' یعنی جنھیں کتاب دی گئی لیکن ''کتاب والو'' اور ''کتابیو'' لکھنے میں حکمت یہ ہے کہ جن قوموں کو کتابیں یعنی توریت، زبور اور انجیل دی گئیں انھوں نے ان کتابوں کی تکذیب کی اور ان پر عمل نہ کیا اور رسولوں کی بھی تکذیب کی اور دین حق سے پھر گئے لہٰذا وہ ''کتاب کے اہل'' یعنی کتاب کے ماننے والے نہ رہے البتہ وہ کتاب والی قوم کے ضرور تھے یعنی ''کتابیو'' اور ''کتاب والے'' ضرور رہے۔

لفظ "نیگ" اور لفظ "کامیوں" کا استعمال:

آیت نمبرا: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

(البقرة:۲۷۷)

ترجمہ: بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی ان کا نیگ ان کے رب کے پاس ہے۔

آیت نمبر۲:

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ط وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ

(آل عمران:۱۳۶)

ترجمہ:

ہمیشہ ان میں رہیں اور کامیوں کا کیا اچھا نیگ ہے۔

امام احمد رضا نے آیت نمبر(۱) میں ''اجر'' کے لیے اجرت، اجر یا ثواب وغیرہ نہ لکھ کر ''نیگ'' لکھا ہے اور آیت نمبر۲ میں عاملین کے لیے کام کرنے والے یا اچھا کام کرنے والے وغیرہ کے بجائے ''کامیوں'' لکھا ہے۔

آجر یا مزدور یا کام کرنے والا اجرت یا محنتانہ کے لیے کام کرتا ہے اور ایک مقررہ وقت کے لیے کام کرتا ہے نہ کہ مالک کی رضا اور خوش نودی کے لیے لیکن ''کامی'' اسے کہتے ہیں جو بغیر کسی اجر کی لالچ کے مالک کی خوش نودی کے لیے محنت اور لگن سے کام کرتا ہے۔ اب یہاں لفظ ''نیگ'' پر غور کریں۔

شادی بیاہ کے موقعوں پر یا کسی خوشی کی تقریب میں رشتہ داروں کو ''نیگ'' دیا جاتا ہے۔ یہ ایک ہندوستانی رسم ہے۔ نیگ سے مراد ہے خوشی کا انعام واکرام اور بخشش وغیرہ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ عاملین کو نوازتا ہے اور یہ اس کا فضل واحسان ہے وہ عاملین کو ''نیگ'' دیتا ہے یعنی نوازتا ہے اور عاملین بہت کام کرنے والے، نیکی کرنے والے صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لیے محنت اور لگن سے کام کرنے والے کو ''کامی'' اور کام کرنے والوں کو ''کامیوں'' کہا جاتا ہے۔ یہ روہیل کھنڈ کی بولی ہے۔ بس امام احمد رضا نے منشائے قرآن کے مطابق ''نیگ'' اور ''کامیوں'' کے استعمال سے ترجمہ کو معنویت سے پر کر دیا ہے۔

لفظ "بیر" کا استعمال:

امام احمد رضا نے بغضاء اور اعداء کے لیے ''دشمن'' یا ''دشمنی'' نہیں لکھا ہے جیسا کہ دیگر مترجمین نے یہاں اس طرح لکھا ہے:

''جب تم باہم دشمن تھے'' ...... یا ''تم میں باہم دشمنی تھی'' لیکن امام احمد رضا نے لکھا ہے: ''جب تم میں بیر تھا'' بیر ہندی کا لفظ ہے اور اس میں بڑی بلاغت ہے۔

لفظ ''کوتکوں'' اور ''کرتوتوں'' کا استعمال:

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

(آل عمران:۹۹)

ترجمہ: اور اللہ تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔

امام احمد رضا نے تَعْمَلُوْنَ کے لیے ''کرتوتوں'' بھی لکھا ہے اور ''کوتکوں'' بھی۔ عام طور سے ''کرتوت'' کا استعمال برے کام ہی کے لیے کیا جاتا ہے جیسے ''کالے کرتوت''۔ ''کوتک'' سے مراد کام بھی ہے اور اس کا ایک معنی ''فریب'' اور ''ناشائستہ حرکت'' بھی ہے لہٰذا ان لفظوں میں بڑی معنویت ہے اور امام احمد رضا نے یہاں بھی منشاے قرآن کا خاص خیال رکھا ہے اور یہ ترجمہ بھی اسلوب قرآن سے قریب تر ہے۔

لفظ ''کرنی'' کا استعمال:

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ

(البقرۃ:۱۳۹)

ترجمہ: اور ہماری کرنی ہمارے ساتھ اور تمہاری کرنی تمہارے ساتھ اور ہم نرے اسی کے ہیں۔

امام احمد رضا نے یہاں بجائے عمل کے لفظ ''کرنی'' لکھا ہے۔ جس طرح ''عمل'' کا استعمال ''عملِ بد'' اور ''عملِ خیر'' بولتے ہیں اسی طرح ''کرنی'' بھی اچھی اور بری دونوں کے لیے بولتے ہیں لیکن ''کرنی'' لفظ میں جو معنویت ہے وہ عمل میں نہیں ہے۔ علاوہ اس کے بجائے ''خالص'' کے ''نرے'' کا استعمال بھی بہت پر بلاغت ہے۔

نوٹ: کنزالایمان میں محاورات کی بہار بھی لائق دید ہے۔ بہ خوف طوالت راقم ان محاورات کو نہیں پیش کر رہا ہے۔ ویسے راقم نے ''کنزالایمان'' میں شامل محاورات کو اپنے مضمون ''کنزالایمان میں محاوروں کی بہار'' میں پیش کر چکا ہے جو ماہ نامہ ''معارف رضا'' کراچی میں شائع ہو چکا ہے۔

ادبی جائزہ

قرآن حکیم، اللہ عزوجل کا کلام بلاغت نظام ہے۔ اس کا ہر ہر لفظ معانی کا ایک جہان ہے۔ اس کے آہنگ، صوتی حسن اور حسن وخوب صورتی کے دونوں پہلو جمال وجلال، شکوہ ووقار، ترنم وتغنم وغیرہ کا کوئی جواب نہیں۔ قرآن ادب کا وہ شاہ کار ہے جو نہ کسی ادب میں پیدا ہو سکا نہ ہو سکتا ہے۔ اس مقدس کلام میں مضامین کے تنوع کے باوجود آیات کے درمیان معنوی ربط برقرار رہتا ہے۔ قرآن میں تکرار مضامین بھی ہے لیکن ہر بار انھیں نئی حکمت وموعظت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور قارئین کو ہر بار نیا لطف ملتا ہے۔

صوتی حسن:

قرآن کا مطالعہ کرنے والے اس کے اس اعجاز سے یہ خوبی واقف ہیں کہ جب اس کلام کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تو لگتا ہے کہ جیسے اَن گنت آب شاروں کا ترنم پھوٹ رہا ہے اور سننے والا جھوم جھوم اٹھتا ہے۔

حضرت امام احمد رضا نوراللہ مرقدہ کی یہی خوبی ہے کہ انھوں نے ترجمہ میں اس صوتی حسن اور تغنم کا کافی حد تک خیال رکھا ہے۔

مندرجہ ذیل آیات کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھیے اور پھر امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھیے تو یہاں بھی ترنم وتغنم کا احساس ہوتا ہے۔

اِذَاالشَّمْسُ كُوِّرَتْ ○ وَاِذَاالنُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ○ وَاِذَاالْجِبَالُ سُيِّرَتْ ○ وَاِذَاالْعِشَارُ عُطِّلَتْ ○ وَاِذَاالْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ○ وَاِذَاالْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○ وَاِذَاالنُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ○ وَاِذَاالْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ○ وَاِذَاالصُّحُفُ نُشِرَتْ ○ وَاِذَاالسَّمَآءُ كُشِطَتْ ○ وَاِذَاالْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ○ وَاِذَاالْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ○ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ○

(التکویر:۱-۱۴)

ترجمہ: جب دھوپ لپیٹی جائے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں اور جب تھلکی اونٹنیاں چھوٹی پھریں اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں اور جب سمندر سلگائے جائیں اور جب جانوں کے جوڑے بنیں اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کس خطا پر ماری گئی اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے اور جب جہنم بھڑکایا جائے اور جب جنت پاس لائی جائے ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو حاضر لائی۔

سورۃ الواقعہ کی ان آیات کا ترجمہ بھی ملاحظہ کریں:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً o فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا o عُرُبًا اَتْرَابًا

(الواقعہ:۳۵-۳۷)

ترجمہ: بے شک ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا تو انھیں بنایا کنواریاں، اپنے شوہروں پر پیاریاں، انھیں پیار دلاتیاں، ایک عمر والیاں۔

تشبیہات و استعارات:

(۱) وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ (یٰسٓ:۳۹)

ترجمہ: اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ پھر ہو گیا جیسے "کھجور کی پرانی ڈال"

(۲) وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا o فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا o

(الواقعہ:۵-۶)

ترجمہ: اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے چورا ہو کر تو ہو جائیں گے جیسے "روزن کی دھوپ میں غبار کے باریک ذرے پھیلے ہوئے۔"

قوسے میں درج کلمات سے تشبیہات کا حسن ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

مجاز و کنایہ:

(۱) هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ

(البقرۃ:۱۸۷)

ترجمہ: "وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس"......یعنی مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کے لباس ہیں اور اپنی بیوی کا شوہر سے کسی طور کا پردہ نہیں اور نہ شوہر کا بیوی سے۔

(۲) فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا

(الاعراف:۱۸۹)

ترجمہ: پھر جب مرد اس پر چھایا اسے ایک ہلکا سا پیٹ رہ گیا۔

ایجاز و بلاغت:

(۱) وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ (البقرۃ:۹۳)

ترجمہ: اور ان کے دلوں میں بچھڑا رچ رہا تھا......لفظ "رچنا" میں جو بلاغت ہے اس کا جواب نہیں۔

(۲) تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ...... (البقرۃ:۱۱۱)

ترجمہ: یہ ان کی خیال بندیاں ہیں......خیال بندیاں کی ترکیب بھی لائق دید ہے نیز حسن بلاغت بھی۔

امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن "کنزالایمان" زبان اردو کا سب سے زیادہ مقبول، درست و پاکیزہ، اللہ و رسول اور انبیا کی حقیقی شان کا غماز اور زبان و بیان و ادب کا شاہ کار ہے۔

☆......☆......☆

(ماخوذ: یادگار رضا ۲۰۰۹ء)

صد سالہ جشن کنزالایمان کے پر بہار موقع پر "معارف رضا" کے "کنزالایمان نمبر" کی اشاعت اور "صد سالہ جشن کنزالایمان کانفرنس" کے انعقاد پر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے کارکنندگان کی خدمت میں ہدیۂ تهنیت و تبریک پیش کرتے ہیں۔
(ادارہ یادگار رضا و رضا اکیڈمی ممبئی)

آیت مغفرتِ ذنب کے ترجمۂ کنزالایمان پر علامہ غلام رسول سعیدی کے محققانہ موقف کا علمی جائزہ

علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی مدظلہ العالی

مولانا غلام رسول سعیدی نے مسئلہ ''ذنب'' پر اپنی چند سالہ تحقیق کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

سورہ فتح کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی اور پچھلی کلی مغفرت کا قطعی اعلان کردیا ہے۔ قرآنِ مجید میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی، رسول یا کسی بھی شخص کی کلی مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا اور آپ کے سوا کسی کی بھی کلی مغفرت قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کے سوا تمام انبیاء اور مرسلین کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہوگی اور پہلے مرحلہ میں بجز آپ کے تمام نبی اور رسول شفاعت سے گریز کریں گے اور صرف آپ شفاعت کبریٰ فرمائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر عظیم نعمت ہے اور آپ کی منفرد خصوصیت ہے۔ لیکن آپ کی یہ خصوصیت اس وقت ہوگی جب مغفرت ذنوب کا تعلق جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا ہے اس کو برقرار رکھا جائے۔ (۱)

مولانا غلام رسول سعیدی کا یہ مؤقف ان کی چند سالہ تحقیق کا خلاصہ ہے۔ لیکن ان کی یہی بات حضرت عزالدین شافعی برسوں پہلے لکھ چکے ہیں مگر اسے کسی نے قبول نہیں کیا۔ حضرت عزالدین شافعی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خبر دی تھی کہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب معاف فرمادیے گئے ہیں اور یہ کہیں منقول نہیں نہ کسی نبی نے اپنے متعلق اس قسم کی خبر دی ہو، بلکہ یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے ایسی کوئی خبر نہیں دی۔ اسی لیے جب قیامت میں ان سے شفاعت کرنے کی درخواست کی جائے گی تو ہر ایک اپنی لغزش کو یاد کرکے جو سرزد ہوئی ہے نفسی نفسی پکارے گا۔ اگر ان میں سے کسی کو بھی یہ معلوم ہوتا کہ ان کی لغزش معاف فرمادی گئی ہے تو شفاعت کے نام سے جھجک کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ (۲)

گویا محققانہ مؤقف اصل میں حضرت عزالدین شافعی کی عبارت کی نقل ہے۔

مماثلت کی وضاحت:

مولانا سعیدی کے مؤقف کی حضرت عزالدین شافعی کی عبارت سے جو مماثلت ہے اس کی ہم وضاحت کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوجائے کہ صدیوں کے فاصلہ کے باوجود عبارت میں کس قدر قربت ہے۔ حضرت عزالدین شافعی نے لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی تھی کہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب معاف فرمادیے گئے ہیں۔

مولانا سعیدی نے اس میں ترمیم وتضعیف کرتے ہوئے لکھا سورہ فتح کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی اور پچھلی کلی مغفرت کا اعلان کردیا۔

حضرت عزالدین شافعی نے لکھا:

یہ کہیں منقول نہیں کہ کسی نبی نے اپنے متعلق اس قسم کی خبر دی ہو، بلکہ یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے ایسی کوئی خبر نہیں دی۔

مولانا غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

قرآنِ مجید میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی، رسول یا کسی بھی شخص کی کلی مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا اور آپ کے سوا کسی کی بھی کلی مغفرت قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔

حضرت عزالدین شافعی لکھتے ہیں:

اسی لیے جب قیامت میں ان سے شفاعت کرنے کی درخواست کی جائے گی تو ہر ایک اپنی لغزش کو یاد کر کے جو سرزد ہوئی ہے نفسی نفسی پکارے گا۔ اگر ان میں سے کسی کو بھی یہ معلوم ہوتا کہ ان کی لغزش معاف فرمادی گئی ہے تو شفاعت کے نام سے جھجک کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔

مولانا غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کے سوا تمام انبیاء اور مرسلین کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہوگی اور پہلے مرحلے میں بجز آپ کے تمام نبی اور رسول شفاعت سے گریز کریں گے۔

اور پھر لکھتے ہیں:

اور آپ کی یہ خصوصیت اسی وقت ہوگی جب مغفرت ذنوب کا تعلق جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا ہے اس کو برقرار رکھا جائے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ اصل مؤقف حضرت عزالدین شافعی کا تھا جسے کمال ہوشیاری سے مولانا سعیدی نے اپنا مؤقف ظاہر کر کے ان کی عبارت کو اپنی تائید میں پیش کر دیا اور ہر جگہ "کلی" اور "قطعی" کی قید لگائی اور پھر "قرآنِ مجید" کا اضافہ بھی کیا اور مغفرت ذنوب کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برقرار رکھنے پر اصرار کیا۔ تاہم حضرت عزالدین شافعی ہوں یا مولانا غلام رسول سعیدی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ حقیقت کے مطابق ہے یا نہیں۔ ہم اس بات کو پانچ وجوہات سے بیان کریں گے۔

(۱) قطعیت کی نفی:

سورہ فتح کی اس آیۃ کریمہ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر میں "مغفرت قطعی کا اعلان" نہیں ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ آیت کریمہ قطعی ہے۔ کیونکہ یہ قرآنِ حکیم میں ہے مگر اس سے جو مفہوم ثابت کیا جارہا ہے وہ قطعی نہیں ہے۔ آیت کریمہ تو قطعی الثبوت ہے مگر اس سے جو مفہوم کشید کیا جارہا ہے وہ قطعی الدلالت نہیں ہے۔ کیونکہ نص قطعی سے جو چیز ثابت ہوتی ہے اس کا قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یہ اس معنی میں تو قطعی الثبوت ہے کہ یہ آیت کریمہ ہے۔ مگر اس مقام میں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف "مغفرت ذنب" کی نسبت کی جارہی ہے وہ قطعی الدلالت نہیں ہے۔ یعنی اس میں بے شمار احتمالات موجود ہیں۔ ان احتمالات کا موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس بیان کردہ مفہوم پر دلالت کرنے میں قطعی نہیں ہے۔ حضرت عزالدین شافعی کے شیخ، حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ان اللہ قد شرک اھل البیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ تعالیٰ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر. (۳)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سات اہل بیت کو بھی شریک کیا ہے تو اگر اس آیت کریمہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی "مغفرت کلی قطعیت" کے ساتھ ثابت ہوتی ہے تو اہل بیت اور صحابہ کرام کی بھی "مغفرت کلی قطعیت" کے ساتھ ثابت ہوگی اور اس کے قائل مولانا سعیدی خود بھی نہیں ہیں اور وہ برملا اس کی نفی کر چکے ہیں۔ حضرت ابن عربی قدس سرہ کی عبارت ہم نے اس لیے پیش کی ہے کہ حضرت عزالدین شافعی ان کے فیض یافتہ اور معتقد خاص تھے۔ ان کے دمشق کے زمانہ قیام میں ان کی خدمت کرتے رہے اور انہیں وضو تک کراتے تھے۔ تو جب کسی بات میں حضرت عزالدین شافعی کا قول کیا جاسکتا ہے تو اس معاملہ میں ان کے شیخ حضرت ابن عربی قدس سرہ کا قول بدرجہ اولیٰ قبول کیا جاسکتا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ علماء امت کا ایک بڑا طبقہ اس بات کا قائل ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرام یعنی امت کے ذنب ہیں تو پھر بھی یہ اپنے مذکورہ معنی میں قطعی الدلالت نہ ہوئی تو جب یہ آیت کریمہ اپنے معنی و مراد میں غیر واضح ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آیت کریمہ کے اس حصہ میں "مغفرت کلی قطعیت" کے ساتھ ثابت نہیں ہوسکتی۔

(۲) قرآنِ حکیم اور مغفرت کلی و قطعی:

حضرت عزالدین شافعی کا یہ کہنا کہ "کسی نبی نے اپنے بارے میں ایسی کوئی خبر نہیں دی" اور مولانا سعیدی کا یہ کہنا کہ "قرآنِ مجید میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی اور نبی، رسول یا کسی بھی شخص کی کلی مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا ہے۔" یہ خبر نہ دینا اور اعلان کرنا اس کے وجود کی نفی ثابت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ کسی چیز کا عدم ذکر اس کے عدم وجود کو مستلزم نہیں ہوتا۔ اگر حضرات انبیاء کرام کے بارے میں "کلمہ مغفرت" سے خبر یا اعلان مغفرت نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی مغفرت نہیں ہے۔ ہم ان شاء اللہ اس کی آئندہ صفحات میں وضاحت کریں گے۔ البتہ حضرت عزالدین شافعی نے تو "کسی نبی" کی بات کی تھی مگر مولانا سعیدی نے "کسی نبی، رسول" کے ساتھ "کسی بھی شخص" کا ذکر کرکے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ عالی کو عام آدمی کے مقابل لا کھڑا کیا جو افسوسناک بات ہے۔ مگر ہم مولانا سعیدی کی خدمت میں گزارش کناں ہیں کہ انطاکیہ کا وہ شخص جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نمائندوں سے ملاقات کی قرآنِ حکیم میں اس کا ذکر ہے کہ ایک شخص اس شہر کے کسی دور کے مقام سے دوڑتا ہوا آیا، کہنے لگا کہ اے میری قوم ان فرستادہ لوگوں کی اتباع کرو۔ ایسے لوگوں کی اتباع کرو جو تم سے کوئی اجر اور بدلا نہیں مانگتے اور وہ خود بھی سچائی کی راہ پر ہیں اور میرے پاس کون سا عذر ہے کہ اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا اور تم لوگوں کو اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے معبود بنالوں کہ اگر رحمٰن یعنی اللہ تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان کی سفارش میرے کام آئے اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں۔ اگر میں ایسا کروں تو کھلی گمراہی میں ہوں۔

اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ O قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ O بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ O (۴)

یعنی میں تو تمہارے رب پر ایمان لا چکا ہوں تم میری بات سن لو۔ حکم ہوا جنت میں داخل ہو جا، تو اس نے کہا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میرے رب نے میری مغفرت کردی اور مجھے عزت داروں میں شامل کردیا۔

علماء تفسیر کے ایک طبقہ نے اسے ظاہر ہی پر رکھا ہے کہ اس شخص کو زندہ ہی جنت میں داخل کردیا گیا اور بتادیا گیا کہ تیری مغفرت ہوگئی تو پھر اس نے کہا میرے رب نے میری مغفرت کردی اور مجھے عزت داروں میں شامل کرلیا کاش کہ میری اس مغفرت کا علم میری قوم کو بھی ہوجاتا۔ اور دوسرے طبقہ نے یہ کہا کہ جب اس شخص نے کہا کہ میں رب پر ایمان لاچکا تو لوگوں نے اس پر سنگ باری شروع کردی جس سے اس کا انتقال ہوگیا اور پھر "اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا جنت میں داخل ہوجا۔ تو اس نے کہا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میرے رب نے میری مغفرت کردی اور مجھے عزت داروں میں شامل کردیا۔" دونوں صورتوں میں کوئی بھی ہو اس کی مغفرت کلی اور قطعی ہوگئی اور اس کی اطلاع بھی اسے کردی گئی۔ اس آیت میں "غفر" ماضی کا صیغہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام وقوع پذیر ہوچکا اور اب اس کی خبر دی جارہی ہے اور اس خبر کی اطلاع اس مغفور شخص کو بھی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے اس کی مغفرت ہوئی اور پھر دخول جنت ہوا۔ لہٰذا جب کسی کو جنت کی بشارت دی گئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی مغفرت ہوگئی ہے اور اس سے "کلی" کا مسئلہ حل ہوگیا کہ مغفرت کا ثمر دخول جنت ہے۔ جب اسے دخول جنت کا مژدہ

جانفزا مل گیا تو اس کی ''کلی'' مغفرت ہوگئی۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اس میں ''مَا تَقَدَّمَ وَ مَا تَاَخَّرَ'' کی قید نہیں ہے تو اس سے ''کلی مغفرت'' کا اثبات نہیں ہوسکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کی کلی مغفرت ہو چکی اور دخول جنت ہو چکا یا اس کا فیصلہ ہو چکا ہے کیونکہ ''ماتقدم وما تاخر'' کی قید سے جو چیز ثابت کی جاسکتی ہے وہ اس کے بغیر بھی اس مقام میں حاصل ہے اور ''قطعی'' بھی ہوگئی کہ اس آیت کریمہ میں کوئی دوسرا احتمال نہیں ہے۔ کیونکہ جو چیز نص قطعی سے ثابت ہوتی ہے اس کے دو جزء ہوتے ہیں ایک قطعی الثبوت ہونا وہ تو ظاہر ہے کہ آیت کریمہ ہے اور دوسرا قطعی الدلالت ہونا تو وہ بھی واضح ہے کہ مغفرت اور دخول جنت کی بات اسی شخص کے بارے میں ہے جو ''شہر کے کسی دور کے مقام سے دوڑتا ہوا آیا۔'' اس میں علماء تفسیر کی دو رائے نہیں ہیں لہٰذا مولانا سعیدی کا یہ لکھنا کہ:

''قرآن مجید میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نبی، رسول یا کسی بھی شخص کی کلی مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا اور آپ کے سوا کسی کی بھی ''کلی مغفرت قطعیت'' کے ساتھ ثابت نہیں ہے''۔

غلط ثابت ہوا۔ قرآنِ حکیم میں موجود چیز کا انکار کیا گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ عالی کو ایک عام آدمی کے مقابل لا کھڑا کیا گیا اور یہ زیادتی ہے۔ ایسا کرنا بہرحال کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں ہے حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَاتَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًاO (۵)

یعنی اے میرے رب میری مغفرت فرما اور میرے والدین اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور سب مؤمنین اور مؤمنات کی۔

اور کافروں کی تباہی میں زیادتی فرما۔

اس آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں جو درخواست و دعا کی ہے اس کے آخری حصہ میں تو طے ہے کہ وہ قبول ہوگیا۔ اس وقت کے کافر عذاب میں غرق ہوگئے لیکن اس کا پہلا حصہ ''رَبِّ اغْفِرْلِیْ'' اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمایا ہے مولانا سعیدی کو اس کا ثبوت فراہم کرنا چاہیے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو شرف پذیرائی بخشی ہے اور اس لیے بھی کہ ان کی دعا کی قبولیت کے سلسلہ میں قرآنِ حکیم میں کوئی تردیدی بیان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں فرمایا ہے کہ میں نے آپ کی دعا رد کردی ہے اور میں آپ کی مغفرت نہیں کروں گا یا میں نے مغفرت نہیں کی ہے۔

اسی طرح قرآنِ حکیم میں ہے حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گزارش کی:

لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ O (۶)

ان کا مجھ پر ذنب ہے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ فرعونی مجھے قتل کردیں گے۔

اس قبطی کے قتل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود ہی ''ذنب'' کا اطلاق کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ذنب قرار نہیں دیا۔ پھر اس کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گزارش کی:

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَلَهٗ .(۷)

یعنی اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو میری مغفرت فرمادے پس ان کی مغفرت کردی گئی۔ قرآنِ حکیم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ایک ہی ذنب ثابت ہے اور اس کی مغفرت ہوگئی۔ اس کے علاوہ ان کے کسی اور ''ذنب'' کا ثبوت قرآنِ حکیم سے نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی مغفرت کلی اور قطعی ثابت ہوگئی۔ اس کے علاوہ بھی ایسی

مثالیں قرآنِ حکیم سے پیش ہو سکتی ہیں لیکن ہم اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان ہی پر اکتفا کرتے ہیں اور ایک دفعہ پھر یہ گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا سعیدی نے جو یہ لکھا ہے کہ:

قرآنِ مجید میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نبی، رسول یا کسی بھی شخص کی کلی مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا اور آپ کے سوا کسی کی بھی "کلی مغفرت قطعیت" کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔

باطل محض ہے لائق اعتبار نہیں ہے۔ اس لیے کہ "فغفر لہ" میں "غفر" ماضی کا صیغہ ہے جس سے خبر دی جارہی ہے کہ ماضی میں یہ کام ہو چکا ہے۔ لہٰذا قرآنِ حکیم سے ان کی کلی اور قطعی مغفرت کا اعلان ثابت ہے۔

(۳) حدیث شفاعت سے استدلال:

قرآنِ حکیم کی آیات سے بحث کے بعد اب ہم خبر واحد سے استدلال کی بات کرتے ہیں۔ ایک حدیث ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیٰمۃ ماج الناس بعضھم فی بعضٍ فیاتون آدم، فیقولون اشفع الی ربک. فیقول لست لھا، ولکن علیکم بابراھیم فانہ خلیل الرحمن، فیاتون ابراھیم، فیقول لست لھا. ولکن علیکم بموسیٰ فانہ کلیم اللہ. فیاتون موسیٰ فیقول لست لھا، ولکن علیکم بعیسیٰ فانہ روح اللہ وکلمتہ، فیاتون عیسیٰ فیقول لست لھا، ولکن علیکم بمحمد فیاتونی فاقول انالھا (۸)

یہ حدیث مشکوٰۃ المصابیح سے ہم نے نقل کی ہے اور اس کے مصنف نے کہا کہ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔ اس حدیث میں لوگوں کو چار انبیاء کرام کے پاس سفارش کے لیے جانے کا ذکر ہے تو ان چاروں کا ایک ہی جواب ہے۔ "لست لھا" یعنی اس بارگاہ میں ہمیں اس کی اجازت نہیں لیکن آخر میں جب لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں "انالھا" یہ میرا منصب ہے اور یہ کام میں کروں گا۔ چنانچہ آپ بارگاہ خداوندی میں شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول کرے گا۔ شفاعت کبریٰ کا یہ عظیم منصب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کرام نے معذرت کر کے لوگوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں پہنچنے میں مدد فرمائی۔

اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب شفاعت کا بیان ہے جس کا فیصلہ آپ کے حق میں ہو چکا تھا۔ اس حدیث میں شفاعتِ کبریٰ کے منصب کو "مغفرت ذنب" یا کسی بھی اور چیز سے معلق اور منسلک نہیں کیا گیا۔ لیکن مولانا سعیدی نے اس حدیث سے استدلال اور کوئی استفادہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ ان کی "حدیث نفس" کی تائید اس روایت سے نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ایک دوسری روایت کو مستدل بنایا اور وہ یہ ہے:

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یجس المؤمنون یوم القیمۃ، حتی یھموا بذالک فیقولون لو اِستشفعنا الی ربنا فیر یحنا من کاننا، فیاتون آدم، فیقولون انت آدم ابو الناس خلقک اللہ عھدہ واسکنک جنۃ و اسجد لک ملئکتہ وعلم اسماء کل شیء اشفع لنا عند ربک حتی یریحنا من مکاننا ھذا، فیقول لست ھناکم ویذکر خطیئتہ التی اصاب اکلہ من الشجرۃ وفد نھی عنھا ولکن ائتوا نوحاً اول نبی بعثہ اللہ الی اھل الارض فیاتون نوحا فیقول لست ھناکم ویذکر خطیئتہ التی اصاب سوالہ ربہ بغیر علم ولکن ائتوا ابراھیم خلیل الرحمن قال فیاتون ابراھیم فیقول انی لست ھناکم ویذکر ثلث کذبات کذبھن ولکن ائتوا موسیٰ عبداً اتاہ اللہ التوراۃ وکلمہ و قربہ نجیا قال فیاتون موسیٰ فیقول انی لست ھناکم ویذکر

خطیئته التی اصاب قتله النفس ولکن ائتوا عیسیٰ عبد اللہ رسوله و روح اللہ کلمته قال فیاتون عیسیٰ فیقول لست هناکم ولکن ائتوا محمداً عبداً غفر اللہ له ما تقدم من ذنبه وما تاخر قال فیاتونی. (۹)

ہم نے اس روایت کو مشکوۃ المصابیح سے نقل کیا ہے اور اس کے مؤلف نے کہا ہے کہ یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے مولانا سعیدی نے اس روایت کو استدلال کے لیے اس لیے منتخب فرمایا ہے کہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے غفر اللہ له ما تقدم من ذنبه وما تاخر کا استعمال ہوا ہے۔ اس کی وضاحت ہم آگے بیان کریں گے۔

اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کا ابوالناس ہونا، دست خداوندی سے ان کا تخلیق ہونا، جنت میں رہائش پذیر ہونا، فرشتوں کا ان کے سامنے سجدہ ریز ہونا، انہیں ہر شئی کے اسم کا علم ہونا، حضرت نوح علیہ السلام کا اہل زمین کی طرف مبعوث ہونے والوں میں اول ہونا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خلیل الرحمٰن ہونا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عبد ہونا، تورات کا ان پر نازل ہونا، اللہ تعالیٰ کا ان سے ہم کلام ہونا اور خاص قرب بخشا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عبد ہونا، رسول ہونا، روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونا یہ ان کے اوصاف جمیلہ کا بیان ہے لیکن ان اوصاف کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ شفاعت کبریٰ کا منصب بھی انہیں عطا کیا جاتا۔ بس اسی طرح بات ہے کہ لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ کا نزول اور مغفرت ذنب کی آپ کی طرف نسبت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ شفاعت کبریٰ کا منصب آپ کو عطا کیا جائے، جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت عطا کرنے کا کوئی سبب نہیں ہے۔ واللہ یختص برحمته من یشاء اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص فرمالیتا ہے، اس طرح آپ کو شفاعت کبریٰ کا منصب عطا فرمانے کا کوئی سبب عطا فرمانے کا کوئی سبب نہیں ہے بلکہ یہ محض اس کی عطا ہے۔

(الف) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کی وضاحت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعارف کے لیے جو کلمات فرمائیں گے وہ یہ ہیں۔

عبداً غفر اللہ له ما تقدم من ذنبه وما تاخر

چونکہ دوسرے انبیا کرام نے معذرت کی کہ لَسْتُ هُنَاکُم یعنی ہم اس بارگاہ میں تمہارے لیے اس وقت کوئی سفارش نہیں کرا سکتے لہٰذا حضرت عیسی علیہ السلام نے لوگوں کی رہنمائی ایک ایسی ہستی کی طرف کی جس کی وجہ سے دنیا میں اس قسم کا اعلان ہو چکا تھا۔ یعنی اس وقت ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو نہ صرف اپنی ذات کی حد تک محفوظ ہو بلکہ دوسروں کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے جو نہ صرف اپنی ذات کی حد تک مغفور ہو بلکہ دوسروں کی مغفرت کے لیے سبب اور باعث بنے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے ایسے عبد کامل ہیں جن کے سبب اللہ تعالیٰ نے اگلوں اور پچھلوں کے ذنب کی مغفرت فرمائی ہے۔

اور اس وقت ایسی ہی ہستی کی ضرورت تھی جو دوسروں کے لیے اتنی نفع رساں ہوں نہ یہ کہ اپنی ذات کی حد تک اس کا نفع اور فائدہ محدود ہو۔ اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی ذاتِ گرامی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کی رہنمائی آپ کی طرف اس لیے کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں یہ فرما چکا ہے۔

تا کہ مغفرت کرے اللہ تعالیٰ آپ کے سبب اگلوں اور پچھلوں کے ذنب کی۔ یعنی اس مقام کا اقتضاء یہی تھا کہ دنیا میں آپ کے بارے میں یہ اعلان ہو چکا ہو۔ اس لیے حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا جن کے سبب لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے وہ ذات تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور آج اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرنی ہے

کہ وہ مخلوق کا حساب شروع فرمائے تا کہ لوگ جو اس مخمصے میں پھنسے ہوئے ہیں اور کشمکش میں مبتلا ہیں، امید و بیم اور خوف و رجاء کی کیفیت میں مبتلا ہیں اس سے خلاصی اور رہائی کی کوئی صورت پیدا ہوتو اس کام کے لیے بھی آپ ہی کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس مقام میں حضرت عطاء خراسانی کا مؤقف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہتر ترجمانی کرسکتا ہے۔ اس لیے مولانا سعیدی کا یہ کہنا " آپ کے سوا کسی کی بھی کلی مغفرت قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کے سوا تمام انبیا اور مرسلین کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہوگی۔"

اس میں "یہی وجہ ہے" درست نہیں ہے بلکہ یہ ان انبیا کرام کا منصب ہی نہیں تھا۔ اگر "یہی وجہ ہے" کو تسلیم کیا جائے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سفارش کرنی چاہیے تھی کیونکہ انہوں نے یہ تو کہا "لَسْتُ هُنَاكُمْ" مگر اس کے ساتھ اپنے کسی عذر کو بیان نہیں کیا کہ میں یہ کام کیوں نہیں کرسکتا یعنی اپنی کسی کمزوری کو بیان نہ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کوئی کمزوری تھی ہی نہیں اور بیان بھی نہیں ہوئی تو پھر انہیں شفاعت کبریٰ کا منصب ملنا چاہیے تھا مگر اس کے باوجود بھی نہیں ملا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت کبریٰ ان کا منصب ہی نہیں تھا۔

اگر کوئی کہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات شفاعت کا سبب بنے ہیں تو لازم آئے گا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات حضرت نوح علیہ السلام کے لیے شفاعت کبریٰ کے حصول کا سبب بنتے۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور ان کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے، جب کہ ایسا نہیں ہوا تو اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات تعارفی حیثیت رکھتے ہیں۔ نہ یہ کہ وہ شفاعت کبریٰ کا سبب بن گئے۔ شفاعت کبریٰ آپ کا منصب تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بغیر کسی مطالبہ کے عطا فرمایا۔

(ب) بخاری و مسلم کی روایت میں اختلاف:

یہ روایت بخاری میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کہیں گے عبداً غفر اللہ له ماتقدم من ذنبه و ماتاخر مگر "مسلم" میں اس طرح بھی ہے:

اذ هبوا الیٰ محمد صلی اللہ علیه وسلم فیاتونی، فیقولون یا محمد انت رسول اللہ و خاتم الانبیاء و غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک و ما تاخر، اشفع لنا الیٰ ربک. (۱۰)

یعنی ان لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ تو وہ میرے پاس آئیں گے۔ چنانچہ وہ لوگ کہیں گے۔ اے محمد! آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیا ہیں اور اللہ نے آپ کے سبب اگلوں اور پچھلوں کے ذنب کی مغفرت کردی ہے۔ اپنے رب کی بارگاہ میں ہمارے لیے شفاعت کیجیے۔

اس مقام میں حضرت خراسانی کی توجیہ یا مؤقف بالکل درست ہے اس لیے کہ ابتداء میں اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اور خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ آپ کی ذاتی تعریف ہے اور غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وہ تعریف ہے جو دوسروں کے حوالے سے ہے جس میں آپ کی وجہ سے امت کی مغفرت کا ثبوت ملتا ہے تو جب صحابہ کرام کی مغفرت آپ کی وجہ سے ہوئی تو اس لیے لوگوں کو ہمت ہوئی اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت کے طالب ہوئے۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اس کے سایہ رحمت میں ہوں گے۔ انہیں حساب کی اتنی جلدی نہیں ہوگی بلکہ وہ پچاس ہزار سال کا دن ان پر چشم زدن میں گزر جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے مقبول ترین بندہ ہیں اور وہ مقبول

ترین لوگوں میں ہوں گے۔

اب جب ''صحیح مسلم'' کی روایت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نہیں ہے بلکہ قیامت کے روز وہ لوگ جو پریشان حال اور پراگندہ اعمال ہوں گے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت گرامی میں گزارش کریں گے:

انت رسول اللہ وخاتم الانبیاء و غفر اللہ لک ماتقدم من ذنبک وما تاخر. اشفع لنا الیٰ ربک.

تو گویا گنہگار اور عام لوگوں کا قول ہوگا۔ اس لیے اسے سند کے طور پر پیش کرنا درست نہیں ہے۔ عام لوگوں کا قول اس دنیا میں دلیل نہیں ہوتا تو آخرت میں کیسے دلیل ہوسکتا ہے۔ اگر یہ گنہگار لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں حاضر نہ ہوں تو بھی شفاعت کبریٰ آپ کرتے اس لیے کہ یہ آپ کا منصب ہے۔

(ج) حضرات انبیا کرام اور میدانِ حشر:

قیامت کے روز تمام انسان میدانِ حشر میں جمع ہوں گے۔ ان میں ایک طبقہ فرمانبرداروں کا ہوگا اور دوسرا طبقہ نافرمانوں کا ہوگا اور پھر ان دونوں طبقات میں درجات ہوں گے اور یہ حساب کا دن ہوگا قرآنِ حکیم میں ہے:

مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ. (۱۱)

اس ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال جتنی ہوگی۔ اور اس کی ہولناکیوں کو قرآنِ حکیم میں جابجا بیان کیا گیا ہے۔ لیکن وہ طبقہ جو فرمانبرداروں کا ہوگا وہ اس دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے تلے ہوگا اور خوش وخرم ہوگا۔ ان پر اس دن کی ہولناکیوں کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ وہ نہایت مطمئن اور شاداں وفرحاں ہوگا۔ قرآنِ حکیم میں ہے:

اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ. (۱۲)

یعنی وہ لوگ جن کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے تلے ہوں گے اور قرآنِ حکیم میں ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (۱۳)

یعنی قیامت کے روز ایسے چہرہ بھی ہوں گے جو تروتازہ اور خوش وخرم اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے اور قرآنِ حکیم میں ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ (۱۴)

یعنی اس روز ایسے چہرہ بھی ہوں گے جو چمکتے ہوئے، ہنستے ہوئے خوش وخرم ہوں گے اور قرآنِ حکیم میں ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝ (۱۵)

یعنی ایسے روز ایسے چہرے بھی ہوں گے جو تازہ اور خوش ہوں گے اور اپنی سعی وکوشش پر راضی ہوں گے۔

ان آیات کریمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حشر کے روز ایک طبقہ نہایت خوش وخرم ہوگا، ان کے چہروں پر خوف وحزن اور رنج وملال کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ جو اس روز اطمینان وسکون سے ہوگا وہ آگے والے مرحلے سے مطمئن ہوگا۔ قرآنِ حکیم میں ہے:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا. (۱۶)

یعنی قیامت کے روز ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کے ہاں مہمانوں کی حیثیت سے جمع کریں گے۔ گویا متقین اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ جتنے متقی لوگ ہیں سب سے حسن سلوک کا وعدہ ہے اور اس دنیا میں حضرات انبیا کرام متقی بلکہ اتقی ہیں اور ان سے زیادہ کوئی تقوے دار نہیں ہے۔ چنانچہ ان حضرات کا قیامت کے روز میدان حشر میں مہمان ہونا، معزز ومحترم ہونا اور خوش وخرم ہونا یقینی امر ہے۔ قرآنِ حکیم میں ہے:

هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (۱۷)

یعنی قیامت کے روز صادقین کو ان کا صدق بھرپور فائدہ دے گا۔ کیونکہ وہ ظلم زیادتی کا دن نہیں ہوگا بلکہ عدل وانصاف کا دن ہوگا۔ اس روز کسی سے ذرہ برابر زیادتی نہیں ہوگی اور تمام انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سب سے زیادہ صادق ہیں لہٰذا ان کا سکون واطمینان

یقینی چیز ہے اور قرآن حکیم میں ہے:

فَلَنَسْـئَـلَنَّ الَّـذِيْـنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ، فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ. (۱۸)

یعنی ہم ان لوگوں سے پوچھیں گے جن کی طرف انبیا و رسل کو بھیجا گیا ہے اور حضرات مرسلین سے بھی پوچھیں گے۔ پھر ہم خود ان پر بیان کریں گے اس لیے کہ ہم کوئی غائب وغیر حاضر تو نہیں تھے۔ یہاں حضرات مرسلین سے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ کیا واقعی ان لوگوں نے آپ پر ایمان لایا تھا جب آپ نے انہیں دعوت وتبلیغ سے نوازا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرات مرسلین سے حساب ہوگا اور وہ اس لیے پریشان ہوں گے۔ وہ تو معصوم ومغفور ہیں اور اگر کسی نے نیک اور اچھا کام کیا ہے اور اپنی ذمہ داری کو حسن وخوبی سے سرانجام دیا ہے تو اس سے معلوم کرلینا کہ یہ کام آپ نے کیا ہے، سرزنش نہیں ہے اور جس کے سامنے وہ عمل وقوع پذیر ہوا ہے اس سے معلوم کرلینا بھی عتاب نہیں ہے۔ اس آیت میں "المرسلین" جمع مُعَرف باللام ہے اور ایسی جمع کے بارے میں حضرت علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ: الجمع المعرف بلام الاستغراق يتناول كل واحد من الافراد. (۱۹)

یعنی جمع بلام الاستغراق افراد میں سے ہر ہر فرد کو شامل ہوتا ہے، جیسے قرآنِ حکیم میں علم آدم الاسماء ہے۔ اس میں "الاسماء" میں اسماء، اسم کی جمع ہے اور اس پر الف لام داخل ہے تو اب یہاں "الاسماء" سے مراد ہر ہر اسم ہوگا۔ چنانچہ مندرجہ بالا آیت کریمہ میں "المرسلین" مرسل کی جمع ہے اور اس پر الف لام داخل ہے اور جمع پر الف لام کا دخول استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ "ہر ہر مرسل" سے یہ سوال ہوگا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مسئول ہوں گے اس لیے کہ آپ مرسل ہیں۔ اور یہ سوال کرنا کوئی تہدید یا عتاب نہیں ہے۔ ہماری اس بات کی تائید اس آیتِ کریمہ سے بھی ہوتی ہے کہ:

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (۲۰)

یعنی قیامت کے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور وہ اہل ایمان جو آپ کے ساتھ ہوں گے اللہ تعالیٰ ان پر نوازش ومہربانی فرمائے گا۔ یعنی جن لوگوں کو اس روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایمانی معیت نصیب ہوگی ان پر بھی نوازش وعطا ہوگی۔ جب غیر انبیا اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو یہ اعزاز واکرام حاصل ہوگا تو حضرات انبیاء کرام کا کیا کہنا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرات انبیا کرام اس روز راحت وسکون سے ہوں گے، ان پر کوئی خوف وحزن کی کیفیت نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازشات وعنایات ان پر ہوں گی۔ اس لیے ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم اس طرح لکھیں کہ:

تمام انبیا ومرسلین کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہوگی۔

حضرات انبیا کرام کا نفسی نفسی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی ذات کی حد تک محفوظ ومصون ہیں اور سردست کسی کی شفاعت وسفارش کی اجازت نہیں ہے۔ ہمیں اس کا امر اور ارشاد نہیں، یہ ہماری ذمہ داری نہیں، ہم اس کے پابند نہیں ہیں۔ یہ کسی حدیث میں نہیں ہے کہ جب "الناس" ان کے پاس پہنچے تو وہ خوف زدہ اور غمزدہ تھے، لرز رہے تھے، ان سے بات نہیں ہو پا رہی تھی بلکہ جب یہ "الناس" ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ان کی بات سنی اور عمدہ طریقہ سے انہیں جواب دیا کہ فی الحال شفاعت وسفارش کی اجازت نہیں۔ اس طرح ہر ایک نے دوسرے کی طرف رجوع کا مشورہ دیا۔

ایک فروگزاشت کی طرف اشارہ:

حضرات انبیا کرام کی تعداد کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس میں معمولی کم وبیش پر مشتمل ہے اور ان میں سے تقریباً دو درجن حضرات گرامی کے اسماء قرآن حکیم میں ہیں اور ہم نے جو احادیث شفاعت ذکر کی ہیں ان میں سے ایک میں چار اور دوسری میں پانچ انبیا کرام کے اسماء گرامی مذکور ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و

السلام کے علاوہ ان لوگوں کے پاس ''الناس'' کی حاضری ہوگی۔ بہر صورت میدانِ حشر میں حضرت آدم سے لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک تمام انبیا کرام موجود ہوں گے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن جن کے پاس ''الناس'' کی حاضری کا ذکر ہے وہ چار پانچ ہی ہیں۔ مگر مولانا سعیدی نے لکھا کہ:

''تمام'' انبیا کرام اور مرسلین کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہوگی۔

مولانا سعیدی نے چار پانچ انبیا کرام پر ''تمام'' کا اطلاق کیا ہے، جو درست نہیں ہے۔ کیونکہ ''چار'' اور ''پانچ'' جمع تو ضرور ہیں۔ مگر ''تمام'' نہیں ہیں۔ ''تمام'' ''کل'' کا معنی ہے، جس میں حصر و استغرق پایا جاتا ہے۔ جاء نی القوم اور جاء نی القوم کلھم کے معنی و مفہوم میں بڑا فرق ہے۔ صرف ''قوم کا آنا'' اور تمام قوم کا آنا'' میں فرق اور امتیاز نہ کرنا، غفل اکبر اور تحقیقی بحث میں غیر محتاط کلمات کا استعمال ہے۔ حضرت عزالدین شافعی نے اپنی عربی عبارت میں ایسا کوئی کلمہ استعمال نہیں کیا۔ یہ مولانا سعیدی کی اختراع ہے۔

(۴) شفاعت کبریٰ اور کلی مغفرت ذنب:

مولانا غلام رسول سعیدی کا یہ مؤقف کہ ''کلی مغفرت ذنب کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کے روز شفاعت کبریٰ فرمائیں گے'' اس لیے بھی غیر صحیح ہے کہ آیت کریمہ:

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (۲۱)

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ہے اور سورہ بنی اسرائیل مکی دور میں نازل ہوئی۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے مکی دور میں آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائیں گے اور اس پر حدیث:

وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ (۲۲)

میں ''اَلَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ'' بھی دلالت کر رہا ہے۔ یعنی وہ مقام محمود جس کا وعدہ تو نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا ہے۔ اذان کے بعد کی جانے والی یہ دعا مدنی دور کے ابتداء سے تعلق رکھتی ہے جو بہر صورت معاہدہ حدیبیہ سے پہلے ہی کا زمانہ ہے اور لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ معاہدہ حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور ''مقامِ محمود'' اس مقام کو کہتے ہیں کہ جہاں قیامت کے روز میدانِ حشر میں جلوہ گر ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایسی حمد و ثناء کریں گے جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کی ہوگی اور وہیں آپ شفاعت فرمائیں گے۔ جسے شفاعت کبریٰ اور عظمیٰ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت جار اللہ زمخشری ''مقاماً محموداً'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المراد الشفاعة (۲۳)

اس سے مراد شفاعت یعنی مقامِ شفاعت ہے۔ حضرت علی مہامی لکھتے ہیں:

هو مقام الشفاعة (۲۴)

یعنی مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے۔ حضرت بیضاوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

المشهور انه مقام الشفاعة لماروی ابو هريرة انه عليه السلام قال هو المقام الذی اشفع فيه لامتی. (۲۵)

مشہور یہ ہے کہ وہ مقام شفاعت ہے جیسا کہ ابو ہریرہ نے روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مقامِ محمود وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا۔ اور حضرت محمود آلوسی لکھتے ہیں:

المراد بذالک المقام، مقام الشفاعة العظمیٰ. (۲۶)

یعنی مقام محمود، شفاعت عظمیٰ کے مقام کا نام ہے۔ اسی طرح حدیث شفاعت کے آخر میں ہے:

ثم تلاهذه الاية عسیٰ ان يبعثک ربک مقاما محموداً قال و هذا المقام المحمود الذی وعده نبيكم. (۲۷)

پھر انہوں نے عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محموداً کی تلاوت کی اور فرمایا یہ مقام محمود وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے وعدہ فرمایا ہے:

چنانچہ اس ''مقام محمود'' یعنی شفاعت کبریٰ کا منصب عطا کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ہجرت سے قبل مکی دور میں کیا تھا اور لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ معاہدۂ حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی۔ اس لیے اس آیۂ کریمہ یا اس کے مضمون کو مقام محمود اور شفاعت کبریٰ کے حصول سے منسلک کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ غیر مشروط اور غیر مقید ہے۔ اس میں ایسی کوئی شرط یا قید نہیں ہے کہ پہلے آپ کے اگلے پچھلے ذنب معاف کیے جائیں گے اور پھر آپ کو مقام محمود اور شفاعت کبریٰ کا منصب دیا جائے گا۔ اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے بھی یہ بات نہیں کی اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ ''کلی مغفرت کے نتیجے میں یہ منصب مجھے عطا ہوا ہے۔'' تو پھر وہ لوگ جن کا دعویٰ یہ ہے کہ ''ہمارا قبلہ حدیث ہے'' جدھر حدیث ہوتی ہے ہم ادھر ہوجاتے ہیں اور جدھر وہ مڑتی ہے ہم ادھر مڑ جاتے ہیں تو یہاں ان کو کیا ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صاف وعدہ موجود ہے اور وہ بھی غیر مشروط و غیر مقید اور پھر اس کی شان یہ ہے کہ ''لا یخلف المیعاد'' کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا تو وہ اس بات کو کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ شفاعت کبریٰ آپ کا منصب ہے اور یہ وہ منصب ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بغیر مطالبہ کے عطا فرمایا ہے۔ اس کا ''کلی مغفرت'' سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کا کلی مغفرت سے تعلق ثابت کرنا اختراع و ابداع ہے۔

(۵) مغفرتِ ذنب میں نسبت ظنی ہے:

حضرت ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

ان الادلة السمعية اربعة. الاول قطعي الثبوت والدلالة كنصوص القرآن المفسرة او المحكة، والسنة المتواترہ، التي مفهومها قطعي، الثاني قطعي الثبوت ظني الدلالة كالآيات المؤولة. (۲۸)

سماعی دلائل کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے جیسے قرآنِ حکیم کی وہ نصوص جو مفسرہ یا محکمہ ہیں اور سنت متواترہ جس کا مفہوم قطعی ہے اور دوسری قسم قطعی الثبوت اور ظنی الدلالت ہے جیسے آیات مؤولہ ہیں۔ یعنی کوئی چیز قطعی الثبوت والدلالت ہو تو اسے قطعی کہتے ہیں اور اگر کوئی چیز قطعی الثبوت اور ظنی الدلالت ہو تو وہ قطعی نہیں ہوسکتی اسے ''ظنی'' کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسے وہ آیات جن میں تاویل ہوتی ہے اور کئی کئی احتمال ہوتے ہیں اور تاویل سے کام لے کر ایک احتمال کو متعین کیا جاتا ہے اور یہ چیز ظنی ہوتی ہے۔ جس کی ایک مثال حضرت نظام الدین شاشی نے لکھی ہے:

لفظ القروء، المذكور في كتاب الله تعالىٰ محمول اما على الحيض كما هو مذهبنا او علىٰ الطهر كما هو مذهب الشافعي (۲۹)

قرآنِ حکیم میں جو ''ثلثۃ قروء'' ہے اس میں سے لفظ ''قروء'' یا تو ''حیض'' پر محمول ہے (جیسا کہ ہمارا مذہب حنفی ہے) یا ''طہر'' پر محمول ہے (جیسا کہ شافعی مذہب ہے) یعنی ''قروء'' کے دو معنی ہیں ایک حیض دوسرا طہر اس لیے اصحاب علم نے اس میں تاویل س کام لیا ہے۔ حنفیہ نے تاویل کرکے اس سے مراد حیض لیا ہے اور شافعیہ نے تاویل کرکے اس سے مراد طہر لیا ہے، چونکہ ''ثلثۃ قروء'' قرآنِ حکیم کی آیت کا حصہ ہے اس لیے قطعی الثبوت ہے مگر معنی مراد یعنی حیض پر اطلاق و دلالت میں ظنی ہے۔ اس لیے کہ اس میں اور احتمالات بھی ہیں۔ اس بنا پر یہ کہا جائے گا کہ ''قروء'' سے حیض مراد لینا ظنی ہے، قطعی نہیں ہے۔ حضرت شیخ احمد مؤول کے حکم پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حكم المؤول وجوب العمل بما جاء في تاويل المجتهد مع احتمال انه غلط و يكون الصواب في جانب الآخر، والحاصل انه ظني واجب العمل غير قطعي في العلم. (۳۰)

یعنی مؤول کا حکم یہ ہے کہ جب اس میں مجتہد تاویل کرکے ایک معنی متعین کرتا ہے تو اس پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے باوجود اس

کے کہ اس میں یہ احتمال بھی موجود ہوتا ہے کہ وہ غلط ہو اور صواب جانب مخالف میں ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مؤول دلیل ظنی ہوتا ہے اس پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ لیکن علم کے معاملہ میں غیر قطعی ہوتا ہے۔ یعنی اگر اس کا تعلق عمل سے ہے تو وہ لازم ہوتا ہے اگر اس کا تعلق یقین وعقیدہ سے ہے تو پھر مؤول کا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ عام ازیں کہ مؤول کے معنی کا تعین خبر واحد سے ہوا ہو یا قیاس سے ہو۔ حضرت جلال الدین محلی لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ کے بارے میں لکھتے ہیں:

هو مؤول لعصمة الانبياء عليهم السلام بالدليل العقلي القاطع من الذنوب. (۳۱)

یعنی اس آیت کریمہ میں ذنب کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف مؤول ہے اس لیے کہ حضرات انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت دلیل عقلی کے ساتھ ذنوب سے قاطع ہے۔ یعنی چونکہ حضرات انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت دلیل عقلی سے ثابت ہے اس کی وجہ سے ان کی طرف ذنوب کی نسبت نہیں کی جاسکتی اور "ذَنۡبِکَ" میں جو نسبت ہے یہ تاویل کی ہوئی ہے۔ اس کی تشریح میں حضرت صاوی لکھتے ہیں:

ان اسناد الذنب له صلى الله عليه وسلم مؤول، امابان المراد ذنوب امتك. (۳۲)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اس مقام میں ذنب کی نسبت کی تاویل کی گئی ہے یا اس سے مراد امت کے ذنوب ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے کئی احتمال حضرت صاوی نے اس مقام میں بیان کیے ہیں۔

ہمارا مدعا یہ ہے کہ جو چیز مؤول ہوگی وہ دلیل ظنی ہوگی۔ دلیل قطعی نہیں ہوگی۔ عمل میں تو اسے اہمیت حاصل ہوگی لیکن علم وعقیدہ کے باب میں وہ مفید نہیں ہوگی۔ اور اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ذنب کی نسبت مؤول ہے اور یہاں عمل کی نہیں علم وعقیدہ کی بات ہے۔

اور خود مولانا غلام رسول سعیدی نے اس میں حضرت سیوطی کے حوالے سے کوئی سترہ احتمالات ذکر کیے ہیں اور جب خبر واحد سے وہ ایک احتمال کو متعین کر رہے ہیں تو یہ دلیل ظنی ہوئی۔

حضرت علامہ تفتازانی خبر واحد کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان خبر الواحد علىٰ تقدير اشتماله علىٰ جميع الشرائط، المذكورة في اصول الفقه لا يفيد الا الظن. (۳۳)

یعنی خبر واحد اگر ان تمام شرائط پر جو اصول فقہ میں مذکور ہیں مشتمل ہو تو بھی صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے اور اسکے بعد واضح طور پر لکھتے ہیں۔

لا عبرة بالظن في باب الاعتقاديات. (۳۴)

یعنی اعتقادیات میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ یعنی خبر واحد دلیل ظنی ہوتی ہے۔ اور دلیل ظنی اعتقادیات میں سودمند نہیں ہوتی لہٰذا خبر واحد یقینیات میں فائدہ نہیں دیتی۔ اور حضرت شیخ عبد العزیز پر ہاروی نے بھی لکھا ہے:

ان خبر الواحد لا يعتبر في العقائد. (۳۵)

عقائد چونکہ یقینیات کے باب میں شامل ہیں اس لیے خبر واحد ان میں سودمند نہیں ہوتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحابِ بدر کے بارے میں فرمایا ہے:

اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ قَدۡ غُفِرَتۡ لَکُمۡ. (۳۶)

یعنی تم لوگ جو چاہو عمل کرو اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔ مولانا سعیدی نے اس پر لکھا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر کو مغفرت کی نوید سنائی ہے۔ لیکن یہ خبر واحد سے ثابت ہے اور ظنی ہے۔ (۳۷)

یعنی جو چیز خبر واحد سے ثابت ہوتی ہے وہ ظنی ہوتی ہے۔ مولانا سعیدی نے آیت کریمہ لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ وَمَا

تَـاَخَّرَ میں جو سترہ احتمال بیان کیے ہیں ان میں ایک احتمال کہ "ذَنبِکَ" میں ذنب کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہے کو خبر واحد سے ثابت کیا ہے۔ لہٰذا یہ ثبوت دلیل ظنی سے ہوا اور چونکہ ذنب کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی کی طرف ہو سکتی ہے یا نہیں علماء کرام نے عصمت انبیا علیہم السلام کے ضمن اور ذیل میں بیان کیا ہے اور عصمت انبیا علیہم السلام کے ضمن اور ذیل میں بیان کیا ہے اور عصمت انبیا علیہم السلام کی بحث عقائد سے تعلق رکھتی ہے جو یقینیات کے قبیل سے ہے۔ لہٰذا خبر واحد جو دلیل ظنی ہوتی ہے سے یقینیات و اعتقادیات میں استدلال کرنا خلاف قاعدہ اور خلاف ضابطہ ہے اور یہ وہ قاعدہ اور ضابطہ ہے جو مولانا سعیدی کو بھی تسلیم ہے۔ لہٰذا انہیں اپنے اس مؤقف:

"آپ کے سوا کسی کی بھی کلی مغفرت قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں"

کے درست نہ ہونے کا اعتراف کرنا چاہیے اور حقیقت جیسی ہے ویسی ہی قبول کرنی چاہیے۔

"حوالہ جات"

۱۔ شرح صحیح مسلم، ج ۷، ص ۳۳۸۔
۲۔ جواہر البحار، ج ۱، ص ۱۹۷۔
۳۔ فتوحاتِ مکیہ، ج ۱ ص ۲۵۷
۴۔ قرآنِ حکیم، سورۂ یٰسین، آیت ۲۷۔
۵۔ قرآنِ حکیم، سورۂ نوح، آیت ۲۸۔
۶۔ قرآنِ حکیم، سورۃ الشعراء، آیت ۱۴۔
۷۔ قرآنِ حکیم، سورۃ القصص، آیت ۱۶۔
۸۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص ۴۸۸۔
۹۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص ۴۸۸۔
۱۰۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۱۱۔
۱۱۔ قرآنِ حکیم، سورۃ المعارج، آیت ۴۔
۱۲۔ قرآنِ حکیم، سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۰۷۔
۱۳۔ قرآنِ حکیم، سورۃ القیامہ، آیت ۲۲۔
۱۴۔ قرآنِ حکیم، سورۂ عبس، آیت ۳۸۔
۱۵۔ قرآنِ حکیم، سورۃ الغاشیہ، آیت ۸۔
۱۶۔ قرآنِ حکیم، سورۂ مریم، آیت ۸۵۔
۱۷۔ قرآنِ حکیم، سورۂ مائدہ، آیت ۱۱۹۔
۱۸۔ قرآنِ حکیم، سورۂ اعراف، آیت ۷۔
۱۹۔ مختصر المعانی، ص ۱۱۸۔
۲۰۔ قرآنِ حکیم، سورۃ التحریم، آیت ۸۔
۲۱۔ قرآنِ حکیم، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۹۔
۲۲۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص ۶۵۔
۲۳۔ تفسیر کشاف، ج ۲، ص ۶۸۷۔
۲۴۔ تفسیر تبصیر الرحمٰن، ج ۱ ص ۴۳۵
۲۵۔ تفسیر بیضاوی، ص ۴۹۶۔
۲۶۔ تفسیر روح المعانی، ج ۱۵، ص ۱۴۰۔
۲۷۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص ۴۸۸۔
۲۸۔ فتاویٰ شامی، ج ۱، ص ۷۰
۲۹۔ اصول الشاشی، ص ۱۳۔
۳۰۔ نور الانوار، ص ۸۵۔
۳۱۔ تفسیر جلالین، ص ۴۲۳۔
۳۲۔ حاشیہ جلالین، ص ۴۲۳۔
۳۳۔ شرح عقائد، ص ۱۰۱۔
۳۴۔ شرح عقائد، ص ۱۰۱۔
۳۵۔ نبراس، ص ۴۵۰۔
۳۶۔ صحیح البخاری، ج ۲، ص ۵۶۷۔
۳۷۔ شرح صحیح مسلم، ج ۷، ص ۳۴۱۔

..................xxx..................

مغفرتِ ذنب

حضرت قبلہ علامہ مفتی محمد رمضان گل تر چشتی قادری

الفتح

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا O لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الآیت)

"بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔" الخ

(ترجمہ کنز الایمان)

یہ ہے ترجمہ امام اہلسنّت، مجدّدِ ملّت، عظیم البرکت، اعلیٰ حضرت شیخ العرب والعجم، مفسّرِ اعظم، پروانۂ شمع رسالت، پاسبانِ شانِ نبوّت، محسنِ جماعت، پیرِ طریقت الحافظ القاری الحاج سیّدنا و مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا۔

لاریب یہ ترجمہ خصوصاً اور عموماً تمام قرآن مجید کا ترجمہ جو کہ کنز الایمان سے موسوم ہے موافقِ احادیثِ صحیحہ، عقائد کا محافظ، صحیح العقل کا رہبر، اہلِ حق کا مؤید، صحیح اور واضح اور مُصرّحِ حق، جواباتِ باطل کا بیانِ حق، بے اصل بیان سے مُبرّا، کلام معجز نظام کا باربط ترجمہ، مطابق تفاسیرِ اربابِ علمِ لغت، اسلوبِ قرآن، آثارِ صحابہ رضی اللہ عنھم، انوارِ بزرگان کا مصداق، الہامی اشارہ اور رُوحانی نظارہ ہے۔

یہی کہتی ہے بُلبلِ باغِ جِناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بَیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضاؔ کی قسم!

لیکن علّامہ غلام رسول سعیدی حال شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم نعیمیہ کراچی کے نزدیک لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ (الآیت) کا ترجمۂ اعلیٰ حضرت غیر صحیح ہے، کہ

"ہمارے نزدیک یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ترجمہ لُغت، اطلاقاتِ قرآن، نظمِ قرآن اور احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے اور اس پر عقلی خدشات اور ایرادات ہیں۔"

(شرح صحیح مُسلم ص ۳۲۵ ج ۷ مطبوعہ لاہور)

اور اسی طرح اپنی مرقومہ شرح صحیح مسلم شریف کی مختلف جلدوں میں اِس ترجمہ شریف پر باغیانہ ایسی ایسی واردات فرمائیں کہ الامان والحفیظ اور یمین و یسار سے بے پروا ہو کر وہ وہ موشگافیاں کیں کہ اربابِ ادب کو متحیر کر دیا اور اس پر طُرّہ یہ کہ اَسلاف میں جو بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہم خیال نظر آیا وہ بھی نشانۂ سعیدی بنا اور اخلاف میں جس نے بھی دردِ دین کا اظہار کیا تائیدِ حق میں امامِ اہلسنّت کا دم بھرا وہ بھی رگڑا گیا۔

گِلۂ جفائے وفا نُما جو حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہَری ہَری

ترجمۂ اعلیٰ حضرت میں بُنیادی اختلاف اس بات میں ہے کہ نسبت ذنب شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کی گئی لہٰذا

۱...... یہ تفسیر احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے اور عقلاً مخدوش ہے۔

(شرح صحیح مسلم، ص ۹۸)

۲...... اس تفسیر پر عقلی خدشات بھی ہیں۔

(شرح صحیح مسلم ص، ۱۰۰ ج، ۳)

۳...... رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح احادیث کے برعکس۔

(شرح صحیح مسلم ص، ۶۹۱ ج، ۶)

اگر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ دیکھتے، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرتِ شامی رحمۃ اللہ علیہ دیکھتے تو سراہتے۔ اکتسابِ فیض کرتے، زانوئے تلمذ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے خم کرتے، شاباش دیتے۔ اور سعیدی صاحب فرماتے ہیں اس ترجمہ میں رازی رحمۃ اللہ علیہ کی موشگافیاں ہیں، غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا تصوّف ہے۔ جامی رحمۃ اللہ علیہ کی وارفتگی ہے نعمان رحمۃ اللہ علیہ کا تفقہ ہے۔ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی ژرف بینی ہے...... مزید فرماتے ہیں:

میں نے اعلیٰ حضرت کا زمانہ نہیں پایا لیکن جب میں اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو دیکھتا ہوں، میرے دِل میں ایک شبیہ ابھرتی ہے۔ جس کی آنکھوں میں فاروقی جلال، لبوں پر ملکوتی تبسّم، چہرہ ایسے جیسے کھُلا ہُوا قرآن، گفتار میں علی المرتضیٰ کی حلاوت، کردار میں ابوذر رضی اللہ عنہ کا استغناء، نفس میں گرمیٔ صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انداز میں بلال رضی اللہ عنہ کی تب و تاب،...... الغرض اعلیٰ حضرت کی شخصیت عشّاقِ مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کا ایک جامع عُنوان معلوم ہوتی ہے۔''

(توضیح البیان ص ۲۷ مطبوعہ لاہور)

اور اب:

ان تمام گلہائے عقیدت کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے مجدّدِ ملت پر ارادت، واردات اور جلوَت وخلوَت میں محسنِ اہلِ سنّت، شیخ الاسلام پر عقیدتِ صادقہ کو مخدوش کر دینے والے، غیروں کو جُرأت گستاخی فراہم کرنے والے، اپنوں کو جسارتِ مُقابلہ مُیسّر کرنے والے بیانات کہ دردمندانِ دیں ماتم کناں نظر آنے لگے۔

اُپنوں کی یہ شانِ شریفانہ سلامت
غیروں کو بھی یُوں زہرا اُگلتے نہیں دیکھا

امام احمد رضا خاں نے ذنب کو بر بنائے مجازِ عقلی لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ (الخ) میں بذریعہ اضافت لفظِ امّت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور رکھنے اور نسبت ذنب کو امّت کی طرف منسوب کرنے سے جو کرم فرمایا ہے خالی الذہن لوگوں کو عصمتِ انبیا علیہم السّلام پر غیر مسلم معترضوں سے چھٹکارا ملتا ہے۔

سُنّی مرہونِ منّت ہیں اور امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں منفرد و متفرد نہیں۔

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم
جُنید و شبلی و عطار ہم مست

اور اب علاّمہ سعیدیؔ صاحب شیخ الحدیث صدر مدرسین جامعہ دارالعلوم نعیمیہ لاہور کے نہیں بلکہ دارالعلوم نعیمہ کراچی کے ہیں بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علاّمہ سعیدیؔ صاحب کی مخالفتِ مجدّدِ ملّت کی وجہ سے ایک لمبی چوڑی عالمانہ، فاضلانہ، قاہرانہ محققانہ تحقیق کے باوجود بھی خود سعیدیؔ مفتی عبدالمجید صاحب، رحیم یار خان بھی تمام سُنیوں، رضویوں، سعیدیوں کی آہ کو پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

کہ علاّمہ غلام رسول سعیدیؔ صاحب...... نے اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن کے خلافِ علَمِ بغاوت بلند کر کے اہلِ سنّت کو نیچا دکھانے اور وہابیّت کے پنجے مضبوط کرنے میں نہایت ہی تھوڑے عرصہ میں یقیناً وہ کام کر دکھایا ہے جو پوری ایڑی چوٹی کا زور صَرف کرنے کے باوجود کم وبیش ایک سو سال کی طویل مدّت میں بھی وہ سرانجام نہ دے سکے جس سے علاّمہ غلام رسول نے اپنے سعیدیؔ ہونے کی بجائے سعودی ہونے کا عملی مظاہرہ فرمایا ہے۔

(کنزالایمان پر اعتراضات کا اپریشن ص ۵۵)

یہ حکمتِ لاہوتی یہ علمِ ملکوتی
تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں

(اور علاّمہ غلام مہر علی صاحب جواباتِ رضویہ ص ۱۹

ممکن ہے کہ جب کاظمی صاحب ترجمہ البیان لکھوا رہے ہوں تو ترجمہ لکھنے یا طبع کرنے والے کسی مولوی کو خرید کر کسی وہابی دیوبندی ایجنسی نے کاظمی صاحب کے ترجمہ میں کسی ضمیر فروش مولوی سے گناہ و

خلافِ اولیٰ کے الفاظ درج کرادیے ہوں۔

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خُدا نہ دے
دے آدمی کو مَوت پر یہ بدبلا نہ دے

ذنب کے متعلق:

الذنب. الاثم والجُرم والمعصیّة.

ذنب گناہ، جُرم اور بدعملی کو کہا جاتا ہے۔

(لسان العرب از امام محمد ابن مکرم مصری ص ۳۸۹)

الاثم۔

اسمٌ لا فعال المبطئیة عن الثواب۔ اثم ایسے افعال کو کہتے ہیں جن کے کرنے سے آدمی ثواب سے محروم ہوجاتا ہے۔

(مفردات امام راغب ص ۸)

ہر نبی و رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذنب، اثم، جُرم اور معاصی سے پاک مُبرّا اور معصوم ہوتا ہے۔

عصمت:

حقیقة العصمة ان لا یخلق اللّٰہ تعالیٰ فی العَبد الذنب مع بقاء قدرتِہٖ و اختیارہٖ

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے میں ذنب باوجود بندے کی بقااور اس کے اختیار کے پیدا نہ کرے۔

(شرح عقائد، علّامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ)

بل ماھیة العصمة عند اھل سُنّت ان لا یخلق اللّٰہ الذنب فی العبد.

اہلِ سُنّت کے نزدیک عِصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے میں ذنب (گناہ) پیدا ہی نہ کرے۔

(حاشیہ لعصام علی شرح العقائد مولانا عصام الدّین متوفی ۹۴۲ھ)

وقد تقرر ان العصمة عند المتکلمین ان لا یخلق اللّٰہ فی النّبی ذنباً.

علما متکلمین میں عصمت کی تعریف یہ ہے کہ خدا، نبی میں کوئی گناہ پیدا نہیں کرتا۔

(نسیم الریاض، علّامہ شہاب الدین متوفی ۱۰۶۹ھ)

وھی عندنا ان لا یخلق فیھم ذنباً وَھِی عند الحکماملکة تمنعُ الفجور

ہمارے نزدیک عصمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، نبیوں میں گناہ پیدا نہیں کرتا، حکما کے نزدیک عصمت ایک ایسا ملکہ ہے جو برائی سے روکتا ہے۔

شرح مواقف میر سیّد شریف علی جرجانی متوفی ۸۱۶ھ

وعدم خلق اللّٰہ الذنب فی العبد ....

خدا تعالیٰ کا بندے میں گناہ کو پیدا نہ کرنے کا نام عصمت ہے۔

نبراس ص ۵۵۲ علّامہ عبدالعزیز پرہاروی۔

مذکورہ حوالہ جات سے آپ نے دیکھ لیا، ذنب اور عصمت ایک دوسرے کی ضِد ہے۔ ذنب والا معصوم نہیں اور معصوم ذنب والا نہیں۔ مذنب نہیں۔

الضدّان لا یجتمعان. اصُول فقہ

ذنب کا ترجمہ مجازِ عقلی کی بناپر مضاف الیہ امت بنا کر کرنے سے عقیدۂ عصمت محفوظ رہ سکتا ہے۔

یہی ترجمہ مجدّد دین وملّت نے اختیار فرمایا جس میں وہ منفرد نہیں جسے ہوا خواہاں نے منشاے خدا کے خلاف ترجمہ کرنے والا کہا۔

ذنب سے ذنب اُمّت فرمانے والے اکابرین۔

۱۔ امام اہلِ سُنّت مجدّدِ اُمّت علّامہ فخر الدّین رازی متوفی ۶۰۶ھ

۲۔ امام علّامہ ابو اللیث سمرقندی متوفی ۳۷۳ھ

۳۔ امام الصُوفیا صاحب الحقائق محمد بن حُسین ابو عبد الرحمٰن سلمی نیشاپوری، طبقات الصوفیا متوفی ۴۱۲ھ

۴۔ امام مسلک قاضی عیاض مالکی رحمۃُ اللہ علیہ، الشفاء

ص ۱۳۸ ج ۲ مصر

۵۔ امام ابو العباس احمد بن محمد سہل بن عطاء الزاہدی بغدادی متوفی ۳۹۹ھ

۶۔ امام ابو القاسم ھبۃ اللہ بن سلام بغدادی الناسخ والمنسوخ ۴۱۰ھ

۷۔ امام مذہب ملاعلی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ شرح شفا ص ۱۷۵ ج ۴

۸۔ امام حقیقت علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض ص ۱۷۵ ج ۴

۹۔ امام ابوحیان اندلسی تفسیر البحر المحیط ص ۵۲۸ ج ۴ بیروت

۱۰۔ امام حنفیت علامہ نسفی تفسیر مدارک التنزیل ص ۵۴۵ ج ۳

۱۱۔ امام تفسیر سیّد محمود آلوسی رُوح المعانی ص ۷۷ ج ۱۳ ملتان شریف

۱۲۔ امام واعظ علامہ مُلّا مُعین کاشفی، تفسیر حُسینی ص ۱۰۷۰

۱۳۔ امام شریعت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی، نُور العرفان ص ۵۷۷

۱۴۔ امام الفقاہت سیّد محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ احکام القرآن ص ۳۸ ج ۱

۱۵۔ امام التصوّف شیخ اکبر ابن العربی، فتوحاتِ مکیہ ص ۳۳۸ ج ۱۳

۱۶۔ امام المعارف علی شریف جرجانی، شرح المواقف ص ۲۷۹ ج ۸

۱۷۔ امام العلوم والفنون تفتازانی مختصر معانی

مذکورہ زعماءائمہ کرام ذنبک کا ترجمہ ذنبِ مؤمنین اُمّتک کرنے والے ہیں یہاں اکیلے مترجم امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نہیں جسے سعیدی صاحب نے اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کا نشانہ بنالیا ہے اور کئی غیر ضروری ابحاث پر قلمی جولانیاں دکھا کر عاشقانِ رسول کو اپنے سے نیچا دکھلانے کی سعی ناتمام، ناکام بلکہ بدنام سامنے لا رہے ہیں۔ ترجمہ ذنب، مغفرتِ ذنب، لام تعدیہ کہ تعلیلیہ اور مغفرتِ ذنب کو حضور کے لیے مغفرت کا اعلانِ کلی خصوصیت عظیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کررہے ہیں۔

شاعر کی نوا ہو کہ مُغنی کا نفس ہو
ہو جس سے چمن افسردہ وہ بادِ سحر کیا
اے اہلِ نظر! ذوقِ نظر خُوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے نظر کیا

حضرت سعیدی صاحب کی دُھن:

حضرت کی دُھن کہ ذنب منسوب بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے لہٰذا مغفرتِ رسُول ہے اور بس حالانکہ لم یکن للبنی ذنب فما ذا یغفـر لـه ... اس دُھن کے خلاف کوئی بھی نظر آیا وہ غیر صحیح، غلط، مخدوش، مردُود ہے اگر چہ وہ ممدوح عالم کیوں نہ ہو، مجدّد و مُفتی کیوں نہ ہو غیر معتبر ہے اور اس دھن میں نہ معلوم کتنے طالب علم ساتھی، مَسلک کے گول مول، غیرتِ ملی سے نا آشنا محبتِ ایمانی سے نابلد، جذبۂ اسلامی سے کورے، دُنیوی شُہرت کے خواہاں دُھنے گئے۔

ان ہمنواؤں میں کچھ تو صرف بے سوچے سمجھے ہمنوائی کی حد تک دھن میں ہم آواز نظر آئے اور کچھ سوچ سمجھ کر ابوالخیر بَن کر حضرت سعیدی صاحب کے تتبع میں مغفرتِ ذنب کا نغمہ اَلا پتے حضرت سعیدی صاحب سے بھی ایک دو قدم آگے بڑھ گئے۔ حضرت سعیدی صاحب نے ذنب کو منسُوب الیٰ الرسول صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارتکاب تو کیا لیکن ترجمہ نہیں کیا اور اگر ترجمہ کیا تو ذنب "بمعنی خلاف اولیٰ کام" کیا۔ اگر چہ دونوں باتیں غیرت مند سُنی کے لیے باعثِ آزار ہیں، ذنب کا ترجمہ نہ بھی ہو تو ذنب، ذنب ہی رہے گا، ذنب ہر حال میں ذنب ہے گناہ ہے جس سے اللہ کا ہر نبی و رسُول پاک ہے۔ اور اگر

ذنب کا ترجمہ خلاف اولیٰ ہے۔ نبیِ اولیٰ کی صفت غیر اولیٰ نہیں ہو سکتی۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط نبی کی ہر اَدا، ہر پیروی احسن، اولیٰ، اجمل واکمل ہے۔

الغرض اُن کے ہر مُو پہ لاکھوں دُرود
اُن کی ہر خُو و خصلت پہ لاکھوں سلام

نبی کا ہر فعل اولیٰ ہے۔ اُمّتی یہ حق نہیں رکھتا کہ آقا کی سنّت کو غیر اولیٰ کہے، جو کیا اچھا کیا، کرنا بھی اولیٰ نہ کرنا بھی اولیٰ۔

حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ

اور مذکورہ ہر دو طریقوں سے سعیدی صاحب کی طرح کوئی طریقہ بھی اختیار کر کے تحقیقی انیق کے پاپڑ بیلتے رہنا دل آزار باعث سد بار ہوگا اور یہ کام اپنانے والے کا انجام بہت بے قرار اور بیمار ہوگا۔

علمے کہ راہِ حق نماید جہالت است

اور علاّمہ سعیدی صاحب سے ان کے نظریہ کو اپناتے ہوئے ایک دو قدم آگے بڑھنے والے صاحبزادہ مولانا ابُوالخیر پیر محمد زبیر صاحب نے ذنب کو با ترجمہ اپنی تحریر و تقریر میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے رَاَیٰ سُوْءَ عَمَلِهٖ حَسَنَةٌ کے پیشِ نظر بہت کچھ کہتے ہوئے یعنی مسلکِ رضا والے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اعلیٰ حضرت رحمۃُ اللہ علیہ کو نبیوں، وَلیوں بلکہ خود حضور امام الانبیا صلّی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔

ایضاً یہ فرقہ مرزائیوں، خارجیوں اور پرویزیوں کی طرح خطرناک ہے۔

(مغفرت ذنب از صاحبزادہ ص ۳-۱۳)

وہ کچھ کہہ ڈالا جو نہ کہنا تھا۔

گھائل تیری نگاہ کا بنوعِ دگر ہر ایک
زخمی کچھ ایک بندہ درگاہ ہی نہیں

جن کے ردِّ عمل میں جواباتِ رضویہ از عالم ربّانی، محقق لاثانی علاّمہ غلام مہر علی اور کتاب معرکۂ ذنب از علاّمہ غلام مہر علی منصۂ عام پر پیش ہوئی۔

سمجھتے تھے رہے گی جنگ محدود و گل و بُلبل
مگر تخریبِ نظمِ گلستاں تک بات جا پہنچی

ابھی ابھی یہ بات صاحبزادہ ابُوالخیر علاّمہ محمد زبیر صاحب، رُکن الاسلام حیدر آبادی اور آپ کے متعلق اس معاملہ میں مزید کچھ لکھنا چاہتا تھا کہ حضرت مولانا بشیر القادری صاحب خطیب مسجد سُبحانی اورنگی ۱۳ کراچی سے ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ قائدِ اہلِ سنّت علاّمہ الشاہ احمد نورانی میاں صاحب رحمۃُ اللہ علیہ نے ایک کثیر تعداد جماعت کے سامنے اِس نظریۂ ذنب کے متعلق مخالفتِ اعلیٰ حضرت سے مراجعت لکھوالی تھی اور وہ تحریر میرے پاس ہے میں پہلی فرصت میں پیش کر دوں گا۔ لہٰذا بس...... اور دُعا ہے اللہ تعالیٰ ان کے پیش رو علاّمہ سعیدی صاحب کو دیگر مسائل میں مراجعت کرنے کی طرح یہاں بھی مراجعت کی توفیق نصیب فرمائے۔

از کنز و ھدایہ نتواں یافت خُدا را
یک پارہ دِل خواں کہ کتابے بہ ازاں نیست

علاّمہ سعیدی صاحب نے ترجمۂ اعلیٰ حضرت رحمۃُ اللہ علیہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ اور اس کے مواقف و مُطابق اکابرین علمائے کرام وصوفیائے کرام کے ترجمہ کے خلاف جس انداز کو اختیار فرمایا ہوا ہے وہ ہر ذی شعور کے سامنے ہے۔ کتنے دل اندوگیں ہوئے، کتنے ضمیر بے یقین ہوئے اور کتنے مخلص بے تمکین ہوئے بلکہ مبرّا عن الدّین ہوئے۔

دِل کے پھپھولے جَل اُٹھے سینے کے داغ سے
اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اگرچہ اس آگ سے مختلف مقامات مُلک و غیر مُلک سے سوختاں کی چیخیں، پکاریں، سسکیاں جہاں زمانے نے سُنیں علاّمہ سعیدی نے بھی سُنی ہوں گی۔ لاہور، گوجرانوالہ، چشتیاں شریف، ملتان

شریف، رحیم یار خاں، حیدر آباد اور خود کراچی سے دَرد کی آہیں اُٹھیں اِن تمام میں میرے نزدیک آہ بصُورت مغفرتِ ذنب مقالہ از سیّدی مخدومی محقّقِ اہل سنت محترم علامہ مفتی سیّد شاہ حسین گردیزی دامت برکاتہم العالیہ طویل تشریح سعیدی پر اطول تصریح گردیزی ہے جس میں تقریباً ہر مسئلہ صَرفی نحوی منطقی روایات و درایات پر علمی و اَدبی ابحاث ہیں جو یانِ راہ کے لیے کافی حد تک سامانِ خیر میسّر آ سکتا ہے۔

دیکھ! اس قوم کی تذلیل نہ ہونے پائے
اَپنے ایوان میں جس قوم کی آواز ہے تُو

علاّمہ سعیدی صاحب نے ترجمۂ اعلیٰ حضرت اور دیگر ہم مسلک و مذہب بزرگوں کے خلاف اپنی لمبی اور طویل تشریح و تحقیق میں زیر و بَم کے طعن کا تان اَلا پتے ہوئے کہ: جس ترجمہ میں مغفرت کا تعلّق اگلوں پچھلوں کے ساتھ کیا گیا ہے وہ لغت، قرآن مجید کی بکثرت آیات میں انبیا علیہم السّلام کے ساتھ مغفرت کے تعلّق، نظمِ قرآن، احادیث، آثار اور فقہاِ اِسلام کی تصریحات کے خلاف ہے اس لیے وہی ترجمہ صحیح ہے جس میں مغفرت ذنوب کا تعلّق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ الخ

(شرح مُسلم ص ۳۴۶)

سب سے آخر میں فرماتے ہیں:

ہم نے اَپنے اکابر کے جس ترجمہ پر تنبیہ کی ہے وہ ترجمہ ہر چند کہ لُغت، اسلوبِ قرآن، احادیثِ صحیحہ، آثارِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم مُستند علما کے اقوال اور خود ان اکابر کی تصریحات کے خلاف ہے...... اس ترجمہ کی اصل عطا خراسانی اور شیخ مکّی کے اقوال میں موجود ہے۔

(شرح صحیح مسلم ص ۳۴۶)

جیسے ہر مؤید و مصدق متقدمین یا متاخرین یا معصرین میں ہو، سعیدی کے نزدیک وہ خلافِ تحقیق ہے اسی طرح کیونکہ عطا خراسانی بھی اسی نشانے پر تھے، ان کے تمام مناصب اور مراتب کو قابلِ ذکر نہ سمجھتے ہوئے اپنی تشریح میں ان کے متعلّق کچھ منفی رائے رکھنے والے علما کا نام مثلاً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ضعفا میں بتایا امام ابن حبان نے حافظہ کا ردی کہا اور بتایا کہ وہ خطا کرتے اور خطا کا انہیں علم نہیں ہوتا تھا، اس لیے ان کی روایات سے استدلال کرنا باطل ہے۔

(شرح مسلم ص ۳۲۴ ج ۷)

اور اسی صفحہ پر ایک اور عطا خراسانی ۱۶۳ھ میں فوت ہونے والے کا ذکر کیا۔ کہ عطا خراسانی بہت بد شکل تھا، یہ تناسخ کا قائل تھا، حلول کا قائل تھا...... اور الوہیت کا مدعی تھا۔

(شرح مسلم ص ۳۲۴)

یہاں اِس کی اِس طور میں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور وہ عطا خراسانی جو ۱۳۵ھ میں فوت ہو گیا وہ اور تھا۔ وہ ایک مفسر، محدّث تابع شبِ زندہ دار پرہیز گار تھا، کبار میں شامل تھا۔

۱۔ عطا خراسانی رحمۃُ اللہ علیہ بن عبدُ اللہ الخراسانی ہی عطا ابن مُسلم ہیں۔

۲۔ عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن اسعدی رضی اللہ عنہم نے ان سے روایات کی ہیں جو مراسیل میں شمار ہیں۔

۳۔ وہ کثیر الارسال شخص تھے۔

۴۔ حضرت انس، حضرت سعید ابن مسیّب، حضرت عکرمہ، حضرت عروہ رضی اللہ عنہم سے اور دیگر حضرات سے روایات کیں۔

۵۔ اور ان سے ان کے بیٹے امام عثمان، امام اوزاعی، امام معمر، شعبہ، امام سفیان یحیٰ بن حمزہ، اسمٰعیل بن عیاش رضی اللہ عنہم نے روایات کیں۔

۶۔ آپ نے حضرت عبدُ اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھا تھا۔

۷۔ امام نسائی نے فرمایا کہ ان کی روایت میں کوئی حَرج نہیں۔

۸۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ ابوایّوب، عطا ابنِ میسرہ، عروہ

بن عروہ بن رویم رحمۃ اللہ علیہم ان سے روایت کرتے تھے۔

۹۔ امام احمد بن حنبل، یحیٰ ابنِ معین عجلی اور یعقوب بن شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا وہ ثقہ تھے۔

۱۰۔ ابوحاتم نے فرمایا لاباس بہ اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں وہ اللہ کے نیک بندے تھے۔

۱۱۔ امام دارقطنی نے فرمایا وہ ثقہ تھے اور اسی طرح امام ترمذی نے فرمایا وہ ثقہ تھے ان سے مالک، معمر رضی اللہ عنہما جیسے بزرگوں نے روایت کی۔

۱۲۔ امام ترمذی نے فرمایا وہ ثقہ تھے لم اسمع ان احدًا من المتقدمین تکلم فیہ۔ میں نے نہیں سُنا کہ متقدمین میں سے کسی نے اس کی ثقاہت پر اعتراض کیا ہو۔

۱۳۔ حضرت عثمان بن عطا فرماتے ہیں، میرے والد مسکین لوگوں میں بیٹھتے اور انہیں تعلیم دیتے۔

۱۴۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں، "طبقۂ تابعین میں یہ تین قابلِ ذکر ہیں:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، عطا ابن ابی رباح اور عطا بن مسلم الخراسانی رحمۃ اللہ علیہ۔ اور فرمایا سوائے ابنِ حبان رضی اللہ عنہ کے ان پر کسی نے جرح نہیں کی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، اور امام شعبہ رضی اللہ عنہ اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ثقہ کہا ہے۔"

(الاتقان)

آپ کے متعلق مماتی فرقے کے مشہور مولوی طاہر پیری نے لکھا ہے کہ عطا بن ابی مسلم خراسانی نے صحابہ سے مرسل وغیر مرسل طریقے سے روایت کیا انہیں امامِ جرح وتعدیل یحیٰ ابنِ معین اور امام المحدثین ابن ابی حاتم نے اپنے والد کے حوالے سے ثقہ کہا ہے۔

(نیل السائرین ص ۲۵ مردان)

ابن سعد نے کہا وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور ثقہ تھے اور حضرت انس کے شاگرد تھے۔ اسی طرح طبرانی نے فرمایا۔

(میزان الاعتدال مطبوعہ سانگلہ ہل ص ۳۷، ج ۳ تہذیب التھذیب ص ۱۹۰، ج ۷، نیل السائرین ص ۲۵ وغیرہ)

متاعِ دین و دانش لُٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

عطا الخراسانی رحمۃ اللہ نے ذنبک سے ذنب ابو یک آدم و حوّا لیا ہے۔ اس ترجمے میں آپ کا تسامح کہا جا سکتا ہے غیر صحیح اور غلط ترجمہ کہا جا سکتا ہے جیسے اکابرین متقدمین نے کہا لیکن ان کے ترجمے پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت خراسانی کا متبع کرنے والا کہنا ایک بڑی زیادتی ہے جیسے علامہ سعیدی صاحب نے امام اعلیٰ حضرت پاسدار عصمتِ انبیا، نگران مسلکِ علما، نگہبان مشربِ اولیا مہربان فقرا کو متہم کیا ہے۔

سُنّیت سے کھٹکے سب کی آنکھ میں
پھول ہوگئے ہیں خار ہم

درد

آ عندلیب مِل کے کریں آہ و زاریاں
تُو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل

شیخ العرب والعجم، مفسّر ومحقق معظّم، علوم کثیرہ کے عالم، محدّث و مجدّدِ اعظم، فقیہ و مفکّرِ دَوراں، پیشوائے زماں، مقامِ مصطفیٰ کے پاسبان، بے لوث مُرشد، بے داغ شخصیت، مقتدائے مقبول، عاشقِ رسول، پیر طریقت، سراپا برکت، ممدوحِ عالم، اہلسنّت کے امام، ذوالمجد والاحترام، الفاضل، الحافظ، القاری، سیّدی سندی آقائی ومولائی ذخری لیومی وغدی المفتی الشاہ احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

زمانہ حضرت کو غوث، قطب، ابدال، استاذ العلما، رئیس الفقرا، تاجدارِ فنون، سرالله المکنون وغیرہ جو کچھ کہتا ہے انہیں نبی کی طرح معصوم تو نہیں کہتا، وہ سب کچھ ہیں لیکن اِنسان ہیں۔ اگر ان میں کسی کو کوئی سقم، تسامح خلاف اور غلط بات نظر آئے تو وہ اختلاف کا حق

رکھتا ہے اور اکابرین و معاصرین کے اختلافات بھی دیکھے۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے داغ اِس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

لیکن افسوس! اور دَرد تو ایسے اختلاف سے ہے جسے بذاتِ خود دُرست صحیح سمجھے اور دوسروں کی سمجھ کو غلط اور غیر دُرست سمجھے۔

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اَوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزاں کا
شاید کہ زمیں ہو یہ کسی اور جہاں کی
تُو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں اگر ذنب کو بلا واسطہ نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں منسوب نہ کرنے اور مغفرتِ ذنب کو سرکار صلّی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس تشریح پر بات نہیں کی کہ شاید دیگر مسائل میں تغیر تبدل جائز نا جائز راجح مرجوح ناسخ منسوخ کی طرح اس تشریح پر نظر ثانی ہو جائے۔

لیکن علاّمہ سعیدی نے نا معلوم کیا کچھ سوچ کر اِس مخالفتِ اعلیٰ حضرت کے معاملے میں شدّت دکھائی کہ ہر ملنے والے کو مایوس فرماتے رہے۔

کیا خبر کتنے سفینے ڈبو چکی
کتاب مُلاّ و صُوفی کی ناخوش اندیشی

اور حضرت علاّمہ غلام رسول سعیدی صاحب تھے کہ ہر لحہ مخالفتِ اعلیٰ حضرت پہ تُل کر عقیدتوں کا خون کرنے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ نہ معلوم کیا نشہ تھا کہ امام اہلِ سنّت کو ایک عام آدمی سمجھ کر ان کی ہر دینی خدمت سے صَرف نظر کر کے انہیں غلطی کرنے والا مخدوش، اَپنے بزرگوں سے اختلاف رکھنے والا، خُدا کی منشا کے خلاف ذنب کو غیر نبی سے منسوب کرنے والا کہہ کر جماعت اہلِ سنّت بریلویہ سے نفرت دِلانے پر جتے ہوئے تھے ؏

چُوں کُفر از کعبہ برخیز و کُجا ماند مسلمانی

بلکہ ان دنوں راقم الحروف غیر معروف دیہاتی صحرائی بھی اَپنے اُستادِ معظم محدثِ اعظم سیّدی سندی مولانا ابو الفضل محمد سردار احمد صاحب فیصل آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے تحت (کہ اپنے ہم مسلک علما اور اولیا سے جہاں جاؤ ملتے رہا کرو) حاضر ہوا تو درسگاہِ سعیدی میں اتفاقاً وہاں دیگر علمائے کرام بھی موجود تھے اور امام اہلِ سنّت کی شاعری پر تبصرہ اور اعتراض پر محفل گرم تھی اور اس بات پر بحث تھی کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر کہ۔

کون دیتا ہے دینے کو مُنہ چاہیے
دینے والا ہے سچّا ہمارا نبی ﷺ

درست نہیں تو فقیر نے عرض کی کہ لینے دینے کے لیے منہ دیکھے جاتے ہیں حُضورِ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا:

اُطْلُبُوا الْحَوَآئِجَ مِنْ حِسَانِ الْوُجُوْہِ

تو سعیدی صاحب نے فوراً فرمایا یہ حدیث ہی نہیں دیگر علمائے کرام تھے جن کی اکثریت علاّمہ سعیدی کی تائید میں نظر آئی۔ فقیر یہاں سے طوطی بہ نقار خانہ کے تصور سے بلا بحث واپس آ گیا اگلے دن چند حوالے کتبِ علما سے لے کر گیا تو سعیدی صاحب نے فرمایا میں نے کہیں دیکھا کہ کسی عالم دین نے اس کو حدیث ماننے سے انکار کیا ہے لیکن عرضِ ثبوت پر خاموش ہو گئے جبکہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت سے برسوں پہلے اس حدیث کی مطابقت میں رقم فرما دیا ہے کہ۔

ہر حاجت بہ نزدیکِ ترشرو
کہ از خوئے بدش فرسودہ گردی

اِن دنوں عرسِ حضرت خطیبِ پاکستان مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی پر تشریف لائے ہوئے شیخ القرآن ابُو البیان علاّمہ غلام علی اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے علاّمہ کوکبِ نُورانی کے گھر میں راقم الحروف کی ملاقات ہوئی اور علاّمہ سعیدی صاحب کے متعلّق بھی ذکر تشریح

لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہ ہوا۔

تو حضرت مولانا شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے موجودہ حاضرین کے سامنے فرمایا، مولانا گلتر صاحب! اس معاملے میں آپ سعیدی صاحب سے زیادہ نہ اُلجھو۔

بس تجربہ کردیم دریں دیرِ مکافات
بادرد منداں ہر کہ در اُفتاد اُفتاد

حضرت نے سردست ایک مرقومہ پرچہ بھی مجھے تھما دیا جو میرے پاس اب بھی موجود ہے جو متعلق لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ ہے۔

اور یہی ہدایت وتلقین فرمائی کہ قدرت سے ایسے دریدہ دہنوں اور اکابر پر خواہ مخواہ اعتراض کر کے نیچا دکھانے والوں اور مسلک و مذہب کا شیرازہ بکھیرنے والوں کو سبق جلد تر مل جاتا ہے۔

چوں خُدا خواہد کہ پَردہ کس دَرَد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند
بے اَدب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ ایں آفت ہمہ آفاق زد

اس پر فقیر بھی خاموش اور فقیر کے ملنے والے اکثر رضوی سُنّی دوست بھی خاموش دیکھے گئے اکثر اہلسنّت کے مختلف جرائد اور کُتب اس نظریے پر تبصرے طبع کرتے رہے۔

فقیر تو حسبِ استطاعت تشریح سعیدی کی سخت رَوی اور باغیانہ تحریر کے جواب سے خاموش رَہا لیکن حال ہی میں کچھ محققانہ اور مخلصانہ مضامین نظر سے گُورے۔

فقیہِ شہر کی تحقیر کیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کُشاد

ان میں "کنزالایمان پر اعتراضات کا آپریشن" از قلم مفتی محمد عبد المجید سعیدی رضوی، رحیم یار خاں۔ اور "مغفرت ذنب" از قلم مفتی پیر مولانا شاہ حسین گردیزی، کراچی اگرچہ علاوہ ازیں گرد و پیش سے سعیدی صاحب کی تحقیق وتشریح وایرادات کے جوابات وارد ہو رہے ہیں لیکن ان ہر دو رسالوں میں کافی وشافی دائرہ اَدب میں مواد موجود ہے ورنہ۔

بنے ہیں سنگدل مجبور ہو کر اس ستمگر سے
جواب آخر انہیں دینا پڑا پتھر کا پتھر سے

پھر علّامہ محقق گردیزی صاحب کے مضمون "مغفرت ذنب" پر تائید وتصدیق فرمانے والے علما پر ایک مضمون کو دارالعلوم نعیمیہ کراچی سے نکلنے والے رسالہ "النعیم" مارچ ۲۰۰۰ء میں خود نوشتہ حضرت سعیدی لیکن اپنے کو محدّثِ اعظم کہلوانے کے لیے از تحریر مولانا محمد نصیر اللہ نقشبندی مدیر اعلیٰ ماہنامہ النعیم کراچی طبع کرادیا۔

یہ حق جُوئی اور صدق کی وفاداری۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا دینِ حق پہچان کر
ہم ہوئے مُسلم تو وہ مُسلم ہی کافر ہوگیا

حضرت علّامہ سعیدی صاحب کی اعلیٰ حضرت رحمۃُ اللہ علیہ کے ترجمے کو غلط ثابت کرانے والی تشریح ناروا پر دُکھ سے مجبور ہو کر گذارشات کے لیے تو بہت سارے مواقع ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے بطفیلِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اَب صرف دُعا ہے یارب ہمیں دین و ملّت کے نفع ونقصان سے بے نیاز ہو کر ایسا کرنے سے بچا کہ مولانا نصیرُ اللہ صاحب جیسے کئی طالب علم اس سوچ قاہرانہ سے مُتاثر ہو کر مُستقبل میں یہ نہ کہیں کہ۔

چیست یاراں بعد ازیں تدبیرِ ما
رُخ سوئے میخانہ دارد پیرِ ما،
شیخ از سِر نبی بیگانہ شُد
بعد ازیں بیت الحرم بُت خانہ شُد

x......x......x

کنزالایمان فکرولی اللّٰہی کا سچا ترجمان

پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم☆

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے۔ اس ملک میں ہزاروں رنگ ونسل کے لوگ بستے ہیں۔ سب کے مذاہب جداگانہ ہیں، ہندو مسلم سکھ عیسائی جین بودھ دھرم کے پرستار ہندوستان میں موجود ہیں۔ ہر مذہب کے پرستاروں میں مختلف افکار ونظریات کے حامل لوگ پائے جاتے ہیں۔ اس روئے زمین پر شاید ہی ایسا کوئی مذہب ہو جس کے اصولوں پر تمام رنگ ونسل کے لوگ یکساں اتفاق رکھتے ہوں یہ امر واقعہ ہے اس دنیا میں جتنے مذاہب پائے جاتے ہیں سبھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک دوسرے مذاہب کے پرستار اپنے آپ کو سب سے اعلیٰ وارفع سمجھتے ہیں تمام مذاہب میں باہمی اتحاد تو غیر ممکن ہے ہی ایک مذہب کے ماننے والے بھی نظریاتی طور پر باہم متحد نہیں ہندو دھرم ہی کو لیجئے اولاً تو اس مذہب کا کوئی بانی نہیں جتنے متضاد نظریات اس مذہب میں پائے جاتے ہیں شاید ہی کسی اور مذہب میں پائے جاتے ہوں۔ جو پتھروں کی پوجا کرتے ہیں وہ بھی اپنے کو ہندو کہتے ہیں جو پتھروں کی پوجا پر یقین نہیں رکھتے انہیں بھی ہندو کہا جاتا ہے، رام کی مالا جپنے والے بھی ہندو ہیں اور راون کو اپنا مذہبی رہنما تسلیم کرنے والے بھی ہندو ہیں اس مذہب کے تین اہم فرقے ویشنو، شیو اور شاکیت ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہندو مذہب میں جتنے نظریات وخیالات پائے جاتے ہیں اس کی مثال اور دوسرے کسی مذہب میں مشکل سے ہی ملے گی۔ راجندر نارائن لال بنارسی بنارس ہندو یونیورسٹی لکھتے ہیں۔

انتہائی آستک شنکر آچاریہ کے پیروکار بھی ہندو ہیں اور ناستک جینی اور بائیں بازو والے کیمونسٹ بھی ہندو پیاز لہسن تک نہ کھانے والے بھی ہندو ہیں اور انتہائی ناپسندیدہ چیزیں کھانے والے اوگھڑ بھی ہندو ہیں، پیتامبر پیلے کپڑے پہننے والے سادھو بھی ہندو ہیں اور مادر زاد ننگے رہنے والے سادھو بھی ہندو ہیں ویشنو میں گوشت خوری منع ہے شاکتوں میں گوشت خوری جائز ہے۔ ہندو اصولی طور پر توحید پرست ہیں اور عمل سے بہت سے معبودوں کو ماننے والے (بہودیووادی یا مشرک) ہیں، اصولی طور پر ہندوؤں کا ایشور کا تیار کردہ دھرم گرنتھ وید ہے لیکن شمالی بھارت میں واقعی طور پر رام چرت مانس ہے جنوب میں ہندوؤں کے تصورات بالکل مختلف ہیں۔"(۱)

سطور بالا میں بطور مثال صرف ہندو دھرم کا ذکر کیا گیا ہے یہی حال دوسرے مذاہب کا بھی ہے۔ مذہب اسلام آسمانی مذہب میں سے ہے اور یہ مذہب پوری دنیا کے انسانوں کے لئے ہے اس مذہب میں جس خدا کی عبادت کا حکم دیا ہے وہ رب العالمین ہے اور جس پیغمبر کی اتباع اور پیروی کا حکم دیا گیا ہے وہ رحمۃ اللعالمین ہے۔ یہی مذہب دین فطرت ہے اور تمام اللہ کے بندوں کے لئے ہے۔ پنڈت وید پرکاش اپادھیائے نے کالکی اوتار (ہادی عالم) کے نام سے ایک مقالہ لکھا جس میں انہوں نے واضح لفظوں میں ہندوؤں کو اس مذہب کو قبول کر لینے کی دعوت دی۔

"ہندو مذہب کے ماننے والے جس کالکی اوتار کا انتظار کر رہے ہیں وہ درحقیقت محمد ﷺ کی ذات اقدس ہے جس کا ظہور آج سے چودہ سو سال قبل ہو چکا ہے لہٰذا ہندوؤں کو اب کسی "کالکی اوتار" کے انتظار میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے اور فوراً اسلام قبول کر لینا چاہئے"(۲)۔

مذہب اسلام ہی خدا کا وہ واحد مذہب ہے جو تا قیام قیامت رہے

☆صدر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

گا اب نہ کسی نئے مذہب کے آنے کی توقع ہے اور نہ ہی کسی پیغمبر کے آنے کا امکان اس مذہب کی تکمیل الیوم اکملت لکم دینکم کے ذریعہ رب العزت نے پیغمبر آخر الزماں احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ ﷺ پر فرمادی۔ اس مذہب کے جتنے پیروکار ہیں سب کو اتحاد و اتفاق کے ساتھ مذہب اسلام کی اتباع کر لینی چاہیئے اور جس طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام اخلاص دل کے ساتھ اسلام کی پیروی کر کے خیر الناس اور ان کا دور خیر القرون کہلانے کا مستحق ہوا اسی طرح بعد کے ادوار میں پیروان اسلام کو بھی کرنا چاہیئے مگر ایسا نہ ہو سکا مرور ایام کے ساتھ پیروان اسلام کے ذہن و فکر میں تبدیلیاں ہوتی گئیں اور وہ تمام چیزیں جسے صحابہ و تابعین نے جزء ایمان سمجھا وہ بعد کے مسلمانوں نے غیر ضروری سمجھ کر اسے ترک کر دیا۔ کتاب و سنت کی ایسی تشریحیں کی گئیں جس سے مختلف نظریات ابھر کر سامنے آگئے اور یہ سلسلہ صدیوں تک چلتا رہا دور آخر میں ملت اسلامیہ کی اس نظریاتی کشمکش کو فروغ دینے میں انگریزوں نے اہم کردار ادا کیا اور ملت اسلامیہ کا رہا سہا شیرازہ منتشر کرنے کی انہوں نے ہر ممکن جدوجہد کر ڈالی اپنی اسی سازش کا سر بزم پردہ چاک کرتے ہوئے انگریز مصنف سر جان میلکم لکھتا ہے۔

"ہماری حکومت کی حفاظت اسی پر منحصر ہے کہ جو بڑی جماعتیں ہیں ان کو تقسیم کر کے ہر جماعت کو مختلف طبقوں اور فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تاکہ وہ جدا رہیں اور ہماری حکومت کو متزلزل نہ کر سکیں۔" (۳)

انگریز اپنی اس سازش میں پوری طرح کامیاب رہے اور مسلمان باہمی اختلاف و انتشار کا جس طرح شکار ہوئے اس سے ہندوستان کا ہر باشندہ واقف ہے۔ اسلام کی تاریخ میں اسلامی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے ہندوستان میں شیعیت کا فتنہ رونما ہوا شیخ احمد سرہندی نے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی تحریروں سے رسالہ رد روافض اور تحفہ اثنا عشریہ لکھ کر اس فتنہ کو سرد کیا حضرت شیخ سرہندی نے اپنے مکتوبات میں باضابطہ اپنے متبعین و پیروکاروں کو مذہب اہل سنت پر عمل پیرا ہونے کی درج ذیل الفاظ میں تاکید فرمائی۔

"اہل سنت کے معتقدات پر مدار اعتقاد رکھیں اور زید و عمر کی باتوں پر توجہ نہ دیں اور مذہبوں کے خود ساختہ خیالات و توہمات پر مدار کار رکھنا خود کو ضائع کرنا ہے فرقہ ناجیہ کی اتباع ضروری ہے تاکہ امید نجات پیدا ہو" (۴)

فتنوں کے ظہور کا یہ سلسلہ بند نہیں ہوا آئے دن نئے نئے فتنے جنم لیتے رہے اسلام کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے جو رہی سہی کسر تھی اسے انگریزوں نے پوری کر دی، انگریزوں کے ہندوستان میں قدم جماتے ہی مزید کئی نئے فتنوں نے جنم لیا یہ فتنہ اٹھارویں صدی کے آغاز میں ہندوستان میں فتنۂ وہابیت نمودار ہوا یہ فتنہ ابن تیمیہ حرانی اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد و نظریات پر مشتمل تھا جس کی اشاعت ہندوستان میں شاہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد رائے بریلوی نے کی اور اس فکر کی اشاعت کے لئے تقویۃ الایمان جو دراصل کتاب التوحید مصنفہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کا چربہ ہے اردو میں شائع کیا۔ اور یہ کام ۱۸۳۸ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ نے انگریزوں کی سرپرستی میں انجام دیا، ہزاروں کی تعداد میں یہ کتاب مفت تقسیم ہوئی اس کتاب کے مباحث کی تردید میں سیکڑوں کتابیں لکھی گئیں جن میں خود مصنف کے خاندان کے لوگ شامل تھے۔ مولوی مخصوص اللہ جو مولوی رفیع اللہ کے صاحبزادے اور حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے تھے انہوں نے بھی معید الایمان کے نام سے تقویۃ الایمان کا رد لکھا ان کی تردیدی تحریر منظر عام پر آتے ہی پھر جو یہ سلسلہ دراز ہوا تو ہوتا ہی چلا گیا اور کسی نہ کسی شکل میں اس کتاب کے مندرجات کی تردید صدیاں گزر جانے کے بعد ہنوز علمائے حق کی زبان و قلم سے جاری ہے۔ شاہ اسماعیل دہلوی ولی اللّٰہی خاندان کے ایک فرد ضرور تھے مگر فکر ولی اللّٰہی جسے اس دور میں حق کا معیار سمجھا جاتا ہے اور جس پر علمائے حق عمل پیرا

ہیں اس سے وہ کوسوں دور تھے۔

الغرض یہ اسلام مختلف نشیب وفراز سے گذرتا ہوا ہم تک پہنچا کبھی یزیدی فتنہ نے اس کی شکل کو مسخ کیا تو کبھی سبائیوں نے اس کا چوکھا رنگ دھندلا کیا، کبھی قادیانیت نے اس کے نقش ونگار کو پھیکا کیا تو کبھی وہابیت اور غیر مقلدیت نے اس کے مسلمہ اصولوں کے ساتھ کھلواڑ کیا ایک زمانہ تو وہ آ گیا کہ نبی کو مردہ ماننا صرف نہیں بلکہ مٹی میں مل جانا، نبی کو مجبور محض ماننا، نبی کے علم کو شیطان کے علم سے کمتر جاننا ضروریات دین سے سمجھا گیا اور پیروکاروں کو یہ بتایا گیا اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی ﷺ میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور یہ بھی اسلامی عقیدہ بتایا گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم غیب بالواسطہ کل ہوگا یا بعض کل تو عقلاً محال ہے اور اگر بعض ہے تو ایسا علم ہر صبی (بچے) مجنوں (پاگل) حیوانات بہائم (چوپایوں) کو بھی حاصل ہے اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی کیا تخصیص ہے؟۔ نبی رحمت کی رحمت اللعالمینی پر بھی قینچی چلائی گئی اور یہ کہا گیا وہ عالمین کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف مسلمانوں اور مسلمانوں میں وہ لوگ جو مکلف بہ اسلام ہیں صرف ان کے لئے رحمت ہیں الغرض ان باطل نظریات نے انیسویں صدی میں اسلام کا چہرہ بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا تھا اور اس صراط مستقیم پر بدعقیدگی کی ایسی دبیز چادر ڈال دی گئی کہ اصل اسلام کا راستہ کیا ہے لوگ تقریباً بھول گئے۔ انیسویں صدی میں جن فتنوں نے جنم لیا اس کے عقائد ونظریات یہ تھے۔ ایک غلط فہمی علمائے دیوبند میں یہ جاتی ہے کہ وہ دیوبندیت کو عصر حاضر میں فکر ولی اللّٰہی کا ترجمان سمجھتے ہیں جب کہ یہ سراسر حقائق کے خلاف ہے کیوں کہ خود مسلک دیوبند کے اکابر علماء اس سے انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ

"میرے نزدیک (دیوبندیت) خالص ولی اللّٰہی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خاص خانوادہ کی لگی بندھی فکر و دولت متاع، میرا یقین ہے کہ دیوبندیت جن کی ابتدا میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور فقیہ اکبر مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے۔۔۔ اس لئے اس دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے کرتا ہوں کیوں کہ دیوبندیت کے تو صرف یہی دو امام وقت ہیں" (۵)

اب یہ بات سطور بالا کی تحریروں سے واضح ہو گئی فکر ولی اللّٰہی نہ تو شیعیت کی علمبردار ہے اور نہ ہی فکر نجدیت و دیوبندیت کی غماز اور نہ ہی قادیانیت کی رہنما۔ فکر ولی اللّٰہی اپنے اصول ونظریات کے اعتبار سے زیادہ تر فکر رضا سے ہم آہنگ ہے جسے اس زمانہ میں اہل سنت وجماعت (بریلویت) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کی ولادت ۴ شوال ۱۱۱۴ھ کو چہار شنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت ہوئی ان کی ذات ستودہ صفات کے باعث ہی خاندان تاریخی شہرت واہمیت کا حامل بنا۔ والد ماجد شیخ عبدالرحیم دولت مند اور صاحب اقتدار نہ تھے متوسط درجہ کے انسان تھے۔ توکل پر گذر بسر ہوتا تھا، ہر وقت خدا پر نظر رہتی، اس کا نتیجہ تھا کہ ہمیشہ خوش حال رہتے، آپ نے اپنے فرزند کی اس طرح اعلیٰ سطح پر تعلیم وتربیت فرمائی کہ وہ اپنے زمانے کے سر برآوردہ علماء میں شامل ہو گئے، ہندوستان میں جس طرح آپ نے اکابر علم وفن سے اخذ فیض کیا وہ تو مسلم ہے ہی اس کے علاوہ آپ بقول شاہ ابوالحسن زید فاروقی۔

"شاہ ولی اللہ علم ظاہر وعلم باطن میں کمال حاصل کرنے کے بعد حرمین شریفین ۱۱۴۳ھ میں تشریف لے گئے وہاں علم ظاہر علمائے اعلام سے خاص کر علامہ ابو طاہر جمال الدین محمد بن برہان الدین ابراہیم مدنی کردی کورانی شافعی سے درجہ اکمال وتکمیل کو پہنچایا اور باطن کا تصفیہ تزکیہ صیقل اور جلا بیت اللہ المبارک، آثار متبرکہ، مشاہد مقدسہ، اور روضہ مطہرہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کی خاک روبی اور ان امکنہ

مقدسہ میں جبہ سائی نے اس سلسلے میں آپ کی مبارک تالیف فیوض الحرمین اور المشاہد المبارکہ شایان مطالعہ ہیں''(۶)

مسلک وہابیت سے وابستہ جولوگ اپنے کوفکرولی اللّٰہی کا سچا ترجمان مانتے ہیں ان کے عقائد ونظریات کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کس طرح ان لوگوں نے انہیں اپنا رہنما تسلیم کر کے ان کے عقائد پرضرب کاری لگائی ہے۔

وہابیت کی رہنما کتاب تقویۃ الایمان میں ہے ''جو کہے اللہ ورسول نے غنی کردیا وہ شرک ہے''

حالانکہ قرآن عظیم فرماتا ہے اغنٰھم اللہ ورسولہ من فضلہ(۷)

(اللہ ورسول نے انہیں دولت مند کردیا اپنے فضل سے)

تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ احمد بخش اور محمد بخش نام رکھنا شرک ہے۔

حالانکہ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب حضرت سیدتنا مریم کے پاس آئے تو فرمایاانما انا رسول ربک لاھب لک غلاما ذکیا(۸)(میں رب کا رسول ہوں اس لئے کہ میں ستھرا بیٹا دوں)

اس طرح کی عبارتوں سے پوری کتاب بھری ہے تقویۃ الایمان کی عبارتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد امام اہل سنت مولانا احمد رضا فرماتے ہیں۔

''وہابیہ کے شرک سے نہ ائمہ محفوظ نہ صحابہ نہ انبیاء نہ جبرئیل امین نہ خود رب العالمین(۹)

وہابیوں کے سرغنہ شاہ اسماعیل دہلوی کی دوسری تصنیف صراط مستقیم ہے۔اس کتاب میں یہ عبارت بھی پائی جاتی ہے۔

''از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است وصرف ہمت بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشد بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق درصورت گاو وخرخود است''(۱۰)

(نماز میں زنا کے وسوسہ سے بیوی کے ساتھ مجامعت کے خیال کو بہتر اور حضور علیہ السلام کی طرف توجہ لگانے کو گدھے اور بیل کے خیال میں مستغرق ہوجانے کے مقابلے میں بدتر قرار دیا گیا ہے)

فکرولی اللّٰہی کے نام سے اکابر علمائے دیوبند نے جوگلفشانیاں کی ہیں اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے چلیں مولانا محمد قاسم نانوتوی اپنی تصنیف تحذیر الناس میں فرماتے ہیں۔

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں''(۱۱)

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔

آپ(ﷺ) کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہوتو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا غیب تو زید عمرو بلکہ ہرصبی مجنوں بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے''۔(۱۲)

مولانا خلیل احمد انبیٹھوی فرماتے ہیں۔

الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان وملک الموت کا حال علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟۔شیطان وملک الموت کی یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے۔(۱۳)

یہ واضح رہے کی اس عبارت کو مصنف کے استاذ مولوی رشید احمد گنگوہی کی تائید بھی حاصل ہے کیوں کہ یہ کتاب انہی کے حکم سے تصنیف ہوئی ہے اور انہوں لفظاً لفظاً پڑھ کر اس کی تصدیق فرمائی ہے۔

کیا فکرولی اللّٰہی یہی ہے جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا یا اس سے ہٹ کر کوئی اور چیز ہے؟۔ اگر یہ شاہ ولی اللہ کی فکر نہیں تو وہابیت اور دیوبندیت کے اکابر واصاغر علما انہیں اپنے رہنما کے طور پر کیوں پیش کرتے ہیں؟۔ جب کہ واقعہ یہ ہے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار ونظریات ماضی میں حضرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے ہم آہنگ تھے بعد کے ادوار میں ان نظریات کی ترجمانی کافی حد تک امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں قادری نے کی جس کی تشہیر دور حاضر میں بریلویت اور بالفاظ دیگر مسلک اعلیٰ حضرت سے ہوئی۔ امام اہل سنت نے اپنی تمام تر تصانیف میں انہیں افکار ونظریات کی ترجمانی کی جن پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا عمل تھا اور شاہ ولی محدث دہلوی کی وہ تمام تصانیف جو غیر محرف ہیں ان سے بھی تقریباً وہی سب کچھ ثابت ہے جس کا ذکر امام اہل سنت نے اپنی تصانیف میں کیا ہے اگر ان کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے تو یہ مقالہ ضخیم کتاب کا متقاضی ہوگا۔ یہاں کنز الایمان جو امام اہل سنت فاضل بریلوی کا ترجمہ قرآن ہے بغیر کسی توضیح وتشریح کے اس کے ترجمہ کے ذریعہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار ونظریات کی ہم آہنگی دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کیوں کہ قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے جس سے ہی تمام مسالک کے لوگ اپنے افکار ونظریات کو جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں بعض مخلص نہ ہونے کے باعث گمراہ ہو جاتے ہیں اور بعض کو ہدایت مل جاتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "یضل بہ کثیراً ویھدی بہ کثیراً" اس لئے ضروری ہوا کہ بتایا جائے کہ کنز الایمان کے ترجمہ میں کس قدر فکرولی اللّٰہی سے ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور کتاب اللہ سے اپنے افکار ونظریات کو مربوط کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ شاہ صاحب کی وصیت تھی کہ اعتقاد وعمل میں کتاب وسنت کو ہی رہنما تسلیم کیا جائے جیسا کہ مولوی ابوالحسن علی ندوی تاریخ دعوت وعزیمت میں رقم طراز ہیں۔

"اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد وعمل میں کتاب وسنت کو مضبوط ہاتھوں سے تھاما جائے اور ہمیشہ ان پر عمل کیا جائے عقاید میں متقدمین اہل سنت کے مذہب کو اختیار کیا جائے اور (صفات وآیات متشابہات) کے سلسلے میں سلف نے جہاں تفتیش اور تفصیل سے کام نہیں لیا ہے ان سے اعراض کیا جائے اور معقولیان کے کام کی تشکیکات کی طرف التفات نہ کیا جائے" (۱۴)

اس وضاحت کے بعد آئے دیکھیں کہ اہل سنت وجماعت سے حضرت شاہ ولی محدث دہلوی کے افکار ونظریات کس درجہ ہم آہنگ تھے۔؟

شفاعت

شفاعت کے تعلق سے فکرولی اللّٰہی کا اپنے آپ کو اصل ترجمان سمجھنے والے وہابی علما کا عقیدہ ہے کہ کوئی نبی وولی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا اور جو اس طرح کا اعتقاد رکھے وہ ابوجہل ہی کی طرح مشرک ہے شاہ اسماعیل دہلوی فرماتے ہیں۔

جو کسی نبی وولی سے یہ معاملہ کرے اور اس کو اپنا وکیل وسفارشی جانے تو وہ ابوجہل کے برابر مشرک ہے اس پر شرک ثابت ہو جاتا ہے۔ (۱۵)

علمائے اہل سنت کے نزدیک شفاعت حق اور ثابت ہے اور اس بات پر صدفی صد ایمان ہے کہ روز قیامت خدا کے حکم سے اللہ کے نبی ﷺ ہم جیسے گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے اس تعلق سے قرآن حکیم کی بیشتر آیات ہیں جن سے اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔

۱. یومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمٰن ورضی له قولاً (۱۶)

(اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمان نے اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی)

۲. واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات (۱۷)

(اور اے محبوب اپنے خاصوں اور مسلمان مردوں کے گناہوں

کی معافی مانگو)

۳. مامن شفیع الا من بعد اذنه (۱۸)

(کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد)

۴. لاتنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له (۱۹)

(اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لئے وہ اذن فرمائے)

کنزالایمان کے یہ وہ مومنانہ تراجم ہیں جس پر مومنانہ عقیدہ ونظریہ کی مکمل چھاپ ہے اور ساتھ ہی منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے اس طرح اور بھی آیات ہیں جن سے اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔ کنزالایمان میں واضح لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ شفیع المذنبین ہیں احادیث کریمہ اور اقوال صحابہ وائمہ میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں تمام اکابر علمائے اہل سنت کا بھی یہی نظریہ تھا اور ہے اب دیکھئے اس تعلق سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کیا فرماتے ہیں ۔

ملفوظات کے مرتب شیخ محمد عاشق پھلتی لکھتے ہیں۔

آپ نے تحریر فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کا علمائے حدیث کے حق میں شفاعت کا اور موت کے وقت توسل اور علم حدیث سے توسل کا مشاہدہ کیا اور اس کی حفاظت عروۃ الوثقیٰ اور حبل ممدود ہے جو منقطع ہوتی ہی نہیں ہے پس ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ یا محدث ہو یا ان کا طفیلی ہوجائے'' (۲۰)

توسل

موجودہ دور کے وہ علماء جو فکرولی اللّٰہی پر عمل پیرا ہونے کا ڈنڈھورا پیٹتے ہیں ان کا عقیدہ انبیاء و مرسلین اور اولیاء و بزرگان دین سے توسل کا ہے توسل یہ ہے کہ اگر ان کو کوئی وسیلہ اور سفارشی سمجھے تو وہ ابو جہل کے برابر مشرک ہے تفصیل کے لئے تقویۃ الایمان کا مطالعہ کرنا چاہیے اس کتاب میں کئی ایک ایسی عبارتیں ہیں جن سے درج بالا وہابی موقف کی تائید ہوتی ہے۔ شاہ اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

''سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے سو ابو جہل اور وہ شرک میں برابر ہے (۲۱)

اس تعلق سے علمائے اہل سنت کا موقف بالکل واضح ہے ان کا ماننا ہے کہ حضرات انبیائے کرام اور اولیائے عظام بارگاہ رب العزت میں وسیلہ ہیں ان کے توسل سے گنہ گار بندوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں ۔وہ اپنے موقف کی تائید میں درج ذیل آیات قرآنی سے استشہاد کرتے ہیں۔

۱. یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله وابتغوا الیه الوسیلة (۲۲)

(اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو)

۲. ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدو االله توابا رحیما (۲۳)

(اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں)

کنزالایمان کے اس ترجمہ سے بالکل واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں رسول مقبول ﷺ کا وسیلہ اور آپ کی شفاعت برآری کا ذریعہ ہے۔ اس آیت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے خزائن العرفان کے مصنف صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں۔

''سید عالم ﷺ کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضہ اقدس پر حاضر ہوا اور روضہ شریف کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور جو آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الخ میں نے بے شک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہنے حاضر ہوا تو میرے رب سے میرے گناہ

کی بخشش کرائیے اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش کی گئی"

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد صاحب خزائن العرفان چند مسائل کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض حاجت کے لئے اس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعہ کامیابی ہے۔

۲۔ قبر پر حاجت کے لئے جانا بھی جاؤک میں داخل ہے اور یہ خیر القرون کا معمول ہے۔

۳۔ بعد وفات مقبولان حق کو یا کے ساتھ ندا کرنا جائز ہے۔

۴۔ مقبولان حق مدد فرماتے ہیں اور ان کی دعا سے حاجت روائی ہوتی ہے۔(۲۴)

مولانا احمد رضا چونکہ اپنے دور میں اہل سنت و جماعت کے مقتدا تھے اس لئے انہوں نے کنز الایمان کے ترجمہ میں واضح لفظوں میں وہی ترجمہ کیا ہے جو منشائے الٰہی کے عین مطابق تھا۔ انبیاء و مرسلین، اولیاء و بزرگان دین جتنے بھی بارگاہ رب العزت میں مقربین ہیں وہ گنہ گار بندوں کے لئے گناہوں کی معافی کے لئے وسیلہ ہیں۔

اب آئے دیکھیں کہ اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا موقف کیا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وابتغوا الیہ الوسیلۃ میں وسیلہ سے مراد مشائخ اور بزرگان دین سے بیعت و ارادت مراد لیتے تھے اس آیت کی وہ تشریح جو ایک موقع سے امیر عصمت اللہ سہارنپوری نے کی اسے معتبر نہیں مانتے تھے وہ فرماتے ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہٖ لعلکم تفلحون اس آیت میں ابتغاء وسیلہ سے مراد کیا ہے؟۔ امیر عصمت اللہ سہارنپوری نے جو کچھ بعض مفسرین کے حوالے سے اعمال صالحہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا یہ معنیٰ مراد نہیں ہو سکتے۔ ایمان تو اس لئے مراد نہیں ہو سکتا کیوں کہ خطاب مومنین سے ہے (یعنی ایمان والوں سے یہ کہنا کہ ایمان لاؤ ایک مہمل سی بات ہوگی) اور اعمال صالحہ تقویٰ میں داخل ہیں اور تقویٰ سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنا ہے (یہ بھی وابتغوا الیہ الوسیلۃ میں داخل نہیں) اور یہ بھی مراد نہیں ہو سکتا کیوں کہ قاعدہ عطف مغائرت چاہتا ہے یعنی اتقوا اللہ اور وابتغوا الیہ الوسیلۃ کے معنیٰ میں مغائرت ہے کیوں کہ معطوف اور معطوف الیہ ہم معنیٰ نہیں ہوتے اور ذکر میں ترتیب اس کی مقتضی ہے کہ وہ ایک ایسی چیز ہے جو تقویٰ کے بعد پیدا ہوتی ہے اور وہ چیز ارادت اور مرشد سے بیعت ہے اس کے بعد مجاہدہ و ریاضت ہے تا کہ فلاح حاصل ہو جس سے مطلب ذات حق کا حصول ہے(۲۵)

عرس

اکابر علمائے اہل سنت و جماعت کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے مشائخ کرام و بزرگان دین کا عرس بڑے اہتمام سے منایا کرتے تھے جس میں قرآن خوانی، محفل حمد و نعت و منقبت، مجالس اصلاح المسلمین، اطعام غربا و مساکین کے علاوہ وعظ و تبلیغ کی مجلسیں ہوتی تھیں اور آج بھی علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ معمول ہے جو لوگ عرس کو ناجائز و حرام لکھتے اور کہتے ہیں ان کا بھی اس پر عمل ہے فرق صرف اتنا ہے کہ علمائے اہل سنت کے معمولات سے ہٹ کر وہ ان تاریخوں میں سیمینار و کانفرنس اور مذاکروں کا اہتمام کر کے ان کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ جب کہ بانی مسلک دیوبند مولوی رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔

"عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے لہٰذا بدعت ہے (۲۶)

کسی عرس و مولود میں شریک ہونا درست نہیں اور کوئی عرس و مولود درست نہیں(۲۷)

یہ ان حضرات کا عقیدہ ہے جو اپنے کو فکر ولی اللٰہی کا ترجمان سمجھتے ہیں اب آئے اہل سنت کا نظریہ ملاحظہ فرمائیے۔ ان کا ماننا ہے کہ اولیائے کرام و بزرگان دین کا عرس منانا جائز و مباح ہے اور احیاء

اموات کے لئے فائدہ مند ہے امام اہل سنت مولانا احمد رضا کا اس پر عمل تھا وہ اپنے مشائخ کا عرس بڑے اہتمام سے منایا کرتے تھے۔ عرس کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

والسلام علیٰ یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیاً (۲۸)

(وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں گا)

والسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیاً (۲۹)

(اور سلامتی ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن زندہ اٹھایا جائے گا)

یہ دونوں آیات کریمہ پیغمبران اسلام کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان مقربین بارگاہ الٰہی کے یوم ولادت ووفات اور زندہ اٹھائے جانے والے دن پر سلامتی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ولادت وموت کے دنوں میں چونکہ خدا کی سلامتی نازل ہوتی ہے اس لئے یادگار کے طور پر بنام عرس اسے منایا جاتا ہے اور اسی نقطہ نظر کے تحت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نہ صرف نیاز مندانہ انداز میں اعراس میں شرکت فرماتے تھے بلکہ اپنے چچا شیخ ابوالرضا کا عرس بھی بڑے اہتمام سے کیا کرتے تھے ،آپ کے ملفوظات میں ہے۔

''ایک بار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ (آپ کے چچا) کے عرس کے موقع پر رات کے وقت جب کہ ان کے مقبرہ میں ہنگامہ وسرود جاری تھا اور حاضرین پر (سماع وسرود سے) ذوق ووجد طاری تھا میں بعد العشاء اپنی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ نور کا ایک ٹکڑا سامنے لایا گیا اور یہ کہا گیا جو کچھ اس محفل میں ذوق وشوق اور روح مبارک کی توجہ کی برکات ہیں سب نے مرکب ہوکر یہ صورت اختیار کی ہے جو عطائے الٰہی ہے اور اسی وقت تمام عالم میں نفس ناطقہ کا سریان ظاہر ہوا اور یہ واضح ہوا کہ وہ نور اسی منبع کا تابع ہے اگرچہ اسی جگہ سے بھیجا گیا ہے (۳۰)

اس تعلق سے ایک دوسرا واقعہ بھی آپ کی ملفوظات کے مرتب لکھتے ہیں۔

''حضرت قبلہ ایک بار مخدوم جمال الدین قدس سرہ کے عرس کے موقع پر ان کی قبر شریف کی زیارت کو موضع بھلاوہ تشریف لے گئے وہاں لوگوں کا ایک انبوہ عظیم تھا اور ایک کثیر ہجوم ان کی قبر کو بوسہ دے رہا تھا حضرت قبلہ وہاں تھوڑی دیر کھڑے رہے اور اس کے بعد مقبرہ کے اندر سے باہر آکر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ آدمی جب تک قید حیات میں رہتا ہے اور اس میں ہر چند یادحق کرتا ہے اور ترقیات کرتا ہے لیکن بہ سبب تعلق جسمانی اس کو بشریت ناسوتیت سے کلی طور پر نجات میسر نہیں ہے اور جب اس عالم سے انتقال کر گیا تو اس وقت بشریت سے مکمل طور پر نجات حاصل ہو کر صفت لاہوتیت غالب ہو جاتی ہے لہٰذا وہ مسجود خلائق ہو جاتا ہے۔ (۳۱)

ایک تیسرا واقعہ بھی لگے ہاتھوں پڑھتے چلئے ملفوظات کے مرتب محمد عاشق پھلتی لکھتے ہیں۔

''ایک بار عرس کی مجلس تھی اور ہم شیخ ابوالفتح اور شیخ ابوالفضل کے روضے کی دیوار کے نیچے بیٹھے تھے ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک نور مثل برق دونوں قبروں سے نکلا اور بہ شدت تمام مجھ میں سرایت کر گیا ایسا کہ میں سخت مضطرب ہوا اور قریب تھا کہ اچھل کر رقص کرنے لگوں اور نعرے ماروں کہ یکا یک (اسی وقت) حضرت قبلہ گاہی مرشد برحق کی صورت نمودار ہوئی اور مجھ کو تسکین بخشی اگرچہ اس وقت بظاہر نہ میری کوئی چیخ نکلی اور نہ اضطراب ظاہر ہوا لیکن میں نے دیکھا کہ میری حقیقت رقص کر رہی ہے اور اس سے ایک اضطراب عظیم برپا ہے اور یہ حال تقریباً ایک ساعت تک مجھ پر رہا ''(۳۲)

ان تینوں واقعات کی روشنی میں بصد وثوق یہ کہا جاسکتا ہے کہ فکر ولی اللہی وہ نہیں جس پر ارباب مسلک دیوبند کا عمل ہے بلکہ فکر ولی اللہی

کے اصل ترجمان اس دور میں علمائے اہل سنت و جماعت ہیں جنہیں اس دور میں بریلویت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

میلاد مصطفیٰ ﷺ

میلاد شریف کے تعلق سے مسلک دیوبند کے بانی مولوی رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔

"عقد مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام وتداعی اس میں بھی موجود ہے لہٰذا اس زمانہ میں درست نہیں (۳۳)

علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ فعل نہ فقط جائز و مباح ہے بلکہ مستحب و مستحسن، موجب اجر و ثواب اور باعث خیر و برکت ہے۔ اسلاف کا اس پر عمل رہا ہے اس موضوع پر علمائے اہل سنت کے نوک قلم سے متعدد تحریریں منظر عام پر آچکی ہیں ہمیں ان کا مطالعہ کرنا چاہیے ارباب مسلک حق نے متعدد آیات کریمہ سے اس پر دلیلیں قائم کی ہیں۔ کنز الایمان میں اس کا ذکر اس طرح ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱. لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمومنین روف رحیم (۳۴)

(بے شک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان)

۲. لقد من الله علی المومنین اذ بعث فیهم رسولا (۳۵)

(بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا)

۳. هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلو علیهم آیاته (۳۶)

(وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہیں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں)

اس طرح کی متعدد آیات ہیں جن میں سرکار دو عالم ﷺ کے فضائل ومناقب کے ساتھ آپ کی بعثت کا ذکر ہے علمائے حق میلاد کی محافل میں عقیدت واحترام کے ساتھ سرکار کی بعثت، عرب کے حالات اور آپ کی آمد سے جو عرب سماج میں تبدیلیاں ہوئیں اس کا ذکر ملتا ہے قرآنی آیات اور کتب سماوی میں انہیں کا ذکر ہے اور یہ سب کچھ امر مستحسن ہے۔ امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں قادری کا نظریہ بھی کچھ اسی طرح کا تھا جس کا اظہار کنز الایمان کے حوالہ سے سطور بالا میں ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت کے تعلق سے اسی طرح کا عقیدہ رکھتے تھے وہ اس قسم کے محافل میں نہ صرف شریک ہوتے تھے بلکہ آپ کی بعض تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خود ایسی محافل کا انعقاد بھی فرمایا کرتے تھے۔

"مکہ معظمہ میں روز ولادت سرور کائنات (محفل میلاد شریف) مولد شریف میں لوگوں کا ایک جم غفیر تھا اور وہ آنحضرت پر صلوٰۃ وسلام اور آپ کے معجزات بیان کرنے میں مشغول تھے ناگاہ میں نے اس بقعہ کریمہ سے بجلیاں چمکتی ہوئی دیکھیں مجھے ان کے ادراک کی فکر ہوئی کہ کیا وہ نگاہ ظاہر سے ہیں یا نگاہ باطن سے، پھر جب میں نے غور کیا تو دیکھا کہ ان ملائکہ کے انوار ہیں جو اس متبرک مقام پر مامور ہیں" (۳۷)

ندائے یا رسول اللہ

ندائے غیر اللہ صحیح وجائز ہے اور اسی پر اکابر علمائے اہل سنت کا عمل ہے۔ لیکن بانی مسلک دیوبند مولوی رشید احمد گنگوہی اسے ناجائز وکفر سمجھتے ہیں وہ ایک سائل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا اور اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں سبب علم غیب کے تو خود کفر ہے۔ (۳۸)

ہندوستان میں مسلک وہابیت کے علم بردار مولوی اسماعیل دہلوی

کا بھی یہی خیال ہے وہ اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں فرماتے ہیں۔

"کس انبیاء واولیاء کی، پیروشہید کی، بھوت وپری کی یہ شان نہیں جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور اس توقع پر نذر و نیاز کرے اور اس کی منتیں مانے اور اس کو مصیبت کے وقت پکارے سووہ مشرک ہوجاتا ہے(۳۹)

علمائے اہل سنت کے نزدیک اللہ تبارک وتعالیٰ نے جاندار چیزوں کو ہی صرف نہیں بلکہ بے جان چیزوں کو بھی حرف ندا سے خطاب کیا ہے جس کی صراحت کنز الایمان میں مولانا احمد رضا نے فرمادی ہے۔

یا آدم اسکن انت وزوجک الجنة (۴۰)

(اے آدم تو اور تیری بی بی اس جنت میں رہو)

یا ایھا النبی انا ارسلناک شاهداً (۴۱)

(اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے بھیجا تمہیں حاضر ناظر)

یا ایھا الذین آمنو استعینوا بالصبر والصلوٰۃ (۴۲)

(اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو)

یـا ایھـا النـاس اتقو ربکم ان زلزلة الساعة شئی عظیم (۴۳)

(اے لوگو اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے)

یا نار کونی بردا وسلاماعلیٰ ابراهیم (۴۴)

(اے آگ ہوجا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر)

یـا ارض ابـلـعـی مائک ویاسماء اقلعی وغیض الماء (۴۵)

(اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کردیا گیا)

یا جبال اوبی معه والطیر (۴۶)

(اے پہاڑو اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو)

ان آیات کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف انبیاء ومرسلین ہی کو صرف نہیں حرف ندا سے خطاب کیا ہے بلکہ عامۃ الناس اور عام مخلوقات کو بھی جیسے زمین آسمان اور پہاڑوں کو بھی مخاطب کیا ہے اسی روشنی میں کنزلایمان میں اس کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

اب اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تک رسول بقید حیات تھے انہیں حرف ندا سے خطاب کرنا جائز تھا لیکن اب جب کہ وہ نگاہوں کے سامنے نہیں پھر انہیں کیوں کر حرف ندا سے خطاب کیا جائے یہ اعتراض ان کی طرف سے ہے جو نبی کو مردہ مانتے ہیں۔ اگر اسی نظریہ سے انہیں خطاب کرنا ناجائز سمجھا جارہا ہے تو ان پر یہ واضح ہوجانا چاہئے کہ انبیاء مرتے نہیں وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں ادا کرتے ہیں جیسا کہ حضرت انس بن مالک سے ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (انبیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں) اس کے رواۃ میں جتنے لوگ ہیں سب ثقہ ہیں ائمہ اسلام نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے علامہ مناوی، حافظ ابن حجر، امام ہیثمی، علامہ علی بن احمد عزیزی، علامہ شوکانی، علامہ نورالسمہودی، امام سخاوی، امام جلال الدین سیوطی، اور علامہ علی القاری المکی سب نے ہی اس حدیث کو صحیح لکھا ہے اور موخر الذکر نے اس روایت کی ان الفاظ میں اس کی تائید کی ہے۔

صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم (۴۷)

(الانبیاء احیاء فی قبورھم کی روایت صحیح ہے)

اس روایت کی ایک دوسری حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان کا حال بالکل ملائکہ کی طرح ہے جس طرح وہ موجود ہیں مگر ہم انہیں نہیں دیکھتے ٹھیک

اسی طرح انبیاء بھی زندہ ہیں موجود ہیں مگر ہم انہیں دیکھتے لہٰذا حدیث کا یہ جملہ" ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء بالکل درست ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ شب معراج بیت المقدس میں تمام انبیاء اپنی حیات جسمانی کے ساتھ جمع ہوئے اور آسمانوں میں بعض انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں اور گفتگو بھی ہوئی، اگر موت عدم محض کا نام ہوتا تو ان کے اجتماع کا کیا معنیٰ؟ اسی وجہ سے یہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ اللہ کے نبی مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں ارشاد نبوی ہے۔

" انبیاء اللہ لایموتون ولکن ینقلون من دار الیٰ دار (۴۸)

(اللہ کے نبی مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا بھی یہی نظریہ تھا وہ اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم میں سرکار دو عالم ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وصلی علیک اللہ یا خیر خلقہٖ
ویاخیر مامول ویا خیر واھب
ویاخیر من یرجیٰ لکشف رزیۃ
ومن جودہٖ قد فاق جود السحائب
وانت مجیری من ھجوم ملمۃ
اذا انشبت فی القلوب شر المخاطب (۴۹)

۱۔اے مخلوق خدا میں سب سے بہتر تم پر درود وسلام ہو ۔

۲۔اور اے مصیبتوں کے دور کرنے والے اور اے بارش کی طرح سخاوت کرنے والے۔

۳۔اور مصائب میں اور اس وقت جب دل میں کوئی چنگل والا چنگل مارے تو ہی مجھے پناہ دینے والا ہے۔

انبیاء و مرسلین کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بانی سلسلہ قادریہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کو بھی حرف ندا سے خطاب کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں ایک وظیفہ کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اول دو رکعت نفل بعد ازاں یکصد و یازدہ بار درود و بعد ازاں یکصد و یازدہ بار کلمہ تمجید و یک صد و یازدہ بار شیئاً للہ یا شیخ عبد القادر جیلانی گوید (۵۰)

(پہلے دو رکعت نماز پڑھے پھر اس کے بعد ایک سو گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھے پھر اس کے بعد ایک سو گیارہ بار شیئاً للہ یا شیخ عبد القادر جیلانی کا وظیفہ پڑھے)

یہی نظریہ بانی مسلک دیوبند مولوی رشید احمد گنگوہی کے پیر و مرشد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی تھا وہ اس تعلق سے فرماتے ہیں۔

"جو ندا نص میں وارد ہے مثلاً یا عباد اللہ اعینونی وہ بالاتفاق جائز ہے اور یہ تفصیل حق عوام میں ہے اور جو اہل خصوصیت ہیں ان کا حال جدا ہے اور حکم بھی جدا کہ ان کے حق میں یہ فعل عبادت ہو جاتا ہے۔ جو خواص میں ہوگا خود سمجھ لے گا بیان کی حاجت نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوگیا ہے حکم وظیفہ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کا لیکن اگر شیخ متصرف حقیقی سمجھے تو منجر الی الشرک ہے ہاں اگر وسیلہ وذریعہ جانے یا ان الفاظ کو بابرکت سمجھ کر خالی الذہن ہو کر پڑھے کچھ حرج نہیں یہی تحقیق ہے اس مسئلہ میں" (۵۱)

تصرف

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو مجبور محض نہیں بنا کر پیدا کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے کائنات کی بیشتر چیزوں کو اپنے برگزیدہ بندوں کے تابع کیا ہے مگر ہمارے بعض نام نہاد

مسلمان اس کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تصرف کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کسی نبی اور کسی ولی کو تصرف کی طاقت حاصل نہیں اور اگر کوئی ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔مسلک وہابیت ودیوبندیت سے متعلق کتابوں میں اس قسم کی کئی ایک عبارتیں ملتی ہیں ہندوستان میں مسلک وہابیت کے علم بردار شاہ اسماعیل دہلوی اپنی مشہور زمانہ تصنیف تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں۔

اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی (۵۲)

اور وہ ایک ایک میں آپ ہی تصرف کرتا ہے کسی کو کسی کے قابو میں نہیں دیتا (۵۳)

جو کوئی کسی مخلوق کا عالم میں تصرف ثابت کرے اور اپنا وکیل سمجھ کر اس کو مانے سو اب اس پر شرک ثابت ہو جاتا ہے (۵۴)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا عقیدہ اس کے بالکل برعکس تھا اگر وہ وہابیت کے علم بردار ہوتے تو ان کا بھی یہی عقیدہ ہوتا جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا مگر حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں۔وہ تو سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ تھے اور سلسلہ قادریہ کے شیخ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان سے انہیں گہری عقیدت تھی اور وہ ان کی روحانی عظمتوں کا دل سے اعتراف کرتے تھے۔تصرف کے تعلق سے اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''حضرت علی کے بعد اولیائے کرام اور اصحاب طرق کا سلسلہ چلتا ہے اور ان میں سب سے زیادہ قوی الاثر بزرگ جنہوں نے راہ جذب کو باحسن وجوہ طے کر کے نسبت اویسی کی اصل کی طرف رجوع کیا اور نہایت کامیابی کے ساتھ قدم رکھا وہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی ذات گرامی ہے اسی بنا پر آپ کے متعلق کہا گیا ہے کہ موصوف اپنی قبروں میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں۔'' (۵۵)

اب آیئے کنز الایمان جو مولانا احمد رضا خاں کا ترجمہ قرآن ہے انہوں نے اس تعلق سے آیات قرآنی کی کس طرح مومنانہ ترجمہ کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱. انا مکنا له فی الارض و آتیناه من کل شئی سببا (۵۶)

(بیشک ہم نے زمین میں ذوالقرنین کو قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطا فرمایا)

۲. وسخرنا مع داود الجبال یسبحن و الطیر (۵۷)

(اور داود کے ساتھ پہاڑ مسخر فرمادئے کہ تسبیح کرتے اور پرندے)

۳. ولسلیمان الریح عاصفة تجری بامره الی الارض التی بارکنا فیها و کن بکل شئی عالمین (۵۸)

(اور سلیمان کے لئے تیز ہوا مسخر کردی کہ اس کے حکم سے چلتی اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم کو ہر چیز معلوم ہے)

قیام

علمائے دیوبند جو اس زمانے میں اپنے کو فکر ولی اللہی کا علمبردار عوام الناس سے منوانے کی کوشش کرتے ہیں ان کے نزدیک قیام مکروہ ناجائز بدعت بلکہ بعض کے نزدیک کفر وشرک بھی ہے۔مسلک دیوبند کے بانی مولوی رشید احمد گنگوہی ایک استفتا کے جواب میں فرماتے ہیں۔

''قیام مروج جو امور محدثہ ممنوعہ کو مشتمل ہے ناجائز و بدعت ہے (۵۹)

جب کہ ان کے پیر ومرشد مجلس مولود میں قیام کے وقت لذت محسوس کرتے تھے انہوں نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ۔

'' اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولد میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں'' (۶۰)

سید الطایفہ مہاجر مکی کا یہ بھی عقیدہ تھا۔

مجلس مولد میں حضور پُر نور ﷺ رونق افروز ہوتے ہیں اس

اعتقاد کو فروشرک کہنا حد سے بڑھنا ہے، کیوں کہ یہ امر ممکن ہے عقلاً ونقلاً۔ بلکہ بعض مقامات پر اس کا وقوع بھی ہوتا ہے رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے، آپ کے علم وروحانیت کی وسعت جو دلائل نقلیہ وکشفیہ سے ثابت ہوئے اس کے آگے ایک ادنیٰ سی بات ہے (۶۱)

علمائے اہل سنت کے نزدیک قیام میلاد جائز مستحب ومستحسن ہے بوقت ذکر ولادت سرکار دوعالم ﷺ مسرت ومحبت کے طور پر لوگ قیام کریں تو اس میں کوئی شرعی قباحت لازم نہیں آتی امت مسلمہ نے اس قیام کو قیام عظمت قرار دیا ہے اسی لئے قیام تعظیمی بھی کہا جاتا ہے ۔شعایر اللہ اور نبی کی تعظیم وتوقیر کے لئے قرآن حکیم میں کہا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱. ومن یعظم شعایر اللہ فانھا من تقوی القلوب (۶۲)

(اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہی دلوں کی پرہیزگاری ہے)

۲. انا ارسلناک شاھداً ومبشراً ونذیراً لتو منوا باللہ ورسولہٖ وتعزروہ وتوقروہ (۶۳)

(بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ان آیات کریمہ کی روشنی میں ہی بارگاہ نبوی میں کھڑے ہوکر اپنی عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا ہے آپ کے ملفوظات القول الجلی کے مرتب لکھتے۔

"آپ نے تحریر فرمایا ایک روز میں حضرت کے مواجہہ شریف میں کھڑا ہوا آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیج رہا تھا اور تضرع وزاری کررہا تھا کہ ناگاہ آپ کی جانب سے ایک سر شکل برق ظاہر ہوا اور میری روح نے ایک لمحہ میں پوری شدت سے اسے پکڑ لیا ایسا کہ مجھے اس کی سرعت پر تعجب ہوا اور آن واحد میں اس کے اصل وفرع کا احاطہ کرلیا" (۶۴)

ان آیات کی جس طرح مومنانہ تشریح کنزالایمان میں امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری نے کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی تعظیم وتوقیر ہر زمانے میں اکابر علماء ہی کا صرف نہیں بلکہ عوام اہل سنت کا بھی معمول رہا ہے اس موضوع پر علمائے حق کے نوک قلم سے متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں عصر حاضر میں حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی کا رسالہ تعظیم نبی بھی اچھی کوشش ہے اس رسالہ میں وہی سب کچھ ہے جس کی ترجمانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری نے اپنی اپنی تحریروں میں فرمائی ہے اس سے ان دونوں اکابر علمائے کرام کے عقائد ونظریات میں یکسانیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مصادر وماخذ

۱۔اسلام اور غلط فہمیاں سہ روزہ دعوت ص۶ ۷ جولائی ۲۰۰۲ء
۲۔روزنامہ نوائے وقت ملتان شمارہ ۱۹ دسمبر ۱۹۹۷ء
۳۔ماہنامہ البلاغ کراچی فروری ۱۹۶۹ء
۴۔مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۱
۵۔البلاغ کراچی شمارہ نمبر ۱۲ ص ۴۸ دارالعلوم کراچی ۱۹۴۹ء
۶۔ابوالحسن زید فاروقی، اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان ص۴۵، ۴۶
۷۔التوبۃ ۷۴
۸۔المریم ۱۹
۹۔احمد رضا خاں قادری، فتاوی رضویہ جلد ۱۲ ص ۶۰
۱۰۔اسماعیل دہلوی، صراط مستقیم ص۸۶ المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ لاہور
۱۱۔محمد قاسم نانوتوی، تحذیر الناس ص۳ کتب خانہ امدادیہ دیوبند
۱۲۔اشرف علی تھانوی، حفظ الایمان مع بسط البنانص ۸ کتب خانہ عزیزیہ دیوبند
۱۳۔خلیل احمد انبیٹھوی، براہین قاطعہ ص۵۵ کتب خانہ امدادیہ دیوبند
۱۴۔ابوالحسن علی الندوی، تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۵ ص ۶۶۵
۱۵۔اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان ص ۸
۱۶۔طہٰ ۱۰۹

۱۷۔محمد ۱۹
۱۸۔یونس ۳
۱۹۔سباء ۲۳
۲۰۔ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص۸۷ خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری لکھنؤ ۱۹۹۷ء
۲۱۔اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان ص۸
۲۲۔المائدہ ۳۵
۲۳۔النساء ۶۴
۲۴۔نعیم الدین مراد آبادی، خزائن العرفان بر حاشیہ کنز الایمان ص۱۴۱، رضا اکیڈمی ممبئی
۲۵۔ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص۵۳۲
۲۶۔رشید احمد گنگوہی، فتاوی رشیدیہ جلد۱ ص۸
۲۷۔رشید احمد گنگوہی، فتاوی رشیدیہ جلد۳ ص۱۱۲
۲۸۔مریم ۳۳
۲۹۔مریم ۱۵
۳۰۔ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص۱۲۹
۳۱۔ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص۴۹۴
۳۲۔ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص۵۲۰
۳۳۔رشید احمد گنگوہی، فتاوی رشیدیہ جلد اول ص۹۲
۳۴۔التوبہ ۱۲۸ ۳۵۔آل عمران ۱۶۴
۳۶۔الجمعہ ۲
۳۷۔القول الجلی ص۲۷
۳۸۔رشید احمد گنگوہی، فتاوی رشیدیہ جلد۳ ص۷
۳۹۔اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان ص۱۱
۴۰۔البقرہ۔۳۵
۴۱۔الاحزاب ۴۵
۴۲۔البقرہ ۱۵۳
۴۳۔الحج ۱
۴۴۔الانبیاء ۶۹
۴۵۔ھود ۴۴
۴۶۔سباء ۱۰
۴۷۔ملا علی القاری، المرقاۃ جلد۳ ص۲۴۱ بحوالہ حیاۃ الانبیاء، احمد حمزہ مطبوعہ دار العلوم قادریہ لیڈی اسمتھ ۱۴۲۴ھ
۴۸۔فخر الرازی تفسیر کبیر جلد۲۱ ص۹۱ بحوالہ حیاۃ الانبیاء، احمد حمزہ مطبوعہ دار العلوم قادریہ لیڈی اسمتھ ۱۴۲۴ھ
۴۹۔ولی اللہ دہلوی، اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم ص۲۷، ۲۸، مراد آباد ۱۸۸۷ء
۵۰۔ولی اللہ دہلوی، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ بحوالہ فتاوی رضویہ جلد۱۲ ص۱۰۹، رضا اکیڈمی ممبئی
۵۱۔حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، فیصلہ ہفت مسئلہ (توضیحات وتشریحات) ص۲۴۰ کتبہ رحیمیہ کانپور ۱۴۰۴ھ
۵۲۔شاہ اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان ص۸
۵۳۔شاہ اسماعیل دہلوی تقویۃ الایمان ص۴۸ کمال ہند پریس دہلی ۱۳۶۲ء
۵۴۔شاہ اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان ص۳۲
۵۵۔ولی اللہ دہلوی، ہمعات ص۲۷ لاہور ۱۹۴۶ء
۵۶۔الکہف ۸۴ ۵۷۔الانبیاء ۷۹
۵۸۔الانبیاء ۸۱
۵۹۔فتاوی دیوبندیہ جلد۱ ص۳۸ بحوالہ فیصلہ حق و باطل ص۱۲۲ سنبھل مراد آباد ۱۹۶۰ء
۶۰۔حاجی امداد اللہ، فیصلہ ہفت مسئلہ ص۱۱
۶۱۔حاجی امداد اللہ، فیصلہ ہفت مسئلہ ص۹۲
۶۲۔الحج ۳۲ ۶۳۔الفتح ۸
۶۴۔شاہ ولی اللہ دہلوی۔القول الجلی ص۱۷

کنزالایمان اور صدر الشریعہ

مولانا حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی، لاہور

صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی باعمل محدث، عظیم فقیہ، کہنہ مشق مدرس، بالغ نظر مفتی، بہترین مصنف، بافیض شیخِ طریقت اور خلیفۂ اعلیٰ حضرت تھے۔ تدریس وتصنیف اور تقریر کے ذریعے سے طویل عرصہ آپ نے دین کی خدمت اور مسلکِ اہلِ سنت کی اشاعت فرمائی۔ آپ نے جہاں اپنے تلامذہ کے ذریعے ماہر مدرسین کی ٹیم تیار کرکے علوم اسلامی کی حفاظت کا اہتمام فرمایا وہیں ملّتِ اسلامیہ کو ''بہارِ شریعت'' جیسا عظیم فقہی انسائکلوپیڈیا عطا کرکے احسانِ عظیم فرمایا۔ علاوہ ازیں شرح معانی الآثار کا عربی حاشیہ آپ کی محدثانہ عظمت پر شاہد عادل ہے اور فتاویٰ امجدیہ چار جلدوں میں اپنی مثال آپ ہے۔ کتب کا یہ ذخیرہ ملّتِ اسلامیہ کی اصلاح وترقی کی خاطر آپ کے مخلصانہ جذبات پر دلالت کرتا ہے۔ [۱]

قارئین کے لیے یہ انکشاف بھی خوشگوار حیرت کا باعث ہوگا کہ ترجمۂ قرآن کنزالایمان بھی آپ کی ہی پُرخلوص مساعی کا نتیجہ ہے۔ ہوا یوں کہ صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی نے بدمذہبوں کے تراجم کے ذریعے عوام کی گمراہی کا سامان ہوتے دیکھا تو بارگاہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ میں ترجمہ کی درخواست پیش کی۔

اعلیٰ حضرت سے ترجمہ کی درخواست:

حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں: بدمذہبوں کو تراجم لکھنے اور عوام کو گمراہ کرنے کا پورا موقع ملا۔ ضرورت تھی کہ قرآن پاک کا صحیح ترجمہ جو ہر قسم کی اغلاط سے پاک ہو عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔ جس کو وہ پڑھا کریں اور اپنی استعداد کے موافق قرآن پاک سے فائدہ اٹھائیں لہٰذا اعلیٰ حضرت سے قرآن پاک کے ترجمے کے لیے عرض کیا گیا اور زمانے کی ضرورت پیش کی گئی۔

اعلیٰ حضرت کا ارشاد:

اس کام کی اہمیت اور ذمہ داری کو دیکھتے ہوئے جواباً اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: یہ تو بہت ضروری ہے، مگر اس کے چھپنے کی کیا صورت ہوگی؟ اس کی طباعت کا اہتمام کون کرے گا؟ باوضو کاپیوں کا لکھنا اور باوضو کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح کرنا اور تصحیح بھی ایسی ہو کہ زیر، زبر، نقطے اور علامتوں کی غلطی بھی باقی نہ رہے۔ پھر یہ سب چیزیں ہوجانے کے بعد جو چیز بڑی مشکل ہے وہ یہ ہے کہ پریس مین اور کلکشن ہمہ وقت باوضو رہیں۔ بغیر وضو پتھر کو نہ چھوئیں، پتھر کاٹنے میں احتیاط کی جائے۔ چھپنے میں ردیاں نکلتی ہیں ان کو بھی احتیاط سے رکھا جائے۔ غرض یہ کہ جتنی بھی احتیاطیں ضروری اور درکار ہیں ان کا پورا ہونا بظاہر دشوار اور ناممکن سا معلوم ہوتا ہے اور جب چھپنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی پھر ترجمہ لکھنے کا فائدہ؟ کہ ترجمہ عوام کے لیے لکھا جائے گا۔ کتب خانے کی الماری میں رہنے سے عوام کے لیے فائدہ؟ [۲]

سبحان اللہ ترجمانِ قرآن امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمان کو قرآن پاک کے ادب واحترام کا کس قدر خیال تھا۔ اور آج ہمارے ہاں حالت یہ ہے کہ نہ اکثر پڑھنے والوں کو ادب کا خیال ہے نہ سننے والوں کو احترام کا لحاظ۔ نہ چھاپنے والے تعظیم کا اہتمام کرتے ہیں نہ جلد بندی کرنے والے تکریم کا انتظام کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے مندرجہ بالا ارشاد میں عام مسلمانوں کے لیے بالعموم اور ناشرین قرآن کے لیے بالخصوص نصیحت موجود ہے۔ یہاں چلتے چلتے یہ بھی عرض کردوں

کہ ''کنزالایمان'' سب سے پہلے صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی نے مرادآباد سے شائع کیا تھا۔ عینی شاہدین کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت نے طباعت کے لیے جتنی احتیاطیں بیان فرمائی تھیں ان سب کا حضرت صدرالفاضل نے اعلیٰ درجے پر اہتمام فرمایا تھا۔

حضرت صدر الشریعہ کا جواب:

حضرت صدرالشریعہ نے عرض کیا!

انشاءاللہ جو باتیں ضروری ہیں ان کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اسی طرح چھاپا جائے گا جو شریعت کے مخالف نہ ہو اور فرض کیا جائے کہ ہم سے ایسا نہ ہوسکا تو جب ایک چیز موجود ہے، ہوسکتا ہے آئندہ کوئی دوسرا شخص طبع کرانے کا انتظام کرے اور مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے۔ اگر اس وقت یہ کام نہ ہوسکا تو آئندہ ہمیں اس کے نہ ہونے کا بڑا افسوس ہوگا اور اس وقت کا افسوس کرنا بے کار ہوگا۔'' [۳]

ترجمۂ قرآن پر آمادگی:

آخر حضرت صدرالشریعہ کے پُرزور اصرار پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا ''چونکہ ترجمہ کے لیے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لیے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ [۴]

پھر فرمایا کہ دوسرے لوگوں کے تراجم بھی حاصل کرلیے جائیں تاکہ اس ضمن میں ان کی اغلاط پر تنبیہات بھی کردی جائیں۔ یہ بھی ایک ضروری کام ہے۔ (دوسروں کے ترجمے والا) قرآن پاک ڈاک وغیرہ سے نہ منگایا جائے کہ اس میں بےادبی ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے لیے جہاں سے دستیاب ہوتے ہوں جاکر ایسے طریقے سے لایا جائے کہ بےادبی نہ ہو۔ [۵]

ترجمے کا آغاز:

صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی کا بیان ہے کہ ''میری عدیم الفرصتی اور کام کی کثرت نے مہینوں تک تراجم کے حاصل کرنے کا موقع نہ دیا۔ خیر کسی نہ کسی طرح انھیں شرائط کے موافق اس زمانے میں جتنے ترجمے شائع ہوچکے تھے سب حاصل کرلیے گئے اور ترجمے کا کام بفضلہٖ تعالیٰ شروع ہوا۔ چند روز تک یہ طریقہ رہا کہ آیت پڑھی جاتی اور اعلیٰ حضرت اس کا ترجمہ لکھواتے۔ اس کے بعد حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ، شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب، ڈپٹی نذیر احمد، مرزا حیرت دھلوی اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرھم کے ترجمے سنائے جاتے۔ ان تراجم میں جہاں کہیں غلطیاں ہوتیں ان پر تنبیہ فرماتے۔ چند روز کے بعد محسوس ہوا کہ اس طرح کرنے میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اور کام کم ہوتا ہے اور مترجمین کی اغلاط پر تنبیہات تو ایک جداگانہ کام ہے۔ اس ترجمے کے بعد اگر موقع ملا تو اس طرف توجہ کی جائے گی لہٰذا ان تراجم کا سنانا موقوف کردیا گیا۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ فارسی میں اور شاہ عبدالقادر صاحب کا اردو میں، یہ دو ترجمے سنائے جاتے رہے اور اس کا سلسلہ اخیر تک جاری رہا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ نہایت پاک وصاف ہے سوا اس کے کہ وہ مذھباً شافعی ہیں۔ آیات کا مطلب شافعیہ کچھ اور لیتے ہیں اور حنفیہ کچھ اور وہاں تو ان کا ترجمہ ہمارے مذہب کے خلاف ضرور تھا، ورنہ کہیں بھی بظاہر سقم نظر نہیں آیا۔ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی تقریباً صحیح ہے مگر بعض جگہ ان کے ترجمہ میں بھی خرابی نظر آئی۔ [۶]

ترجمہ کا طریقۂ کار:

حضرت صدرالشریعہ بیان کرتے ہیں: ''ترجمہ کا املاء کرنے اور اس کے تحریر کرنے کی نوعیت یہ ہوتی کہ پہلے میں پوری آیت پڑھتا اگرچہ وہ کتنی ہی بڑی ہوتی۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت ترجمے کا املاء فرماتے۔ بعض مرتبہ مسلسل دو تین سطر کی عبارت ایک ساتھ بلاتوقف بول دیا کرتے مگر بفضلہٖ تعالیٰ اس کے قلمبند کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ نہ کوئی لفظ کم وبیش ہونے پاتا تھا۔ جو کچھ ترجمہ جس روز تحریر کیا جاتا اس کی تاریخ مع مقدار نوٹ کردی جاتی۔ ؎

عالم میں شہرہ ہوگیا کنزالایمان کا
اِک بہترین ترجمہ یہ ہے قرآن کا

ترجمہ میں مشکلات:

ترجمہ تحریر کرنے میں مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں: کچھ دنوں ترجمہ ہونے کے بعد میں وطن چلا آیا۔ اور یہ کام رُک گیا۔ واپسی کے بعد پھر کام شروع کرنا چاہا مگر کچھ دینی ضروریات ایسی مانع ہوئیں کہ گرمیاں آئیں اور ختم بھی ہوگئیں اور برسات کا موسم شروع ہوگیا۔ اب ترجمہ کا کام شروع ہوا۔ ایک طرف برسات کی گرمی اور بالکل قریب لالٹین اور اس پر کیڑوں اور پتنگوں کا ہجوم، کبھی ہاتھ پر کبھی آستین میں بہت مرتبہ کاغذ اور قلم میں پتنگے اس طرح مجتمع ہوجاتے تھے کہ لکھنا دُشوار ہوجاتا تھا۔ پھر بھی کئی کئی گھنٹے اسی حالت میں گزارنے پڑتے تھے اور بحمدہٖ تعالیٰ اس کام کو انجام دیا جاتا تھا۔ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ترجمہ اب تک مولانا نعیم الدین صاحب کے پاس محفوظ ہے کہ وہ مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب سے اعلیٰ حضرت کے کتب خانہ سے نکلوا کر بغرضِ طباعت لے گئے۔ اس ترجمہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ ایک روز میں کتنا ترجمہ ہوا اور جن الجھنوں میں یہ لکھا گیا ہے اس کے باوجود کتابت کی اغلاط سے کس درجہ پاک ہے۔ اس ترجمہ کے لکھنے اور لکھوانے کی جو خدمت میں نے انجام دی ہے وہ میری نجاتِ اُخروی کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ جن مشکلات کا اس میں مقابلہ کیا غالباً دوسرا شخص نہ کرتا اور یہ کام صرف تخیل اور راوہم ہی میں رہتا۔ خارج میں اس کا ظہور نہ ہوتا۔ [۷]

ترجمہ کے بعد تفسیر:

حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں: ترجمہ کے بعد میں نے چاہا تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ اس پر نظرِ ثانی فرمائیں اور جا بجا فوائد تحریر کردیں۔ چنانچہ بہت اصرار کے بعد یہ کام شروع کیا گیا، دو تین روز تک کچھ لکھا گیا مگر جس انداز سے لکھوانا شروع کیا اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ قرآن پاک کی بہت بڑی تفسیر ہوگی، کم از کم دس بارہ جلدوں میں پوری ہوگی، اس وقت خیال پیدا ہوا کہ اتنی مبسوط تحریر کی کیا حاجت، ہر صفحہ میں کچھ تھوڑی تھوڑی باتیں ہونی چاہئیں جو حاشیہ پر درج کردی جائیں لہٰذا یہ تحریر جو ہو رہی تھی بند کردی گئی اور دوسری کی نوبت نہ آئی۔ کاش وہ مبسوط تحریر جو اعلیٰ حضرت لکھوا رہے تھے اگر پوری نہیں تو دو ایک پارے تک ہی ہوتی جب بھی شائقینِ علم کے لیے وہ جواہر پارے، بہت مفید اور کارآمد ہوتے مگر افسوس کہ ہم خود بھی محروم رہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے متمتع نہ ہوسکے۔ [۸]

خدمت قرآن پاک کی وہ لاجواب کی
راضی رضا سے صاحبِ قرآں ہے آج بھی

﴿حوالہ جات﴾

[۱] محمد عطاء الرحمٰن قادری، سیرت صدر الشریعہ، ص ۱۰۹
[۲] محمد عطاء الرحمٰن قادری، تذکرۂ اعلیٰ حضرت بزبانِ صدرِ شریعت، ص ۴۱
[۳] ایضاً، ص ۴۲
[۴] بدر الدین احمد قادری رضوی، مولانا سوانح امام احمد رضا، ص ۳۷۴
[۵] محمد عطاء الرحمٰن قادری، تذکرۂ اعلیٰ حضرت بزبانِ صدرِ شریعت، ص ۴۲
[۶] ایضاً، ص ۴۳
[۷] ایضاً، ص ۴۴
[۸] عبد المنان اعظمی، مفتی، حیاتِ صدر الشریعہ، ص ۴۴

مآخذ

(۱) بدر الدین احمد قادری رضوی، مولانا، سوانح امام احمد رضا، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، طبع ہفتم، ۱۹۸۷ء
(۲) عبد المنان اعظمی، مفتی، حیاتِ صدر الشریعہ، رضا اکیڈمی، لاہور ۲۰۰۱ء
(۳) محمد عطاء الرحمٰن قادری، تذکرۂ اعلیٰ حضرت بزبانِ صدرِ شریعت، مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور ۲۰۰۳ء
(۴) محمد عطاء الرحمٰن قادری، سیرتِ صدر الشریعہ، مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور، ۲۰۰۲ء

x......x......x

کنزالایمان: اپنے مفسرین کی نظر میں

مولانا محمد ادریس رضوی، ایم اے ☆

حضرت علامہ، مولانا مفتی، الشاہ امام احمد رضا نے اپنے ترجمہ قرآن کا تاریخی نام "کنزالایمان" رکھا۔ یعنی "ایمان کا خزانہ" اس ترجمۂ قرآن پر تفسیر لکھنے کے لئے وہی عالم، وہی مفتی، وہی علامہ، وہی مفسر اٹھے جو اعتقاد میں امام احمد رضا کے معتقد ومقلد تھے اور ہیں۔ مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ مترجم کے ترجمہ سے اتفاق رکھتا ہو، ساتھ ہی مندرجہ ذیل علوم پر اسے عبور حاصل ہو، مثلاً صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، ادب، لغت، فلسفہ، حساب، جیومٹری، فقہ، تفسیر، حدیث، علم کلام، جغرافیہ، تاریخ، تصوّف، جدل ومناظرہ، علم فرائض وغیرہ۔ ورنہ تفسیر نقل، چربہ اور سرقہ خوئی کا پلندہ بن کر رہ جائے گی۔

"کنزالایمان" پر سب سے پہلے علامہ ومولانا مفتی محمد نعیم الدین مرادآبادی نے "خزائن العرفان" یعنی "خداشناسی کے خزانے" تفسیر تحریر فرمایا جو کنزالایمان کے حاشیے پر شائع ہوتی ہے اور عام وخاص میں مقبول ہے۔

دوسری تفسیر مفتی محمد یار خان نعیمی بدایونی کی "نورالعرفان فی حاشیۃ القرآن" المعروف تفسیر نعیمی ہے، یہ بھی "کنزالایمان کے حاشیے پر شائع ہوئی ہے، مفسر موصوف کی دوسری تفصیلی تفسیر "اشرف التفاسیر" ہے۔ جس کی آٹھ جلدیں راقم کے پیش نظر ہے۔ دیگر تفاسیر کے تذکرے بعد میں ہوں گے۔

ترجمہ سے تفسیر میں مطابقت ہونا ضروری ہے، ورنہ تفسیر کا مقصد فوت ہوکر رہ جائے گا آیات کے نزول کے مقصد کے ساتھ ساتھ ترجمے کی گہرائی اور گیرائی سے مفسر کا واقف ہونا ضروری ہے۔"

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام برحق اس میں سچ کے علاوہ جھوٹ کا شائبہ تک نہیں ہے تو ترجمہ کے پس منظر میں سچائی کو تلاش کرنا اور صحیح صحیح بیان کرنا مفسر کا کام ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ربی ہے:

الـذین اٰتینٰهم الکِتابَ یعرِ فونه کما یعرِ فون ابناء هم. وَ اِنّ فریقاً مِنهُم لَیکتُمونَ الحَقَّ وَ هُمْ یعلمون.

(سورۃ البقرہ آیت ۱۴۶)

ترجمہ:۔ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی، وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے، اور بیشک ان میں ایک گروہ جان بوجھ کر حق چھپاتا ہے۔ ۱

آیت میں نبی کا ذکر نہیں ہے اور ترجمہ میں نبی کا تذکرہ ہے۔ "یـعـر فونـہ" وہ، انہیں خوب پہچانتے ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون کس کو پہچانتا ہے؟ خلاصہ نہیں ہے، اس لئے بعض مترجمین جیسے مولانا محمد جونا گڑھی نے آیت کا ترجمہ کیا کہ جنہیں ہم نے کتاب دی وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں، جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے، اُن کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔ ۲

مولانا محمد جونا گڑھی کے ترجمہ میں "وہ" "اُسے" اشارہ بعید کے الفاظ ہیں۔ اس لئے مولانا محمد جونا گڑھی کے ترجمہ پر تفسیر لکھنے والے "مولانا صلاح الدین یوسفی نے بھی اسکا خلاصہ کیا ہے کہ "اُسے" سے کون سی ذات مراد ہے، یہ کس کی طرف اشارہ ہے۔ "یعر فونہ" کے بعد، یعرفونَ کی خبر کس کی طرف لوٹتی ہے؟ جیسا تو ویسا میں کی طرح یہ

☆ سنّی جامع مسجد، پتری پُل، کلیان (مہاراشٹر)

حاشیہ چڑھا دیا ہے کہ وہ یہاں اہل کتاب کے ایک فریق کو حق کے چھپانے کا مجرم قرار دیا ہے کیونکہ ان میں ایک فریق عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کا بھی تھا جو اپنے صدق وصفائے باطنی کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ۳؎

تفسیر میں لفظ ''وہ'' کا خلاصہ ہو گیا یعنی ''اہل کتاب'' لیکن لفظ ''اُسے'' کا خلاصہ نہیں ہوا، اسی طرح شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب نے آیت کا ترجمہ کیا ہے۔'' جن کو ہم نے کتاب دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اُس کو جسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو، اور بیشک ایک فرقہ اُن میں سے، البتہ چھپاتے ہیں حق کو جان کر۔ ۴؎

یہاں بھی لفظ ''اُس'' اشارہ سے کام لیا گیا ہے ''یعنی پہچانتے ہیں اُس کو'' اور ''کنزالایمان'' کا ترجمہ ہے کہ ''وہ، اُس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں'' الخ'' ترجمہ کا سیاق وسباق کیا ہے روایتیں کیا بتاتی ہیں کنزالایمان کے مفسرین نے اس ضمن میں کیا تحریر فرمایا ہے۔ ''کنزالایمان'' کے ترجمہ کو کس طرح واضح کیا ہے وہ یہاں ملاحظہ کریں۔ حضرت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی نے آیت کا ترجمہ'' جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ''یعنی علماء یہود و نصاریٰ'' آگے لکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کتب سابقہ میں، نبی آخرالزماں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ایسے واضح اور صاف بیان کئے گئے ہیں، جن میں علماء اہل کتاب کو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاتم الانبیاء ہونے میں کچھ شک وشبہ باقی نہیں رہ سکتا اور وہ حضور کے اس منصب عالی کو کامل یقین کے ساتھ جانتے ہیں، احبار یہود میں سے عبداللہ بن سلام مشرف بہ اسلام ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ آیۃ ''یَعْرِفُوْنَہٗ'' میں جو معرفت بیان کی گئی ہے، اس کی کیا شان ہے، انہوں نے فرمایا کہ اے عمر (رضی اللہ عنہ) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بے اشتباہ پہچان لیا اور میرا حضور کو پہچاننا اپنے بیٹوں کے پہچاننے سے بدرجہا زیادہ اتم واکمل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کیسے؟ انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور، اللہ کی طرف سے اس کے بھیجے رسول ہیں، اُن کے اوصاف اللہ تعالیٰ نے ہماری کتاب توریت میں بیان فرمائے ہیں، بیٹے کی طرف سے ایسا یقین کس طرح ہو، عورتوں کا حال ایسا قطعی کس طرح معلوم ہو سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا سر چوم لیا۔ ۵؎

ترجمہ کی روشنی میں، حضرت مفسر قرآن نے تفسیر لکھتے ہوئے ترجمہ کا حق ادا کر دیا، تفسیر کی روشنی میں بالکل واضح ہو گیا کہ ''کنزالایمان'' کا ترجمہ ''وہ، اُس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں'' قرآن کے سیاق وسباق کی عمدہ ترجمانی ہے، اس لئے علامہ احمد یار خان نعیمی تحریر فرماتے ہیں کہ اردو تفاسیر میں سب سے بہتر تفسیر ''خزائن العرفان'' مصنفہ حضرت مرشدی استاذی صدرالافاضل مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مرادآبادی دام ظلہ ہے۔ اور اردو ترجموں میں نہایت اعلیٰ اور بہتر، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ ''کنزالایمان'' ہے، آگے مزید تحریر فرماتے ہیں کہ۔ اسی (کنزالایمان) پر یہ تفسیر ہے۔ ۶؎

مفتی احمد یار خان خود مترجم ہیں، لیکن تفسیر لکھنے کے لئے آپ نے ''کنزالایمان کا انتخاب فرمایا۔ آپ نے ہر آیت کے تحت پہلی آیت سے تعلق ''کنزالایمان'' کی روشنی میں ''تفسیر، خلاصۂ تفسیر، فائدے، اعتراض مع جواب اور تفسیر صوفیانہ وضروری مسائل پر مبنی بہترین تفسیر تحریر فرمائی ہے، آیت مذکور کی تفصیل میں جاؤں اور پوری تفسیر لکھوں تو کئی صفحات ہو جائیں گے، لہٰذا کنزالایمان'' کی روشنی میں صرف ''یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ'' کی پہلے تفسیر ملاحظہ فرمایئے اور دیکھئے کہ اعلیٰ حضرت کا کنزالایمان کتنا ایمان افروز ہے، اور کنزالایمان کے مفسرین نے کنزالایمان کو کتنا پسند فرمایا ہے۔

مفتی احمد یار خاں کی تفسیر:

وہ "یَعۡرِفُوۡنَهٗ" "انہیں پہچانتے ہیں، رہےان کے جاہل وہ اپنی کتاب ہی سے بےخبر ہیں تو اُس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پہچانوں اور علامتوں کو کیا جانیں جو ان میں بیان ہوئیں، خیال رہے کہ تفسیر مدارک نے فرمایا کہ اَلَّذِیۡنَ سے آخر جملہ تک ظالمین کی صفت ہے جو پہلی آیت میں گزرا یعنی تم اُن ظالموں میں سے ہو جاؤ گے جن میں یہ عیوب ہیں۔ باقی مفسّرین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علیحدہ جملہ ہے کہ اَلَّذِیۡنَ مبتدا اور یَعۡرِفُوۡنَهٗ خبر، یہ بھی خیال رہے کہ یہ ضمیر یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے کہ آپ کا ذکر وَمَاۤ اَنۡتَ بِتَابِعٍ میں ہو چکا ہے، یا کعبہ معظمہ کی طرف، یا تبدیلی قبلہ کی طرف، مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے (تفسیر کبیر) کیونکہ آئندہ بیٹوں سے تشبیہ دی جارہی ہے، یعنی علماء کتاب کعبہ معظمہ کے قبلہ ہونے، یا تبدیل قبلہ، یا اس پیغمبر آخرالزماں کی صرف صورت پاک ہی دیکھ کر ایسا پہچانتے ہیں، کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں کہ اگر ہزار بچوں میں بھی کھڑا ہو تو پہچان جاتے ہیں کہ میرا بیٹا وہ ہے اور کسی وقت بھی تردید نہیں کرتے کہ شاید یہ میرا بچہ نہ ہو کوئی اور ہو، بلکہ دور سے اس کی آواز سُن کر چال ڈھال دیکھ کر بھی پہچان لیتے ہیں کہ یہ میرے بچے کی گفتار ہے، یا اسی کی سی رفتار ہے، ایسے ہی اس پیغمبر کی شکل و شباہت، رفتار و گفتار بلکہ ہر ہر ادا سے ان کی نبوت ظاہر ہو رہی ہے۔ اُن کے یہ ساری صفات پچھلی کتابوں میں موجود ہیں، اُن کے ظہور کا تو یہ کمال، مگر اُن کا تو یہ حال کہ ان میں ایک گروہ تو ایمان لے آیا، جیسے عبداللہ ابن سلام اور کعب احبار وغیرہ، خیال رہے کہ ہم کو بھی کچھ لوگ جانتے ہیں اور حضور کو بھی، مگر ان دونوں پہچانوں میں چار طرح فرق ہے، ایک یہ کہ ہم کو ہماری پیدائش سے پہلے کوئی نہ پہچانتا تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ سے سب پہچانتے تھے، پہلے انسان آدم علیہ السلام نے پیدا ہو کر پہلے حضور کے چرچے قیامت بلکہ ابدالآباد تک ہوتے رہیں گے، اُن کی دھومیں مچی رہیں گی، تیسرے یہ کہ ہم کو پیدا ہونے کے بعد بھی صرف انسان ہی پہچانتے ہیں، مگر حضور کو ساری خدائی پہچانتی ہے اور حضور کی اطاعت کرتی ہے۔ چوتھے یہ کہ ہم کو انسان بھی تھوڑے پہچانتے ہیں، مگر حضور کی ولادت کی خبر سارے جہاں میں ایسی دیدی گئی کہ سبحان اللہ شکم مادر میں آتے ہی عالمگیر بارش ہوئی پارسیوں کا پُرانا آتشکدہ بجھ گیا، قصر کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے وغیرہ وغیرہ۔ غرضکہ ساری دنیا میں اُن کی تشریف آوری کی اطلاع دے دی گئی۔ ؎

کنزالایمان کا یہ ترجمہ "وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں" کو اس کے مفسرین نے پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، یہاں مفسر قرآن مفتی احمد یار خاں نے صرفی اور نحوی بحث کے ذریعہ ثابت فرمادیا کہ "یَعۡرِفُوۡنَهٗ" کا ترجمہ! وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں" میں لفظ "نبی" بالکل صحیح اور درست ہے کہ نبی کے متعلق ہی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، لیکن بعض مترجمین اور مفسرین نے صرف اشارے کنائے سے کام لے کر نکل گئے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کو واضح فرمایا اور کنزالایمان کے مفسرین نے اس کی توضیح فرمائیں، علامہ نعیمی اسی آیت سے متعلق خلاصۂ تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ "روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عبداللہ ابن سلام سے پوچھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح جانتے ہو اور اس آیت "یَعۡرِفُوۡنَهٗ" میں معرفت بیان کی گئی، اس کی کیا شان ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں حضور پر اپنے فرزند سے بھی زیادہ یقین رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ عرض کیا کہ حضور کے اوصاف اُن کے معجزات اُن کی علامات ہماری کتابوں کی گواہیاں آپ پر یقین دلا رہی ہیں، اپنے فرزند پر یہ یقین کہاں، نہ معلوم کہ اس کی ماں نے کیا کیا ہو، دوسرے کے فرزند کو برا کہہ دیا ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کا

سر چوم لیا"۔ تفسیر کبیر وعزیزی وخزائن وعرفان۔ ۸

آپ نے خلاصۂ تفسیر میں بھی ثابت فرمادیا کہ کنزالایمان کا ترجمہ، روایات وواقعات وتاریخ کی روشنی میں بالکل درست ہے کہ تفسیر کبیر وعزیزی وغیرہ نے اسی پر اتفاق کیا ہے، بعض مترجمین ومفسرین نے کینہ وبغض اور حسد کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کو چھپانے کی کوششیں کی ہیں، اس لئے موصوف نے فائدے کے عنوان میں ساتواں فائدہ کے تحت لکھتے ہیں۔ "حضور کے اوصاف چھپانا، کبھی ان کا ذکر نہ کرنا بدترین گناہ ہے، جس میں علماء یہود گرفتار تھے، اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج حضور کے اوصاف بیان نہیں کرتے اور یہ حضور کی نعت خوانی سے لوگوں کو ہزار حیلوں، بہانوں سے روکتے ہیں، اُن کے اوصاف بیان کرنا بہترین عبادت ہے۔

حی باقی جس کی کرتا ہے ثنا
مرتے دم تک اُس کی مدحت کیجئے
جس کا حُسن اللہ کو بھی بھا گیا
ایسے پیارے سے محبت کیجئے

تفسیر اعتراض مع جواب کے ذیل میں مفسر علیہ الرحمہ نے چھ اعتراض قائم کئے ہیں۔ تیسرا اعتراض کے عنوان میں رقم کیا ہے کہ یہاں کیوں نہ فرمایا گیا کہ "کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَنْفُسَهُمْ" جیسا کہ وہ اپنے آپ کو جانتے ہیں۔ اپنی پہچان زیادہ قوی ہے۔

جواب: اس لئے کہ اپنی پہچان دنیا میں آکر کچھ ہوش سنبھال کر ہوتی ہے، ماں کے پیٹ اور شروع ولادت میں اپنی خبر نہیں ہوتی مگر بیٹے کے نطفہ قائم ہوتے ہی باپ اس کو پہچانتا ہے اور بچپن سے اس کے نام واوصاف سے واقف ہوتا ہے۔ علماء اہل کتاب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ولادت سے پہلے سے جانتے اور لوگوں کو خوشخبریاں دیا کرتے تھے بلکہ اُن کے نام وکام سے باخبر تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے ہی فرما چکے تھے۔ اِسمُهٗ اَحْمَدُ (۸)

غرضیکہ "مفسر موصوف نے ہر جگہ اپنی تفسیر میں "ترجمہ کنزالایمان، کے ایمان افروز، روح افزا، نفیس اوراعلیٰ ترجمہ کے خطوط پر ہی کام کیا۔ اتباع کی، سراہا اور ترجمہ کے کمال کو بتایا ہے۔

لوگوں کی خوب سنتے ہیں:

"سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ آخَرِيْنَ"

(المائدۃ آیت ۴۱)

سے اس ایک جز کا مولانا محمد جونا گڑھی نے ترجمہ کیا ہے یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو غلط باتیں سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں"۔

مولانا فتح محمد خان صاحب جالندھری نے ترجمہ کیا۔ "ان کی وجہ سے غمناک نہ ہونا، یہ غلط باتیں بنانے کے لئے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں"۔

مولوی اشرفعلی تھانوی صاحب نے ترجمہ کیا۔ "جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کو اور جاسوس ہیں دوسری جماعت کے" مولانا محمود الحسن صاحب نے ترجمہ کیا۔ "جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لئے وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے"

مذکورہ چاروں مترجمین نے "سَمّٰعُوْنَ" کا ترجمہ "جاسوس اور جاسوسی" کیا ہے، اس کے برعکس اعلیٰحضرت امام احمد رضا نے ترجمہ کیا۔ "جھوٹ خوب سنتے ہیں اور لوگوں کی خوب سنتے ہیں"۔ یہاں سمّٰعون" کا ترجمہ "خوب سننا" کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا چاروں مترجمین اور امام رضا کے ترجمے میں فرق کیا ہیں اور کس بنیاد پر حضرت رضا کے ترجمہ کو فوقیت حاصل ہے۔ کنزالایمان کے مفسر مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔ "ماشاء اللہ حضرت مترجم قدس سرہٗ نے بہت صحیح ترجمہ فرمایا۔ اس مقام پر بعض مترجمین ومفسرین سے لغزش واقع ہوئی۔ انہوں نے 'لِقَوْمٍ' کے لام کو

علّت قرار دے کر آیت کے معنی یہ بیان کئے کہ منافقین و یہود اپنے سرداروں کی جھوٹی باتیں سنتے ہیں، آپ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر سے کان دھر کر سنتے ہیں جس کے وہ جاسوس ہیں، مگر یہ معنی صحیح نہیں اور نظم قرآنی اس سے بالکل موافقت نہیں فرماتی، بلکہ یہاں لامِــن کے معنی میں ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے سرداروں کی جھوٹی باتیں خوب سنتے ہیں اور لوگوں یعنی یہودِ خیبر کی باتوں کو خوب مانتے ہیں۔ جن کے احوال کا آیت شریف میں بیان آرہا ہے۔ (تفسیر ابوالسعود و جمل)۔(۹)

ترجمہ سے متعلق مفسر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت خوب ہے کہ آپ نے علمی نکات سے ظاہر فرمادیا کہ "کنزالایمان" واقعی ایمان کا خزانہ ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ ترجمہ اور تفسیر لکھنا سب کے بس کی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے کلام کا ترجمہ لکھنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی توفیق کا شامل حال ہونا ضروری ہے۔

اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔

(۵) اِنَّمَا وَ لِیُّکُمُ اللہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ رَاکِعُوْنَ۔

(آیت ۵۵۔سورۃ المائدہ)

تمہارے دوست نہیں، مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے، کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں(۱۰)

کنزالایمان میں "وَھُمْ رَاکِعُوْنَ" کا ترجمہ ہے "اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں" اس پر مفسر موصوف لکھتے ہیں: جملہ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ "دو وجہ رکھتا ہے ایک یہ کہ پہلے جملوں پر معطوف ہو دوسری یہ کہ حال واقع ہو پہلی وجہ اظہر و اقویٰ ہے اور حضرت مترجم قدس سرہٗ کا ترجمہ بھی اسی کے مساعد ہے (جمل عن المسلمین) دوسری وجہ ہر دو احتمال ہیں ایک یہ یُقِیْمُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ دونوں فعلوں کے فاعل سے حال واقع ہو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ وہ بخشوع وتواضع نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں (تفسیر ابوالسعود) دوسرا احتمال یہ ہے کہ صرف یُــؤتُــوْنَ کے فاعل سے حال واقع ہو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور متواضع ہوکر زکوٰۃ دیتے ہیں (جمل) بعض کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں ہے کہ آپ نے نماز میں سائل کو انگشتری صدقہ دی تھی، وہ انگشتری انگشت مبارک میں ڈھیلی تھی، بے عمل کثیر کے نکل گئی لیکن امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس کا بہت شد و مد سے رد کیا ہے اور اس کے بطلان پر بہت وجوہ قائم کئے ہیں۔(۱۱)

مفسر علیہ الرحمۃ نے "وَھُمْ رَاکِعُوْنَ" ترجمہ۔اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں" کو سراہ کر علمی بحث فرمایا ہے آخر کیوں؟ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس بات کے لئے دیگر تراجم کو پیش نظر رکھنا ہوگا کہ فتح محمد خان جالندھری نے مذکورہ جملہ کا ترجمہ کیا ہے۔" اور (خدا کے آگے) جھکتے ہیں"۔

مولانا محمد جوناگڑھی نے ترجمہ کیا ہے کہ "اور رکوع (خشوع و خضوع) کرنے والے ہیں"۔

موصوف نے پوری آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ۔" (مسلمانوں) تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں، جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں"۔ لیکن وَھُمْ رَاکِعُوْنَ کا ترجمہ وہ کیا جو آپ نے اوپر ملاحظہ فرمایا ہے۔ اگر رکوع سے خشوع و خضوع کرنے والے ہیں جبکہ موصوف ہی کے معنی پر جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں" پر "خشوع و خضوع کرنے والے ہیں" عجیب سا لگ رہا ہے۔

مفسر قرآن مفتی احمد یار خان کے مطابق خشوع و خضوع ہی مراد ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں "وَھُمْ رَاکِعُوْنَ" واؤ عاطفہ ہے اور جملہ

يُؤْتُوْنَ الزَّكوٰةَ پر معطوف ہوکر الَّذِيْنَ کا صلہ ہے، جملہ اسمیہ معطوف ہوسکتا ہے، جملہ فعلیہ پر یا واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ يُـقِيْـمُـوْنَ اور يُـؤْتُوْنَ دونوں فعلوں کے فاعل هُمْ کا حال ہے یا صرف يُـؤْتُوْنَ کے فاعل سے رَاكِعُوْنَ بنا ہے، رکوع سے ظاہر یہ ہے کہ یہاں رکوع بمعنی عجز و نیاز اور دلی خشوع وخضوع ہے، جیسے رب تعالیٰ نے جناب مریم سے فرمایا وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِيْنَ۔(۱۲)

موصوف کی تفسیر کی روشنی میں بھی " اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں" صحیح ہے کہ نماز اور زکوٰۃ دونوں فعلوں کے فاعل ہم کا حال ہے۔

موصوف مفسر علیہ الرحمۃ خلاصہ تفسیر میں لکھتے ہیں۔"اے مسلمانو اگر تم سے یہود الگ ہوگئے، تمہارے مومن ہوجانے کی وجہ سے تو کیوں گھبراتے ہو، تم تو اس سودے میں بڑے نفع میں رہے۔ تمہارا دوست، مددگار محبوب اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ سارے مسلمان ہیں جو نمازیں قائم رکھتے، زکوٰۃ دیتے ہیں ان کے دل میں خشوع وخضوع عجز و نیاز کا دریا موجیں مارتا ہے۔(۱۳)

دریا موجیں مارتا ہے، اور ترجمہ! اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں" کے صحیح ہونے کی دلالت کرتا ہے، ورنہ خشوع وخضوع کرنے والے ہیں" پر ہوگا" دریا موجیں مارنے والا ہے" جو کہ صحیح نہیں ہوگا۔

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے نماز میں سائل کو انگشتری صدقہ دی تھی" امام فخر الدین رازی اور مفتی احمد یار خاں نعیمی نے بھی اس کی تردید کی ہے اور مفتی نعیم الدین مرادآبادی نے نقل کیا ہے۔ ان سب سے قطع نظر بعض کے قول کے مطابق روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اعلیٰ حضرت کا ترجمہ حق ہے کہ "اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں" اور اسی حال میں انگشتری صدقہ میں دے دی۔

بے جا خرچ اور اسراف میں فرق:

وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

ترجمہ! اور بے جانہ خرچو، بے شک بے جا خرچنے والے اُسے پسند نہیں۔(۱۴)

"وَلَا تُسْرِفُوْا" کا ترجمہ اور بے جانہ خرچ کرو" پر اظہار پسندیدگی فرماتے ہوئے مفسر قرآن علامہ سید محمد نعیم الدین علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر خزائن العرفان میں لکھتے ہیں" حضرت مترجم قدس سرہٗ نے اسراف کا ترجمہ بے جا خرچ کرنا فرمایا، نہایت ہی نفیس ترجمہ ہے، اگر کُل مال خرچ کر ڈالا اور اپنے عیال کو کچھ نہ دیا اور خود فقیر بن بیٹھا تو سدی کا قول ہے کہ یہ خرچ بے جا ہے اور اگر صدقہ دینے ہی سے ہاتھ روک لیا تو یہ بھی بے جا اور داخل اسراف ہے جیسا کہ سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، سفیان کا قول ہے کہ اللہ کی اطاعت کے سوا اور کام میں جو مال خرچ کیا جائے وہ قلیل بھی ہو تو اسراف ہے، زہری کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ معصیت پر خرچ نہ کرو، مجاہد نے کہا کہ حق اللہ میں کوتاہی کرنا اسراف ہے اور اگر جبلِ ابوقبیس سونا ہو اور اس تمام کو راہِ خدا میں خرچ کردو تو اسراف نہ ہوا اور ایک درہم معصیت میں خرچ کرو تو اسراف۔(۱۵)

اس سلسلہ میں علامہ احمد یار خاں نعیمی کی تفسیر بھی اعلیٰ حضرت کے ترجے کی روشنی میں بہت طویل ہے۔ صرف عنوان کے تحت آیت کے جز کا ترجمہ کی روشنی میں مختصر تفسیر پیش نظر کر رہا ہوں، لکھتے ہیں:

"وَلَا تُسْرِفُوْا" اس عبارت کی بھی بہت سی تفسیریں ہیں، جن میں سے ہم صرف دو تفسیریں عرض کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ زکوٰۃ دو، مال برباد نہ کرو کہ ساری پیداوار لٹاؤ بال بچوں کے لئے کچھ نہ رکھو جیسا کہ شانِ نزول میں عرض کیا گیا، دوسرے یہ کہ تم پکنے سے پہلے ان کے پھل کھا تو سکتے ہو مگر زکوٰۃ سے بچنے کے لئے بیجا فضول خرچ نہیں کر سکتے۔ صرف بقدر ضرورت کچھ لینے کی اجازت ہے۔ تبذیر حرام کاموں میں خرچ اسی لئے تبذیر والوں کے متعلق ارشاد ہے کہ

مبذرین شیاطین کے بھائی ہیں۔ اسراف والوں کے لئے ارشاد ہے''اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ یہ عبارت''وَلَاتُسْرِفُوْا '' کی علّت ہے یعنی فضول خرچی اس لئے نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ فضول خرچیوں کو پسند نہیں کرتا اور بعض کو ناپسند کرتا ہے ان سے ناراض ہے''سرف'' کے لغوی معنی ہیں حد سے بڑھنا، اس لئے گناہوں کو بھی سراف کہا گیا ہے۔ واسرافنا فی امرنا۔(۱۶)

نبی اُمّی کے معنیٰ:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّی (الخ)۔۱۷

اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے مولانا محمد جونا گڑھی نے ''النَّبِی '' کا ترجمہ''نبی''اور اُمّی کا ترجمہ امی ہی لکھا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی''نبی'' معنی''نبی'' اور''اُمّی'' کے معنی ''اُمّی'' ہی لکھا ہے۔ مولانا محمود الحسن اور مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی''نبی'' کا معنی''نبی'' اور''اُمّی'' کا معنی''اُمی'' ہی لکھا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے''نبی'': کا ترجمہ! غیب کی خبریں دینے والے'' اور''اُمّی'' کا ترجمہ''بے پڑھے'' لکھا ہے۔ یعنی مذکورہ عبارت کا ترجمہ اس طرح سے تحریر فرمایا ہے۔ وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی''۔ اس ترجمہ پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے مفسر قرآن علامہ نعیم الدین مرادآبادی تحریر فرماتے ہیں:

'' آپ کی توصیف میں نبی فرمایا گیا اس کا ترجمہ حضرت مترجم قدس سرہ نے (غیب کی خبریں دینے والے) کیا ہے اور یہ نہایت ہی صحیح ترجمہ ہے کیونکہ نبا خبر کو کہتے ہیں جو مفید علم ہو اور شائبہ کذب سے خالی ہو قرآن کریم میں یہ لفظ اہل معنی میں بکثرت مستعمل ہوا ہے ایک جگہ ارشاد ہوا: قُلْ ھُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا۔ تِلْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْھَا اِلَیْکَ ایک جگہ فرمایا: فَلَمَّا اَنْبَاَھُمْ بِاَسْمَائِھِمْ ۔ اور بکثرت آیات میں یہ لفظ اس معنی میں وارد ہوا ہے، پھر یہ لفظ یا فاعل کے معنی میں ہوگا یا مفعول کے معنی میں، پہلی صورت میں اس کے معنی غیب کی خبریں دینے والے۔ اور دوسری صورت میں اس کے معنی ہوں گے''غیب کی خبریں دیئے ہوئے ۔ اور دونوں معنی کو قرآن کریم سے تائید پہنچتی ہے۔ پہلے معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: نَبِّئْ عِبَادِی ، دوسری آیت میں فرمایا، قُلْ اَوُ نَبِّئُکُمْ بِمَا تَاکُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ''اور دوسری صورت کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے'' نَبَّانِیَ الْعَلِیْمُ الْنَجِیُرُ ''اور حقیقت میں انبیاء علیہم السلام غیب کی خبریں دینے والے ہی ہوتے ہیں، تفسیر خازن میں ہے کہ آپ کے وصف میں نبی فرمایا کیونکہ نبی ہونا اعلیٰ اور اشرف مراتب میں سے ہے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ اللہ کے نزدیک بہت بلند درجہ رکھنے والے اور اس کی طرف سے خبر دینے والے ہیں۔

''اُمّی'' کا ترجمہ حضرت مترجم قدس سرہ نے (بے پڑھے) فرمایا یہ ترجمہ بالکل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد کے مطابق ہے اور یقیناً اُمّی ہونا آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ دنیا میں کسی سے پڑھا نہیں اور کتاب وہ لائے جس میں اولین وآخرین اور غیبوں کے علوم ہیں (خازن)(۱۸)

مذکورہ عبارت کی تفسیر میں علامہ احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں۔''اللہ کی طرف سے تبلیغ کرنے والا رسول ہے، اللہ کے نزدیک بڑی شان، بڑے درجہ والا نبی ہے، یعنی نبی نبوۃ سے بنا بمعنی بلندی درجات (تفسیر روح المعانی وکبیر) یا نبی نباءٌ سے بنا بمعنی خبر، نبی خبر والا، یعنی غیبی خبر دینے والا یا سب کی خبر رکھنے والا یا خبر لینے والا، اُمّی کی تفسیر ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ بنا ہے اُمٌ اور یاء نسبتی سے امّ سے مراد یا توام القریٰ یعنی مکّہ معظمہ ہے، امّی بمعنی کی ہے، یعنی مکہ میں پیدا ہونے والے یا امّ بنا ہے اُمّہ عربیہ سے جو لکھنے پڑھنے سے عموماً علیحدہ تھے یعنی بے پڑھے لکھے جماعت میں پیدا ہونے والے یا امّ بمعنی ماں ہے یعنی

شاندار ماں والے کہ جناب آمنہ جیسی شان والی بی بی جو محمد مصطفےٰ کی ماں ہیں نہ پیدا ہوئی نہ پیدا ہو، بے مثال کی بے مثال ماں رضی اللہ عنہا یا امّی کے معنی ہیں ماں کے پیٹ سے عالم و عارف پیدا ہونے والے جن کے دامن پر کسی کی شاگردی کسی کی مریدی کسی سے فیض لینے کا دھبہ نہیں (۱۹)

"کنزالایمان" اپنے مفسّرین کی نظر میں اعلیٰ عمدہ اور بہتر ترجمہ ہے کہ مترجم امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے "نبی" کا ترجمہ، غیب کی خبریں دینے والے۔ "اُمّی" کا ترجمہ! بے پڑھے" تحریر فرمایا اور مفسّرین نے اسے ثابت کیا ہے، جیسا کہ آپ نے اوپر ملاحظہ فرمالیا ہے جو کہ علمی اور ایمان افروز تفسیریں ہیں۔ علامہ احمد یار خاں نعیمی" کی تفسیر "نورالعرفان" مکمل ہے اور عرصہ قبل ادارہ "استقامت" نے شائع کیا تھا، اور "اشرف التفاسیر" نو پارے کی نو جلدوں میں کئی ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں، نویں پارے سے آگے آپ کے صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی نے کی ہے۔ آپ کی لکھی ہوئی تفسیر یعنی ۱۰ پارے سے ۱۵ پارے کی ۲ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ یہ تفسیر بھی۔ ترجمہ کنزالایمان کی روشنی میں لکھی گئی اور علامہ احمد یار خاں نعیمی کی مکمل تقلید کی گئی ہے، ان کے علاوہ دیگر تفاسیر بھی ہیں جو عام نہیں ہیں مثلاً:

۱۔ مفتی اعجاز ولی خاں: تنویر القرآن علی کنزالایمان۔ ۱۳/ پارے قلمی "جہانِ رضا" لاہور کی رپورٹ کے مطابق فروری ۱۹۹۳ء تک مذکورہ تفسیر شائع نہیں ہوئی تھی۔

۲۔ مولانا محمد حشمت علی خاں: جواہر الایقان فی توضیح کنزالایمان۔ ۳ پارے

۳۔ مولانا محمد حشمت علی خاں:۔ امداد الادیان فی تفسیر القرآن، علی کنزالایمان

۴۔ علامہ محمد عبدالمصطفیٰ ازہری:۔ تفسیر ازہری موسوم بہ اسم تاریخی۔ ۵ پارے کراچی

۵۔ مولانا غلام معین الدین:۔ تفسیر البیان۔ پارہ اوّل۔ لاہور

۶۔ مفتی ریاض الدین قادری:۔ تفسیر ریاض القرآن (جلد اوّل) ۴، ۱، ۶ پارے

۷۔ مفتی عزیز احمد قادری بدایونی:۔ تفسیر فی ترجمۃ القرآن عرف ترجمہ قاری۔ لاہور

۸۔ مولانا محمد نبی بخش حلوائی نقشبندی۔ تفسیر نبوی (پنجابی سے اردو ترجمہ۔ ۱۵ جلدیں) (۲۰)

ان تفاسیر کے علاوہ اور بھی تفاسیر ہوں گی، جن کی تحقیق ضروری ہے۔ علاوہ ازیں کچھ اہل علم نے صرف ایک یا دو سورتوں کی تفسیر کنزالایمان کی روشنی میں کی ہیں، جیسے شباب الدین بن محمود بن ابراہیم (۲۱) نے مصباح العاشقین (تفسیر الضحیٰ) کنزالایمان کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے۔ صرف ایک آیت کی تفسیر پیش نظر کر رہا ہوں۔

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔

اور منگتا کو نہ جھڑکو۔

البتہ اس آیت شانِ نزول یہ ہے کہ ایک دن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بازار سے گزرے بڑے بڑے اور اچھے سیب بک رہے تھے، عثمان بن عفان نے ان سیبوں کو خرید لیا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور رسید عالم ﷺ کی نظر کے سامنے رکھا، پیغمبر علیہ السلام چاہتے تھے کہ ان سیب کو توڑیں کہ اتنے میں سائل آ گیا اور کہنے لگا التوفیق شئ عزیز، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سیب سائل کو دے دیا، عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور سائل کے پاس گئے اور اس سیب کو خرید لیا۔ پیغمبر علیہ السلام کے سامنے لائے، پیغمبر علیہ السلام نے چاہا کہ کھائیں، پھر وہی سائل آیا اور کہنے لگا "التوفیق شئ عزیز" پیغمبر علیہ السلام نے پھر وہی سیب سائل کو دے دیا، اب علی رضی اللہ عنہ اٹھے اور اسی سیب کو خرید کر پیغمبر علیہ السلام کے سامنے

لائے، پیغمبر علیہ السلام نے وہ سیب سائل کو دے کر ارشاد فرمایا انت سائلی یا تاجری؟ تو سائل ہے یا تاجر ہے؟ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آگئے اور اللہ رب العزت کے پاس سے یہ آیت لائے۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَاتَنْھَرْ۔ اور منگتا کو نہ جھڑکو۔

رسالہ قطب عالم خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے لکھے ہوئے میں میں نے دیکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک زانی کو خواب میں دیکھا جو بادشاہی ٹوپی پہنے ہوئے تخت نشیں تھا پوچھا اس عزت واحترام کی کیا وجہ ہے۔ وہ زانی بولا کہ ایک دن میں بھوکا تھا میں نے چاہا کہ روٹی کھاؤں کہ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آگیا تو میں نے وہ روٹی سائل کو دے دی، آج کے دن وہ روٹی میرے کام آئی۔ (۲۲)

''کنزالایمان اپنے مفسرین کی نظر میں'' اس عنوان سے ایک مختصر جائزہ سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کنزالایمان کو اہل علم نے ماضی میں بھی پسند فرمایا اور حال میں بھی پسند فرماتے ہیں اور انشاء اللہ مستقبل میں بھی پسند فرمائیں گے، کیونکہ کنزالایمان کے حسین وجمیل، مرقع ومرصع اور بامحاورہ ترجمے کی معنوی وصوری عمارت صرف کسی علوم کے بل بوتے پر نہیں کھڑی کی گئی ہے بلکہ اس میں کئی علوم کی قوتیں، وہبی علوم کی مددیں، معرفتِ قرآن کی پنہائیاں، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گیرائیاں، عشق حقیقی کی تپشیں، عشق رسول کی سوزشیں، عشق انبیاء کی موجیں شامل ہیں۔ اسی لیے رموز قرآن کے علماء، دانشور اور شناور بے ساختہ کہتے ہیں کہ

''کنزالایمان'' زندہ باد ''کنزالایمان'' پائندہ باد۔

حواشی

(۱)۔ کنزالایمان ص ۳۴، تاج کمپنی لمیٹڈ، ناشران قرآن مجید لاہور، کراچی
(۲)۔ شاہ فہد، قرآن کریم پرنٹنگ کمپلکس
(۳)۔ ایضاً
(۴)۔ قرآن شریف پرنٹنگ کمپلکس، پوسٹ نمبر ۳۵۶۱، مدینہ منورہ
(۵)۔ حاشیہ کنزالایمان ص ۳۴-۳۵، تاج کمپنی لمیٹڈ، ناشرین قرآن مجید، لاہور۔ کراچی
(۶)۔ اشرف التفاسیر جلد ۲، مکتبہ رضویہ، نئی دہلی ۲
(۷)۔ ایضاً
(۸)۔ ایضاً
(۹)۔ خزائن العرفان ص ۱۶۶، تاج کمپنی، لاہور
(۱۰)۔ کنزالایمان
(۱۱)۔ خزائن العرفان برحاشیہ کنزالایمان ص ۱۷۱، تاج کمپنی، لاہور
(۱۲)۔ اشرف التفاسیر، ص ۵۶۸، مکتبہ رضویہ، نئی دہلی
(۱۳)۔ اشرف التفاسیر، ص ۵۶۹ مکتبہ رضویہ، نئی دہلی
(۱۴)۔ کنزالایمان
(۱۵)۔ خزائن العرفان برحاشیہ کنزالایمان، ص ۲۱۲، تاج کمپنی، لاہور
(۱۶)۔ اشرف التفاسیر، ص ۱۸۱، جلد ۸، مکتبہ رضویہ، دہلی۔ ۶
(۱۷)۔ سورۃ اعراف آیت ۱۵۷
(۱۸)۔ خزائن العرفان برحاشیہ کنزالایمان، ص ۲۴۶، تاج کمپنی، لاہور
(۱۹)۔ اشرف التفاسیر، ص ۲۹۲، جلد ۹، مکتبہ اسلامیہ اردو بازار، لاہور
(۲۰)۔ (نوٹ)..... تفاسیر کے حوالے کے لئے دیکھئے ''جہانِ رضا'' لاہور، فروری ۱۹۹۳ء کا شمارہ
(۲۱)۔ تاریخ صُوفیائے ناگور مع سلاطین وقت ازقلم پیر صوفی محمد ایوب تارک چشتی فاروقی، میں مصباح العاشقین کو نقل کیا ہے۔

موصوف ''رسالہ مصباح العاشقین کے تعلق سے تحریر فرمایا ہے کہ درسالہ مصباح العاشقین چوھویں صدری کے اواخر یا پندرہویں صدی کے اوائل کا ہوسکتا ہے۔ محمد ادریس رضوی

(۲۲) تاریخ صوفیائے ناگور مع سلاطین وقت۔ از قلم ایضاً، ص ۲۱۹-۲۲۰)

☆......☆......☆

کنز الا یمان تقدیس الوہیت اور عظمت رسالت کا پاسبان

پروفیسر سید اسد محمود کاظمی ☆

قرآن عظیم کتب مبین ہے[۱] ہر شے کا واضح بیان ہے[۲] ہر خشک وتر کی جامع [۳] اور ہر چھوٹی بڑی چیز کو سمیٹے ہوئے ہے [۴] عالمین کے لیے نصیحت ہے [۵] مکمل کتاب ہے [۶] ان خصوصیات کے ساتھ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ خالق و مالک کا بے مثل و مثیل کلام ہے۔ قرآن عظیم کے کتاب اللہ ہونے کی کیا دلیل ہے؟ ملاحظہ فرمایئے قرآن نے اتنے مشکل سوال کے جواب کیلیے نہ تو منطقیانہ و فلسفیانہ اصطلاحات کا استعمال کیا ہے اور نہ کوئی ادق اور پیچیدہ دلیل پیش کی جو عام انسان کی سوچ سے ماورا ہو۔ بلکہ انتہائی سادہ مگر وزنی دلیل پیش کی۔

وَ لَوْ کان من عند غیر اللہ لوجد وا فیہ اختلافا کثیرا[۷]

''اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے''۔

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ)

خصوصیات مترجم قرآن:

مذکورہ بالا صفات قرآنیہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جو کتاب علوم کاملہ کو اپنے سینے میں سمیٹے ہوئے ہو اس کی ترجمانی کیلیے کسی جامع العلوم، مجمع الفہوم ہستی کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ ترجمہ و تفسیر مراد خداوندی پر آگاہی کا نام ہے۔

گویا مراد خداوندی نے قرآنی حروف، اشکال و نقوش کا جامہ پہنا ہوا ہے۔[۸] تو جب تک علوم قرآنیہ پر دسترس نہ ہوگی تو مراد خداوندی پر آگاہی کیسے ممکن ہے؟

نتیجتاً مترجم قرآن جگہ جگہ علمی ٹھوکریں کھائے گا اور اس کی سیاہی کی بوندیں اہل اسلام کی گمراہی کا سبب بنیں گی۔

بقول حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمتہ

''علمائے کرام اور فضلائے عظام کا طریقہ یہ تھا کہ قرآن کریم کے ترجمہ کے لیے اکیس ۲۱ علوم میں محنت کرتے تھے۔ مثلاً نحو، معانی، بیان، بدیع، ادب، لغت، منطق، فلسفہ، حساب، جیومیٹری، فقہ، تفسیر، حد اصول وغیرہ وغیرہ۔ ان علوم میں اپنی عمر کا کافی حصہ صرف کرتے تھے۔ جب نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے ان علوم میں پوری مہارت حاصل کر لیتے تب قرآن شریف کے ترجمہ کی طرف توجہ کرتے[۹]

اعلیٰ حضرت بحیثیت مترجم قرآن:

زُلفِ یار اور ریشِ واعظ سے الجھنا ہمارا منصب نہیں۔ بہر کیف یہ بات بغیر تعصب اور جانبداری کے کہی جاسکتی ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مترجمین قرآن کی صف میں جو مرتبہ علم، ندرت فکر، علوم جدیدہ و قدیمہ پر دسترس، وسعت مطالعہ، ذخیرہ الفاظ، خدا خوفی، محبت، رسالت، تقوی و پرہیز گاری جیسی صفات جس طرح قدرت نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو ودیعت فرمائی تھیں وہ کسی اور مترجم کے حصہ میں نہیں آئیں۔

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری رقمطراز ہیں:

☆ انسٹیٹیوٹ آف ہائر اسلامک سٹڈیز کھڑی شریف میر پور آزاد کشمیر

''اس (کنز الایمان) کے غائر مطالعے سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ امام احمد رضا خان قادری نہ صرف یہ کہ واقعی ایک جامع العلوم شخصیت ہیں بلکہ عظمت الٰہی اور ناموس انبیاء ورسل کے ایک عظیم علمبردار بھی ہیں۔ ترجمہ میں اردو زبان کے الفاظ، محاورات اور ٹکسالی اصطلاحات کے انتخاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی فکر محبت الٰہی جل جلالہ میں غرق اور ان کا قلب عشق رسول ﷺ میں سرشار اور ان کا قلم تحفظ عظمت الٰہی اور ناموس رسالت کے لیے برق رفتار تلوار ہے[۱۰]

اعلیٰ حضرت الشیخ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو علوم قرآنیہ پر کیسی دسترس تھی؟ آپ کے سیرت نگار ملک العلماء ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں ۔۔۔''تاج الفحول، محبّ الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمۃ کے عرس شریف میں بدایوں تشریف لے گئے۔ وہاں نو بجے سے تین بجے تک کامل چھ گھنٹے سورۃ والضحیٰ پر حضور کا بیان ہوا پھر فرمایا اسی سورۃ مبارکہ کی کچھ آیات کریمہ کی تفسیر میں ۸۰ جز رقم فرما کر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے قرآن پاک کی تفسیر لکھ سکوں۔[۱۱]

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کی ان خداداد صلاحیتوں کو دیکھ کر ماہر رضویات، ترجمان افکار و تعلیمات اعلیٰ حضرت محترم پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''وہ ایک باخبر ہوشمند اور باادب مترجم تھا۔ ترجمہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نے آنکھیں بند کر کے ترجمہ نہیں کیا بلکہ وہ جب کسی آیت کا ترجمہ کرتے تھے تو پورا قرآن، مضامین قرآن، اور متعلقات قرآن ان کے سامنے ہوتے تھے''[۱۲]

دیگر تراجم قرآن:

ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا خاصا مشکل امر ہے اور پھر مزید یہ کہ کلام الٰہی کی ترجمانی تو اس سے بھی مشکل امر ہے۔ اسی لیے مترجم قرآن پر ضروری ہے کہ وہ عربی قواعد کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ اسلامی اصول و قوانین کو بھی ملحوظ رکھے۔ مبادا ترجمہ قرآن کرتے ہوئے شرعی قوانین و اسلامی قواعد پر حرف آئے۔

مگر حیرت کے سمندر میں ڈوب کر ہم یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں مترجمین قرآن نے اپنے ذاتی عقائد و نظریات کو پیش نظر رکھ کر صرف ظاہری ترجمہ پر ہی اکتفا کیا اور دوسرا اہم پہلو ان کی نگاہ سے اوجھل رہا کہ ظاہری ترجمہ کرنے سے وہ لوگ مترجمین کی صف میں شامل تو ہو گئے مگر انہوں نے اسلام کے بنیادی عقائد اور اصول و ضوابط کی مضبوط جڑوں پر کلہاڑا چلا دیا اور کہیں ترجمہ قرآن سے جبریوں اور قدریوں کے موقف کی حمایت کر دی۔

توحید کے علمبرداروں کے ترجمہ قرآن سے نہ تو خداوند قدوس کی تقدیس محفوظ رہی اور نہ ہی رحمت کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت۔ اگر کوئی نومسلم ایسے مترجمین قرآن کے ترجمہ کو پڑھے گا تو وہ کیا محسوس کرے گا کہ یہ اسلام کیسا دین ہے کہ جس میں ''خدا بھی مکر کرتا ہے'' نعوذ باللہ ''دغا بھی دیتا ہے'' ''داؤ بھی کرتا ہے'' ''بھول بھی جاتا ہے'' ''سب فریب اس کے ہاتھ میں ہے'' تو تصور فرمایئے! خدا کے بارے میں اس کا کیا نظریہ ہوگا جو حقانیت اسلام سے متاثر ہو کر اپنے مذہب کو تو چھوڑ چکا کیا خدا کے بارے میں یہ جان کر کہ مسلمانوں کا خدا مکر کرتا ہے'' ''بھول بھی جاتا ہے'' ''داؤ بھی کرتا ہے'' وہ اسلام میں رہے گا؟

کیا یہ مترجمین، قرآن پڑھنے والوں کو دین اسلام کی تعلیمات پر مطمئن کر رہے ہیں؟ یا دین سے ہٹا رہے ہیں؟۔ پھر ایسے تراجم کی اشاعت تبلیغ دین ہے یا تضییع دین؟ انانیت و ہٹ دھرمی سے بڑھ کر کوئی چیز مضر نہیں۔ جب ''انسان متند ہے میرا فرمایا ہوا'' کے نظریے پر عمل کرتے ہوئے خود کو عقل کل اور مخزن علم سمجھ کر دوسروں کے درست عمل کی بھی تغلیط کرے تو اس سے بڑھ کر جہالت کچھ نہیں۔ اور جہالت مرضیست کہ دوائے ندارد۔

اس لیے اگر تمام تراجم قرآن کو ایک ایسے مقام پر اکٹھا کیا جائے

جہاں عقیدت مندی کے بجائے ترجمہ کے لفظ لفظ پر تنقیدی نگاہ ڈالی جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ قرآن مجید کو عربیت سے اردو میں جس طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے ڈھالا ہے وہ کسی دوسرے مترجم کو نصیب نہیں ہوا۔

مترجمین قرآن نے جب قرآنی آیات کے ترجمہ میں ایسے الفاظ کا استعمال کیا جو توحید و رسالت کے منافی تھے، جن سے اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کیے جا سکتے تو اعلیٰ حضرت وہ اوّلین مترجم ہیں جنہوں نے ۱۳۳۰ ہجری میں اہل اسلام کو قرآن عظیم کا صحیح ترین ترجمہ دیا۔ یاد رہے کہ کنز الایمان شریف سے قبل مولوی عاشق الٰہی اور اشرف علی تھانوی کے تراجم مارکیٹ میں دستیاب تھے۔ جبکہ محمود الحسن، عبدالماجد دریابادی اور مولوی احمد سعید دہلوی جو کہ سب کے سب دیو بندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے ان کے تراجم کنز الایمان کے بعد احاطہ تحریر میں آئے۔ مگر اس کے باوجود یہ مترجمین انتخاب الفاظ میں مار کھا گئے اور غیر مناسب الفاظِ قرآن کے ترجمان بن گئے۔

فاضل شہیر، نابغہ عصر، علمبردار فکر رضا مفتی فیض احمد صاحب اویسی قبلہ زاد اللہ شرفہ اسی پس منظر میں رقمطراز ہیں۔ ''اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام العرب والعجم رضی اللہ عنہ نے اپنے قلم سے اسلام پر دشمنان اسلام کے تمام گھناؤنے داغ دھونے میں زندگی گزار دی۔ پھر وہ اب کس طرح کسی غبار آلود لفظ کو منہ لگا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کنز الایمان کی ترجمانی ہر آیت کی آواز ہے۔ اور اس کا ہر مضمون اسلام کا صحیح ترجمان ہے۔ چنانچہ بقول علامہ زرقانی مترجمین میں کچھ لوگ معاندین اسلام بھی ہیں جن کو ترجمہ کرنے سے غرض صرف اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنی ہیں اور بس۔ لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ کیلئے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ترجمہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے توحید و رسالت سے لے کر شریعت کے عام مسئلہ تک ہر ایک کا پورا حق ادا کیا[۱۳]

تقابل تراجم:

قارئین کرام اب قرآن عظیم سے ایسی آیات کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے کہ جن آیات میں دیگر مترجمین قرآن نے منصب توحید و رسالت کا پاس نہ رکھا اور من پسند ترجمے کیے اور ساتھ ہی کنز الایمان شریف کا ترجمہ بھی پیش کیا جائے گا۔ تاکہ علم ہو سکے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے ان آیات کے ترجمہ پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب بین السطور اردو ترجمہ میں ہی ادا کر دیا۔۔۔۔۔

توحید باری تعالیٰ:

(۱) یخادعون اللّٰہ والذین اٰمنوا [۱۴]

☆ ''دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے''

(شاہ عبدالقادر)

☆ ''فریب دیتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو کہ ایمان لائے''

(شاہ رفیع الدین)

☆ ''چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے''

(اشرف علی تھانوی)

☆ ''وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں''

(مودودی)

مذکورہ بالا تراجم قرآن کا بغور مطالعہ کرنے سے بہت سے سوالات سامنے آتے ہیں۔ مثلاً منافقین فی الواقع اللہ تعالیٰ سے دغابازی کرتے ہیں یا اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ اس لیے کہ جو ذات علیم بذات الصدور ہے اس سے دغا ممکن نہیں ہے۔ نیز منافقین کا جب یہ عقیدہ ہی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے تو انہیں اپنی منافقت میں اللہ تعالیٰ سے دغا، فریب کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ تو پتہ چلا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دغا، فریب، چالبازی ممکن تو نہیں مگر منافقین ہیں کہ اپنے خیال میں دغابازی کرنا چاہتے ہیں یہ نہیں کہ دغا کرتے ہیں۔

اب ذرا کنز الایمان شریف کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے آیت پر وارد ہونے والا یہ اعتراض

کس حسین انداز میں ترجمہ فرما کر رفع کر دیا ہے۔ اور دیگر تراجم سے جو وہم پیدا ہو سکتا تھا اس کا ازالہ کیسے فرمایا:

"فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو"

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ)

(۲) انّما التوبة علیٰ اللّٰہ [۱۵]

☆"توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور" (شاہ عبدالقادر)

☆"توبہ جس کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے" (اشرف علی تھانوی)

☆"اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق ہے" (مودودی)

☆"توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور" (محمود الحسن)

اسلامی بنیادی عقائد میں عقیدہ توحید کے متعلق نظریہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں مگر مذکورہ آیۂ مبارکہ کے جو تراجم پیش کیے گئے ان سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر قبولیت توبہ لازم ہے۔ اس لیے کہ جب اس پر کچھ کرنا واجب ہی نہیں تو کسی عمل کا کرنا ضروری کیسے ہو گیا؟ جبکہ کسی چیز کا ضروری کرنا اس کے وجوب کے مترادف ہے۔

قرآن حکیم کی ایک دوسری آیۂ مقدسہ میں ہے

"و من اصدق من اللّٰہ قیلا"

جس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمان کو پورا فرماتا ہے۔ اور یہ اس کا فضل ہے نہ کہ اس پر واجب و لازم۔ تو اب پہلی آیۂ مقدسہ کا مفہوم یہ ہوا کہ توبہ کی قبولیت اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذمہ واجب تو نہیں مگر اس نے اپنے فضل سے توبہ کی قبولیت کو لازم فرما لیا ہے اور وہ اپنے وعدہ کا تخلف نہیں فرماتا۔

اس تشریح کی روشنی میں یہ ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیے جس میں سرے سے یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔

"وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا"

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ)

(۳) وما جعلنا القبلة التی کنت علیھا الا لنعلم [۱۶]

☆اور وہ قبلہ جو ہم نے ٹھہرایا جس پر تو تھا نہیں مگر اس واسطے کہ معلوم کریں (شاہ عبدالقادر)

☆اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو محض اس کے لیے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جاوے (اشرف علی تھانوی)

☆نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں (محمود الحسن)

بیت المقدس اہل اسلام کیلیے قبلہ اول تھا ہجرت مدینہ کے تقریباً ڈیڑھ برس بعد تک بیت المقدس ہی مسلمانوں کے لیے قبلہ تھا اور پھر نبی کریم ﷺ کی چاہت پر کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔ اس آیت مقدسہ میں یہی پس منظر بیان ہوا ہے۔ کہ تبدیلی قبلہ کا مقصد یہی ہے کہ یہ امتیاز ہو جائے کہ کون رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور کون انحراف کرتا ہے؟

اس شان ورود کے پیش نظر تراجم بالا سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قبلہ کو اسلیے تبدیل کیا کہ اسے اطاعت شعاروں اور انحراف کرنے والوں کا علم ہو جائے "معلوم کریں" اور "ہم کو معلوم ہو جاوے" کا یہی مفاد ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو پہلے علم نہ تھا جو آزمائش کے بعد ہوا؟ رسول اللہ ﷺ کے علم شریف کو پیمانوں میں ناپنے والے علم الٰہی سے کتنے مخلص ہیں یہ دیکھنا چاہتے ہیں تو مذکورہ تراجم پر ایک مرتبہ پھر نظر ڈالیے۔ ممکن ہے ہمارے اس حرف اختلاف پر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ کیا "**لنعلم**" کا لفظی ترجمہ "ہم کو معلوم ہو جاوے" یا "معلوم کریں" لغوی اعتبار سے درست نہیں؟ تو جواباً گزارش ہے کہ اگرچہ لفظی ترجمہ اپنی جگہ درست ہے مگر مراد خداوندی پر آگاہی کے لیے بعض اوقات لفظی ترجمہ کے بجائے ترجمانی کا رنگ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ قرآن عظیم میں چند دیگر مقامات پر بھی "علم" مختلف جہتوں سے استعمال ہوا ہے۔ جیسے

☆لمایعلم اللّٰہ الذین جاھدوا منکم ویعلم الصابرین [۱۷]
☆ولیعلم اللّٰہ الذین آمنو ویتّخذ منکم شھداء [۱۸]
☆ولیعلم اللّٰہ الذین نافقوا [۱۹]

ان جیسی متعدد آیات قرآن عظیم کی زینت ہیں جن میں دیگر مترجمین نے ایسے تراجم کیے ہیں جن سے معتزلہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ جن کا موقف یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو وقوع فعل کے بعد علم ہوتا ہے۔ جبکہ اہل سنت کا علم باری تعالیٰ کے متعلق نظریہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی وقدیم ہے اسی طرح اس کا علم بھی ازلی اور قدیم ہے۔

جہاں تک مذکورہ آیات کا تعلق ہے تو ان میں "علم" کبھی تو ابتلاء وآزمائش کیلیے مستعمل ہے۔ کہیں اظہار کے معنی میں، کہیں تمیز کے معنی میں، کہیں رویت کے معنیٰ میں۔ آیات ہم نے سورۃ اور پارہ کی قید سے ذکر کردی ہیں قارئین مختلف تراجم لے کر موازنہ کر سکتے ہیں کہ قرآن عظیم کے معنیٰ ومفہوم کو کس نے صحیح ادا کیا ہے اور کون راہ اعتزال کا راہی ہے۔

اب آیت مطلوبہ کا صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔ "اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اس لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں"
(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ)

۴۔نسوا اللّٰہ فنسیھم [۲۰]

☆ بھول گئے خدا کو پس بھول گیا ان کو اللہ (شاہ رفیع الدین)
☆ بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو (محمود الحسن)
☆ یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں بھلا دیا (مودودی)

جس طرح اللہ کی ذات ہر قسم کے عیب سے پاک ہے ویسے ہی نسیان سے بھی پاک ہے۔ علامہ احمد ابن محمد صاوی مالکی اپنے مشہور حاشیہ میں فرماتے ہیں:

ان النسیان مستحیل علی اللّٰہ تعالی [۲۱]

مترجمین بالا نے دونوں مقامات پر "نسیان" کا معنیٰ بھولنا کیا ہے۔ حالانکہ اگر انسان بھول جائے تو اس پر مواخذہ نہیں اور بھولنے کی نسبت خدا کی طرف کرنا محال ہے تو پھر معنیٰ کیا ہوگا؟

تفسیر جلالین میں ہے:

"نسو اللّٰہ" ترکوا طاعتہ "فنسیھم" ترکھم من لطفہ

کہ منافقین نے خدا کی اطاعت کو ترک کیا تو خدا تعالیٰ نے انھیں اپنے لطف وکرم سے محروم کر دیا۔ امام صاوی علیہ الرحمۃ کی اس تشریح کے بعد دل پر ہاتھ رکھ کے بتایئے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف نسیان کی نسبت کر رہے ہیں یہ اہل اسلام کو قرآن کی تفہیم بتا رہے ہیں یا لفظی ترجمہ کر کے عقیدہ توحید سے کھیل رہے ہیں۔

حیرت ہے جن لوگوں کی دسوں انگلیاں توہین کے جرم قبیح سے آلودہ ہیں وہ دوسروں کے شفاف دامن پر شرک وبدعت کے دھبے تلاش کر رہے ہیں۔

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ غافل آنکھ کا اپنی ذرا شہتیر بھی

آیئے اب تفسیری اور باادب ترجمہ ملاحظہ فرمایئے اور اگر یاد نہ رہا ہو تو "جلالین" پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجیے۔

"وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا"
(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ)

ناموس رسالت:

بخوف طوالت مقالہ صرف دو آیات مقدسات کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔فا ن یشا ء اللہ یختم علیٰ قلبک [۲۲]۔

☆اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر مہر کردے (مودودی)
☆سو اگر اللہ چاہے مہر کردے تیرے دل پر (محمود الحسن)
☆سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے (اشرف علی تھانوی)

تراجم بالا کے تیور ملاحظہ فرمایئے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ مترجمین اس آیت سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ "ختم اللّٰہ علیٰ

قلوبھم" [۲۳] کے بعد مہر کی جگہ اگر باقی ہے تو وہ قلب رسالت پناہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی ہے۔ ہمارے لیے تو یہ تصور ہی نہایت بھیانک اور ہولناک ہے۔

افسوس اس بات پر ہے کہ رحمت کائنات علیہ السلام کی حیات ظاہری میں جس طرح دشمنان دین زر ہیں، نیزے، تلواریں خرید کر آپ علیہ السلام کے قلب مبارک کو حزیں کرتے تھے۔ آج وہی کام چند سکوں کی نب خرید کر اپنے گھر کی چار دیواری یا اپنے مدرسہ کے دارالحدیث میں بیٹھ کر بآسانی سرانجام دیا جا رہا ہے۔ اگر اس آیت مبارکہ کے شان نزول پر نگاہ ڈالی جائے تو معاملہ واضح ہو جائے گا کہ یہ مہر کون سی ہے۔ کفار و مشرکین نے جب رسول اللہ ﷺ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے اعلان نبوت کر کے خدا پر جھوٹ باندھا ہے تو آقائے دو جہاں ﷺ کو ان کی باتوں سے اذیت ہوئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو تسلی دینے کے لیے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ اب ادب رسالت سے معمور یہ ترجمہ بھی دیکھ لیجیے جو قرآن کا بہترین ترجمان اور عظمت رسالت ﷺ کا محافظ ہے۔

"اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت وحفاظت کی مہر فرمادے" (اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ)

۲۔ فلاتکونن من الممترین [۲۴]

☆ تحقیق سو مت ہو شک لانے والا (شاہ عبدالقادر)
☆ سو آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہوں (اشرف علی تھانوی)
☆ سو تو مت ہو شک کرنے والوں میں سے (محمود الحسن)
☆ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں نہ ہوں (مودودی)

قرآن عظیم کے قاری کا عام تاثر یہ ہے کہ قرآن عظیم کے ہر حکم کے مخاطب رسول رحمت ﷺ ہیں۔ جب یہ تاثر لے کر کوئی قاری تراجم بالا کو پڑھے گا تو اس کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ یہ خطاب بھی حضور ﷺ کو ہی ہے۔ حالانکہ تفاسیر کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ قرآن عظیم میں بعض اوقات خطاب حضور ﷺ کو کیا جارہا ہوتا ہے اور مراد امت ہوتی ہے۔ اسے اصطلاح میں "تعریض" کہتے ہیں۔ اب اگر منتخب آیت مبارکہ کا مطالعہ تفاسیر معتبرہ کی روشنی میں کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ خطاب بظاہر حضور ﷺ کو ہے مگر یہاں مراد امت ہی ہے۔ تفسیر روح المعانی، تفسیر جلالین، تفسیر کبیر، تفسیر مدارک، اور حاشیہ الصاوی میں جلیل القدر مفسرین کرام نے بھی آیت مبارکہ کی تفسیر یہی کی ہے کہ اگرچہ بظاہر خطاب حضور نبی کریم ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے۔ ہم نمونہ کے طور پر صرف علامہ احمد ابن محمد الصاوی المالکی علیہ الرحمۃ کی وضاحت پیش کرتے ہیں۔

تفسیر جلالین میں تھا (فلاتکونن من الممترین) الشاکین فیہ والمراد بذالک التقریر للکفار کہ ممترین سے مراد شک کرنے والے ہیں اور وہ کافر ہیں۔ اس کی تفسیر میں صاحب حاشیہ الصاوی فرماتے ہیں "یہ جو کہا جاتا ہے کہ شک کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کرنا محال ہے تو پھر جس چیز کا کرنا محال ہے اس سے روکا ہی کیوں گیا ہے" اجیب ایضاً بانہ من باب التعریض للکفار بانھم ھم الممترون فالخطاب لہ والمراد غیرہٗ [۲۵]

جواباً کہتے ہیں کہ یہ کفار کے لیے تعریضاً استعمال ہوا۔ ظاہری خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو ہے مگر حقیقتاً مراد امت ہے۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ خطاب میں مراد امت ہے۔ اور یہ چیز تفاسیر معتبرہ کی درک سے حاصل ہوئی جس کی مترجمین مذکورہ نے کوئی اشارہ نہ کیا اور قاری کو اس شبہ میں مبتلا کر دیا کہ اس آیت کی مراد حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے اس تفسیری نکتہ کے پیش نظر ترجمہ ہی ایسا کیا کہ صرف ترجمہ سے ہی سارا تفسیری مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ "تو اے سننے والے! تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو"

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ترجمہ میں ''اے سننے والے'' الفاظ کا اضافہ ہے جس سے یہ پتہ چلا کہ اس آیت کی مراد حضور نبی کریم ﷺ نہیں بلکہ عام مخاطب ہے۔اس ترجمہ میں تفسیری مفہوم بھی ہے اور عظمت رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ السلام کا دفاع بھی۔

آخر میں محمد حنیف خان رضوی صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف کی زبانی مخالفین کے ایک اہم فرد امیر جمعیت اہل حدیث پاکستان استاد سعید ابن یوسف زئی کا اعتراف بھی ملاحظہ فرمائیں۔''یہ ایک ایسا ترجمہ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذات باری تعالیٰ کے لیے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا تو بوقت ترجمہ اس کی جلالت و تقدیس اور عظمت و کبریائی کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔جبکہ دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتب فکر کے علماء کے ہوں ان میں یہ بات نظر نہیں آتی اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوب خدا شفیع روز جزاء سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ہے یا جن میں آپ سے خطاب کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ مولانا احمد رضا نے اوروں کی طرح صرف لفظی اور لغوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا بلکہ آپ کے عالی مقام کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ترجمہ میں وہ چیزیں پیش کی ہیں جن کی نظیر علماء اہل حدیث کے یہاں بھی نہیں ملتی۔[۲۶]

''بے شک یہ ترجمہ ایمان کا خزانہ ہے''

﴿حوالہ جات﴾

[۱]النمل،آیۃ ۱،پارہ ۱۹

[۲]النحل،آیۃ ۸۹،پارہ ۱۴

[۳]الانعام،آیۃ ۵۸،پارہ ۷

[۴]القمر،آیۃ ۵۲،پارہ ۲۷

[۵]القلم،آیۃ ۵۲،پارہ ۲۹

[۶]یوسف،آیۃ ۱۱۱،پارہ ۱۳

[۷]النساء،آیۃ ۸۲،پارہ ۵

[۸]شرح العقائد النسفی

[۹]علم القرآن لترجمۃ القرآن،ص ۴،مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات

[۱۰]پیش لفظ ''کنز الایمان اور معروف تراجم قرآن'' مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

[۱۱]حیات اعلیٰ حضرت،جلد اوّل،ص ۳۵۷،مطبوعہ برکاتی پبلشرز کراچی

[۱۲]اظہار مسعود ''کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن'' مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

[۱۳]کنز الایمان پر اعتراضات کے جوابات ص ۱۶،مطبوعہ عطاری پبلشرز کراچی

[۱۴]البقرۃ،آیۃ ۹،پارہ ۱

[۱۵]النساء،آیۃ ۱۷،پارہ ۴

[۱۶]البقرہ آیۃ ۱۴۳،پارہ ۲

[۱۷]آل عمران،آیۃ ۱۴۲،پارہ ۴

[۱۸]آل عمران،آیۃ ۱۴۰،پارہ ۴

[۱۹]آل عمران،آیۃ ۱۶۷،پارہ ۴

[۲۰]التوبۃ،آیۃ ۶۷،پارہ ۱۰

[۲۱]الصاوی علی الجلالین،جلد اوّل،صفحہ ۵۸،مطبوعہ مکتبۃ الغوثیہ کراچی

[۲۲]الشوریٰ،آیۃ ۲۴،پارہ ۲۵

[۲۳]البقرۃ ،آیۃ ۷،پارہ ۱

[۲۴]الانعام،آیۃ ۱۱۴،پارہ ۸

[۲۵]حاشیہ الصاوی علی الجلالین جلد اول،جز ثانی،ص ۲۱۲ مطبوعہ مکتبۃ الغوثیہ کراچی

[۲۶]ماہ نامہ جہان رضا اکتوبر نومبر ۲۰۰۸ء،ص ۲۳

x......x......x

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن

گنجینۂ عرفان

محمد نعیم اختر نقشبندی مجددی قادری رضوی☆

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خاں قادری قدس اللہ سرہٗ العزیز بلاشبہ آیت من آیات اللہ اور حجۃ اللہ فی الارض کے معزز القابات کے سزاوار ہیں۔

حضور سرورِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی عطایات میں ایک عطا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی صورت میں ہے جس کے باعث ہزارہا مسلمانانِ اہلِ سنت کے عقائد و اعمال گمراہی و بے راہ روی سے محفوظ ہیں الحمد للّٰہ علیٰ ذٰلك

علمائے اہلِ سنت و جماعت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے ترجمۂ قرآن بنام کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن کو اسم بامسمّٰی (ایمان کا خزانہ) جانتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کو قرآن مجید کی تفسیر و ترجمہ یوں ازبر تھا کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کی پیش کش پر اُنہیں برجستہ املا کرواتے کہ گویا قرآن کریم کی تمام معتبر و مستند تفاسیر پر گہری نظر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کے الفاظ و محاورات برمحل استعمال جو روح قرآن کی ترجمانی کرنے پر کامل عبور ہے۔

قرآن مجید کا اُردو زبان میں اس سے بہتر اور عمدہ ترجمہ معرض وجود نہیں آیا۔ آپ کے ترجمۂ قرآن کے علاوہ بہت سے اُردو تراجم بازار میں موجود ہیں لیکن جو ایمان کی چاشنی وحلاوت اور تفاسیر کی تحقیقات کا جو عطر کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن میں ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔ بندہ ناچیز نے صرف چند آیات کا ترجمہ کنزالایمان سے نقل کر کے اسکی اہمیت پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک کے صدقے میں قبول فرمائے۔ آمین۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

سب تعریفیں خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام مخلوق کا پروردگار ہے۔ (فتح محمد)

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا۔ (محمود الحسن)

ان ترجموں میں رب کے معنے پالنے والا کیا ہے کہ اب بمعنی مربی یعنی پرورش کرنے والا استعمال ہوتا ہے۔

لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یہاں رب کے معنی مالک کے کیے ہیں۔

سب خوبیاں اللہ کو جو مالک ہے سارے جہان والوں کا۔ رب بمعنی مربی خاص ہے لیکن مالک عام ہے۔ جو اُس کے ہر قسم کے تصرف کو شامل ہے۔ تفسیر جلالین کی عبارت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ترجمہ کی تائید کرتی ہے۔

رب العٰلمین اسی مالک جمیع الخلق من الانس والجن والملائکۃ والدواب.

وہ تمام مخلوق کا مالک ہے انسانوں۔ جنوں۔ فرشتوں جانوروں وغیرہ کا۔

☆ کاموں کے ضلع گوجرانوالہ (پنجاب)

یایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ (سورۂ بقرہ آیت)

ترجمہ امام احمد رضا: اے لوگو! اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیز گاری ملے۔

قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ نے ''لعلکم تتقون'' کے بارے میں فرمایا۔

حال من الضمیر فی اُعبدوا. کا نہ قال اعبدو ربکم راجین ان تنخرطوا فی سلک المتقین۔ اعبدوا میں ضمیر سے حال ہے۔ گویا کہ فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو یہ امید کرتے ہوئے کہ تم متقیوں کی صف میں شامل ہو جاؤ۔

اعلیٰ حضرت قدس سرۂ العزیز نے قاضی بیضاوی کے استدلال کو مدنظر رکھتے ہوئے دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ بعض نے ''لعلکم تتقون'' کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

قاضی بیضاوی نے اس کے بارے میں فرمایا:

لم یثبت فی اللغۃ:

یعنی لغت میں اس کی مثال ثابت نہیں۔

قاضی بیضاوی نے یہ کیوں فرمایا کہ راجین ان تنخرطوا فی سلک المتقین۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں۔

ان العابد ینبغی لایغتر بدبادتہ ویکون ذاخوف ورجاء

عابد کو چاہیے کہ وہ عبادت پر مغرور نہ ہو خوف و رجا کے ساتھ عبادت کرنے والا ہو۔

اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔ یہ امید کرتے ہوئے تمہیں پرہیز گاری ملے۔

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (سورۂ بقرہ آیت ۴۸)

اور قبول نہ ہو اس کی طرف سے سفارش۔ (محمود الحسن)

نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول ہوگی۔ (مودودی)

اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے۔ (فتح محمد)

اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے۔ (اشرفعلی)

ان تراجم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی کی سفارش کسی کے لیے نہیں ہوگی۔

حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ انبیاء، شہدا، صلحا، سفارش فرمائیں گے کما جاء فی الحدیث قرآن کریم نے فرمایا۔

ولا یملک الذین یدعون من دونہ الشفاعۃ الامن شھد بالحق وھم یعلمون

(سورۂ زخرف آیت ۸۶)

اور جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں۔ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے ہاں شفاعت کا اختیار انھیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں اوپر والی آیت کا ترجمہ کنزالایمان ملاحظہ ہو۔

''اور نہ کافر کے لیے کوئی سفارش مانی جائے۔''

انما حرم علیکم المیتۃ والدم الحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللّٰہ (سورۂ بقرہ)

زیرِ آیت وما اھل بہ لغیر اللّٰہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرۂ نے فرمایا۔

اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس آیت کا ترجمہ فارسی

میں یوں فرمایا۔

وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا۔

یہ بالکل وہی ترجمہ ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا۔ قاضی ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا۔

ولا خلاف بین المسلمین ان المرادبہ الذبیحۃ اذا اھل بھا لغیر اللّٰہ عند الذبح (ج۱ص۱۲۵)

افسوس ناک پہلو یہ ہے حکومتِ سعودیہ کی طرف سے جو شاہ ولی اللہ کا ترجمۂ قرآن فارسی زبان میں شائع کیا گیا ہے ان الفاظ کا ترجمہ بدل دیا گیا ہے۔

اب یہ کہہ دیا گیا ہے

وآنچہ آواز بلند کردشود براو بغیر نام خدا۔ ۳۷

جبکہ تاج کمپنی کا جو فارسی ترجمہ ہے وہاں اصل الفاظ موجود ہیں۔

وآنچہ آواز بلند کردہ شود ذبح وے بغیر خدا۔

وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي (پ۱۴ آیت ۲۹)

اس میں اپنی بے بہا چیز یعنی روح پھونک دی۔ (مولوی فتح محمد)

اور پھونک دوں بیچ اس کے روح اپنی سے۔ (شاہ رفیع الدین)

اور پھونک دوں اس میں اپنی جان سے۔ (شاہ عبدالقادر، محمود الحسن)

اس میں اپنی جان ڈال دوں۔ (مولوی اشرفعلی)

اوراس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں۔

ان تراجم میں ''اپنی جان ڈال دوں'' یا اپنی جان پھونک دوں یہ وہم ہوتا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ پر روح کا اطلاق ہوسکتا ہے؟

کیا روح باری تعالیٰ اس سے جدا ہوسکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی روح کیسے ڈال دی؟

ان خدشات واوہام کو امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کے ترجمہ میں راہ ہی نہیں ملاحظہ ہو۔

اوراس میں اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں۔

تفسیر جمل میں ہے۔

من روحی من زائدۃ اوتبعیفیۃ ای نفخت فیہ روحاً ھی بعض الارواح التی خلقھا ای ادخلتھا واجریتھا

یعنی من روحی ''میں'' مِنْ زائدہ یا تبعیضہ یعنی میں اس میں روح ڈال دوں جو میری تخلیق شدہ ارواح کا بعض ہوگا۔

تفسیر جلالین وحاشیہ میں ہے۔

اضاف الروح الیہ تشریفاً لادم کما یقال بیت اللّٰہ

یعنی من روحی میں اضافت تشریفی ہے آدم علیہ السلام کے لیے جیسے بیت اللہ میں۔ اس طرح من روحی میں اللہ تعالیٰ کی روح جان نہیں بلکہ مراد وہ روح ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے معزز ترین ہوگی۔ امام رازی نے بھی اسی مضمون کو بیان فرمایا۔ اعلیٰ حضرت نے ترجمہ میں ابتداءً اسی مقصود کو بیان کردیا ہے۔

یہ چند آیات بطور نمونہ پیش کی ہیں جس میں ہمارا دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی قرآن کریم کی تمام معتبر ومستند تفاسیر پر گہری نظر ہے۔ جوں جوں اہل علم کنزالایمان پر تحقیقی نظر ڈالیں گے کنزالایمان کی تابانیاں پورے جوبن پر تعصب وعناد کی سیاہ تاریکیوں کو منہ چھپانے پر مجبور کردیں گی۔

کنزالایمان ترجمہ قرآن کا
ہے بغیر ریب و شک اک شاہکار

x......x......x

اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن اور دیگر اردو تراجم کا تقابلی جائزہ

علامہ ابومحمد محمد عبدالرشید قادری رضوی ☆

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بہت بڑا علمی کارنامہ قرآن پاک کا اُردو زبان میں بامحاورہ، سلیس اور الہامی ترجمہ بنام:

''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' (۱۳۳۰ھ) ہے

جبکہ عام مترجمین نے کلماتِ قرآنی کی رُوح اور مستند تفاسیر سے ہٹ کر لفظ بلفظ تراجم کیے جس سے بعض مقامات پر کلام بے ربط اور بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ نیز ایسے تراجم میں اکثر مقامات پر شانِ الوہیت اور عصمتِ انبیاو مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بھی کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے جملہ معتبر و مروّج تفاسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق ترجمہ کر کے مسلمانوں کو گمراہی سے بچالیا۔ لہٰذا کنزالایمان اپنے نام کی مناسبت سے واقعی ایمان کا خزانہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

بِسمِ اللّٰہِ شریف کا ترجمہ

۱۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

عام مترجمین نے اس کا ترجمہ کیا:

شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ کے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

ترجمہ سے ہی ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع نہیں کیا گیا بلکہ شروع کرتا ہوں، میں، ساتھ، نام، چھ الفاظ پہلے آئے ہیں اور ساتویں جگہ اللہ تعالیٰ کا نام آیا ہے۔ چھ۶ غلطیاں یہ ہوئیں۔ قانون یہ ہے کہ عربی زبان سے اُردو میں ترجمہ کیا جائے تو مضاف الیہ پہلے، اور مضاف بعد میں آتا ہے، جیسے بِقَلَمِ زَیْدٍ (زید کے قلم سے) بِاسْمِ زَیْدٍ (زید کے نام سے) فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی کتاب میں) اسی طرح بِسْمِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے نام سے)۔ ساتویں غلطی یہ کہ شروع کرتا ہوں، مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ آٹھویں غلطی یہ کہ نہایت رحم والا ہے۔ جُملہ خبر یہ بنایا، خبر میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہوتا ہے جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ (زید کھڑا ہے)، اگر زید کھڑا ہے تو جملہ درست اور اگر بیٹھا ہے تو جملہ غلط ہوگا۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا:

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

یہ ترجمہ لفظی، معنوی اور حقیقی ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع ہوا۔ مرد و عورت دونوں کے لیے درست ہے اور جملہ لفظاً خبر یہ معناً انشائیہ بنایا یعنی بِسْمِ اللّٰہِ شریف پڑھنے والا اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کے نام سے برکت حاصل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ازلی و ابدی ہے

۲۔ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ.

(پ۴۔ع۵)

حالانکہ ابھی خُدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں۔

(فتح محمد جالندھری دیوبندی، وہابی)

حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو۔

(اشرف علی تھانوی، دیوبندی، وہابی)

اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں۔

☆ مہتمم مدرسۂ غوثیہ رضویہ مظہر اسلام سمندری، فیصل آباد۔

(محمود الحسن دیوبندی وہابی)

اور ابھی اللہ تعالیٰ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا۔

(کنزالایمان از اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ)

۳۔ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ O

(پ۲-ع۱۳)

اور اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کو معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا۔

(اشرف علی تھانوی، دیوبندی، وہابی)

خدا ان کو ضرور معلوم کرے گا جو مومن ہیں اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا۔

(فتح محمد جالندھری دیوبندی وہابی)

وہابی ترجمے سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ پہلے معلوم اور نہ فی الحال معلوم، آئندہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور منافقوں کو معلوم کرے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا ہمیشہ علم ہے۔ اب شانِ الوہیت کا محافظ سُنّی ترجمہ کنزالایمان ملاحظہ ہو:

اور ضرور اللہ ظاہر کر دے گا ایمان والوں کو اور ضرور ظاہر کر دے گا منافقوں کو۔

(اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ)

صفت مکر (اُردو) میں اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں

۴۔ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ O

(پ۹-ع۱۸)

وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔

(محمود الحسن دیوبندی، وحید الزمان غیر مقلد وہابی)

اور وہ اپنی چال چل رہے ہیں اور اللہ اپنی چال چل رہا ہے۔

(مودودی وہابی)

اور مکر کرتے تھے وہ اور مکر کرتا تھا اللہ۔

(ترجمہ مطبوعہ صحیفۂ اہلحدیث کراچی)

اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔

(کنزالایمان)

دغا بازی اور ہنسی مذاق شانِ خداوندی کے لائق نہیں

۵۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ج

(پ۵-ع۱۸)

البتہ منافقین دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔

(محمود الحسن دیوبندی وہابی)

وہ اللہ تعالیٰ کو فریب دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو فریب دے رہا ہے۔

(وحید الزمان وہابی)

بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی ان کو غافل کر کے مارے گا۔

(کنزالایمان)

۶۔ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ

(پ ۱-ع ۲)

اللہ ان سے مذاق کر رہا ہے۔

(مودودی وہابی)

اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے۔

(محمود الحسن دیوبندی وہابی)

اللہ ان سے دل لگی کرتا ہے۔

(وحید الزمان غیر مقلد وہابی)

ان تراجم میں اللہ تعالیٰ کی شان میں کس قدر بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح ترجمہ کر کے ہمیں اللہ تعالیٰ کی بے ادبی سے بچایا۔

اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے۔ (جیسا اس کی شان کے لائق ہے)۔

(کنز الایمان، از اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ)

شانِ رسالت

۷۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞ (پ ۳۰-ع ۱۸)

اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سمجھائی۔ (محمود الحسن دیوبندی، وہابی)

اور تم کو دیکھا کہ راہِ حق کی تلاش میں بھٹکے بھٹکے پھر رہے ہو تو تم کو دینِ اسلام کا سیدھا راستہ دکھا دیا۔ (دیوبندی ڈپٹی نذیر احمد)

اور تمہیں گم کردہ راہ پایا تو تمہیں ہدایت کی۔ (مرزا حیرت غیر مقلد)

اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

(کنز الایمان)

لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ (پ ۲۶-ع ۹)

معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔

(محمود الحسن دیوبندی وہابی۔ وحید الزمان وہابی)

تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے۔

(اشرف علی تھانوی دیوبندی وہابی)

وہابیوں، دیوبندیوں کے ان تراجم سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بھی گناہگار تھے اور آئندہ بھی گناہ کریں گے (العیاذ باللہ) جب کہ حضرات انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہوتے ہیں، انہیں خطا کار و گناہگار جاننا بے ایمانی اور کفر ہے۔ اب ناموسِ رسالت اور عصمتِ نبوت کا پاسبان سنی بریلوی ترجمہ کنز الایمان دیکھیے:

(لَکَ میں ل سبب کے معنیٰ میں ہے، جیسے جِئۡتُ لَکَ میں تیرے سبب سے آیا)۔

تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

(کنز الایمان)

۹۔ اَلرَّحۡمٰنُ ۞ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ۞ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ۞

(پ ۲۷۔ ع ۱۱)

رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کو گویائی سکھائی۔

(اشرف علی تھانوی دیوبندی و فتح محمد جالندھری)

جنوں اور آدمیوں پر خداے رحمٰن کے جہاں اور بے شمار احسانات ہیں از اں جُملہ یہ کہ اسی نے قرآن پڑھایا اُسی نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کو بولنا سکھایا۔

(ڈپٹی نذیر احمد وہابی دیوبندی)

ان وہابی تراجم سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ رحمٰن نے کسے قرآن سکھایا۔ عَلَّمَ متعدی بدو مفعول ہے۔ کس انسان کو پیدا فرمایا اور کونسا بیان سکھایا۔

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے ان آیات کا ترجمہ کیا:

رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد ﷺ کو پیدا کیا۔

مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کا بیان انہیں سکھایا۔

(کنز الایمان از اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ، مطابق تفسیر خازن)

۱۰۔ وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى ۞ (پ ۲۷۔ ع ۵)

قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہونے لگے۔

(اشرف علی تھانوی دیوبندی، وہابی)

قسم ہے تارے کی جب کہ وہ غروب ہوا۔ (مودودی وہابی)

اس پیارے چمکتے تارے محمد ﷺ کی قسم جب یہ معراج سے اُترے۔

(اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی طرح ترجمہ کیا)

x......x......x

مدارج العرفان فی مناھجِ کنز الایمان

ایک وقیع عالمانہ تحریر علامہ مولانا پیر محمد چشتی☆ مدظلہ العالی کے قلم سے

امام احمد رضا خان بریلوی المتوفی 1921ء مسلک کے لحاظ سے نہایت قدامت پسند، جدیدیت فی المذہب سے شدید متنفر اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے کو سعادت سمجھنے والے حنفی المذہب فقیہ تھے۔ مسائل فقہ میں اُن کا انداز استدلال وہی ہے جو حضرت امام ابو حنیفہ کا تھا۔ اُن کی تصنیفات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے دین اسلام میں کسی قسم کی بھی بدعات وشرکیات کی دراندازی کو اسلام کے منافی سمجھ کر اس طرح کی تمام گمراہیوں کا قلع قمع کیا ہے۔ اُن کی تصنیفات جہاں اُن کی بے مثل تبحر علمی کی غمازی کرتی ہیں وہاں اس بات کی بھی واضح نشان دہی کررہی ہیں کہ وہ اپنی تحریری دستاویزات کی روشنی میں ایک طرف توحید خالص کے علمبردار لگتے ہیں تو دوسری طرف عشق رسول ﷺ کے پیکر مجسم نظر آرہے ہیں، لیکن اُن کے ساتھ عقیدت رکھنے والوں کی غالب اکثریت اپنے اِس ممدوح کے برعکس قبر پرستی تک کی گونا گوں بدعت میں مبتلا ہوچکی ہے، حق شناس، حق گو اور حق بین علماء کرام کی اُن کی صفوں میں موجودگی کے باوجود اُن کا عمومی ماحول پیر پرستی کا آماجگاہ بن چکا ہے اور من حیث الجماعت اُن کا دھاگۂ زیست دنیادار پیروں کے پنجہ استبداد میں ہونے کی وجہ سے اُن کے ماحول کو اگر جعلی پیروں کا وطن اصلی کہا جائے تو میرے تجربے کے مطابق غلط نہیں ہوگا۔ اِس نامعقول روش سے حضرت موصوف نوراللہ مرقدہ کی روح ان عاقبت نااندیشوں سے یقیناً ناراض ہورہی ہوگی جس وجہ سے اِن لوگوں کو زوال وانحطاط کی سزا بھی مل رہی ہے جو بجائے خود المیہ ہے۔

امام احمد رضا خان کی تعلیمات کا اور اُن کی طرف منسوب صحیح معنی میں بریلوی کہلانے والے اہل حق کا ان بدعت کاروں سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے لیکن اس کے برعکس ناواقف حال حضرات اصل اور نقل کی تمیز کئے بغیر سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں، الزام دیتے ہیں اور بدعتی کہہ کر بدنام کرتے ہیں جو حقیقت کے خلاف ہے اگر اہل حق علماء ومشائخ کا یہ پاکیزہ طبقہ امام احمد رضا خان کے مطابق صحیح اہل سنت ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے ان فسادکاروں کو اپنی صفوں میں گھسنے سے روکے، اُن کے نام کو استعمال کرنے والے بدعت کاروں کا داخلہ ممنوع قرار دے اور اُن کی تصنیفات کے مطابق فریضہ تبلیغ انجام دے تو یہ اسلام کی بڑی خدمت ہوگی۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُن کے مقام عظمت سے آشنائی رکھنے والوں کی غالب اکثریت نہ صرف خود اُن کی تعلیمات کے منافی اعمال وکردار میں مبتلا ہورہی ہے بلکہ پیری مریدی کے کاروبار کرنے والے بدسے بد فراڈیوں کے یارومددگار ہورہی ہے، اُن کی دوکان خسران میں مال ڈالنے اور اُنہیں اپنا سمجھ کر گلے لگانے کی غلطی میں مبتلا ہورہی ہے، اصل اور نقل کی تمیز نہیں ہے، نمبر دو کی پوچھ نہیں ہے، اُصول اسلام کے تحفظ کا احساس نہیں ہے، مسلمات شریعت وطریقت کا پاس نہیں ہے اور بزرگانِ دین کی تعلیمات کا لحاظ نہیں ہے جس وجہ سے اُن کے معاشرہ میں توہم پرستی، پیر پرستی اور قبر پرستی جیسے منکرات وبدعات اور غیر اسلامی تصورات و اعمال کا ماحول بنا ہوا ہے جس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر نمبر دو اہل سنت اور طریقت کے نام پر سوداگری کرنے والے مشائخ بدجی بھر کر اپنا کام نکال رہے ہیں، عوام کا دین ودنیا خراب کررہے ہیں اور مقصد تصوف و طریقت کی اصل روح سے مسلمانوں کو بیگانہ بنارہے ہیں۔ اس

☆ مہتمم، جامعہ معینیہ غوثیہ، پشاور

پر مستزاد یہ کہ علماء سؤ اور غیر معیاری مشائخ کی اس غالب اکثریت کی بدراہیوں کی نشان دہی کرنے یا اُنہیں تنبیہ کرنے یا اُن کے دجل و فریب سے دنیا کو آگاہ کرکے اصل کو تحفظ دینے کی شرعی مسئولیت کو انجام دینے کے لئے اس معاشرہ میں موجود اقل قلیل علماء حق و باکردار مشائخ کی طرف سے اجتماعی اہتمام کا بھی فقدان ہے ایسے میں اگر چند حق شناس و حق بین حضرات انفرادی طور پر آواز حق بلند کرتے ہیں تو اُن کی حیثیت نقار خانہ میں نالہ یتیم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

اہل حق کی اس اجتماعی خاموشی کے نتیجہ میں جہاں شریعت وطریقت کی تضحیک ہو رہی ہے، مذہبی اقدار کی پامالی ہو رہی ہے اور اصل کی جگہ نقل کی ترویج ہو رہی ہے وہاں امام احمد رضا خان فاضل بریلوی جیسی بے داغ شخصیت کی بھی مفت میں بدنامی ہو رہی ہے کیونکہ ''حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین'' کے واقعی فتوؤں پر کھلے ذہن کے ساتھ غور و فکر کرکے اُن کے مطابق اخلاقی جرات کے اظہار کرنے سے قاصر حضرات نے اس بے داغ مفتی اسلام کو اپنا ذاتی دشمن سمجھ کر چار دانگ عالم میں انہیں بدنام کرنے کی ٹھانی ہوئی ہے۔ اُنہیں مروج البدعات ومؤئد الشرکیات اور مکفر العلماء مشہور کرکے بے خبر دنیا کو اُن سے متنفر کیا، مجرم گردانا اور اسلام پسندوں کی غالب اکثریت کو ان کی تصنیفات کے مطالعہ کرنے سے دور رکھا۔ جس کے نتیجہ میں ملت اسلامیہ کے اس عظیم محسن کی تصنیفات سے عام لوگ وہ فائدہ نہ اٹھا سکے جو اُٹھانا چاہیئے تھا۔ امام احمد رضا خان نے جس مسئلہ پر بھی کچھ لکھا ہے اور شریعت مقدسہ کے جس حکم کا بھی اظہار کیا ہے کمال کیا ہے، اسلام کا حق ادا کیا ہے اور سابقین کیلئے قابل فخر، لاحقین کیلئے قابل تقلید فریضہ اسلام انجام دیا ہے۔ جسے دیکھنے والا کوئی بھی منصف مزاج انسان آفرین کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ملت اسلامیہ کی اس محسن شخصیت کی تصنیفات کے طویل سلسلہ میں 32 جلدوں میں ''فتاویٰ رضویہ'' اور ترجمۃ القرآن بنام ''کنز الایمان'' اپنی مثال آپ ہیں۔

فتاویٰ رضویہ کے جواہر علمی سے تو تمام مکاتب فکر علماء کرام یکساں استفادہ کر رہے ہیں اور اُن کی بے مثل علمی تبحر، للہیت اور ادائیگی حق اسلام کو دل کی گہرائیوں سے داد تحسین دے رہے ہیں۔ کوئی اعتراف کرے یا نہ کرے، حقیقت یہ ہے کہ فقہ حنفی کے حوالہ سے آنے والا وقت اسی کا ثابت ہو رہا ہے۔ جہاں تک کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کا تعلق ہے تو میرے تجربہ و تجزیہ کے مطابق یہ قرآن شریف کا ایسا ترجمہ ہے کہ جس کو اِس سے پہلے وجود میں آنے والے تمام تراجم سے فائق، اعلیٰ اور معارف کا گنجینہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ویسے تو قرآن شریف کا ایسا ترجمہ جو اُس کے اعجاز و جامعیت اور جملہ کمالات کا مظہر ہو سکے دنیا کی کسی بھی زبان میں ناممکن ہے۔ اِس کے باوجود جس نے بھی کسی عجمی زبان میں اِس کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے یا آئندہ کیا جائے گا۔ تو اِس کا مقصد اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اِس کے ظاہری الفاظ سے من حیث اللغۃ مفہوم ہونے والے مقاصد و معانی کا اظہار کیا جاتا ہے جو ان الفاظ کے غلاف میں لپٹے ہوئے بے شمار علوم و معارف کے سمندر میں سے چند ظاہری قطرے ہوتے ہیں گویا قرآن شریف کا کسی بھی عجمی زبان میں ترجمہ کرنے والے حضرات کی جملہ کاوشوں کا محور اسی سعادت و نیک بختی کو پانا ہوتا ہے جس کا حصول ہر مترجم کی علمی استعداد اور جامعیت شرائط پر موقوف ہوتی ہیں جس میں رہ جانے والی کمزوریوں کی وجہ سے نفس ترجمہ میں واقع ہونے والی چھوٹی موٹی بے اعتدالیوں کا سرزد ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے لیکن مترجم کی ایسی بے اعتدالیاں کبھی قابل معافی نہیں ہوتیں جس سے قرآن شریف کا مشکوک ہونا لازم آتا ہو یا اسلام کے کسی مسلمہ عقیدہ کا متزلزل ہونا لازم آتا ہو یا عظمت شان الٰہی کے منافی ہو یا عظمت شان نبوت پر حرف آتا ہو یا کمالات اُلوہیت یا کمالات نبوت کی کسی ضد یا نقیض پر منتج ہوتا ہو۔

کنز الایمان کا کمال یہ ہے کہ اِس قسم کے ناقابل معافی بے

اعتدالیوں سے پاک ہوتے ہوئے مدارج عرفان کے اُن کمالات پر بھی فائز ہے جن پر مشتمل ہونا نورِ بصیرت کے بغیر ممکن نہیں ہے میرے تجربہ کے مطابق کنزالایمان کے قاریوں کا طبقہ خواص بھی محض اِس وجہ سے اِس کو پسند کرتا ہے اور دوسرے تراجم پر اِس کو ترجیح دیتا ہے کہ یہ اُن ناقابل معافی بے اعتدالیوں سے پاک ہے اور اِس میں عظمت قرآن، عظمت شان اُلوہیت اور کمالات نبوت کا پاس رکھا گیا ہے۔ اِس کے علاوہ کنزالایمان کے وہ معارف وکمالات جو قرآن فہمی کیلئے مختلف آلی علوم وفنون کے حوالہ سے امتیازی شان رکھتے ہیں تبحر فی العلوم والفنون کے بغیر کسی قاری کو اُن تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ اُن کا بھی انکشاف کیا جائے، اُن سے دنیا کو متعارف کرایا جائے اور اُن کی روشنی سے اہل علم کے قلوب کو منور کیا جائے۔ اِس فریضہ کی ادائیگی کیلئے عرصہ دراز سے میرے دل میں یہ جذبہ موجزن تھا کہ طبقہ خواص کے ساتھ اِس مابہ الاشتراک کے علاوہ کنزالایمان کے جن کمالات کا، جن پوشیدہ خزائن کا اور اُس کے مصنف کے تبحر علمی کے جن جواہر پاروں کا احساس کررہا ہوں اُن سے اِس کے قارئین کو آگاہ کروں۔ جس کے لئے سب سے پہلے کنزالایمان کے مناہج کا تعارف ضروری ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ؛

(۱) قرآن فہمی کے لئے آلی علوم یعنی وہ علوم جو قرآن شریف کا ترجمہ ومفہوم سمجھنے کے لئے بمنزلہ آلہ ہیں جیسے علم صرف، نحو، علم اشتقاق، علم بلاغت اور علم متن لغت اور دونوں زبانوں کے محاورات ومواقع استعمال کو جاننے کے ساتھ قرآن شریف کے ترجمہ کو اُن کے مطابق کرنا ضروری ہوتا ہے جس کے بغیر ترجمہ کا درست ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس حوالہ سے کنزالایمان کا منہج بے غبار ومعیاری قرار پاکر ان تمام فنون کے ارباب اقتدار وماہرین سے داد تحسین پا رہا ہے۔ اور فارسی واُردُو زبانوں میں اب تک قدیم وجدید وجود میں آنے والے تراجم قرآن کے زمرہ میں جس کا منہج سو فیصد معیاری قرار دینے کے قابل ہے وہ صرف اور صرف کنزالایمان ہی ہے۔

(۲) قرآن شریف اپنی آفاقیت وجامعیت کی بناء پر حقائق الاشیاء کے مابین واقعی ترتیب اور حفظ مراتب کی تبلیغ پر بھی مشتمل ہے جس کے مطابق ترجمہ کی درستی کیلئے ہر قابل تقدیم کو مقدم اور ہر قابل تاخیر کو بعد میں ذکر کرنا سچائی کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ کنزالایمان کا منہج اس اعتبار سے بھی بے مثال ہے۔ گویا اپنے اس منہج میں "وضع کل شئی فی مرتبہ" کا مظہر اتم ہے۔ کمال بالائے کمال یہ کہ اول سے آخر تک اس منہج کے تقاضوں کو نبھایا گیا ہے۔

(۳) امام احمد رضا نے اپنی قدامت پسند رجحان طبع کی بنیاد پر جن آیات والفاظ کے ظاہری معنی اپنی یک جہتی میں واضح تھے۔ اُن کا ترجمہ سلف صالحین کی تعبیر کے عین مطابق بیان کیا ہے۔

(۴) جن میں ایک سے زیادہ معانی ومفہوم کا احتمال تھا یا مختلف الجہات تفسیروں کے حامل تھے۔ اُن کا ترجمہ ایسے جامع الفاظ میں کیا ہے جو سب پر منطبق ہوسکتے ہیں۔

(۵) جن آیات کے تراجم میں اُن سے قبل کے فارسی یا اُردو میں ترجمۃ القرآن کرنے والے حضرات سے کچھ فنی کوتاہیاں ہوئی تھیں یا اُن کے ہم عصر علماء کرام کے ماحول میں لسان القرآن پر منطبق نہ ہونے والے جو تراجم مشہور ہورہے تھے۔ اُن کے ترجموں میں ایسا انداز بیان اختیار کیا ہے جو لسانِ قرآن اور اُس کی فصاحت وبلاغت کے مطابق ہونے کے ساتھ سب کیلئے قابل قبول ہے۔

(۶) قرآن شریف کے بعض الفاظ کے لُغوی معانی ومفہوم کو اپنے ترجموں میں ظاہر کرنے سے صرف نظر کرتے ہوئے اُن سے پہلے عجمی مفسرین ومترجمین حضرات نے بغیر ترجمہ کے ہی اُنہیں چھوڑ دیا تھا۔ امام احمد رضا نے اہل علم کی سہولت کی خاطر اُن کا اظہار بھی اُردو زبان کے ایسے الفاظ میں کیا ہے جو لُغت قرآنی کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت مقدسہ کے مسلمہ اُصولوں کے بھی عین مطابق ہیں۔

(۷) جن الفاظ کے عجمی ترجموں میں تقدس شانِ الٰہی یا عصمتِ شانِ نبوت کے منافی معانی کا وہمہ ہوسکتا تھا۔ قرآن فہمی میں عجمیت کے حجاب کو توڑتے ہوئے اُن کی ایسی تعبیریں کی ہیں جو ایک طرف لغتِ قرآن کے عین مطابق ہے تو دوسری طرف منشاء الٰہی کی تفسیر ہیں۔ ایک طرف تقدس شانِ الٰہی کا تحفظ ہیں، تو دوسری طرف عصمتِ شانِ نبوت کا پاس ہے۔ ایک طرف عجمیوں کو لغت قرآنی کے وسیع معنوں میں مناسب حال مفہومات کو تلاش کرنے کی تلقین ہے، تو دوسری طرف ادب کی تعلیم ہے۔

(۸) فصاحت و بلاغت کے حوالہ سے قرآنی لغت اور اُس کے الفاظ کی مخصوص ترکیب و ہیئت کذائیہ میں جن عمیق معانی و مفہومات اور اشارات و کنایات کا لحاظ ہوتا ہے عجمی زبانوں میں اُن کی پوری طرح ادائیگی ناممکن ہونے کے باوجود عربی زبان کی گرائمر اور فصاحت و بلاغت کے بیان کیلئے مقررہ فنون میں جس حد تک اُن کے فوائد بیان کئے جا چکے ہوتے ہیں اُن کے مطابق الفاظ کو ترجمہ میں استعمال کرنے کا فریضہ قرآن شریف کے ترجمہ و تفسیر کرنے والوں کیلئے بڑا امتحان ہوتا ہے۔ کنزالایمان کا منہج اس اعتبار سے بھی سب سے بہتر اور سب سے زیادہ قواعد فصاحت و قواعد بلاغت کے قریب ہے۔

(۹) قرآن فہمی کے لئے جن علوم و فنون کی فہم موقوف علیہ کے درجہ میں ضروری ہوتی ہے اُن میں علم صرف و نحو اور فصاحت و بلاغت وغیرہ کی طرح ہی علم منطق و معقولات کا علم بھی متوسط ذہن والوں کے لئے ضروری ہے کیونکہ قرآن شریف کے اندر سینکڑوں مقامات ایسے ہیں جن کی صحیح فہم کیلئے مذکورہ علوم و فنون کے بعد فہم معقولات ناگزیر ہے۔ بالخصوص پورے قرآن شریف میں پھیلے ہوئے سینکڑوں دلائل توحید پر مشتمل آیات کی صحیح تفسیر تک رسائی اس کے بغیر متوسط ذہن والوں کیلئے ممکن ہی نہیں ہے۔ اس حوالہ سے بھی کنزالایمان کا منہج اپنی مثال آپ ہے۔

(۱۰) قرآن شریف کے اندر بعض الفاظ کبھی شرعی مفہوم میں اور کبھی لُغوی مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔ اُن کے مواقع استعمال کے مطابق ترجمہ و تفسیر ناگزیر ہوتی ہے ورنہ ایک کی جگہ دوسرے مفہوم میں ترجمہ کرنا مخل فہم ہونے کے ساتھ اشتباہ کا موجب ہوسکتا ہے۔ جس سے بچنے کے لئے ہر موقع کی مناسبت سے ترجمہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اِس اعتبار سے بھی "کنزالایمان" کا منہج اپنی مثال آپ ہے۔

کنز الایمان کے ان مناہج کی مثالی وضاحتوں کا بیان سورتوں کی ترتیب کے مطابق اس طرح ہے کہ:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کا ترجمہ کنزالایمان کے الفاظ میں یہ ہے کہ "اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا" کنزالایمان کے اس ترجمہ میں پانچ معارف نمایاں ہیں جن کی بناء پر کچھ سابقین اور کل ہم عصروں کے ترجموں پر اس کو فضیلت و فوقیت حاصل ہو رہی ہے اُن میں سے ایک یہ کہ اس میں اسم جلالت اور اُس کی بالترتیب دونوں صفات "الرحمٰن الرحیم" کا ترجمہ مفرد ظاہر کیا گیا ہے جو اس مقام کے مناسب ہونے کے ساتھ لُغت و شریعت کے بھی عین مطابق ہے، آدابِ الٰہی کا عین مقتضاء ہے اور جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی تعلیمات کے بھی مطابق ہے بخلاف اُن ترجموں کے جن میں "رحم والے ہیں" کہہ کر حقیقی مفرد کو جمع ظاہر کیا گیا ہے۔ جو اس مقام کے منافی ہونے کے ساتھ لُغت و شریعت کے بھی خلاف ہے، آدابِ الٰہی کے تقاضوں کے بھی منافی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے حوالہ سے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے بتائے ہوئے طریقوں سے بھی برعکس ہے۔ لُغت اور لسانِ قرآنی کے خلاف اس لئے ہے کہ قرآن شریف کی اس آیت یعنی "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" میں اسم جلالت "اللہ" عربی قواعد و گرائمر کے مطابق موصوف ہے جب کہ "رحمٰن و رحیم" یکے بعد دیگرے اُس کی صفات ہیں اور ظاہر ہے کہ یہاں پر موصوف بھی اور اُس کی یہ دونوں صفات بھی مفرد ہیں۔ کوئی

بے باک اور مغفل انسان ہی ان کا ترجمہ جمع کے معنی میں کرسکتا ہے ورنہ دنیا بھر کا کوئی بھی ذی ہوش ومحتاط اور قرآنی زبان سے واقفیت رکھنے والا شخص مفرد کا ترجمہ جمع کے الفاظ میں نہیں کرسکتا۔

﴿جاہلانہ اشتباہ کا ازالہ﴾

اس غلطی کو درست ثابت کرنے کیلئے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و ادب کی غرض سے ایسا کیا جاتا ہے کیونکہ کسی بھی قابل تعظیم انسان کے لئے مفرد کے بجائے جمع کے الفاظ استعمال کرنے میں ادب سمجھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا کرنے میں بدرجہ اولیٰ باادب ومہذب اور تعظیم کا طریقہ ہوگا۔ کیا رب الناس جل مجدہ الکریم کی تعظیم وادب قابل احترام انسانوں کے برابر بھی نہ کی جائے؟ بس اسی جاہلانہ اشتباہ، سطحی اٹکل پچو اور غیر اسلامی اندازِ فکر کی بنیاد پر سطحی ذہن کے علماء ومشائخ سے لے کر پڑھے لکھے عوام الناس تک بے بصیرتوں کو مغالطہ دیا جاتا ہے۔ سچ کہا گیا ہے ۔

علم در کتاب علماء در گور

اور ایسے ہی اشتباہ پیدا کرنیوالے گمراہوں سے متعلق اللہ کے حبیب بانی اسلام رحمت عالم ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی تھی؛

"یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آبائکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم"

یعنی آخر زمانہ میں کچھ لوگ دین اسلام کے نام پر جھوٹے اور التباس الحق بالباطل کرنے والے ہوں گے۔ اسلام کے نام پر وہ تمہیں ایسی ایسی باتیں سنائیں گے کہ اس سے قبل تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے کبھی نہیں سنی، تو اُن سے اپنا ایمان بچانے کا علاج یہی ہے کہ تم اُن سے دور رہو اور اُن سے احتیاط کرو کہ وہ تمہیں گمراہ نہ کریں اور تمہیں امتحان میں نہ ڈالیں۔ (مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ)

حقیقت یہ ہے کہ ہر بدعتی اپنی بدعت کے جواز کیلئے محض کتاب البطن کے شیطانی وساوس اور بے حقیقت اشتباہات کا ہی سہارا لیتا ہے۔ شیطان کی طرح بے محل قیاس آرائی کرتا ہے۔ یہاں پر بھی ایسا ہی ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان عظمت کو بندوں پر قیاس کر کے اور اُس وحدہ لاشریک کے ادب وتعظیم کو انسانوں کا اپنے معاشرہ میں ایک دوسرے کے باہمی ادب وتعظیم کرنے پر قیاس کر کے اللہ تعالیٰ کا اپنی تعظیم وادب کرنے سے متعلق اپنے بندوں کو سکھائے گئے طریقہ کے سراسر خلاف کیا جا رہا ہے۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی احمق شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت کو مخلوق کی قدرت پر قیاس کر کے یہ تبلیغ کرتا پھرے کہ انسان کے ہاتھوں دنیا بھر میں جتنے کام ہو رہے ہیں اُن سب کا اللہ تعالیٰ سے بھی صادر ہونا ممکن ہے ورنہ انسان کی قدرت کا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زیادہ ہونا لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے مقابلہ میں عاجز ونا تواں ہونا لازم آئے گا، لہٰذا مخلوق کیلئے جو کام بھی ممکن ہو اُس کا خالق کائنات جل مجدہ الکریم کیلئے بھی ممکن ہونے کا عقیدہ رکھنا چاہئے جس کی رُو سے کاسب وظالم انسانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کا کسب کرنا بھی ممکن ہوگا اور جھوٹے انسان کی طرح اللہ تعالیٰ سے جھوٹ کا صدور بھی ممکن ہوگا۔ (العیاذ باللہ) ہلم جرا...... یعنی اس شیطانی قیاس اور غیر اسلامی اندازِ فکر کے خلاف قرآن، خلاف عقل، خلاف اسلام اور کل مکاتب فکر اہل اسلام کے مسلمہ عقائد کے برخلاف شیطانی نتائج و ثمرات طالحہ کے غیر متناہی سلسلۃ الخبائث کو شمار کرتے جائیں اور حیرانگی کے دریا میں ڈوبتے جائیں۔ بسم اللہ شریف کے اس غلط ترجمہ کے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کیلئے جتنے ہی جتن کرتے جاؤ گے اتنے ہی شان الوہیت میں عقیدہ کے حوالہ سے قرآنی عقائد وتعلیمات سے دور ہوتے جاؤ گے۔ سچ کہا گیا ہے کہ؛

"ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کیلئے سو جھوٹ بولیں تو بھی اس کی

سچائی ممکن نہیں ہوگی''۔

بسم اللہ شریف کا یہ ترجمہ لُغت اور لسانِ قرآنی کے خلاف ہونے کی بنیاد پر غلط ہونے کے علاوہ اس وجہ سے بھی مردود ہے کہ زمانہ نزول قرآن سے لے کر صدیوں بعد تک لسان قرآنی کے ماہرین اہل زبان عرب، خود صاحب قرآن نبی اکرم رحمت عالم ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد بھی صحابہ کرام واہل بیت اطہار و من بعد ہم من اہل الاسلام سب ہی نے بسم اللہ شریف کے ان الفاظ کے معانی کو مفرد سمجھ کر اس کے مطابق مفرد الفاظ کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کو شانِ الٰہی کا ادب سمجھا ہے اور پیغمبر اسلام رحمت عالم ﷺ نے کبھی اپنی زبان میں استعمال شدہ اِن الفاظ کے معانی کو جمع سمجھا نہ آپ ﷺ کے ہم عصر و ہم زبان و ہم زمان صحابہ واہل بیت نبوت نے، ورنہ کسی وقت بیان جواز کی غرض سے ہی جمع کے الفاظ کے ساتھ اپنے خالق و مالک جل جلالہ کو یاد کرتے حالانکہ قرآن وحدیث کو چھانٹ ڈالنے سے بھی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں کبھی کسی وقت اللہ تعالیٰ کے حبیب بانی اسلام رحمت عالم ﷺ نے جمع کے الفاظ کے ساتھ اللہ کو یاد کیا ہو۔

یہی حال صحابہ کرام و اہل بیت اطہار کے واقعات وذخیرہ احادیث کا ہے جس میں کسی موقع پر بھی کسی صحابی واہل بیت اور پیشوایانِ اسلام میں سے کسی نے بھی جمع کے الفاظ کے ساتھ رب کائنات جل مجدہ الکریم کو یاد نہیں کیا ہے بلکہ اس شیطانی قیاس کے برعکس جملہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم نے ہمیشہ مفرد الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے میں ہی اُس کی تعظیم وادب سمجھا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن شریف کے اندر واقع اُن مواقع واستعمالات اور الفاظ وآداب کو اگر جمع کیا جائے جن میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان رحمت عالم ﷺ تک جن انبیاء و مرسلین نے مفرد الفاظ میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا، اسی کو ادب سمجھا اور اسی کو تعظیم خالق سمجھ کر خالقِ کائنات جل مجدہ الکریم کی شان میں جمع کے الفاظ استعمال کرنے سے اجتناب کیا ہے تو اِس سے عظیم دفتر بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام نے کہا؛

''وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا''

حضرت ذکریا علیہ السلام نے کہا؛

''رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْداً وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا؛

''رب انی لماانزلت الی من خیر فقیر''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دربار الٰہی میں کی جانے والی التجا کو قرآن شریف نے ان مفرد الفاظ میں بیان کیا؛

''ان تعذبهم فانهم عبادک وان تغفرلهم فانک انت العزیز الحکیم''

نبی آخر الزمان رحمت عالم ﷺ نے کہا؛

''رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ''

اللہ تعالیٰ کی شان میں جمع کے الفاظ استعمال کرنے کو ادبِ رب کے خلاف سمجھ کر اُس سے اجتناب کرنے کا یہی حال صحابہ کرام واہل بیت اطہار اور جملہ صلحاء امت کا بھی ہے جن کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مفرد الفاظ کے ساتھ کی جانے والی ہزاروں التجاؤں کی ایک جھلک قرآن شریف کی اس آیت کریمہ سے ظاہر ہورہی ہے؛''رَبَّنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار''

الغرض اللہ کی شان وحدت جو وحدت حقیقی ہونے کی بناء پر دوئی وکثرت اور شرکت وجمع کے تصور سے پاک ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے کسی نبی ورسول نے، کسی صحابی وتابعی نے اور کسی اہل بیت وامام نے اور صلحاء امت میں کسی فرد بشر نے بھی جمع کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ اگر اس شیطانی قیاس کی کوئی گنجائش ہوتی تو کسی سے کسی وقت تو ثابت ہوتا۔ کیا کوئی انسان یہ سوچ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آداب وتعظیم کو انسانوں کے آداب وتعظیم پر قیاس کرنے والے یہ

نادان لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ادب شناس ہیں؟ کیا کوئی شخص پیغمبر اسلام ﷺ کے سکھائے ہوئے ادب مع اللہ کے متضاد طریقہ ادب کو جائز قرار دینے کا سوچ سکتا ہے؟

اس کے علاوہ بسم اللہ شریف کا یہ ترجمہ اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ اللہ رب العالمین نے خود اپنی تعظیم وآداب کے جس طریقے کی قرآن شریف کے اول سے آخر تک انسانوں کو تعلیم دی ہے یہ اُس کے خلاف ہے کیونکہ قرآن شریف کے اندر سینکڑوں مقامات پر رب کریم جل مجدہ الکریم نے اپنی تعظیم وتکریم اور آداب وعظمت ظاہر کرنے کیلئے مفرد الفاظ استعمال کرنے کی تعلیم دی ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ جسے تعلیم المسئلہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اُسے نازل ہی اس لئے کیا ہے کہ اُس کے مندرجات واحکام کے ذریعہ اپنے بندوں کو اپنی ذات کی تعظیم وآداب بجالانے کی تعلیم دے۔ اُس میں رب کریم نے اپنی ذات کیلئے ہر مقام پر مفرد الفاظ استعمال کرکے یہی تعلیم دی ہے کہ جیسے میری ذات وحدہ لاشریک ہے، میں اپنی ذات وصفات اور افعال وکمالات میں یکتا ومفرد ہوں ویسے تم بھی مفرد الفاظ کے ساتھ مجھے یاد کرو، یہی میری تعظیم وادب ہے۔ جیسے میری ذات وصفات، افعال وکمالات خلائق کے ادراک، وہم وگمان اور عقل وحواس سے ماوراء ہیں ویسے ہی تم بھی میری تعظیم وآداب کو انسانوں کے آداب وتعظیم پر قیاس مت کرو۔ جیسے میرے جملہ کمالات، تصرفات اور اوصاف کی بنیاد ایک ہی ذات مفرد ہے جس میں جمع وکثرت کا امکان نہیں ہے ویسے تم بھی میری تعظیم کیلئے جمع نہیں بلکہ مفرد الفاظ استعمال کرو۔ الغرض سورۃ فاتحہ شریف میں اول سے آخر تک اپنی ذات کی تعظیم وآداب بجالانے کی تعلیم دیتے ہوئے رب الناس جل جلالہ نے ہر مقام پر مفرد لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اِس سلسلہ میں ہر مسلمان کو چاہئے کہ الحمد للہ سے لے کر آمین تک اللہ رب العالمین کی ذات پر دلالت کرنے والے الفاظ اور صفات وضمائر پر غور کرے تو کسی مقام پر بھی جمع کا لفظ نہیں ملے گا۔ ایسے میں بسم اللہ شریف کا مذکورہ ترجمہ غلط ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

﴿ایک اور اشتباہ کا ازالہ﴾

اللہ تعالیٰ کے آداب وتعظیم کو انسانوں کی تعظیم پر قیاس کرکے اس غلطی میں مبتلا ہونے والے حضرات کو سب سے بڑا اشتباہ قرآن شریف کے اُن مقامات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہورہا ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ کیلئے بظاہر جمع کے الفاظ وضمائر استعمال ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر؛ "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذكرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ" "اِنَّ اِلَينا اِيَابَهُم ثُمَّ اِنَّ عَلَينَا حِسابَهُم"

ان حضرات کی قرآن فہمی کے حوالہ سے اس قدر کج روی، لسان قرآن کی فہم سے اس قدر محرومی، علم نحو وبلاغت کی سمجھ سے اس حد تک دوری اور مفسرین کرام کی تصریحات پر توجہ دینے سے یکسر بے التفاتی پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ سچ کہا گیا ہے علم در کتاب علماء در گور یعنی اسلامی ذخیرہ علم کتابوں کے صفحات میں بند ہوکر رہ گیا جبکہ انہیں سمجھ کر اُس کے مطابق لوگوں کی صحیح رہنمائی کرنے والے علماء کرام مرکز محلۃ الاموات کو منتقل ہوگئے۔ اب علماء ومشائخ کے لباس میں کج فہموں کی بھرمار ہے۔

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیھدیھم طریق الھالکین

"یعنی جب کوا کسی قوم کی رہبری کرنے لگے تو ہلاکت کے سوا اور انہیں کیا بتائے گا"۔

مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف میں واقع ان سینکڑوں مقامات کے درست معنی ومفہوم کو لسان القرآن کے اصول وگرائمر اور مفسرین کرام کی تصریحات کے مطابق قارئین کے سامنے واضح کرنے کے ساتھ اہل بصیرت کو دعوت فکر بھی دے دوں کہ وہ ان مقامات پر کھلے ذہن کے ساتھ غور کریں۔

اِس بات کو دنیا بھر کے اہل دانش جانتے ہیں کہ کسی عمل کے صدور کو جب کسی جمع کی طرف منسوب کیا جائے یا کسی بھی جمع کو کسی فعل کیلئے فاعل قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اُس عمل کو وجود بخشنے میں وہ سب کے سب شریک ہیں۔ بطور مثال، کوئی کسی سے یہ کہے کہ: ''نصرنا کم'' یعنی ہم سب نے تمہاری مدد کی تو اُس کا معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا کہ تمہاری مدد کرنے میں ہم سب شریک ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان؛

''اِنَّـا نَـحْنُ نَزَّلْنَا الذکرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ '' کے اندر اگر مندرجہ ذیل الفاظ ''انـا، نحن، نا'' یعنی جو ''نزلنا'' کے اندر ضمیر مرفوع متصل بارز ہے۔ ''وانـا، حـافـظـون'' کو اگر جمع کہا جائے تو اس کا واضح معنی یہی ہوگا کہ قرآن شریف کو نازل کرنے کے عمل میں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک تنہا نہیں ہے بلکہ کوئی اور بھی ہیں جن کے اشتراک عمل سے یہ کام ہوا ہے۔ (علیٰ ہٰذا القیاس)

قرآن شریف کے اندر جہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وحدہ لاشریک کی بابت بظاہر جمع کا لفظ استعمال فرمایا ہے اُن سب مقامات کا یہی حال ہوگا کہ اُس کے متعلقہ فعل میں اللہ لاشریک نہیں ہے بلکہ ایک سے زیادہ شرکاء کار کے باہمی اشتراک عمل سے ایسا ہو رہا ہے تو ظاہر ہے کہ جمع کے مفاد میں یہ معنی و مفہوم شرک محض، شانِ الٰہی کے منافی، خلافِ حقیقت اور غلط فاحش ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے جسے کوئی بھی سلیم العقل انسان تسلیم نہیں کرسکتا۔ لیکن ذات مفرد وحدہ لاشریک کیلئے استعمال ہونے والے اس قسم بظاہر جمع دکھائی دینے والے الفاظ کے حوالہ سے پیدا ہونے والا یہ اشکال غیر اہل لسان کے ساتھ خاص ہے ورنہ اصل اہل لسان یعنی وہ عرب جن کی زبان میں قرآن شریف نازل ہوا ہے جیسے دیگر الفاظ قرآن کے مواقع، اُن کی لسانی مٹھاس و حلاوت اور خصوصیات کو سمجھنے میں غلطی نہیں کرسکتے ہیں۔ ویسے ہی ان الفاظ کے اصل معانی و مطالب کو سمجھنے میں بھی مغالطہ نہیں کھا سکتے ہیں کیونکہ اہل لسان ہونے کی وجہ سے ہر ایک کی حقیقت کو جدا جدا سمجھنا اُن کی فطرت کا حصہ ہے جبکہ اُن کے مقابلہ میں عجمی اور غیر اہل لسان کا مبلغ علم لسان القرآن کو سمجھنے کیلئے تدوین شدہ فنون و آلات تک محدود ہے، اس حوالہ سے ہماری رسائی علم ان فنون کی سمجھ سے متجاوز نہیں ہوسکتی۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کتابوں سے سیکھا ہوا علم ماں کی گود سے سیکھے ہوئے علم کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

اب اِس مشکل سے بچنے کیلئے اور ان مقامات کے صحیح معانی و مطالب کو سمجھنے کیلئے ان ہی فنون کی طرف رجوع کرنا ہوگا اس کے سوا مذکورہ اشکال سے بچنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ عجمیوں کو فہم قرآن کیلئے سہولت دینے کی غرض سے تدوین شدہ علوم کثیرہ میں سے علم نحو کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ علم صرف سے لے کر علم الاشتقاق تک، سب کو جامع اور سب پر محیط ہونے کی بناء پر فہم قرآن کے سلسلہ میں کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کیلئے بظاہر جمع استعمال ہونے والے ان الفاظ کے متعلق اس نے کیا بتایا ہے؟ الفیہ ابن مالک کے اس شعر؛

للرفع والنصب وجرنا صلح
کاعـرف بنافانـا نلنـا المنح

کی شرح کرتے ہوئے شارح (المکودی علی الفیۃ ابن مالک) نے لکھا ہے: ''الـدال عـلی المتکلم ومعه غیره او المتکلم المعظم نـفـسـه'' یعنی (نا) جو ضمیر متصل ہے چاہے مجرور متصل ہو یا منصوب متصل یا مرفوع متصل بہر تقدیر یہ کبھی متکلم مع الغیر یعنی جمع متکلم پر دلالت کرتا ہے اور کبھی اُس واحد متکلم پر جو ایک ہوتے ہوئے اپنی عظمت دوسروں پر ظاہر کرنے والا ہو۔ جمع الجوامع اور اُس کی شرح ہمع الہوامع میں بالترتیب لکھا ہوا ہے؛

''ونحن له معظماً اومشار کا''

''نـحـن للمتکلم معظماً لنفسه نحو نحن نقص او مشار کا

نحو نحن اللذون صبحوا الصباحا"

(ہمع الہوامع مع جمع الجوامع، جلد اول، صفحہ ۶۰، مطبوعہ تہران)

شرح اشمونی علیٰ الفیۃ ابن مالک نے الفیۃ ابن مالک کے مذکورہ شعر میں ضمیر متصل جمع متکلم جو (نا) ہے اُس کی حقیقت بتاتے ہوئے لکھا ہے؛

"الدال علی المتکلم المشارک او المعظم نفسه "اس کے اندر واقع "المعظم نفسه" کی تشریح کرتے ہوئے حاشیۃ صبان علی الاشمونی نے لکھا ہے؛ "ظاهر عبارة الشارح وغيره ان استعمال ناونون المضارعة على المعظم نفسه حقيقة وفي الدماميني ان بعضهم قال انما يستعمل المعظم لنفسه نون المضارعة في نفسه وحدها حيث ينزل نفسه منزلة الجماعة مجازا ومثلها، نا" (شرح اشمونی مع حاشیۃ الصبان، جلد اول، صفحہ ۱۱۱، مطبوعہ تہران)

النحو الوافی، جلد اول، صفحہ ۲۰۴، مطبوعہ تہران میں ہے؛ "للمتكلم ضمير ان انا للمتكلم وحده و "نحن" للمتكلم المعظم نفسه او معه غيره"

علم نحو کے اِن مبسوطات کے علاوہ لُغت کی المعجم الوسیط جلد اول صفحہ 915، پر لکھا ہوا ہے؛ "وقد يعبر بها الواحد عند ارادة التعظيم"

ان تمام تصریحات کا واضح مطلب یہی ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بظاہر جمع کے یہ جتنے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں یہ اُس وحدہ لاشریک کیلئے جمع نہیں ہیں بلکہ جمع کی شکل میں مفرد ہی ہیں کیونکہ ان کا مصداق و مظہر ایک ہے، مفرد ہے اور واحد حقیقی ہے جس میں ایک سے زیادہ ہونے کا تصور بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ جمع کے مصداق ہوں۔

حاشیۃ صبان علی الاشمونی کے سوا تمام نحاۃ نے اپنی مذکورہ عبارات میں تصریح کردی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال ہونے والے یہ تمام الفاظ چاہے جس شکل میں بھی ہوں از قبیلہ مشترک لفظی ہیں یعنی ایک وضع سے جمع کیلئے وضع کئے گئے ہیں جبکہ دوسری وضع سے اُس واحد متکلم کیلئے موضوع ہیں جو معظم لنفسہ ہے یعنی اپنی عظمت جتانے والا ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی عظمت جتانے کیلئے کہے "ایانا اطیعوا" یعنی ہماری ہی اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے لئے انہیں استعمال کرنے کی صورت میں بھی ان کا یہی معنی متعین ہے یعنی واحد متکلم معظم لنفسہ، جو بندوں پر اپنی عظمت شان جتانے کیلئے ان الفاظ کو استعمال کیا ہے، جو عام مخلوق کیلئے استعمال ہونے کی صورت میں جمع ہوتے ہیں۔

عام نحاۃ کی ان تصریحات کے مطابق اس قسم کے یہ تمام الفاظ از قبیلہ مشترک لفظی ہونے کی وجہ سے دونوں استعمالوں میں حقیقت ہی حقیقت ہیں، کوئی ایک صورت بھی مجاز کی نہیں ہے۔ جبکہ صبان کا دمامینی کے حوالہ سے بیان کردہ مذکورہ نقل کے مطابق ان کا استعمال واحد متکلم معظم لنفسہ کیلئے ہونے کی صورت میں مجاز ہے جبکہ اس کے بغیر استعمال میں حقیقت ہے۔ بہرصورت اللہ تعالیٰ کا بطور واحد متکلم معظم لنفسہ، اس قسم کے الفاظ کو اپنے لئے استعمال کرنے کو دیکھ کر یہ رائے قائم کرلینا کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اپنی تعظیم کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کئے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی نیت سے اُس کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کرنا ہمارے لئے بھی جائز ہوگا، علم نحو و لُغت کی ان تصریحات سے جہالت کا نتیجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے ان تمام مقامات پر واحد متکلم معظم لنفسہ کے طور پر انہیں استعمال کیا ہے جو اللہ کی نسبت مفرد ہیں، جمع نہیں۔ نیز یہ کہ قرآن شریف کے ان مقامات کو دیکھ کر اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ پر قیاس کرنا بے محل خارش کاری کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اپنی عظمت شان بتانے کیلئے اس قسم الفاظ کا استعمال کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، بندوں کو اُس وحدہ لاشریک نے اپنی بے مثل ذات کی تعظیم وادب کی غرض سے جمع کے الفاظ استعمال کرنے

کی اجازت کہیں نہیں دی ہے ورنہ اُس کے حبیب ﷺ ضرور ایسا کرتے۔ جب بانی اسلام رحمت عالم ﷺ نے کبھی ایسا نہیں کیا ہے اور اہل لسان صحابہ کرام واہل بیت نبوت سے کہیں ایسا ثابت نہیں ہے تو پھر ایسے قیاس کو خارش کاری کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ جب علم نحو اور بلاغت میں صراحتاً موجود ہے کہ جمع کے اس قسم کے الفاظ کو مفرد ذات کیلئے استعمال کرنا صرف اور صرف اُس واحد متکلم کیساتھ خاص ہے جو دوسروں پر اپنی عظمت شان جتانے کیلئے انہیں اپنی شان میں استعمال کرے۔ جسے علم نحو کی زبان میں واحد متکلم معظم لنفسہ کہا جاتا ہے تو پھر کسی اور کو اُس کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے میں ادب وتعظیم سمجھنا اپنے پیٹ سے شریعت گھڑنے کے مترادف نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا؟

اس مغالطہ میں مبتلا حضرات کو اتنا سوچنا بھی نصیب نہیں ہوتا کہ اگر انسانوں کا اپنے آپس استعمال کئے جانے والے جمع کے ان الفاظ کو قرآن شریف میں رب کائنات جل مجدہ الکریم کا بطور واحد متکلم معظم لنفسہ اپنے لئے استعمال کرنے سے انسانوں کو بھی اُس کیلئے بغرض تعظیم وادب جمع کے الفاظ کا استعمال کرنا جائز ہوتا یا ادب وتعظیم ہونے کا اشارہ ہوتا تو اللہ کے پیغمبر ﷺ اس پر عمل کر کے کسی وقت تو اس اندازِ تعظیم کی بجا آوری کرتے، اہل لسان صحابہ کرام اس اشارہ کو سمجھ کر اس پر عمل کرتے۔ اہل بیت نبوت اور صلحاء امت اپنے خالق ومالک جل مجدہ الکریم کی کبھی تو اس انداز ادب کے ساتھ تعظیم کرتے تاکہ بعد میں آنے والوں کیلئے وجہ جواز بنتا جبکہ اللہ تعالیٰ کے کسی نبی ومرسل نے، کسی صحابی نے اور کسی اہل بیت نبوت یا کسی امام ومجتہد نے بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم وادب جمع کے الفاظ کے ساتھ نہیں کیا۔ کیونکہ اُس واحد حقیقی جل مجدہ الکریم کیلئے جمع کے الفاظ کا استعمال کرنا خلاف ادب ہے، موہم شرک ہے اور اُس کی شان عظمت کے منافی ہونے کے ساتھ اپنی تعظیم وآداب کی بجا آوری کیلئے اُس کی دی ہوئی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔ ایسے میں کسی اور کیلئے اس کا کیا جواز ہوسکتا ہے۔

لسان القرآن سے متعلقہ چند فنون کی کتابوں کو کچھ صحیح اور کچھ غلط انداز سے پڑھنے کے بعد قرآن شریف کا عجمی زبانوں میں ترجمہ وتفسیر کرنے کیلئے بیٹھنے والوں کو اس طرح کی غلطیاں لگنا، اہل فہم کی نگاہ میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ دنیا کی کسی بھی زبان میں لکھی ہوئی کتاب کا ترجمہ دوسری زبان میں کرنا کتنا مشکل کام ہے اس لئے کہ ہر زبان کے الفاظ، ترکیب، ہیئت ترکیبی، مخصوص انداز تخاطب، ضرب الامثال، استعارات، تمثیلات وتشبیہات اور مواد ومفردات کے اپنے اپنے معارف ومحامل اور خصوصیات وحلاوت ہوتی ہے جس کی پوری طرح ادائیگی دوسری زبانوں میں ممکن نہیں ہوتی۔ جب عام کتابوں کے تراجم کا یہ حال ہے تو اللہ رب العالمین کے غیر متناہی علوم وکمالات کی حامل کتاب کے ترجمہ وتفسیر میں اصل کے ساتھ پوری مطابقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس سلسلہ میں لسان القرآن اور فہم القرآن کیلئے ضروری علوم وفنون پر مکمل عبور کو قرآن شریف کے ترجمہ وتفسیر کیلئے محض اس وجہ سے شرط اول قرار دی گئی ہے کہ اس کے بغیر غلطی سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جنوبی ایشیائی ممالک کے اس خطہ میں، پھر اِس میں بھی ہندوستان وپاکستان کے دینی مدارس سے گودامی تعلیم کے محاصل کچھ علماء کرام اِن علوم وفنون میں خام ہونے کے باوجود اِس ناممکن کو ممکن بنانے کی سعی لاحاصل کر رہے ہیں۔ اس حوالہ سے میرے ذاتی تجربہ وتجزیہ کے مطابق عرصہ ڈیڑھ سو سال سے اللہ تعالیٰ کی اس عظیم کتاب ہدایت پر ظلم روا رکھا جا رہا ہے اور دین کی خدمت، قرآنی تعلیمات کی اشاعت اور تبلیغ اسلام کے نام پر قرآن شریف پر کئے جانے والے ظلم وزیادتی کی یہ روش "ھل من مزید" کا منظر پیش کر رہی ہے۔ جس کی بدترین مثال "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" شریف کا مذکورہ ترجمہ ہے۔ جن لوگوں کی ابتداء ہی غلط ہو، بسم اللہ ہی بے محل ہو اور اس منبع اسلام کتاب عظمت کی اولین

آیت کا ترجمہ وتعبیر ہی تعلیمات الٰہی وطریقہ پیغمبر کے خلاف ہو تو اُن سے پورے قرآن شریف کی صحیح ترجمانی کرنے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ سچ کہا گیا ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث کے ترجمہ وتفسیر کے حوالہ سے اس ڈگر کے حضرات کو قدم قدم ٹھوکریں لگ رہی ہیں۔ علم نحو سے غافل رہنے کی طرح عربی زبان میں قرآن شریف کی لکھی ہوئی تفسیروں پر بھی غور وفکر کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہو رہی ورنہ علم نحو کی مذکورہ کتابوں میں موجود تصریحات کی طرح ہی تفسیروں میں بھی ان الفاظ کی تشریح کہیں صراحتاً اور کہیں اشارۃً، کہیں تفصیل کہیں اجمال کے ساتھ موجود ہے۔ مثال کے طور پر:

تفسیر مفردات امام راغب الاصفہانی، صفحہ 504، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، میں مادہ (ن،ح،ن) کے اندر لکھا ہوا ہے: ''وماورد فی القرآن من اخبار اللہ تعالیٰ عن نفسه بقوله نحن نقص علیک احسن القصص فقد قیل هو اخبار عن نفسه وحده لکن یخرج ذالک مخرج الاخبار الملوکی'' یعنی قرآن شریف کے اندر ''نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ'' جیسے بظاہر جمع کے الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی واحد ذات وحدہ لاشریک سے جو خبر دی ہے، ان تمام مقامات سے متعلق یہی کہا گیا ہے کہ یہ جملہ مقامات والفاظ بادشاہوں کا اپنے ماتحت رعایا کے ساتھ کلام کرنے کے انداز پر ہے۔

تفسیر روح المعانی، جلد ۱۴، صفحہ ۱۶، مطبوعہ بیروت، کے اندر سورۃ حجر کی آیت نمبر ۹ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ای نحن بعظم شاننا وعلو جانبنا''۔

اسی طرح تفسیر جمل، جلد دوم، صفحہ ۵۳۹، مطبوعہ بیروت، کے اندر سورۃ حجر کی آیت نمبر ۸ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''مبنیا للفاعل المعظم نفسه وهو الباری تعالیٰ''

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن شریف کے اندر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے حق میں جمع استعمال ہونے والے جن الفاظ کو اپنی ذات وحدہ لاشریک کیلئے بطور واحد متکلم معظم لنفسہ کے استعمال فرمایا ہے انہیں دیکھ کر یہ قیاس کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اپنی ذات کی تعظیم کیلئے جمع کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں لہٰذا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم کیلئے اُس کی شان میں جمع کے الفاظ استعمال کرکے، اللہ رحم والے ہیں، اللہ رحم فرماتے ہیں، اللہ احسان فرماتے ہیں، اللہ ایسا کریں گے، ویسا کریں گے، جیسا انداز کلام اختیار کرنا اور اُسے تقاضا ادب تصور کرنا جہل محض ہونے کے ساتھ شان الٰہی کی بے ادبی، اپنی ذات کی تعظیم وآداب بجالانے کیلئے اُس کی دی ہوئی تعلیم کے خلاف، طریقہ تعلیم پیغمبر کی خلاف ورزی، جملہ سلف صالحین کی مخالفت ہونے کے علاوہ علم نحو اور مفسرین کرام کی مذکورہ تصریحات کے بھی خلاف ہے، نیز یہ کہ قیاس فاسد اور شان الٰہی وحدہ لاشریک کے تقاضوں کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے، نیز یہ کہ شیطانی قیاس اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے عنوان سے بدعت ضلالۃ ہے جس سے بچنا ہر مومن مسلمان پر لازم ہے۔ اس کے برعکس اللہ جل شانہ کی تعظیم وادب کا اسلامی طریقہ یہی ہے کہ اُس وحدہ لاشریک کے لئے استعمال کئے جانے والے الفاظ مفرد ہوں، تاکہ دال مدلول کے مطابق ہو، الفاظ معانی کے مناسب ہوں اور سورۃ فاتحہ شریف میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی تعظیم وتکریم کیلئے بندوں کو دی گئی تعلیم کے مطابق ہو کر قرآن پر عمل ہو اور تعظیم رب کیلئے اُمت کو دی گئی تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق ہو کر اسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ پر اقتداء ہو۔

اس حوالہ سے ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' کے غلط تراجم کی نشان دہی اور اللہ تعالیٰ کی شان میں جمع کے الفاظ استعمال کرنیکی تغلیط کی بابت اپنی شرعی مسؤلیت کی اس گفتگو کو سمیٹنے سے پہلے مناسب

سمجھتا ہوں کہ علم فقہ کے انداز استدلال میں بھی اسے فقہ کی حقیقت اور منطق و معقول کیساتھ شغف رکھنے والے حضرات کی تسلی کے لئے دلیل تفصیلی کی شکل میں بیان کروں جن کی مندرجہ ذیل صورتیں ہوسکتی ہے؛

﴿فقہی استدلال کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کے ناجائز ہونے پر متعدد دلیلیں ہیں﴾

(۱) شرعی حکم:۔ بغرض تعظیم و ادب اللہ تعالیٰ کی شان میں جمع کے الفاظ استعمال کرنا، جہل محض و نادانستہ گناہ ہے۔

صغریٰ:۔ کیونکہ یہ اپنی تعظیم کیلئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعلیمات کے خلاف ہے۔

کبریٰ:۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعلیمات کے خلاف کسی بھی عمل کو اس کی تعظیم و ادب تصور کرنا جہل محض نادانستہ گناہ ہے۔

ثمرۂ استدلال:۔ لہٰذا یہ عمل بھی جہل محض و نادانستہ گناہ ہے۔

(۲) شرعی حکم:۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں اسطرح کا انداز تعظیم و ادب گناہ ہے۔

صغریٰ:۔ کیونکہ یہ تعلیم نبوی ﷺ کی مخالفت ہے۔

کبریٰ:۔ تعلیم نبوی ﷺ کی ہر مخالفت گناہ ہے۔

ثمرۂ استدلال:۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی شان میں اس طرح کا انداز تعظیم و ادب اختیار کرنا بھی گناہ ہے۔

(۳) شرعی حکم:۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں یہ انداز ادب حرام ہے۔

صغریٰ:۔ کیونکہ یہ اللہ جل مجدہ الکریم کی ذات کو انسانوں پر قیاس کرنے کی ایک صورت ہے۔

کبریٰ:۔ اللہ جل مجدہ الکریم کی ذات کو انسانوں پر قیاس کرنے کی ہر صورت حرام ہے۔

ثمرۂ استدلال:۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی شان میں یہ انداز ادب بھی حرام ہے۔

(۴) شرعی حکم:۔ اللہ تعالیٰ کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے میں ادب نہیں ہے۔

فقہی استدلال:۔ کیونکہ اگر ایسا کرنا ادب ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ یا آپ ﷺ کے نائبین میں سے کسی سے ایسا کرنا ثابت ہوتا، لیکن یہ ثابت نہیں ہے۔

ثمرۂ دلیل:۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے میں بھی ادب نہیں ہے۔

(۵) شرعی حکم:۔ اس انداز عمل کو ثواب سمجھ کر ایسا کرنا بدعت و ضلالت ہے۔

صغریٰ:۔ کیونکہ یہ طریقہ پیغمبر ﷺ سے لیکر جملہ سلف صالحین تک جاری سنت مستمرہ کے ساتھ متصادم ہے۔

کبریٰ:۔ سنت مستمرہ کے ساتھ متصادم ہر عمل بدعت و ضلالہ ہوتا ہے۔

ثمرۂ دلیل:۔ لہٰذا یہ بھی بدعت و ضلالت ہے۔

(۶) شرعی حکم:۔ مخلوق کے حق میں جمع استعمال ہونیوالے الفاظ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بطور واحد متکلم معظم لنفسہ اپنی ذات وحدہ لا شریک کیلئے جو استعمال فرمایا ہے انہیں دیکھ کر یہ مطلب اخذ کرنا کہ مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کیلئے جمع کے الفاظ استعما ل کرنا جائز ہے، شیطانی وسوسہ، جہل محض اور گمراہی سے خالی نہیں ہے۔

صغریٰ:۔ کیونکہ یہ اپنے آپ کو اللہ جل مجدہ الکریم پر قیاس کرنا ہے۔

کبریٰ:۔ اپنے آپ کو اللہ جل مجدہ الکریم پر قیاس کرنے کی ہر صورت شیطانی وسوسہ، جہل محض اور گمراہی کے مانعۃ الخلو سے خالی نہیں ہے۔

حاصل نتیجہ:۔ لہٰذا یہ عمل بھی شیطانی وسوسہ جہل محض اور گمراہی کے مانعۃ الخلو سے خالی نہیں ہے۔

(۷) شرعی حکم:۔ قرآن شریف میں واقع بطور واحد متکلم معظم لنفسہ کے ان الفاظ سے جواز پیش کرنا، قرآن فہمی کے منافی جہل محض و حرام ہے۔

صغریٰ:۔ کیونکہ یہ علم نحو کی تصریحات کے خلاف بدفہمی ہے۔

کبریٰ:۔ علم نحو کی تصریحات کے خلاف ہر بدفہمی، قرآن فہمی کے منافی

جہلِ محض وحرام ہے۔

نتیجہ:۔لہٰذا یہ عمل بھی قرآن فہمی کے منافی جہلِ محض وحرام ہے۔

(۸) نحوی حکم:۔ یہ انداز استدلال بدعت نحوی ومردود عندالنحاۃ ہے۔

صغریٰ:۔ کیونکہ یہ نحاۃ کے نظریہ وتصریح کے متصادم ہے۔

کبریٰ:۔ نحاۃ کے نظریہ وتصریح کیساتھ متصادم ہر انداز استدلال بدعت نحوی ومردود عندالنحاۃ ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔لہٰذا یہ انداز استدلال بھی بدعت نحوی ومردود عندالنحاۃ ہے۔

﴿دوسرا امتیازی عرفان﴾

کنزالایمان کے اس ترجمہ میں دوسرا عرفان وامتیاز یہ ہے کہ اس میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کے حوالہ سے غیر مرکب تام کا ترجمہ بھی غیر مرکب تام میں کیا گیا ہے جو لسان قرآن لُغت کے ساتھ علم نحو اور بلاغت کے بھی عین مطابق ہے اس لئے کہ اسم جلالت "اللہ" اپنی دونوں صفات "الرحمن الرحیم" سے مل کر مرکب غیر تام ہے جس کو کلام وجملہ نہیں کہا جا سکتا کنزالایمان میں اس کا یہ ترجمہ کہ "اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا" بھی مرکب غیر تام کا مظہر ہے ایسے میں یہ کہنا ہرگز بے محل نہیں ہوگا کہ کنزالایمان کے مصنف نے اکثر مترجمین کے علی الرغم اماماں لُغت سے لے کر پیش روان نحو واماماں ۔ بلاغت تک سب کی روحوں کو راحت پہنچائی ہے جو اُن کی قدامت پسندی تقاضائے فنون کی پابندی اور بدعت وگمراہی سے دوری ونفرت کی واضح دلیل ہے۔ بخلاف اُن مترجمین کے جنہوں نے "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سمیت اس قسم تمام مقامات میں "ہے، ہیں" اور "ہست، یا، است" جیسے الفاظ میں ترجمہ کر کے مرکب غیر تام کو تام بنایا ہے اور غیر جملہ وکلام کو جملہ وکلام بنا دیا ہے۔ جس کو تسلیم کرنے کیلئے لُغت تیار ہے نہ علم نحو نہ علم بلاغت۔ قرآن فہمی کیلئے ناگزیر اِن علوم آلیہ کے برعکس ان کمزوریوں کا ارتکاب کرنیوالے مترجمین حضرات سے بتقاضائے بشریت سرزد ہونے والی ان غلطیوں پر اتنا افسوس نہیں ہو رہا جتنا کہ ان کی اندھی تقلید کر کے اس پر ڈٹے رہنے والوں پر ہو رہا ہے کہ یہ حضرات اپنے گروہی ومسلکی اکابرین سے بتقاضاء بشریت صادر شدہ اغلاط کو منشاء مولیٰ قرار دے کر کلام اللہ کی بے بنیاد تفسیر وترجمہ پیش کر رہے ہیں، گویا خدا پرستی چھوڑ کر انجانے میں اکابر پرستی کر رہے ہیں۔ اسے کہتے ہیں۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ان حضرات کا یہ کردار اسلئے بھی زیادہ قابل افسوس ہے کہ مدارس اسلامیہ میں پڑھے اور پڑھائے جانیوالے فنون وکتب سے اصل مقصد وغایت قرآن وحدیث کے ترجمہ وتفسیر کو سمجھنے میں غلطی سے بچنا ہے تا کہ اس کے ذریعہ احکام شرعیہ کا درست استنباط کیا جا سکے۔ اسی بنیاد پر مدارس اسلامیہ میں ان علوم کے پڑھنے اور پڑھانے والے یہ معلمین ومتعلمین مسلم معاشرہ میں قابل احترام وتقدس مآب سمجھے جاتے ہیں ورنہ ان میں اور دنیوی علوم کی درسگاہوں میں تعلیمی مشغلہ کرنے والوں کے مابین نقطہ امتیاز ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جب عمر عزیز کا اکثر حصہ ان علوم آلیہ کو حاصل کرنے میں گزارنے کے بعد بھی اصل اہداف حاصل نہ ہوں تو پھر ضیاع وقت کے علاوہ اسے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ اتنی محنت ومشقت کے بعد بھی قرآن شریف کے ترجمہ وتفسیر کے حوالہ سے گروہی اکابرین کی تقلید جامد کو اصل الاصول بنا کر اُن کی یکسر بندگی کی جائے تو پھر اس کا فائدہ کیا ہے؟ انکے ذریعہ اگر اصل ونقل، کھرے اور کھوٹے، جائز وناجائز کی خود تمیز کر کے "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے اسلامی اُصول پر عمل کرنے کی توفیق نہ ہو تو پھر اس کا انجام کیا ہے؟ سالہا سال اس سلسلہ میں محنت شاقہ برداشت کرنے کے بعد بھی مقصد اصلی کے وقت آنے پر آنکھیں بند کر کے تقلید جامد میں پڑھنے سے کیا یہ اچھا نہیں تھا کہ ہر گروہ کے اصاغر اپنے اپنے اکابرین کو ہی اصل الاصول، معصوم عن الخطاء اور معیار حق ہونے کا کھلا اعلان کر کے ان تمام علوم آلیہ کو ٹھکانے لگا دیتے؟ تا کہ مفت کی مشقت

اٹھانے سے تو بچ جاتے۔

بسوخت خرد ز حیرت
ایں چہ بوالعجبی است

بسم اللہ شریف کا ترجمہ بتانے میں ان دونوں بدعتوں کے ارتکاب کرنے والوں کا تجزیہ اس طرح ہے؛ کہ جنہوں نے ''رحم والے'' اور ''ہیں'' کے الفاظ میں اس کا ترجمہ کیا ہے اُنہوں نے مذکورہ دونوں غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ اس بدعت کے موجد میرے درک مطالعہ و معلومات کے مطابق مولوی اشرف علی تھانوی سے پہلے کوئی اور نہیں تھا بلکہ اُنہوں نے اپنے ترجمہ قرآن میں ان دونوں بدعتوں کو جمع کر کے مکتبہ دیوبند کے سرخیل ہونیکے ناطے اس مکتبہ فکر کے بعد میں آنے والے تمام اصاغر کیلئے بری مثال قائم کر دی جس کی تقلید جامد میں مبتلا ہو کر اس مکتبہ فکر کی واضح اکثریت ان اغلاط کو گلے کا ہار ماتھے کا جھومر بنانا باعث ثواب سمجھتی آ رہی ہے۔ اس غلطی کی اصلاح پر توجہ دینے کے بجائے اُسے کلام المعصوم و قابل تبرک تصور کر کے یہ حضرات مبتلا بدعت چلے آ رہے ہیں۔ قابل رحم اصاغر کا کہنا ہی کیا جبکہ مفتی محمد شفیع صاحب جیسی سنجیدہ علمی شخصیت نے بھی اپنی تفسیر (معارف القرآن) کی بنیاد اسی غلطی پر رکھی ہے، ایسے میں حضرت آنس کا یہ کلام ہمیں یاد آ رہا ہے۔

سچ ابھی کمر کس کے گھر سے جا رہا تھا کہ
جھوٹ اتنے عرصے میں دنیا گھوم آیا ہے

اس سلسلہ میں کوشش بسیار کے باوجود تھانوی صاحب سے پہلے اُردو اور فارسی زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ کرنیوالے حضرات میں سے میں نے کسی کو بھی تھانوی صاحب کا ہمنوا نہیں پایا بلکہ بناء بر مصلحت پہلے سے ایجاد شدہ بدعت نحوی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کی شرعی بدعت ضلالۃ کو اکٹھا کرنے کی اس بدعت کے موجد اول و بنیاد رکھنے والے سب سے پہلے وہی نظر آتے ہیں۔

﴿حسن اتفاق جو افسوس بالائے افسوس کا سبب بنا﴾

اس تحریری عمل کے عین دوران میرے مدرسہ کے ایک طالبعلم نے اس سلسلہ میں کنزالایمان کے مصنف کی تحریر مجھے دکھائی جس میں اسی نوعیت کے ایک سوال کے جواب میں اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے مفرد الفاظ استعمال کرنے کو مسلمانوں کے لئے مناسب ہونا قرار دینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی شان وحدت واحدیت کے بھی مناسب بتایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ از روئے تعظیم ضمائر جمع استعمال کرنے میں بھی حرج نہیں ہے۔

زیر نظر مسئلہ کی شرعی تحقیق کے دوران اعلیٰ حضرت محدث بریلوی جیسے کل مکاتب فکر قابل ذکر علماء کرام کے نزدیک اسم بامسمیٰ فقیہ اور بے داغ شخصیت کی طرف سے پہلے سے موجود تحریر پر مطلع ہونے کو میں نے حسن اتفاق ہونے کے ساتھ افسوس بالائے افسوس سے تعبیر کیا۔ حسن اتفاق اسلئے کہتا ہوں کہ محدث بریلوی نوراللہ مرقدہ الشریف کی یہ بات اگر دوران تحریر ہٰذا میرے علم میں آنے کے بجائے بعد تکمیل ہٰذا مجھے معلوم ہوتی تو میں اس کے متعلق کچھ کہنے یا لکھنے کی پوزیشن میں نہ ہوتا کیونکہ عید گزرنے کے بعد مہندی بے محل ہوتی ہے۔ افسوس اس بات کا ہوا کہ آج سے تقریباً سو سال قبل اپنے دور کے مظہر اتم ابوحنیفہ ہونے کی بناء پر جنوبی ایشیائی خطہ کے تمام مسلمانوں کے مذہبی مشکل کشا و با اعتماد مرجع شخصیت کی یہ تحریر اپنے اجمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کو ثواب جاننے والے اہل بدعت کیلئے تنکے کا سہارا ثابت ہوگی اور وہ اس سے غلط معنی اخذ کر کے خلق خدا کو گمراہ کریں گے۔

اگر چہ خود انہوں نے کبھی بھی شان الٰہی کیلئے جمع کے الفاظ استعمال نہیں کئے ہیں، اگر چہ اُنہوں نے اپنی اس تحریر میں بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کو نا مناسب قرار دیا ہے

،اگرچہ اس سے اخذ کئے جانے والا جواز بے حقیقت اور بے وزن ہے لیکن اس کے لکھنے والی شخصیت چونکہ باوزن ہے کل مکاتب فکر کے قابل ذکر علماء کی نگاہ میں غیر متنازعہ امام وفقیہ ہیں جس وجہ سے اہل بدعت کا اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا ایک لازمی امر ہے۔ کیونکہ یہ بے بصیرت کسی بھی شخصیت یا کسی بھی کتاب کے نوشتہ سے بعید سے بعید تر اور خفیف سے خفیف تر احتمال واشارے کا سہارا پکڑنے سے بھی نہیں چوکتے ،تو امام احمد رضا خان نوراللہ مرقدہ الشریف جیسے مسلم الثبوت امام الفقہ کے فتویٰ سے ملنے والے احتمال کو کیسے چھوڑیں گے۔ وہ تو اس کو دلیل بنا کر تعظیم خداوندی کو انسانوں کی تعظیم پر قیاس کرکے اس وحدہ لاشریک کے لئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کی بدعت شنیعہ مردودہ کو مسلمانوں میں پھیلا کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی تعظیم کی بجا آوری کیلئے دی گئی تعلیم جو مفرد الفاظ میں ہے، کو ترک کردیں گے۔ انجام کار اللہ تعالیٰ کی شان میں اُس کی تعظیم کیلئے الفاظ استعمال کرنے کے حوالہ سے طریقہ پیغمبر ﷺ متروک ہو کر اُس کی جگہ اس شیطانی قیاس کے نتیجہ میں جمع کے الفاظ استعمال کرنے کی بدعت ضلالۃ مروج ہونے کا قوی خدشہ ہے۔ جس پر افسوس کئے بغیر کوئی بھی سچا مسلمان نہیں رہ سکتا۔

میرے اس خدشہ کی عملی تصدیق روزنامہ ایکسپریس پشاور شمارہ یکم اگست 2003ء سے بھی ہورہی ہے جس میں ایک اچھے خاصے اہل علم (پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن) اللہ تعالیٰ کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کے جواز وعدم جواز سے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے امام احمد رضا خان کے اس قول سے مغالطہ کھا گئے ہیں جب مفتی منیب الرحمٰن جیسے محتاط اہل فہم اپنے اس اخباری فتویٰ میں جا بجا اس بات کے اعتراف کرنیکے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی بارگاہ عالی کیلئے کچھ عرض کرنے کا جہاں پر بھی حکم دیا ہے وہ سب کے سب کلمات مفردہ پر مشتمل ہیں۔ جمع کے الفاظ کے ساتھ اپنی تعظیم بجالانے کا حکم کہیں بھی بندوں کو نہیں دیا گیا ہے اس نا قابل انکار حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود محض امام احمد رضا خان نوراللہ مرقدہ الشریف کے اس قول سے مغالطہ کھا گئے جب اتنے بڑے علماء کو اتنا مغالطہ لگ سکتا ہے تو پھر اندھی تقلید میں مبتلا بے بصیرتوں کا کہنا ہی کیا اُن کے لئے تو تھانوی کا لکھا ہوا سب کچھ ہے اگرچہ صریح بدعت ہی سہی کیونکہ یہ اُس کو معصوم عن الخطاء تصور کرنے کی وجہ سے اُس کی کسی غلطی کا تصور بھی نہیں کرسکتے ہیں۔ اس اندھیر نگری کے سینکڑوں جزئیات میں سے ایک زیر نظر مسئلہ بھی ہے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کو انسانوں کی تعظیم پر قیاس کرکے اُس کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کی بدعت ضلالہ ایجاد کی اُسے معمول بنایا اور باعث ثواب جان کر اول سے آخر تک ترجمہ قرآن کو اُس پر استوار کیا تو بعد والے مقلدین میں سے جس جس کو بھی اس کا پتہ چلتا جا رہا ہے وہ اسے گلے کا ہار ماتھے کا جھومر بناتے جارہے ہیں۔ بدعت عملی کی اس غلط کاری سے انہیں روکے کون، سمجھائے کون؟ جبکہ پورے ماحول پر اندھی تقلید کا اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا ہے۔

جب امام احمد رضا خان بریلوی نوراللہ مرقدہ الشریف گزشتہ دس عشروں سے بدعات کے انسداد کے واحد علم بردار تھے، شریعت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں کمی وبیشی پیدا کرکے التباس الحق بالباطل کرنے والے مبتدعین کا علمی محاسبہ کرنے میں اپنی مثال آپ تھے لیکن اُن کی اِس مجمل تحریر کیوجہ سے اُن کی اندھی تقلید کرنیوالے بے بصیرت حضرات بھی وہی کردار ادا کریں گے جو اشرفعلی تھانوی کے پرستار کر رہے ہیں کیونکہ اندھی تقلید کا مرض اِن دونوں میں قدر مشترک ہے یعنی یک نہ شد دو شد۔

پروفیسر منیب الرحمٰن کے اس اخباری فتویٰ سے وضاحتاً معلوم ہورہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے بندوں کی طرف سے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کے عدم جواز اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی تعظیم کے لئے بندوں کو دی گئی تعلیم کے منافی سمجھنے کے باوجود محض دو باتوں سے مغالطہ کھا کر وہ اپنے اخباری فتویٰ میں اضطراب وتردد اور تضاد و غلطی

کے مرتکب ہو کر اس بدعت ضلالہ کو مباح کہہ گیا ہے۔

اُن میں سے اول یہ کہ قرآن شریف کے اندر جن سینکڑوں مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے حق میں جمع کے الفاظ کو بطور واحد متکلم لنفسہ ذکر فرمایا ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کے لئے بھی جمع سمجھا ہے جو علم بلاغت و علم نحو اور مفسرین کرام کی تصریحات سے غفلت پر مبنی ہے۔

دوسرا یہ کہ امام احمد رضا خان نور اللہ مرقدہ الشریف کی اِس تحریر میں میرے خدشہ کیمطابق "تعظیماً ضمائر جمع میں بھی حرج نہیں" کے صحیح محمل کو نہیں سمجھا ہے۔ لہٰذا میں یہاں پر مفتی منیب الرحمٰن صاحب دامت سیادتہ کے اس بناء الغلط علی الغلط اخباری فتویٰ کے مندرجات کی کمزوریوں کو ظاہر کر کے کلام کو طول دینے کے بجائے صرف اور صرف امام احمد رضا خان نور اللہ مرقدہ الشریف کی اِس تحریر کا اصل محمل اور وضاحت پیش کر کے اُن کے پُر فتوح روح کی خوشنودی حاصل کرنا چاہوں گا۔

جہاں تک برادرم مفتی منیب الرحمٰن دامت سیادتہ کے پہلے مغالطہ یعنی مخلوق کے حق میں جمع کے الفاظ کو قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا بطور واحد متکلم معظم لنفسہ اپنی یکتا، وحدہ لاشریک ذات کے لئے استعمال کرنے کو وجہ جواز بنانے کی غلطی ہے تو گزشتہ صفحات میں علم نحو و بلاغت اور علم التفسیر کے حوالہ جات کیساتھ اس کی جو تحقیق ہم بیان کر چکے ہیں۔ مفتی صاحب موصوف کے اس مغالطہ کے ازالہ کرنے کے لئے وہی کافی و شافی اور کامیاب علاج ہے اُمید ہے کہ مفتی منیب الرحمٰن صاحب موصوف اُسے پڑھکر اپنی تسلی کرنے کیساتھ مجھے بھی دعاؤں سے نوازیں گے۔ باقی رہا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ الشریف کی اِس تحریر کا تجزیہ و توضیح تو اسے سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے حضرت موصوف کی اِس مجمل و مختصر تحریر کو مکمل اُن ہی کے اپنے الفاظ میں دیکھا جائے۔ تو وہ فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۵، صفحہ ۵۴۸، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور کے مطابق یہ ہے؛

"اللہ عزوجل کو ضمائر مفردہ سے یاد کرنا مناسب ہے کہ وہ واحد، احد، فرد، وتر ہے اور تعظیماً جمع میں بھی حرج نہیں"۔

میری رسائی فہم کے مطابق اِس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اِس اجمالی تحریر کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کے الفاظ کو استعمال کرنے کو نامناسب قرار دیا کیونکہ پہلے ذات باری تعالیٰ کے لئے استعمال کئے جانے والے الفاظ کے مصداق یہ کہہ کر کہ وہ واحد، احد، فرد اور وتر ہے، بتانے کے بعد اُس مفرد ذات کیلئے مفرد الفاظ استعمال کرنے کو مناسب قرار دینے کا واحد مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ اُس کے لئے الفاظ مفردہ کا استعمال کرنا اور جمع کے الفاظ استعمال کرنا باہمی ضدین ہیں جنکے مابین تیسری چیز کا واسطہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان میں سے ایک مناسب ہوگا تو دوسرا بالیقین غیر مناسب ہوگا اور اُن میں سے جس کو بھی مناسب یا غیر مناسب قرار دیا جائے تو دوسرے کیلئے اپنے آپ ہی اس کے برعکس حکم کا ثبوت ہوتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کہے کہ یہ عدد زوج ہے تو سمجھنے والا ہر خاص و عام اسکا یہی مطلب سمجھتا ہے کہ فرد نہیں ہے لہٰذا فرد کے احکام بھی اُس پر لاگو نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح کوئی کہے کہ یہ کلام انشائی ہے تو سننے والا ہر سمجھ دار خاص و عام یہی سمجھے گا کہ کلام خبری نہیں ہے۔ لہٰذا کلام خبری کے احکام بھی اُس پر لاگو نہیں ہو سکتے ہیں، الغرض جہاں پر بھی تقابل تضاد ہوگا وہیں پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اِسی اُصول مسلمہ کے عین مطابق امام احمد رضا خان نور اللہ مرقدہ الشریف نے بھی اپنی اِس اجمالی تحریر کے پہلے حصہ میں دریا کو کوزے میں بند کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی واحد، احد، فرد اور وتر ذات وحدہ لاشریک کیلئے بندوں کی طرف سے مفرد الفاظ اُس واحد حقیقی جل جلالہ کے لئے استعمال کرنے کو مناسب قرار دیا اور کمال یہ کہ ان دونوں ضدین پر جو مناسب اور غیر مناسب ہونے کے الگ الگ حکم لگائے ہیں۔ ضمنی طور پر اشارے ہی

اشارے میں اُنکے الگ الگ فلسفہ بھی بتادیئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیلئے بندوں کی طرف سے بغرض تعظیم مفرد الفاظ استعمال کرنا مناسب اسلئے ہے کہ اس میں لفظ اور اُس کے مصداق میں یگانگت فی الوحدت ہے اور دال ومدلول کی باہمی مطابقت ہے جو طبع سلیم کے بھی مطابق ہے او رجمع کے الفاظ استعمال کرنا غیر مناسب اسلئے ہے کہ اس میں لفظ اور اُس کے مصداق کی باہمی مخالفت ہے اور دال ومدلول کے مابین عدم مطابقت ہے جو طبع سلیم کے بھی خلاف ہے۔

گویا امام احمد رضا خان نوراللہ مرقدہ الشریف نے اپنی اِس اجمالی تحریر کے پہلے حصہ میں القول بالموجب یعنی دعویٰ بادلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ کیلئے بندوں کی طرف سے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کو نامناسب قرار دینے کے اس اجمال کے بعد اس کے دوسرے حصہ میں یعنی ''تعظیما ضمائر جمع میں بھی حرج نہیں'' کے جملہ میں اس کی تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے بندوں کی طرف سے جمع کے الفاظ استعمال کیا جانا لفظ کا اپنے مصداق اور دال کا اپنے مدلول کے خلاف ہونیکی وجہ سے نامناسب ہونا ایک وسیع معنی رکھتا ہے۔ مثلا شرک وکفر بھی نامناسب عمل ہے اور حرام قطعی واسائت بھی نامناسب ہی کہلاتے ہیں اسی طرح مکروہ تحریم ومکروہ تنزیہ اور خلاف اولیٰ بھی شریعت کی زبان میں ہر اعتبار سے نامناسب اعمال ہیں کوئی بھی ذی ہوش انسان اِن برے اعمال کو مناسب نہیں کہہ سکتا لیکن نامناسب ہونا ان سب کا یکساں نہیں ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ شرک وکفر کا نامناسب ہونا اور کسی حرام قطعی گوشت کو کھانے کے نامناسب ہونے کا جرم یکساں ہے؟ یا حرام قطعی اور اسائت کا گناہ برابر ہے یا مکروہ تحریم اور خلاف اولیٰ ایک برابر نامناسب ہیں؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ نامناسب کے فرد اعلیٰ وادنیٰ اور اُن کے مابین جتنے افراد ہوتے ہیں وہ سب کے سب غیر مناسب ہونے میں اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔ مثال کے طور پر حرام قطعی کے ماتحت کفر وشرک کا گناہ وسزا سب سے زیادہ ہے، اُس کے بعد حرام قطعی عملی کا گناہ وسزا حرام ظنی کے گناہ وسزا سے زیادہ ہے اور اُس کے بعد مکروہ تحریم کا گناہ اسائت کے گناہ سے زیادہ ہے، اُس کے بعد اسائت کا مکروہ تنزیہ سے زیادہ ہے اور خلاف اولیٰ میں گناہ ہے ہی نہیں بلکہ ثواب سے محرومی ہوتی ہے۔ نامناسب کے اس وسیع مفہوم کے پیش نظر ہونے کی وجہ سے امام احمد رضا خان نوراللہ مرقدہ الشریف نے اس آخری جملہ میں بھی پہلے کی طرح سمندر کو کوزہ میں بند کرتے ہوئے مندرجہ ذیل احکام شرعیہ کیلئے اسلامی فتوؤں کا اشارہ دیا ہے۔

(ا) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدہ لاشریک ذات کیلئے بطور واحد متکلم معظم لنفسہ کے اُن الفاظ کو جو استعمال فرمایا ہے جو مخلوق کیلئے جمع کے الفاظ کہلاتے ہیں اُنہیں دیکھ کر کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ پر قیاس کر کے اُس کیساتھ موافقت کی غرض سے ارادی طور پر جمع کے الفاظ کیساتھ اُسے یاد کرے تو وہ لاشعوری میں دو غلطیوں میں مبتلا ہوگا۔

اول اسلئے کہ جملہ خلائق پر علی الاطلاق اپنی عظمت بتانے کے لئے اس قسم کے الفاظ کا اپنی بے مثل ذات کیلئے استعمال کرنا اللہ کا خاصہ ہے کسی اور کو تاریخ کے کسی بھی دور میں اُس وحدہ لاشریک نے اپنی ذات وحدہ لاشریک کیلئے اس طرح کے الفاظ استعمال کرنیکی اجازت نہیں دی ہے ورنہ کسی وقت اللہ کا کوئی نبی ورسول یا ملائکہ وصلحاء اُمت میں سے کسی مقبول بارگاہ خداوندی کو تو اس کی اجازت مل جاتی ہوتی جبکہ ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ اسکے برعکس تعلیم المسلہ یعنی سورۃ فاتحہ میں سب کو اللہ تعالیٰ نے مفرد الفاظ کے ساتھ اپنی بے مثل ذات کو یاد کرنے کی تعلیم دی ہوئی ہے جب یہ اللہ ہی کا خاصہ ہے تو اپنے آپ کو اُس وحدہ لاشریک پر قیاس کر کے ایسے الفاظ کیساتھ اُسے یاد کرنا خلاف حقیقت وجہل ہونیکی وجہ سے نامناسب ہے۔

دوم اس لئے کہ قرآن شریف میں مستعمل اِن الفاظ کو اللہ تعالیٰ کی شان میں جمع سمجھنے کا واضح مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ ان

تمام افعال میں اللہ، وحدہ لاشریک نہیں بلکہ کھاتہ شریک سمجھا جارہا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ حجر، آیت نمبر ۹ میں ''انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون'' کے اندر اللہ تعالیٰ کی شان میں استعمال شدہ ان الفاظ کو جمع سمجھنے کا مطلب یہی ہوگا کہ قرآن شریف کو نازل کرنے میں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک تنہا نہیں ہے بلکہ اس صفت میں کوئی اور بھی اُس کے ساتھ شریک ہیں جنہوں نے مل کر یہ عمل انجام دیا ہے (العیاذ باللہ)۔ تو واضح ہے کہ اس تصور میں صریح شرک پایا جاتا ہے جو انسانیت کیلئے مناسب ہے نہ اللہ کیلئے یعنی نادانستہ شرک ہے۔

(۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کو انسانوں کی تعظیم پر قیاس کر کے قابل تعظیم انسانوں کو ادب و تعظیم کے ساتھ یاد کرنے کے انداز میں ایسا کیا جائے تو یہ بھی نامناسب ہے یعنی جہل محض اور مستلزم کفر ہے، اللہ کیلئے تعظیم انجام دینے کے اسلامی عقیدہ کے ساتھ متصادم ہے اور اپنی تعظیم کی بجا آوری کے لئے اللہ کی بتائی ہوئی تعلیم کے برخلاف ہے اس کا مستلزم کفر ہونے کی ایسی مثال ہے۔ جیسے کوئی بیوقوف اللہ کی قدرت کو انسان کی قدرت پر قیاس کر کے یہ کہے کہ جو کام انسان کر سکتا ہے اللہ بھی وہ کر سکتا ہے ورنہ انسان کی طاقت کا اللہ کی طاقت سے زیادہ ہونے کی خرابی کیساتھ اللہ کا عاجز ہونا بھی لازم آئے گا، تو ظاہر ہے کہ یہ نامعقول شیطانی قیاس اللہ کی بے مثلیت کے ضروری عقیدہ اسلام کے منافی ہونے کے ساتھ ہزار ہا ایسے قبائح و نقائص کو بھی مستلزم ہے جنہیں اللہ کی شان میں محال و ناممکن جاننا ضروریات اسلام میں سے ہے، قبائح کیساتھ ہی کیا تخصیص ہے بلکہ ہزار ہا کمالات و اوصاف جمیلہ و حسنہ بھی ایسے ہیں جو انسانوں کے حق میں عین کمال ہونے کے باوجود اللہ کی شان میں عین نقصان ہیں۔ جن سے شان الٰہی کو منزہ و مقدس جاننا ضروریات اسلام میں سے ہے۔

(۳) یہ کہ ثواب سمجھ کر ایسا کریں تو یہ بھی نامناسب ہے یعنی بدعت ضلالہ ہے کیونکہ بندوں کے ثواب اور اپنی تعظیم کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم المسئلہ یعنی سورۃ فاتحہ میں بتائی گئی تعلیم کے منافی اور ثواب کی نیت سے اللہ کو یاد کرنے کے لئے پیغمبر اکرم رحمت عالم ﷺ کے مبارک طریقہ و سنت جو مفرد الفاظ کے ساتھ منقول و ثابت ہے کہ ساتھ متصادم ہونے کی بناء پر بدعت قولی و بدعت اعتقادی دونوں کی تعریفیں اس پر صادق آتی ہیں جس وجہ سے بدعت ضلالہ کے سوا کوئی اور جوازی حیثیت اس کی قطعاً متصور نہیں ہے لہٰذا دوسرے بدعت کاروں کیلئے جو گناہ و سزا عنداللہ مقرر ہے ان کو بھی وہی کچھ ملے گا۔ ''الا ان یوفقھم اللہ لتوبۃ النصوح''

(۴) یہ کہ قیاس و تعظیم اور ثواب میں سے کسی بھی چیز کی نیت کے بغیر ایسا کریں عام اس سے کہ بطور عادت ہو یا بغیر عادت کے بہر حال اس صورت میں کراہت و اسائت کے مانعۃ الخلو سے خالی نہیں ہوگا۔ لہٰذا مکروہ و اسائت کے ارتکاب کرنے والوں کے لئے جو گناہ و سزا مقرر ہے ان کو بھی وہی کچھ ملے گا کیونکہ یہ بھی نامناسب کے مرتکب ہو رہے ہیں یعنی اپنے خالق و مالک جل جلالہ کو یاد کرنے کیلئے اُس کے اور اُسکے پیغمبر اکرم رحمت عالم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے سے جہالت و بے خبری کی وجہ سے اُس کے متضاد عمل کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

(۵) یہ کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ پر قیاس کرنے یا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کو بندوں کی تعظیم پر قیاس کرنے کا بھی کوئی دخل نہ ہو اور نیت ثواب کو بھی کوئی دخل نہ دیا گیا ہو بلکہ ان سب کے بغیر محض تعظیم رب کی غرض سے ایسا کیا جائے تو یہ صورت بھی نامناسب ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف سے تعظیم رب جل جلالہ کے لئے بتائے ہوئے اسلامی طریقہ کو سمجھنے سے بے التفاتی و بے توجہی اور بے راہی کی بناء پر ممکنہ انداز تعظیم پر عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کے نامناسب ہونے کی یہ وہ آخری شکل ہے جس کو امام احمد رضا خان نور اللہ مرقدہ الشریف نے اپنی اس اجمالی تحریر میں ''تعظیماً ضمائر جمع میں بھی حرج نہیں'' کی اس مختصر ترین عبارت میں ذکر کیا ہے۔

یعنی سابقہ چاروں کے مقابلہ میں اس کے اندر حرج نہیں ہے کیونکہ اُن سب میں اپنے اپنے مراتب کے مطابق گناہ کا حرج موجود ہے جبکہ اس صورت میں اُس کے نامناسب ہونے کے باوجود گناہ والا حرج نہیں ہے مطلب یہ کہ پہلی چاروں صورتوں میں حرج بمعنی گناہ ومعصیت امر یقینی ہے لیکن اس آخری صورت میں حرج بمعنی گناہ ومعصیت نہیں ہے بلکہ ثواب سے محرومی ہے، جیسے خلاف اولیٰ میں ہوتا ہے۔

﴿اہل بصیرت حضرات سے گزارش﴾

امام احمد رضا خان نور اللہ مرقدہ الشریف کی اس اجمالی تحریر کے جائز محمل وتفصیل کو اپنی فہم کے مطابق بیان کرنیکے بعد اہل بصیرت حضرات کی خدمت میں گزارش کرونگا کہ یہ جو کچھ میں نے پیش کیا محض جہد المقل ہے، عاجزانہ کوشش ہے اور مخلصانہ توجیہ ہے اگر اس اجمالی تحریر کا اس سے بہتر محمل وتفصیل آپ پیش کرسکیں تو مہربانی کرکے اُسے بھی معرض اشاعت میں لایا جائے تاکہ اِس تحریر کے اجمال کی وجہ سے اندھی تقلید میں مبتلا حضرات کو مغالطہ کھانے سے بچایا جاسکے۔ اس کے علاوہ اس اجمالی تحریر کے حوالہ سے ایک قابلِ وضاحت بات یہ بھی ہے کہ اِس میں (حرج نہیں) کا جو لفظ ہے یہ قدیم فقہاء احناف کے اندازِ بیان کے مطابق لکھا جاچکا ہے جس کا ترجمہ عربی زبان میں "لابأس" کے معنی میں ہے اور لابأس یہ حضرات ہر اُس جگہ پر استعمال کرتے ہیں جہاں پر گناہ ومعصیت نہ ہونے کے ساتھ اُس کے مدمقابل مستحب واولیٰ اور بہتر ہو۔ جیسے فتاویٰ شامی، جلد ا، صفحہ ۴۸۶ میں ہے: "لان لفظ لابأس دلیل علی ان المستحب غیرہ لان الباس الشدۃ"، یعنی کلمہ لابأس کو ذکر کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ جس بات کے متعلق لابأس کہا جارہا ہے اُس کے مدمقابل مستحب وبہتر ہے۔ یہ اس لئے کہ بأس کا اپنا معنی شدت وسختی کرنے کا ہے۔

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ الشریف کی تصنیفات کا مطالعہ کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ ان کا فقہی انداز بیان فقہاء متقدمین کے طرز پر ہے جسکے مطابق اپنی اس اجمالی تحریر میں بھی اُنہوں نے اسی نہج بیان پر چلتے ہوئے حرج نہیں کا جملہ استعمال کیا ہے۔

اہل انصاف علماء کرام اگر امام احمد رضا کے اس جملہ کا تقابل فتاویٰ درالمختار اور فتاویٰ شامی کی محولہ بالا عبارت کیساتھ کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ ان کے مابین لسانی فرق کے سوا کوئی اور فرق اُنہیں نظر نہیں آئیگا۔ اس کے علاوہ دین دار اور اہل انصاف علماء کرام سے یہ گزارش بھی کروں گا کہ اللہ تعالیٰ کی تنہا ویکتا وحدہ لاشریک ذات کے لئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کو ثواب جاننے کی بدعت ضلالہ میں روز افزوں مبتلا ہونے والے بدعت کاروں کا فتاویٰ رضویہ کی اس اجمالی تحریر سے ناجائز استدلال کرنے کے متوقع خطرہ کے انسداد کے لئے اسکی تفصیل کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔ پھیلنے والے مغالطہ کا ازالہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی شان اقدس کی بابت جمع کے الفاظ کو ثواب وتعظیم سمجھ کر استعمال کرنے کی بدعت ضلالہ سے مسلمانوں کو منع کرنے کیلئے حتی المقدور تبلیغ کی جائے ورنہ غفلت کے نتیجہ میں اس بدعت کے عام ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

﴿ایک اور متوقع اشتباہ کا ازالہ﴾

فتاویٰ رضویہ کے اس اجمالی کلام سے غلط استدلال کرنے والے بے بصیرتوں کو ایک اشتباہ اس وجہ سے بھی لگ سکتا ہے کہ حرج نہیں کہنے کے بعد امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ الشریف نے غائب مفرد کے لئے ذکر مرجع کے بغیر جمع کے ضمائر فارسی واُردُو زبانوں میں کثرت کے ساتھ استعمال ہونے کا بھی ذکر کیا ہے اور فارسی زبان کے کچھ شعراء کے اشعار کو بھی بطور مثال پیش کیا ہے۔ جیسے؛

آسمان بارامانت نتوانست کشید

قرعہ فال بنام من دیوانہ زوند

یعنی آسمان امانت کا بوجھ نہ اُٹھا سکا۔ قرعہ فال مجھ دیوانے کا نام نکلا۔

سعدیا روز اول جنگ بہ ترکان دادند

اے سعدی! روز اول سے جنگ ترکوں کو دے دی گئی ہے۔

زرویت ماہ تاباں آفریدند

زقدت سرو بستان آفریدند

تیرے چہرہ اقدس سے روشن چاند پیدا ہوتے ہیں، تیرے قد انور سے باغ کے سرو اُگتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد رضا خان کے اس انداز سیاق سے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کو ثواب تصور کر کے ایسا کرنے والوں کا فارسی کے ان اشعار سے یا امام احمد رضا کے اس انداز سیاق سے استدلال کرنا ایک جیسا نہیں ہوتا بلکہ اشرف علی تھانوی کی اتباع میں ایسے کرنیوالوں کا یہ استدلال ڈوبتے ہوئے کو تنکے کا سہارا سے مختلف نہیں ہے جبکہ امام احمد رضا خان نوراللہ مرقدہ الشریف کے ہر کلام کو آنکھیں بند کر کے نص قطعی کے برابر تصور کرنے والے بے بصیرتوں کا ایسا کرنا اُن کی اندھی تقلید اور تحقیق کی توفیق سے محرومی کا نتیجہ ہے ورنہ ان کے انداز سیاق سے اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کے الفاظ کو ثواب سمجھ کر استعمال کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے نہ مذکورہ اشعار اس پر دلالت کر رہے ہیں جبکہ امام احمد رضا خان نے خود ان اشعار کو بمع ان کے تراجم بیان کرنے کے بعد انکے غیر معین مراجع کی نشان دہی کرتے ہوئے صاف صاف لکھا ہے "اسی جگہ لوگ کارکنان قضاء وقدر کو مرجع بتاتے ہیں"۔ سچ کہا گیا ہے کہ؛ "ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے سو جھوٹ بولے پھر بھی بات نہیں بنتی" ورنہ کجا بدعت کاروں کا یہ کردار اور کجا امام احمد رضا کا یہ کلام پھر یہ بھی ہے کہ ہر زبان کی اپنی خصوصیات ومحاورات ہوتے ہیں جو اُسی کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ فارسی واردو زبانوں میں مفرد کیلئے جمع کے الفاظ کا استعمال کرنا عام محاورہ ہے اور نا قابل انکار حقیقت ہے لیکن اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدہ لاشریک ذات کو بندوں پر قیاس کر کے اُس کی ماوراء القیاس ذات کیلئے بھی جمع کے الفاظ کو استعمال کرنا جائز ہو۔

اہل انصاف اگر امام احمد رضا کی مذکورہ تحریر کے بعد والے اس انداز سیاق کو انصاف کے ترازو میں دیکھیں گے تو اس کے علاوہ اُنہیں اور کچھ نظر نہیں آئے گا کہ حضرت امام الفقہاء نے اپنے فقیہانہ انداز استدلال میں یہ سب کچھ ہماری مذکورہ تفصیل کے عین مطابق حرج نہیں کے پانچویں مصداق کیلئے بیان کیا ہے جس کی روشنی میں اس تمام الحاقی عبارت کی عبارت النص ومقصود اصلی اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کا مقصد اپنے آپ کو اُس پر قیاس کرنا یا اُسے بندوں پر قیاس کرنا نہ ہو، اُس کی تعظیم کو بندوں کی تعظیم پر قیاس کرنا بھی نہ ہو اور ثواب سمجھ کر بھی نہ ہو بلکہ ان تمام ممنوعات شرعیہ سے بچنے کے باوجود نفس تعظیم من حیث التعظیم کی غرض سے ہو تو اس میں تعظیم رب کے لئے قرآنی تعلیم وپیغمبری سنت کی نادانستہ مخالفت ہونے اور نامناسب ہونیکی بناء پر ثواب سے محرومی اور خلاف اولیٰ ہونے کے باوجود گناہ وعذاب نہیں ہے چنانچہ اس تحریر کے آخری الفاظ میں اُنہوں نے خود کہہ دیا ہے۔ تسلی کیلئے اس پوری تحریر کی اختتامی سطر کے مندرجہ ذیل الفاظ پر غور کر کے خود ہی انصاف کیجئے؛ "بہر حال یونہی کہنا مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر اس میں کفر وشرک کا حکم کسی طرح نہیں ہو سکتا نہ گناہ ہی کہا جائے گا بلکہ خلاف اولیٰ ہے"۔

وہ کون سا اہل انصاف یہ کہہ سکتا ہے کہ امام احمد رضا خان نوراللہ مرقدہ الشریف جیسے مظہر ابوحنیفہ فقیہ النفس شخص حرج نہیں کے مصادیق خمسہ مذکورہ میں سے پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی صورتوں کو جو معصیت کاری اور بدعت ضلالہ ہیں کی اجازت دے رہے ہیں یا اُنہیں اصطلاحی معنی کے خلاف اولیٰ ہونے کا فتویٰ دے رہے ہیں؟

نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ خلاف اولیٰ، لاحرج، لاباس بہ اور حرج نہیں جیسے یہ تمام الفاظ یہاں پر اُن کی نگاہ میں صرف اپنے لغوی معنی پر ہی محمول تھے جس کی رو سے اس اجمالی تحریر کی جائز تفصیل ومجمل وہی قرار پاتا ہے جو گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر آئے ہیں۔

﴿ایک اور متوقع مغالطہ کا ازالہ﴾

اللہ کی تعظیم کو انسانوں کی تعظیم پر قیاس کر کے اُس وحدہ لاشریک کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کو ثواب تصور کرنے والے بدعت کار ناواقف حال مسلمانوں کو یہ کہہ کر بھی مغالطہ دے سکتے ہیں کہ یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے اگر سچ مچ کوئی بڑا مسئلہ ہوتا یا بدعت وگناہ ہوتا تو پھر تھانوی ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کے ترجمہ اور مفتی محمد شفیع اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس کا کیوں ارتکاب کرتے۔ نیز یہ کہ امام احمد رضا اپنے فتاویٰ میں اس کا اتنا مختصر ومجمل جواب کیوں دیتے۔ ان تمام حضرات کا یہ کردار اس بات پر دلیل ہے کہ ایسا کرنا اگر ثواب نہیں ہے تو پھر بدعت بھی نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مغالطہ صحیح معنی میں مغالطہ ہے کہ اس سے ناواقف حال عوام تو عوام ہیں بلکہ اچھے خاصے صاحب علم حضرات کو بھی مغالطہ لگ سکتا ہے ورنہ واقف حال اور سنت وبدعت کے شرعی مفہوم کو جاننے والے حضرات کی نگاہ میں اس کی حیثیت طفل تسلی سے مختلف نہیں ہے کیونکہ تھانوی سے اس سے ہزار چند زیادہ خطرناک غلطیاں ایسی ثابت ہیں جن کی وجہ سے وہ متنازعہ شخصیت ہے اور اُس کی ''حفظ الایمان وبساط البنان'' اور ''تغییر العنوان'' جیسی تحریروں کی بنیاد پر اہلسنت وجماعت حنفی المسلک کہلانے والوں میں دیوبندی وبریلوی کے ناموں سے ناقابل اندمال تفریق ہوئی ہے اور ''حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین'' کی شکل میں چاروں مذاہب کے غیر جانبدار علماء اہل سنت عرب وعجم کے فتاوے وجود میں آچکے ہیں۔ لہٰذا اُس کے کسی کردار کو وجہ جواز بنانے کی اسلام میں گنجائش نہیں ہوسکتی اور مفتی محمد شفیع حتیٰ المقدور محتاط وسنجیدہ ہونے کے باوجود چونکہ اُسی سلسلہ کیساتھ مربوط تھے جس وجہ سے اُس کا اُسی ماحول کے رنگ میں رنگین ہونے کی غیر حقیقی روایت سے اثر لینا ایک فطری بات تھی جس وجہ سے اُنہوں نے بغیر سوچے سمجھے اپنی تفسیر معارف القرآن کی بنیاد تھانوی کی تقلید میں اللہ تعالیٰ کیلئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کو ثواب سمجھنے کی اس بدعت پر استوار کیا ہے۔ جہاں تک امام احمد رضا کا اس کے متعلق اجمالی اور مختصر کلام کرنے کا تعلق ہے تو اُس کی وجہ وتفصیل گزشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں۔

اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ جس وقت امام احمد رضا کے پاس یہ مسئلہ آیا تھا اُس وقت اس بدعت کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اگر شاذونادر کوئی شخص ایسا کہتا یا لکھتا تھا تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کو بندوں کی تعظیم پر قیاس کئے بغیر اور نیت ثواب کے بغیر محض اپنی بے علمی کی بناء پر محاورتی تعظیم برائے تعظیم یا نفس تعظیم کے طور پر ایسا کیا کرتا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں پر بلاوجہ بدگمانی کرنے سے یہی بہتر تھا کہ اُس وقت کے مطابق ہی فتویٰ جاری کیا جاتا جس پر امام احمد رضا نے پورا پورا عمل کیا ہے ورنہ اگر بالفرض اس بدعت کاری کی موجودہ کثرت عملی کی مثال موجود ہوتی تو وہ اجمال کے بجائے تفصیل کے ساتھ موجودہ روش کا پورا پورا آپریشن کر لیتے۔ اسکی ایسی مثال ہے، جیسے اُن کے کچھ حقیقی فتوؤں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر آج کل کے بہت سے نمبر دو پیر اور علماء سوٓ اپنی بدعت کاریوں کے لئے جواز تلاش کرتے ہیں کیا کوئی انصاف پسند انسان ''کلمۃ حق ارید بھا الباطل'' کی اس گمراہی کو اُن کی طرف منسوب کرسکتا ہے یا اگر وہ اپنے وقت میں انہیں دیکھتے تو کیا ان کا رد بلیغ نہ کرتے؟

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کے الفاظ استعمال کرنے کی شرعی حیثیت شرک سے لے کر خلاف اولیٰ ہونیکے مذکورہ پانچ ممنوعات شرعیہ سے بیرون نہیں ہے، نیز یہ کہ اپنی تعظیم کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف

سے مفرد الفاظ کیساتھ اُسے یاد کرنے کے لئے دی گئی قرآنی تعلیم کے منافی، طریقہِ پیغمبر کیساتھ متصادم اور جملہ سلف صالحین کے خلاف ہونے کی بناء پرنا قابل عمل ومردود ہے۔ الغرض جس شرح تناسب سے کنز الایمان کے مصنف کا "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کا ترجمہ "اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا" مفرد استعمال کرنیکے حوالہ سے لُغت، علم نحو، علم بلاغت آداب شانِ الٰہی اور تعلیم پیغمبری کے مطابق ہے اُسی شرح تناسب سے رحم والے یعنی جمع استعمال کرنے والے تراجم لُغت کے منافی، علم نحو و بلاغت کی ضد، آداب شان الٰہی کے خلاف اور اسلامی تعلیم کے برعکس ہیں۔ یہی حال "ہے" کا حکم لگائے بغیر رحم والا کہنے اور رحم والا ہے کہنے کے مابین تقابل کا بھی ہے کہ جس شرح تناسب سے کنزالایمان والا ترجمہ لُغت اور علم نحو و علم بلاغت کے مطابق ہے اُسی شرح تناسب سے دوسرے تراجم کا عمل معکوس ہے۔ ان کمزوریوں کا ارتکاب کرنیوالے حضرات نے چاہے جس سوچ اور جس زاویہ نگاہ سے بھی ایسا کیا ہو بہر تقدیر غلط ہی ہے۔ دراصل ان غلطیوں کی شروعات کا ذمہ دار کوئی ایک یا دو شخصیات سے زیادہ نہیں ہیں جبکہ اُن کے بعد والوں نے تقلید اکابر کے اندھے پن میں ایسا کیا ہے کہ تقلید اکابر کے مروجہ ماحول سے متاثر ہونے کی وجہ سے ان میں سے ہر متاخر نے اپنے پیش رو متقدمین کی تقلید کرنے کو ہی ثواب جانا اور اُن کے اندازِ عمل سے نکلنے کو گناہ و معصیت تصور کرتے ہوئے اُن کے جملہ الفاظ، انداز اور بنیادی کردار و عمل کو واجب التقلید جان کر آگے دوسروں کو منتقل کرنے پر ہی اکتفا کیا۔

گویا غیر معصوم کو انجانے میں معصوم جان کر اُن کے ہر عمل کو اسلام کا حصہ قرار دیا۔ میری سمجھ کے مطابق ان تمام حضرات سے اس سلسلہ میں یہی ایک کوتاہی ہوئی ہے جبکہ اُن سے پہلے فارسی زبان میں ترجمہ کرنے والے حضرات کی یہ مجبوری تھی کہ اُن سے پہلے عجمی زبانوں میں تراجم قرآن کا کوئی رواج نہیں تھا۔ بالخصوص ہندوستان بھر کے مسلمانوں کا پورا ماحول اس سے نابلد تھا یہی وجہ تھی کہ جب حضرت شاہ ولی اللہ نور اللہ مرقدہ الشریف نے یہ کام شروع کیا تو اُن کے ہم عصر علماء کی اکثریت نے اُنکی مخالفت کی اور بعض انتہا پسند حضرات نے تو تفسیق و تکفیر تک کے فتویٰ لگا دیئے کیونکہ انہیں بھی اپنے پیش رؤں سے ایسا ہی تاثر ملا ہوا تھا۔ تو ایسے حالات کا لازمی تقاضا یہی تھا کہ کلام اللہ کے ترجمہ و معانی کے ساتھ اُنہیں مانوس کرنے کیلئے اسے اُن کی فہم کے مطابق بنایا جاتا تاکہ وہ اس کی خوشبو سے مانوس ہوں۔ جس کے لئے اُن پاکیزہ ہستیوں نے خیر کثیر کو حاصل کرنیکی خاطر بدعت نحوی کے اس شر قلیل کو اختیار کیا ہوگا۔ ان بزرگوں کا یہ انداز ترجمہ صرف اولین آیت قرآن کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ ترجمۃ القرآن کے حوالہ سے اپنے وقت کے نامساعد ماحول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُنہوں نے اول تا آخر مجموعی طور پر اپنے ترجموں کو اسی انداز پر رکھا ہے کیونکہ ہر صاحب بصیرت مصنف کو اپنے پیش نظر عظیم مقاصد کے حصول کی خاطر اپنی علمی کاوش کو مفید عام بنانے کیلئے نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ چھوٹی چھوٹی کمزوریوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے جو دوسروں کو علم کی روشنی پہنچانے کی خاطر ایثار و قربانی اپنانے کے شرعی حکم کا مظہر ہے، قوت برداشت کا عملی مظاہرہ ہے اور مثبت اندازِ تحریر کی عملی مثال ہے۔ اہل قلم حضرات جانتے ہیں کہ ایک کامیاب اور مثبت انداز تحریر کے حامل مصنف کیلئے ماحولیاتی رکاوٹوں، چہ مہ گوئیوں اور معکوس عملیوں سے بچا کر اپنی کاوش علمی کو مفید عام بنانا کتنا مشکل ہوتا ہے، کتنا بڑا امتحان ہوتا ہے اور کتنی قربانی مانگتا ہے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں قرآن شریف کا عجمی زبانوں میں بالخصوص فارسی زبان میں اوائل مترجمین چاہے حضرت میر سید سند ہو یا شیخ سعدی، حضرت شاہ ولی اللہ ہو یا اُن کے ہنرمند بیٹے یا اُن جیسے اور حضرات اُنہوں نے ترجمہ قرآن کے حوالہ سے جن ماحولیاتی ناہمواریوں کو زیر کیا ہے یا جن غیر مانوس ذہنوں کو فہم قرآن کیساتھ

مانوس کیا ہے اور جس نا آشنا عجمی ماحول کو ترجمۃ القرآن سے آشنا کیا ہے اُن کے پیش نظر یہ سب کچھ انکی جائز ضرورت تھی اور ماحول کی مجبوری تھی، بخلاف متاخرین مترجمین کے جن کے دور میں اوائل کی کاوشوں کی بدولت مسلمانوں کا ماحول ترجمۃ القرآن کیساتھ مانوس ہو چکا تھا، دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن شریف کے تراجم شائع ہورہے تھے اور مساجد و مدارس میں تراجم قرآن پڑھے اور پڑھائے جا رہے تھے۔

چند صدیاں قبل کی اجنبیت اور کراہت موجودہ دور میں پائے جانیوالے انس و رجحان میں اس حد تک بدل چکی تھی کہ مولانا فتح محمد جالندھری، حافظ نذیر احمد دہلوی، اشرف علی تھانوی، محمود الحسن دیوبندی، ابوالحسنات قادری اور احمد علی لاہوری جیسے مترجمین کے ادوار کو اس حوالہ سے مختلف مسالک کے علماء کرام کے مابین جذبہ مسابقت کا دور کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔ ایسے میں بسم اللہ کا ترجمہ لسان القرآن کے خلاف کرنے یعنی مرکب غیر تام کا معنی مرکب تام میں اور غیر جملہ کا مفہوم جملہ میں ظاہر کرکے اس بدعت نحوی کے ارتکاب کرنے کی کیا ضرورت تھی اور کون سی ناگزیر مجبوری تھی؟ جہاں تک میں نے اس پر غور کیا ہے اس کے مطابق اپنے پیش رؤں کی اندھی تقلید کے سوا اور کوئی وجہ اس کی معلوم نہیں ہورہی اور اکابر پرستی یا اپنے پیش رؤں کی اندھی تقلید اہل علم حضرات کی تحقیق وجستجو کی راہ میں وہ رکاوٹ ہے کہ جس سے بچ نکلنا بہت کم کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ (وقلیل ماہم) اللہ تعالیٰ سب کو اس دولت کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

میری اس تحریر سے کوئی شخص یہ مطلب نہ لے کہ میں تقلید مذہبی کا مخالف ہوں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ میں خود حضرت امام ابوحنیفہ نوراللہ مرقدہ الشریف کا مقلد اور مذہب حنفی کا پابند ہونے کے ساتھ ہر محل تقلید میں سلف صالحین کی تقلید کرنے کو ضروری سمجھتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ تقلید شخصی کا یہ مسئلہ صرف مسلمانوں کا ہی خاصہ ولازمہ نہیں ہے بلکہ جملہ اقوام عالم کی عدالتوں میں بھی قابل اجتہاد مسائل میں قابل اعتماد سابقین کے فیصلوں کی تقلید کرنے کو عین انصاف سمجھا جاتا ہے اور فطرت انسانی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب کسی مسئلہ میں نوعیت کا اختلاف نہ ہو، تقاضاء وقت کا عارضہ نہ ہو اور سابقین کے فیصلہ کی غلطی کسی ٹھوس دلیل سے جب تک معلوم نہ ہو جائے، اُس وقت تک جدید نظریہ یا اختلافی جہت پیدا کرنے کا کوئی جواز نہیں ہوتا بلکہ تقلید کی راہ پر چلنا ہی تقاضاء انصاف ومقتضاء فطرت ہے لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ محل تقلید موجود ہو۔ مسئلہ اجتہادی ہو جو محل اختلاف ہوسکے جیسے کہ جملہ اختلافیات واجتہادیات بین الفقہاء میں ہوتا ہے ورنہ مسائل لغویہ ولسانیات میں اپنی پسند کے اکابرین کی تقلید کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ مسائل لغویہ ولسانیات میں صرف اور صرف اہل لسان کا فیصلہ ہی حرف آخر ہوتا ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی مجتہد کی چل سکتی ہے نہ مقلد کی، متقدمین کو اُس کے خلاف کچھ کہنے کی گنجائش ہوسکتی ہے نہ متاخرین کو۔

لسان قرآنی کا بھی یہی حال ہے کہ اس کے اہل زبان، گرائمر واُصول اور مسلمہ ضوابط کے خلاف اگر کسی نے کچھ لکھا ہو تو اُس کی تقلید پر اڑے رہنا کسی بھی متاخر کیلئے جائز نہیں ہوسکتا بلکہ مسلمان ہونیکے ناطے ہر ایک پر فرض ہے کہ اللہ کی اس عظیم کتاب کو اُسکی زبان کے اُصول وضوابط کے مطابق دیکھے۔ اُس کا ترجمہ اگر اپنی زبان میں کرے تو اُسے اپنی من پسند کے مطابق کرنے کے بجائے اُسی کے اُصول وضوابط کا پورا پورا لحاظ کرے تا کہ ترجمہ وتفسیر کا حق ادا ہوسکے، اللہ کی اس عظیم کتاب کی حق شناسی یہ نہیں ہے کہ اپنے فقہی مسلک یا من پسند کی کسی علمی شخصیت کی غلط تعبیر، غلط ترجمہ وتفسیر کو گلے کا ہار ماتھے کا جھومر بنا کر اُسکے خلاف سوچنے کیلئے تیار ہی نہ ہو نہیں یہ اندازِ انصاف نہیں ہے، حق شناسی وحق جوئی نہیں ہے بلکہ اکابر پرستی کا حجاب ہے جس کے ہوتے ہوئے حق تک رسائی ناممکن ہوجاتی ہے بلکہ کتاب اللہ کے

حوالہ سے حق جوئی کا اسلامی انداز ایسا ہونا چاہئے کہ اگر اپنے اُستاذ نے یا اپنے باپ دادا نے بھی اُس کے مسلمہ اُصولوں کے خلاف کوئی بات کی ہوتو اُس کی کمزوری کو بھی ظاہر کر کے اصل کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ ص، آیت نمبر ۲۹ میں فرمایا؛

''کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولوا الالباب'' جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی آیات میں غور وفکر کرنے کے لئے اور خاوندانِ عقل کا اس سے نصیحت حاصل کرنے کیلئے ہم نے اس بڑھوتی (غیر متناہی علوم والی کتاب) کو آپ پر نازل کیا ہے۔

یہاں پر بلا ضرورت بسم اللہ شریف کے مذکورہ غلط ترجموں کی آنکھیں بند کر کے تقلید کرنے والے علماء کرام سے مندرجہ ذیل گزارشات کرنا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ وہ کتاب اللہ کے حوالہ سے اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔

(۱) یہ کہ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن شریف کی صفت میں یہاں پر بیان شدہ لفظ مبارک جن علوم ومعارف کو شامل ہے وہ اُن ہی میں منحصر ہیں جن کا اظہار سابقین نے اپنی تصنیفات میں کیا ہے؟

(۲) یہ کہ کیا ''لیدبروا آیاتہ'' کے اندر غور وفکر کرنے کا حکم صرف اسلاف کیساتھ خاص ہے کہ آزاد ذہن کیساتھ قرآن شریف کی آیات میں غور وفکر کرنے کے حکم پر وہی مکلف تھے اور اُنکے بعد والے صرف اُن ہی کے بتائے ہوئے تراجم وتعبیرات کے پابند ہوں؟

(۳) جب آزاد ذہن کے ساتھ اس کی آیات میں غور وفکر کرنیکا حکم ہر دور کے ہر صاحب عقل کو شامل ہے تو پھر قرآن شریف کے لسانی قواعد وضوابط کے برخلاف اپنے پیش رؤں کی بے محل تقلید کرنے کا کیا جواز ہوسکتا ہے؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بسم اللہ شریف کا ہر وہ ترجمہ جس میں اسم جلالت ''اللہ'' اور اُس کی دونوں صفات ''الرحمان الرحیم'' کے ترجمہ میں ''ہے'' یا ''ہست'' کہا جاتا ہے، غلط ہے۔ مثال کے طور پر یہ جو کہا اور لکھا جاتا ہے ''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے'' اس میں ''ہے'' کہہ کر غیر جملہ کا مفہوم جملہ میں ظاہر کرنا لسان قرآنی کیخلاف ہے کیونکہ ''ہے'' یا ''ہست'' ہمیشہ حکم ہوتا ہے جو مرکب مفید کا مفہوم ہے جبکہ اسم جلالت ''اللہ'' اپنی ان دونوں صفتوں ''الرحمٰن الرحیم'' سے ملکر ان تینوں کا مجموعہ لسان قرآنی کے مطابق غیر جملہ ہے۔ لہٰذا اہل علم حضرات کو چاہئے کہ اس پر توجہ دیں۔

﴿ایک مغالطہ کا ازالہ﴾

بعض حضرات کو اس غلط ترجمہ کی تصحیح کے سلسلہ میں یہ مغالطہ ہو رہا ہے کہ اِن دونوں صفات یعنی الرحمٰن الرحیم کی نسبت اس کے اندر موجود ضمیر مرفوع متصل مستتر راجع بسوئے موصوف کی طرف جو ہو رہی ہے اُس کی وجہ سے ''ہے'' کا حکم لگانا درست ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسم فاعل یا صفت مشبہ اپنے فاعل سے مل کر کبھی جملہ نہیں ہوتا بلکہ مفرد ہی رہتا ہے۔ جس وجہ سے ترکیب نحوی میں اُس کی تعبیر شبہ جملہ اسمیہ سے کی جاتی ہے، جیسے ترکیب زینی زادہ میں درجنوں مقامات پر موجود ہے۔ لہٰذا یہ توجیہ محض مغالطہ برائے مغالطہ یا علم نحو سے غفلت کے مانعۃ الخلو سے خالی نہیں ہے۔

﴿ایک اور مغالطہ کا ازالہ﴾

کچھ حضرات ان غلط ترجموں کو درست ثابت کرنے کیلئے یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں صفات سے قبل ہو ضمیر مرفوع منفصل مقدر ہے جو مبتداء ہے اور یہ دونوں اُس کی خبر ہیں اسلئے ''ہے'' کا حکم لگانا درست ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علم نحو کے ساتھ ذرہ برابر مناسبت رکھنے والا کوئی شخص بھی ایسا تصور نہیں کرسکتا ورنہ ''الرحمن الرحیم'' کو مرفوع پڑھنا لازم آئے گا جو خلاف عقل ونقل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کنز الایمان کے مصنف نے ترجمۃ القرآن کے آغاز یعنی ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کے ترجمہ میں ہی کمال عرفان کے

جواہر دکھائے ہیں، اللہ کی اِس عظیم کتاب کی پہچان کے راستے بتائے ہیں اور مدارج عرفان کے وہ دریچے کھولے ہیں کہ جن کے بغیر ترجمۃ القرآن کا حق ادا ہونا ممکن ہی نہیں تھا۔ (فجزاہ اللہ خیر الجزاء)

﴿تیسرا عرفان و امتیاز﴾

کنز الایمان کے اس ترجمہ کا تیسرا عرفان و امتیاز یہ ہے کہ اس میں اللہ کے نام سے شروع کہہ کر اللہ تعالیٰ کے اسم ذاتی کو سب سے مقدم ذکر کیا گیا ہے جو عین حقیقت ہے کیونکہ ہر شے کی ذات اُس کی صفات و اسماء سے مقدم ہی ہوتی ہے جبکہ ذات اللہ کا اُس کے جملہ اسماء و صفات سے مقدم ہونا بھی اِسی اُصول کی بنیاد ہے پھر یہ بھی ہے کہ اسم جلالت (اللہ) کی دلالت ذات باری تعالیٰ پر بلاواسطہ ہے جبکہ دوسرے اسماء اللہ کی دلالت اس کے واسطہ سے ہے کیونکہ وہ سب کے سب اِسی کے ساتھ مربوط اور اسی کے توابع ہیں اور کسی بھی مناسب کام کو شروع کرنا اللہ تعالیٰ کے اُسی اِسم کی مدد یا برکت سے ہوتی ہے جس کی اُس کیساتھ مناسبت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر رزق سے متعلقہ کسی جائز کام کو شروع کرنے کے لئے اسم "الرزاق" کی مدد یا برکت لی جاتی ہے اور علم سے متعلقہ کام کو شروع کرنے میں اسم "العلیم، السمیع، البصیر" جیسے اسماء اللہ کی برکت و مدد لی جاتی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جس جائز کام کو بھی شروع کیا جاتا ہے حقیقت میں اُسی کے مناسب اسم اللہ کی برکت و مدد لی جاتی ہے چاہے شروع کرنے والے انسان کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو اور بسم اللہ شریف سے شروع کئے جانے کے قابل کاموں کی کوئی حد نہیں ہے تاکہ اُن کے مطابق مخصوص اسماء اللہ کو ذکر کیا جاتا جبکہ نفس اسم اللہ سب کو جامع ہے۔ الغرض شروع کرنے والا انسان اللہ تعالیٰ کے جس اسم سے بھی بطور استعانت و تبرک شروع کرے بہر تقدیر اُس کو اللہ کے نام سے شروع کہنا درست ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک چونکہ بالترتیب اسم ذاتی سے لے کر اسماء صفاتی تک سب کیلئے اصل الاصول و بنیاد ہونیکی وجہ سے رتبۃً سب سے مقدم ہونے کا مقتضا یہی ہے کہ ذکر میں بھی اُس کو سب سے مقدم رکھا جائے جس پر عمل کر کے کنز الایمان کے مصنف نے امتیازی عرفان کا شرف پایا ہے بخلاف اُن مترجمین کے جنھوں نے "شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے" یا "شروع اللہ کے نام سے" کہہ کر اپنے عمل کو ذات اللہ سے مقدم رکھا ہے۔ اِس تقابلی موازنہ میں اکابر پرستی کی تقلید جامد کو چھوڑ کر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو عرفان کے کمال و نقصان کا واضح فرق نظر آئے گا۔

﴿چوتھا عرفان و امتیاز﴾

بسم اللہ شریف کے اِس ترجمہ میں کنز الایمان کا چوتھا عرفان و امتیاز جار و مجرور کے عامل مقدر میں اختصار کرنا ہے جو نفس مصدر یعنی شروع ہے کیونکہ جار و مجرور جو مشابہ ظرف ہے کا عامل مذکور نہ ہونے کی صورت میں مقدر ہی سمجھا جاتا ہے جو خلاف اصل ہونے کی وجہ سے اختصار کا مقتضی ہے جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے کنز الایمان کے مصنف نے شروع کی صورت میں نفس مصدر کو مقدر کر کے جملہ نحات سے داد تحسین پائی ہے، بخلاف اُن مترجمین کے جنھوں نے نفس مصدر کے بجائے شروع کرتا ہوں کہہ کر مقتضاء حال سے بے التفاتی فرمائی ہے۔

﴿پانچواں عرفان و امتیاز﴾

اس ترجمہ میں پانچواں عرفان و امتیاز یہ ہے کہ یہ مذکر و مونث دونوں کو شامل ہے کیونکہ شروع کا فاعل جو اس کے اندر ضمیر مرفوع متصل نفس متکلم کی صورت میں موجود ہے ہر انسان ہوسکتا ہے، چاہے مذکر ہو یا مونث۔ اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن شریف کا نزول اور بسم اللہ پڑھنے کا حکم نرینہ و زنانہ کی خصوصیت سے قطع نظر سب کیلئے ہے جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے کنز الایمان کے مصنف نے نفس مصدر مقدر کرنے پر اکتفا کیا ورنہ شروع کرتا ہوں کہنے میں مَردوں کے ساتھ خاص ہوتا ہے، جو بسم اللہ پڑھنے کے عمومی حکم کے منافی ہے۔ اسی طرح شروع کرتی ہوں کہنے میں عورتوں کے ساتھ خاص ہوتا ہے، جو غلط

ہے۔

قرآن شریف کے ترجمہ کے تقابلی جائزہ کے حوالہ سے یہ وہ معارف ہیں جن کو کنزالایمان کا طرہ امتیاز قرار دیا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ اِس کے ساتھ ایک اور امتیاز و کمال یہ بھی ہے کہ کنزالایمان کے عظیم مصنف نے ترجمہ کے شروعات میں جن مناہج کو اختیار کیا ہے آخر تک اُس پر استقامت دکھائی ہے۔ مذکورہ مناہج عشرہ میں سے کسی مرحلہ پر بھی بھول اور غفلت یا کسی اور بشری کمزوری کی وجہ سے کسی ایک سے بھی عدول نہیں کیا ہے۔ استقامت کا یہ انداز ایک مصنف کی مستقل مزاجی اور حقیقت شناسی میں پختگی کی واضح دلیل سمجھا جاتا ہے جس سے کنزالایمان کے مصنف کے عرفان وامتیاز کو چار چاند لگ رہے ہیں۔ سچ فرمایا خالق کائنات جل جلالہ وعم نوالہ نے؛ ''ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ''

﴿توضیح در توضیح﴾

یہ کہ کنزالایمان میں بسم اللہ شریف کے ترجمہ کے حوالہ سے پہلا، دوسرا، چوتھا عرفان وامتیاز بالترتیب کنزالایمان کے مذکورہ منہج اول و پنجم اور ہفتم کے مطابق ہیں جبکہ تیسرا عرفان وامتیاز منہج دوم کے مطابق ہے اور پانچواں عرفان وامتیاز چوتھے منہج پر جاری ہوا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اول سے آخر تک پورے قرآن شریف کا ترجمہ مذکورہ مناہج پر جاری ہے۔ جو مصنف کی مستقل مزاجی اور علم وعرفان میں پختگی کی واضح دلیل ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 2:۔

یہ کہ سورۃ الفاتحہ کی آیت نمبر۵ ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ'' کا ترجمہ ''ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں'' کے الفاظ میں کر کے حقیقت کا ایسا اظہار کیا ہے کہ اُس کے بعد شکوک وشبہات کا قلع قمع ہوجاتا ہے یہ اسلئے ہے کہ ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ'' کا لفظی اور خبری مفہوم یہ ہے کہ ''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں'' یعنی تیرے سوا کسی اور کی نہیں کرتے ہیں۔ جبکہ قرآن شریف موحد و مشرک میں سے کسی کی تخصیص کے بغیر سب کیلئے ہے اور اِس آیت کریمہ میں بھی سب سے یکساں توحید فی العبارت اور اُس کے اظہار کا مطالبہ کیا گیا ہے جبکہ مشرک لوگوں کا یہ کہنا خلاف حقیقت ہے کیونکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی نہیں بلکہ اور چیزوں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح ''اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ'' کا لفظی اور ظاہری مفہوم یہ ہے کہ ''ہم صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں'' جبکہ دُنیا کے معروضی حالات اس کے برعکس ہیں کیونکہ موحد و مشرک ہر ایک غیر اللہ سے بھی مدد مانگتے رہتے ہیں اِس لئے کہ انسان کوئی بھی ہو مدنی الطبع اور زندگی گزارنے میں ابناء جنس کے محتاج ہیں ایک دوسرے سے مدد مانگے بغیر ضروریات وحاجیات کی دست آوری اُن کیلئے ممکن ہی نہیں ہے اور نہ ہی حفظ و بقاء کا تصور ہو سکتا ہے۔ اِس کے علاوہ خود قرآن شریف کے بعض مقامات سے بھی اشارۃ النص یا دلالت النص کے طور پر ایک دوسرے سے حاجیات و ضروریات مانگنے کا ثبوت ہے جو عین منشاء الٰہی و مقتضاء فطرت ہے۔ جیسے؛

''وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلاَ تَنۡهَرۡ'' (سورۃ الضحیٰ، آیت نمبر۱۰)

''لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ'' (سورۃ الزاریات، آیت نمبر۱۹)

''تَسَآءَ لُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ'' (سورۃ النساء، آیت نمبر۱)

''مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ'' (سورۃ آل عمران، آیت نمبر۵۲)

الغرض ایسا انسان اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں فرمایا ہے جو اپنے ہم جنس انسانوں سے مدد مانگے بغیر زندگی گزار سکے۔ ایسے میں ''وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ'' کا ترجمہ جملہ خبریہ میں کر کے یہ کہنا کہ ''ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں'' خلاف حقیقت نہیں تو اور کیا ہے جس سے طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہوسکتے ہیں کہ انسان کو مدنی الطبع پیدا کرنے کے بعد دوسروں سے حاجیات وضروریات مانگنے سے منع کرنے کا کیا معمہ ہے؟ جن مترجمین نے اِس آیت کریمہ کا ترجمہ اِس کی ظاہری خبر

کے مطابق کیا ہے اُنہوں نے دنیائے انسانیت کے معروضی حالات سے آنکھیں بند کی ہیں جو علم بلاغت کے منافی عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تراجم کو پڑھنے والے کسی بھی قاری کو اِس مقام پر تسلی ہرگز نہیں ہوتی۔ جبکہ کنز الایمان کے مصنف نے کمالِ عرفان کا ثبوت دیتے ہوئے اِس کا ترجمہ مذکورہ الفاظ میں کر کے کتاب اللہ کی حقانیت کے ساتھ واقعیت کا بھی اظہار کیا ہے، اپنے قارئین کو شکوک وشبہات کے اندھیروں سے بچانے کے ساتھ تسلی واطمینان کا سامان فراہم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندوں کا حقیقی تعلق بتانے کے ساتھ اہل اللہ کی روحانی ترقی کے منازل کا بھی اشارہ دیا ہے اور مدارج عرفان کا کمال دکھانے کے ساتھ علم بلاغت کے جوہر بھی دکھائے ہیں۔

کنز الایمان کے اِس ترجمہ میں واقعیت کا اظہار اِس طرح ہے کہ سورۃ فاتحہ شریف از اول تا آخر تعلیم المسئلہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی ذات سے مانگنے کا طریقہ سکھایا ہے اور جملہ لمحات میں اپنی ذات کی بے نیازی وکبریائی اور محتاج الیہ علی الاطلاق ہونے کے اظہار کی تعلیم دینے کے ساتھ بندوں کو ہمہ وقت اپنی ذات کی طرف اُن کی محتاجگی علی الاطلاق ظاہر کرنے کی تبلیغ فرمائی ہے۔

سورۃ فاتحہ شریف کے اِس مقصد کو دیکھ کر مفسرین کرام نے بھی اِس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ؛

"ویقدر فی اولها قولوا لیکون ما قبل ایاک نعبد مناسبا له بکونه من مقول العباد"(جلالین، صفحہ نمبر ۵۰۹)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اِس کے ایک ایک مضمون کا مقول علی السنۃ العباد ہونے کی بناء پر شروع سے ہی قولوا مقدر ماننا ضروری ہے ورنہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" اور اس کے مابعد والے مضامین کے ساتھ ماقبل کا ربط ومناسبت نہیں ہوگی جو بلاغت کے منافی ہے۔

تفسیر روح المعانی میں اس کا تعلیم المسئلہ ہونے کی بناء پر کہا؛ "فالجملة انشائية لا محالة" جس کا مفہوم یہ ہے کہ اِس کے مضامین کا مقول علی السنۃ العباد ہونیکے پیش نظر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کا جملہ بھی معنوی طور پر انشاء ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ (روح المعانی، جلد ا، صفحہ نمبر ۵۷)

تفسیر کشاف میں لکھا ہے؛ "لانه لتعليم العباد فمآل معناه قولوا الحمدلله" جس کا مفہوم یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کا سورۃ العبادۃ اور سورۃ تعلیم المسئلہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ؛

قولوا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ(۱) الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ(۲) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ(۳) اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ(۴). قولوا. اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۵) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ(۶)".

الغرض سورۃ فاتحہ شریف کے ان مضامین کا مقول علی السنۃ العباد اور معنوی طور پر جملہ انشائیہ ہونے کی واقعیت کا ایک مقتضاء یہ بھی ہے کہ اِس کا ترجمہ بھی ایسے الفاظ میں ظاہر کیا جائے جو واقعہ کیمطابق اور سو فیصد درست ہو جس پر کنز الایمان کے مذکورہ ترجمہ میں عمل کیا گیا ہے۔ جس میں آیت کریمہ کی حقانیت کے اظہار کے ساتھ واقعیت کا بھی اظہار ہو رہا ہے کیونکہ "ہم تجھی کو پوجیں" کہنے میں اللہ تعالیٰ سے توحید فی العبارت کی توفیق کا سوال ہو رہا ہے کہ تیری توفیق کے بغیر اس سعادت کو پانا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح "وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کے ترجمہ میں "تجھی سے مدد چاہیں" کہنے میں توحید فی الاستعانت کی توفیق کا سوال ہو رہا ہے کہ تیری توفیق کے بغیر تجھے مستعان علی الاطلاق سمجھنے کی سعادت ہمیں نصیب ہوسکتی ہے نہ اس کے مطابق عمل کرنے کی۔ اِس مقام پر کنز الایمان کے عرفان وامتیاز کا راز دعا کا صیغہ اختیار کرنے میں ہے کہ "تجھی کو پوجیں کا لفظ بھی دعا ہے اور تجھی سے مدد چاہیں" کا لفظ بھی دعا کا صیغہ ہے جو کلام انشائی کے قبیلہ

سے ہیں جس کو علم صرف کے مطابق امر معلوم متکلم مع الغیر کہا جاسکتا ہے کیونکہ دعا اور امر کے الفاظ ایک جیسے ہوتے ہیں فرق صرف اسفل و اعلیٰ کے اعتبار کا ہوتا ہے۔ جیسے تفسیر بیضاوی، صفحہ نمبر ۴۶ میں ہے؛

''والامر والدعا یتشارکان لفظا ومعنی ویتفاوتان بالاستعلاء و التسفل''

کنز الایمان کے اس ترجمہ میں اللہ تعالیٰ کی شان بالادستی و محتاج الیہ علی الاطلاق اور انسانوں کا اُس کی طرف علی الاطلاق محتاج ہونے کے اظہار کے ساتھ وہ تمام غلط فہمیاں دور ہو رہی ہیں جو دوسرے تراجم سے پیدا ہو رہی تھیں کہ ''خاص تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں'' کہنے میں واقعیت نہیں ہے، ایسا ہونا ممکن نہیں ہے اور اس کے مطابق انسان کا گزر اوقات مشکل ہے۔ نیز یہ کہ کنز الایمان کے اِس ترجمہ ''تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں'' کہنے میں فرضی و نفلی (ہر دو سلوک کے) اعلیٰ مدارج کو پانے کی ترغیب ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے؛

﴿سلوک فرضی اور سلوک نفلی کی ایک جھلک﴾

کہ شریعت مقدسہ کے حصہ اعتقادیات و عملیات یعنی اُصول وفروع کو اخلاص کے ساتھ اپنے اندر پیدا کرنے کیلئے کوشاں رہنا سلوک کہلاتا ہے۔ جو بلا امتیاز ہر عاقل و بالغ انسان پر عائد فریضہ ہے اور حقوق نفس، حقوق العباد، معاشرتی و سماجی حقوق کی ادائیگی جیسے مشاغل کے ساتھ ساتھ شریعت کے حقوق اللہ والے حصوں پر عمل کرنے کو فرضی سلوک اور اسکی دست آوری کے بعد اِس میں اخلاص کی مزید پختگی پیدا کرنے کیلئے گوشہ نشین ہو کر محض حقوق اللہ میں مشغول ہونے کو پیشروانِ اسلام نے نفلی سلوک سے تعبیر کیا ہے، جو فرضی سلوک کے بعد کا رتبہ ہے۔ جیسے حضرت علی نور اللہ وجہہ الانور نے فرمایا؛ ''فان اشتغل بالسنن والنوا فل قبل الفرائض لم یقبل منہ'' یعنی فرض سلوک کی دست آوری سے پہلے اگر نفلی سلوک میں جاتا ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہے۔

فتوح الغیب للشیخ عبدالقادر الجیلانی نور اللہ مرقدہ المقالۃ الثامنۃ والاربعون صفحہ ۱۷۳ اور شیخ شہاب الدین سہروردی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا؛ ''بلغنا ان اللہ لایقبل نافلۃ حتی یودی فریضۃ یقول اللہ تعالیٰ مثلکم کمثل العبدالسوء بدء بالھدیۃ قبل قضاء الدین'' (عوارف المعارف، صفحہ ۱۶۸، باب ۳۸)

اللہ کی محبت وقرب حاصل کرنے کیلئے بنیادی سبب اور اصل الاصول فرضی سلوک ہی ہے جس کی دست آوری کے بعد نفلی سلوک کی توفیق سے اُسی کو تقویت وجلا حاصل ہونے کے ساتھ اُسی کی بدولت حاصل ہونے والی محبت وقرب الٰہی میں بھی مزید ترقی میسر ہوتی ہے۔ جیسے حدیث شریف میں فرمایا؛ ''وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضتہ وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصربہ ویدہ اللتی یبطش بھاورجلہ اللتی یمشی بھا ولئن سئلنی لا عطینہ'' (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۱۹۷)

سلوک چاہے فرض ہو یا نفل بہر تقدیر اُس کی غرض وغایت منشاء مولیٰ جل جلالہ کا حصول ہوتی ہے اس حوالہ سے سالکین طریقت وعالمین شریعت کا منتہاء قرار پاتا ہے کہ اُن کے ہر کردار وعمل میں منشاء مولیٰ جل جلالہ کا جوہر شامل ہو جو سلوک عمل کے دس کے دس منازل کی آزمائشوں میں کامیاب ہونے کے بعد مقام رضا کے میدانِ عبدیت کے مسافر ہوتے ہیں۔ عبد محض ہونے کے اِس مقام شرف میں اِن کی رضا جوئی کا اب یہ عالم ہوتا ہے کہ گویا ہر وقت اور ہر حال میں یہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، گویا اُن کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین حجاب کی رکاوٹ ختم ہو چکی ہوتی ہے گویا غیاب کے بعد عیان کے رتبے کو پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی غیب الغیب ذات وحدہ لا شریک کو کالمشاہد المعاین سمجھ کر صیغہ حاضر وخطاب کے ساتھ ''اِیَّاکَ

نَعْبُدُ'' کہنے لگتے ہیں جس میں توحید فی العبادت کے حصول کو اُسی کی توفیق پر موقوف سمجھ کر اُسی سے اِس کی توفیق کا سوال کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اِس نظام عالم کے جملہ اسباب ومسببات کے تنہا خالق و مالک جل جلالہ کو کالمشاہد المعاین سمجھ کر'' وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کہتے ہوئے اُسی سے استعانت کی توفیق کا سوال کرنے لگتے ہیں۔ سالکین راہ طریقت اور عالمین شریعت کی اِن مقدس ہستیوں کا یہ کردار نا قابل انکار حقیقت ہے۔ جس کے متعلق قاضی ناصر الدین البیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ نے لکھا ہے کہ؛

''فان العارف انما یحق وصوله اذا استغرق فی ملاحظة جناب القدس وغاب عما عداه حتی انه لا یلاحظ نفسه ولا حالا من احوالها الا من حیث انها ملاحظة له ومنتسبة الیه''

جس کا مفہوم یہ ہے کہ عارف کا وصول الی اللہ تب ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ خداوند قدوس کی طرف متوجہ ہونے میں مستغرق ہو جائے یہاں تک کہ اپنی ذات اور اُس کے حال واحوال کی طرف بھی متوجہ نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور منسوب ہونے کی حیثیت سے۔ (تفسیر بیضاوی شریف، صفحہ ۴۳، مع شیخ زادہ علی البیضاوی)

ایک دوسرے مقام پر پیش نظر آیت کریمہ: ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کا یہی فلسفہ بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ؛

''وللترقی من البرهان الی العیان والانتقال من الغیبة الی الشهود وکان المعلوم صار عیانا والمعقول مشاهدا والغیبة حضورا بنی اول الکلام علی ماهو مبادی حال العارف من الذکر والفکر والتامل فی اسمائه والنظر فی آلائه والاستدلال بصنائعه علی عظیم شانه وباهر سلطانه ثم قفیٰ بما هو منتهیٰ امره وهو ان یخوض لجة الوصول ویصیر من اهل المشاهدةفیراه عیانا وینا جیه شفاها'' (التفسیر البیضاوی مع شیخ زادہ، صفحہ ۴۰)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ برہان سے عیان کی طرف ترقی کیلئے اور غیاب سے حضور کی طرف انتقال کیلئے ایسا کیا ہے گویا اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذریعہ پہچانی گئی ذات عیاں ومشاہد ہو گئی۔ اول کلام عارف کے ابتدائی حال کے مطابق رکھا گیا ہے کہ ذکر، فکر اور اس کے اسماء میں غور وتامل کے ساتھ اُس کی نعمتوں میں غور وفکر اور اُس کے کارناموں سے اُس کی عظمت شان اور واضح سلطنت پر استدلال کیا جاتا ہے اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سالک کے منتہاء امر کو ذکر کیا کہ وصول کے دریا میں غُوطہ لگاتا ہے اور اہل مشاہدہ میں سے ہو کر گویا عیاناً اُسے دیکھ کر مشافہۃً کلام کرتا ہے''۔

انصاف سے دیکھا جائے تو کنزالایمان کا مذکورہ ترجمہ اِس حقیقت کا بھی عکاس ہے جو دوسرے ترجموں میں نہیں پایا جاتا۔ جامعیت کا یہ انداز مصنف کے کمالِ عرفان کا واضح ثبوت ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 3:۔

سورۃ فاتحہ آیت نمبر ۶ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' کے ترجمے میں کنزالایمان کے الفاظ ''ہم کو سیدھا راستہ چلا'' جس میں بلاغت اور حقیقت نفس الامری کا پورا پورا خیال رکھنے کی بناء پر دو وجہ سے مصنف کا امتیازی عرفان معلوم ہو رہا ہے، جس کی تفصیل بالترتیب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ شریف اول سے آخر تک تعلیم المسئلہ ہے۔ جس کے ایک ایک جملہ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عقائد سے لیکر اعمال تک صراط مستقیم کی تعلیم دی ہے، جو رہنمائی ہے، سیدھا راستہ دکھانا ہے اور سیدھا راستہ اپنانے کی تلقین وتبلیغ ہے۔ اسی سلسلہ کی سابقہ چاروں آیتوں کو ذکر کرنے کے بعد اُن کے مضامین ومندرجات میں جب صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ دکھایا گیا ہے تو اُس کے بعد مذکور ہونے والی آیت نمبر ۵ کا مقتضائے مقام اِس کے سوا اور کچھ نہیں بنتا کہ اس میں پہلے سے بتائے گئے صراط مستقیم پر بالفعل چلانے کا سوال کیا جائے

جس پر کنز الایمان کے اِس ترجمہ میں عمل کیا گیا ہے بخلاف اُن ترجموں کے جن میں "ہم کو بتلا دیجئے راستہ سیدھا، ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ہمیں سیدھی اور سچی راہ دکھا، ہم کو دین کا راستہ دکھا" جیسے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ اِن تمام مترجمین کی نظر صرف اِس نکتہ پر محدود رہی کہ عربی زبان میں ہدایت کا ایک مفہوم کسی کو راستہ دکھانا بھی ہے کاش یہ حضرات لفظ ہدایت کے اِس لغوی مفہوم کے ساتھ سیاق وسباق اور مقتضائے مقام کو بھی پیش نظر رکھتے تو بالیقین وہی الفاظ استعمال کرتے جو کنز الایمان کے مصنف نے منہج ہشتم کے مطابق استعمال کئے ہیں۔ جس میں لفظ ہدایت کے ارائۃ الطریق والا مفہوم کی نفی کئے بغیر ایصال الی المطلوب والے مفہوم متبادر الی الذہن ہونے کے ساتھ مقتضائے مقام کا حق بھی ادا ہو رہا ہے اور کلام اللہ کی شان جامعیت کے ساتھ بلاغت کا حسن بھی نکھر رہا ہے لیکن۔

این سعادت بازور باز و نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

﴿دوسرا عرفانی امتیاز﴾

اِس آیت کریمہ کے ترجمہ میں کنز الایمان کے دوسرے عرفانی امتیاز کی تفصیل اس طرح ہے کہ انسان صرف صراط مستقیم بتانے اور دکھانے کے حوالہ سے ہی اللہ کا محتاج نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بالفعل اُس پر چلنے کے حوالہ سے بھی لحہ لحہ اُس "ارحم الراحمین جلا جلالہ" کی دستگیری و توفیق غیبی کا محتاج ہے۔ جیسے فرمایا: "وَمَا تَشَآءُ وْنَ اِلَّا اَنْ یَشَآءَ اللّٰہُ" جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ تکوینی کے بغیر محض تمہارے ارادہ کرنے کا کچھ وجود نہیں ہوگا۔ (سورۃ الدھر، آیت نمبر ۳۰)

یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس میں اختلاف کی گنجائش ہو سکے بلکہ روز اول سے اب تک کے جملہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ صحابی رسول حضرت عامر الانصاری رضی اللہ عنہ کا وہ مشہور زمانہ رجز یہ قصیدہ بھی اسی عقیدہ پر مبنی ہے جس کو کئی بار صحابہ کرام نے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے پڑھا۔ آپ ﷺ نے اُسے پسند فرمایا اور اُس کو کہنے والے صحابی کو اعلیٰ درجہ کا جنتی و شہید فی سبیل اللہ قرار دے کر اُس کے لئے دو چند اجر و ثواب کا اعلان فرمایا جو مندرجہ ذیل ہے۔

اللّٰھم لو لا انت ماھتدینا — ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلنا سکینۃ علینا — وثبت الاقدام ان لاقینا
والمشرکون قد بغوا علینا — ان ارادوا فتنۃ ابینا

(سنن نسائی شریف، جلد۲، کتاب الجہاد، صفحہ ۴۹)

اللہ کی توفیق کے بغیر انسان کا سیدھا راستہ پر چلنے کے ناممکن ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد بالفعل اُس پر چلائے جانے کا اُس سے سوال کیا جائے تا کہ اُس باطل وہمہ کی گنجائش پیدا نہ ہو جو سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد بھی اُسی کا سوال کرنے سے پیدا ہو رہا ہے کہ سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد عملی دنیا میں اُس پر چلنے کے حوالہ سے یہ خود مستقل بالذات ہے جبکہ اسلام میں اس تصور کی گنجائش قطعاً نہیں ہے بلکہ اسلامی تعلیم یعنی "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہ دنیائے عمل کی برائیوں سے بچنے اور صراط مستقیم پر چلنے کی طاقت اُس کی توفیق و احسان کے بغیر ناممکن ہے، جیسے احکام کا واحد تقاضا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اُس وحدہ لاشریک کی طرف سے صراط مستقیم کی رہنمائی کا احسان ہونے کے بعد اُس پر چلنے کی توفیق واحسان کا اُس سے سوال کیا جائے جس پر کنز الایمان کا یہ ترجمہ کہ "ہم کو سیدھا راستہ چلا" بہتر انداز سے منطبق ہو رہا ہے جو مصنف کے اختیار کردہ منہج ہشتم کا مقتضاء اور عرفانی امتیاز کا کمال ہے۔ جبکہ دوسرے وہ تراجم جن میں "ہم کو سیدھا راستہ دکھا، بتایا، دکھا دیجئے" جیسے الفاظ اختیار کئے گئے ہیں کہ اُن کی بنیاد پر مقتضائے مقام پر عمل نہ ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدھا راستہ دکھائے جانے کے بعد دُنیائے عمل میں اُس پر چلنے کے حوالہ سے انسان کا اللہ کے محتاج نہ ہونے کا شیطانی وہمہ پیدا ہو رہا ہے۔ جس کا جواب اِن تراجم کو

پڑھنے والے حضرات کے پاس سے ممکن نہیں ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ حضرات جن کو کنز الایمان پڑھنے کے واسطہ سے کلام اللہ کی حقیقی روشنی نصیب ہو رہی، شکوک وشبہات سے تحفظ مل رہا ہے اور استحکام ایمان کی توفیق میسر ہو رہی ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 4:۔

سورۃ الفاتحہ آیت نمبر ۷ ''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ'' کا ترجمہ کنز الایمان میں ''راستہ اُن کا جن پر تو نے احسان کیا'' کے الفاظ میں کیا ہے جو منہج ۱،۲، ۸ کے انداز میں لُغت اور بلاغت کے عین مطابق ہے بخلاف اُن تراجم کے جن میں ''تو نے انعام کیا'' یا ''راستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا'' یا ''اُن لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل وکرم کرتا رہا'' جیسے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ جس میں نہ متن لُغت کے ساتھ مطابقت ہے نہ بلاغت کے ساتھ اِس کی تفصیل اس طرح ہے کہ علم متن لُغت میں انعام کی اصل اور بنیاد یعنی مشتق منہ نُعمت یا نعمت ہے۔ نُعمت انسان کی اُس قابل تحسین کیفیت وحالت کو کہتے ہیں جس سے اُس کی زندگی آسودہ اور خوش حال ہو جائے جبکہ نِعمت اُن ذرائع واسباب کو کہتے ہیں جن کی بدولت انسان کو خوشحالی کی یہ کیفیت حاصل ہو جائے اور کبھی نعمت بول کر مراد نُعمت لی جاتی ہے اور کبھی اِس کے برعکس بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے ''اطلاق المسبب علی السبب'' یا ''اطلاق السبب علی المسبب'' کا طریقہ مجاز مرسل مشہور ومعروف ہے۔ لفظ انعام یا ''اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ'' جیسے استعمالات کے اِس پس منظر کی روشنی میں انعام کا لُغوی مفہوم کبھی ''ایصال الاحسان الی الغیر'' کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کبھی ''ایصال النعمۃ'' کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے جس کی مثالیں مفردات القرآن امام الراغب اور تفسیر بیضاوی کی مندرجہ ذیل عبارات میں بالترتیب موجود ہیں۔ ''والانعام ایصال الاحسان الی الغیر'' (مفردات امام راغب صفحہ ۵۱۹، مادہ ن،ع،م) جبکہ تفسیر بیضاوی کے الفاظ یہ ہیں ''والانعام ایصال النعمۃ'' (تفسیر بیضاوی، صفحہ ۸)

اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ انعام کے اس مفہوم میں جس احسان کو دوسرے تک پہنچانے کا ذکر ہے یہ نُعمت یا نِعمت سے خالی نہیں ہے۔ نُعمت ہونے کی صورت میں اس کا مفہوم ''خوشحالی کی کیفیت کے ساتھ نوازنا ہوگا'' جبکہ نِعمت ہونے کی صورت میں خوشحالی کی کیفیت کے کسی خاص سبب کے ساتھ نوازنا ہوگا۔ قرآن شریف کے اندر جہاں پر بھی لفظ انعام سے تشکیل پانے والے جتنے الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ ان دو مفہوموں سے خارج ہرگز نہیں ہیں۔ کیونکہ لفظ کا اپنے بنیادی مفہوم سے نکلنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے ورنہ بلاغت کے منافی ہوگا جو اعجاز قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے کتاب اللہ میں ناممکن ہے۔ ایسے میں لفظ انعام اور اُس سے بننے والے ''اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ'' جیسے الفاظ کا ٹھیٹ لُغوی ومعروف ترجمہ اُردو زبان میں احسان کرنے کے سوا اور کچھ نہیں بنتا، عام اس سے کہ احسان کی نوعیت اور تفضل وکرم نوازی کی شکل چاہے جو بھی ہو۔ لُغت کے حوالہ سے اِس حقیقت کو سامنے رکھ کر جب ہم مذکورہ آیت کریمہ ''اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ'' کے کئے گئے ترجموں کا جائزہ لیتے ہیں تو یہاں پر احسان کرنے یا نعمت دینے والے مفہوموں کے سوا کوئی ایک بھی مناسب نہیں لگتا اسلئے کہ ''تو نے انعام کیا، یا آپ نے انعام فرمایا'' جیسے الفاظ میں ''اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ'' کا لُغوی مفہوم ہی ظاہر نہیں ہو رہا بلکہ ''اَنْعَمْتَ'' کے مصدر یعنی انعام کو ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ یہی حال اُن ترجموں کا بھی ہے جنہوں نے ''انعام دیا'' کے الفاظ میں ترجمہ کیا ہے ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ ''انعام کیا، انعام دیا، فضل وکرم کرتا رہا'' جیسے الفاظ میں لفظ ''انعام'' کا لُغوی مفہوم ظاہر ہو رہا ہے'' جبکہ کنز الایمان کے مصنف نے ''جن پر تو نے احسان کیا'' کے الفاظ میں ترجمہ کر کے علم متن لُغت اور علم اشتقاق کے تقاضوں کیساتھ بلاغت کے تقاضوں کو بھی پورا کیا ہے

جواُن کا عرفانی امتیاز ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 5:۔

سورۃالفاتحہ کی آیت نمبر ۷ ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ '' کے ترجمہ میں کنزالایمان کے الفاظ ہیں ''نہ اُن کا جن پر غضب ہوا'' جبکہ دوسرے مترجمین نے ''نہ اُن کے جن پر غصہ ہوتا رہا'' یا ''نہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا'' یا ''نہ اُن کا جن پر تیرا غضب نازل ہوا'' یا ''نہ راستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا''۔ جیسے الفاظ میں کیا ہے انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو لُغوی اور نحوی اُصولوں کے مطابق اِن میں سے صرف کنزالایمان والا ترجمہ ہی نظر آتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اِس آیت کریمہ میں ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ '' مجرور پڑھنے کی مشہور قرات کے مطابق اپنے ماقبل کے اسم موصول یعنی ''الَّذِیْنَ '' سے بدل ہے یا اُس کی صفت ہے جبکہ اُس کے عامل یعنی ''صِرَاط '' کے ساتھ اپنے مبدل منہ یا موصوف کے واسطہ سے وہی نسبت رکھتا ہے جو اس کے متبوع یعنی ''الَّذِیْنَ '' کو حاصل ہے نیز یہ کہ ''عَلَیْهِمْ '' والاظرف محلاً مرفوع ہو کر ''مَغْضُوْبِ '' کیلئے قائم مقام نائب فاعل ہے نحوی ترکیب کی اس غیر متنازعہ حقیقت کے مطابق اس کا واقعی ترجمہ تب ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی کے منافی کوئی لفظ استعمال نہ کیا جائے جس پر کنزالایمان کے یہ الفاظ پوری طرح صادق آرہے ہیں بخلاف دوسرے تراجم کے کہ اُن میں ''نہ اُن کا جن پر غصے ہوتا رہا'' کے ترجمہ میں غصے کو ''مَغْضُوْبِ '' کیلئے فاعل قرار دیا گیا ہے جو خلاف حقیقت ہے نیز یہ کہ ''مَغْضُوْبِ '' کا لفظ لُغوی اصولوں کے مطابق صرف اور صرف وقوع غضب کو چاہتا ہے استمرار کو نہیں جبکہ اس ترجمہ میں ہوتا رہا کا لفظ ماضی استمراری کا ہے۔ اور جنہوں نے ''تیرا غضب نازل ہوا'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں اُنہوں نے بھی بلاکسی ضرورت و مقتضی کے تیرا غضب کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے جو لُغت و نحو اور بلاغت کے منافی ہے اور جنہوں نے ''نہ راستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا'' کہا ہے وہ اِن سب سے زیادہ نامعقول وعامیانہ اور کتاب البطن کے اٹکل پچوؤں سے مختلف نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کیلئے آپ کے کہنے کا انداز تخاطب تعظیم رب کو تعظیم خلق پر قیاس کرنے کا نتیجہ ہے جس کی اجازت اسلام میں نہیں ہے اِس قسم کی بدعت پر مشتمل ترجمہ کو معیاری ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ نیز یہ کہ اِس میں بھی آپ کا غضب کہنا بلا ضرورت اور بغیر کسی مقتضی کے ہے جو خیر الکلام مَاقَلَّ ودل کے منافی ہونے کے ساتھ لُغت و نحو اور بلاغت کے بھی منافی ہے۔ نیز یہ کہ اس میں ترجمہ کرنے والا خود متردد لگ رہا ہے قارئین کی کیا تسلی ہوگی یہ اسلئے کہ ایک طرف ''مَغْضُوْبِ '' لفظ کی مجہولیت کو محسوس کیا تو دوسری طرف غضب کے فاعل کا احساس کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں ہے تو دورا ہے میں متردد ہوا کہ کیا کیا جائے اللہ کی فاعلیت ''اَلْــغَــضَــبُ '' کو ظاہر کیا جائے تو لفظ ''مَغْضُوْبِ '' کی مجہولیت کا تقاضا پورا نہیں ہوتا اور اگر اس کے تقاضا کے مطابق لفظ لایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی بالیقین فاعلیت الغضب سے انحراف ہوتا ہے تردد کی اس پریشان حالی میں عامیانہ انداز سے ہر دونوں کیلئے ناکافی الفاظ استعمال کر کے ایک کیلئے آپ کا ''غضب'' کہہ دیا جبکہ دوسرے کیلئے ''کیا گیا'' کا لفظ لکھ دیا۔ نتیجتاً ترجمہ فصاحت وبلاغت کے زمرہ سے نکل کر عامیانہ ہو گیا جو کلام اللہ کے مناسب نہیں ہے۔ نیز یہ کہ ''نہ راستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا'' کہنے میں ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ '' کو صراط پر معطوف کیا گیا ہے جو ہر اعتبار سے غلط فاحش ہونے کے ساتھ اس کا ''الَّذِیْنَ '' سے بدل یا اُس کی صفت ہونے کے متفقہ ترکیبوں سے بھی انحراف ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے مترجم نے جان کر ایسا کہا ہے یا انجانے میں بہر تقدیر غلط ہے۔ ایسے میں مذکورہ آیت کریمہ کا صرف کنز الایمان والا ترجمہ اپنے منہج اول پر جاری ہوتے ہوئے ہر قسم اعتراضات سے پاک و محفوظ اور لُغوی و نحوی اُصولوں کے بھی مطابق

نظر آرہا ہے جو مترجم کے عرفانی امتیاز کی دلیل ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 6:۔

یہ کہ سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیت ''ذٰلِکَ الْکِتَابُ '' میں لفظ ''ذا'' اسم اشارہ ہے جو مشار الیہ محسوس مبصر اور قریب کیلئے بولا جاتا ہے، ''ل'' حرف تبعید ہے جو مشار الیہ کے بعید ہونے پر دلالت کرتا ہے، ''ک'' حرف خطاب ہے جو مخاطب کے واحد مذکر ہونے پر دلالت کرنے کے ساتھ اِس کے مجموع یعنی ''ذٰلِکَ '' کے زیادہ بعید ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ گویا ایک اسم اور دو حروف کے اِن تینوں الفاظ سے ترکیب پاکر چار مفہومات و مدلولات پر دلالت کرنے والے اِس لفظ کا ترجمہ ظاہر کرنا مترجم حضرات کیلئے بڑا امتحان ہے اس پر مستزاد یہ کہ اس کے بعد متصلاً ''الْکِتَابُ '' یعنی ''ذٰلِکَ الْکِتَابُ '' میں لفظ ''کتاب'' چاہے خبر ہو یا صفت بہر حال ترجمہ میں اس کے ترکیبی معنی و مفہوم کا اظہار کرنا بھی مترجم کے فرائض میں شامل ہے تاکہ ترجمہ کا حق ادا ہو سکے۔

اِن حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو جن مترجمین نے ''ذٰلِکَ الْکِتَابُ '' کا ترجمہ ''اِس کتاب'' یا ''یہ کتاب'' کے الفاظ میں کیا ہے اُنہوں نے صرف اسم اشارہ ''ذا'' کا ترجمہ کیا ہے۔ باقی تینوں سے خاموشی ہے اور جنہوں نے وہ کہا ہے اُنہوں نے صرف حرف تبعید ''ل'' کا ترجمہ کیا ہے اسم اشارہ سمیت باقی سب سے خاموشی ہے جبکہ امام احمد رضا نے اپنے ترجمہ میں ''وہ بلند رتبہ کتاب'' کہہ کر حتی المقدور سب کا اظہار کیا ہے۔ اس طرح سے امام احمد رضا کے اِس انفرادی منہج میں بھی دوسرے مترجمین پر عرفانی امتیاز ہے۔ جو مناہج عشرہ میں سے منہج ششم و ہفتم کے مطابق ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 7:۔

''لَارَیْبَ فِیْہِ '' کا ترجمہ ''کوئی شک کی جگہ نہیں ہے'' کے الفاظ میں کر کے اُن تمام شکوک و شبہات کا انسداد کیا جو دوسرے ترجموں سے جنم پا رہے تھے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ''لَارَیْبَ فِیْہِ '' کا ظاہری مفہوم اہل عجم کی فہم کے مطابق یہ ہے کہ ''اس میں کوئی شک نہیں ہے'' لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ ''رَیْبَ '' بمعنی شک تصور کے اُن اقسام میں سے ہے جن کا تعلق مفرد سے نہیں ہے بلکہ نسبت تامہ خبریہ کے ساتھ ہوتا ہے جس کے جانبین برابر ہوں ایسے میں ''فِیْہِ '' کے ضمیر مجرور متصل کو وجود ریب کیلئے ظرف بتانا اہل عجم کی فہم سے ماوراء ہے کیونکہ اس کا مرجع قرآن ہے جو نسبت تامہ خبریہ نہیں بلکہ مفرد ہے۔ اِس معنوی اشکال کے پیش نظر کچھ مفسرین کرام نے اس کا ترجمہ عربی میں ''لا ریب فی کونہ وحیاً '' کے الفاظ میں کیا ہے اور بعض نے ''لا ریب فی کونہ کلام اللہ '' اور بعض نے ''فی کونہ حقاً '' جیسے نسبتی کلام میں کیا ہے لیکن اس کے باوجود اللہ کے اس معجز کلام کی ترجمانی کا حق عربی زبان میں بھی کسی سے ادا نہ ہو سکا کیونکہ مفسرین کرام کی ان تمام تر کاوشوں کا حاصل نتیجہ مصدر معلوم کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ مصدر اپنے فاعل کے ساتھ مل کر شبہ جملہ بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ جملہ ہو جائے اور اُس کے اندر موجود نسبت تامہ بھی نہیں ہے چہ جائیکہ تامہ خبریہ ہو جائے جبکہ ریب بمعنی شک کا متعلق یا اُس کے ظرف وجود کیلئے نسبت تامہ خبریہ کا ہونا ضروری ہے۔ جسکی تعبیر عربی زبان کے ان ماہر مفسرین سے بھی نہ ہو سکی چہ جائیکہ کسی عجمی مترجم سے ممکن ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ یہاں پر ''لَارَیْبَ فِیْہِ '' کے مقدس جملہ میں ''رَیْبَ '' بمعنی شک کی بطور سالبہ کلیہ نفی کی گئی ہے جبکہ قرآن شریف کے دوسرے مقامات پر بطور موجبہ جزیہ مرتابین فی القرآن دنیا میں موجود ہونا بتایا گیا ہے۔ جیسے سورۃ بقرۃ، آیت نمبر 23 میں فرمایا؛ ''وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ''

ایسے میں قرآن شریف کا اجتماع نقیضین کے محذور سے بچنے کی کیا سبیل ہوگی؟ اکثر مفسرین کرام نے اس اشکال کا جواب دیتے

ہوئے مجاز کی راہ اختیار کر کے اپنی تفسیروں میں صفحات لکھ ڈالے ہیں، پھر بھی انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ان حضرات قدست اسرارہم القدسیہ کی ان کاوشوں سے بھی قارئین کی کلام اللہ کی شایان شان تسلی اور اطمینان قلبی حاصل نہیں ہوتی نہ صرف یہ ایک مقام بلکہ قرآن شریف کے اندر اور بھی درجنوں جگہ استعمال ہونے والے اس جملہ کے حوالہ سے قارئین تشنۂ اطمینان ہی رہتے ہیں جبکہ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ "کوئی شک کی جگہ نہیں" میں کر کے اُن تمام مقامات کو اس قسم کے اعتراضات سے بچانے کا اشارہ دیا جن میں وجود شک کیلئے قرآن، قیامت، حقانیت رسالت اور کتاب اللہ جیسے کسی بھی غیر جملہ کو ظرف یا متعلق ریب بتایا گیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن شریف کے اندر جن جن مقامات پر بطور موجبہ جزئیہ منکرین کی طرف سے ریب کا وجود بتایا گیا ہے۔ اُن تمام مقامات کا مآل بطور مانعۃ الخلو دو صورتوں سے خالی نہیں ہے۔

اول یہ کہ مرتابین فی القرآن چاہے قرآن شریف کو یا اس جیسے کسی اور مفرد کو وجود ریب کا متعلق سمجھ کر اُس کے متعلق اظہار شک کرے۔

دوم یہ کہ اِن کی مراد اِن مفردات سے تشکیل پانے والے کلام و جملہ میں شک کرنا ہو۔ مثال کے طور پر "القرآن منزل من الله" کے اندر موجود نسبت تامہ خبریہ میں یا "ان الساعة آتية" کے کلام تام میں یا حسب محل اس جیسے کسی بھی جملہ خبریہ میں شک کا اظہار کر رہے ہوں جو از قبیلہ ضروریات دین اور بنیادی تعلیمات رسالت کے زمرہ میں شمار ہو رہا ہو لیکن شک کی نسبت پورے جملے کی طرف کرنے کی بجائے بطور مجاز اُس بنیادی مفرد کی طرف کی گئی ہے جو موضوع فی الکلام یعنی اُس جملہ کا اصل کردار و بنیادی جزو ہے۔

اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ اس طرح کا انداز کلام صرف لسان عربی میں ہی نہیں بلکہ ہر لسان کے اندر موجود ہے بہر حال مرتابین فی القرآن کی مراد اِن میں سے جو بھی ہو، امام احمد رضا کا مذکورہ ترجمہ "کوئی شک کی جگہ نہیں" اُن میں سے ہر ایک کا رد ہے۔

پہلی صورت میں اس طرح کہ قرآن شریف محل شک نہ ہونے کے باوجود منکرین کا اُس میں شک کرنا اُن کی حماقت ہے۔

دوسری صورت میں اس طرح کہ شک ہمیشہ اُس نسبت تامہ خبریہ میں کیا جا سکتا ہے جسکی حقانیت و واقعیت میں کسی قسم کا خفا ہو جبکہ "القرآن مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰهِ" کی نسبت اپنے آثار و ثمرات اور وجدانی طور پر تاثیر فی النفوس سے لیکر جملہ انسانوں کو اپنی مثال لانے سے عاجز کرنے تک صفات و کمالات کے حوالہ سے بے مثل ہونے کو غیر اختیاری طور پر سب کے قلوب تسلیم کرتے ہیں تو پھر وہ محل شک کہاں رہی لہٰذا امام احمد رضا کا مذکورہ ترجمہ ان دونوں صورتوں پر منطبق ہو کر مرتابین فی القرآن کے رد کرنے کے سلسلہ میں مراد قرآن کے عین مطابق ہو رہا ہے اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف اتنا ہے کہ پہلی صورت میں قرآن شریف کا محل شک نہ ہونا اُس کی ذات کے اعتبار سے ہے کہ وہ مفرد ہے جس کے ساتھ شک کبھی متعلق نہیں ہو سکتا یا اس لئے کہ وہ بُرہان ہے۔ جیسے فرمایا: "يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" (سورۃ النساء، آیت نمبر ۱۷۴)

اہل علم جانتے ہیں کہ برہان کا محل شک ہونا فطرت کے منافی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ یقینی ہوتا ہے جبکہ دوسری صورت میں ذات نسبت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اُس کی تاثیر فی النفوس اور فطری و بدیہی ہونے کی بناء پر ہے، جیسے "اجتماع النقیضین محال" یا "الاربعة زوج" جیسے بدیہی قضایا میں ہوتا ہے جس میں تصور طرفین مع النسبت کے بعد متصلاً حصول یقین ناگزیر ہونے کی وجہ سے وہ محل شک ہی نہیں ہے گویا ان دونوں صورتوں میں مرتابین فی القرآن کی طرف سے شک موجود ہونے کے باوجود اُس کی نفی کرنے میں ایک طرف قرآن اور اُس کے احکام سے تشکیل پانے والے فطری و بدیہی قضایا کا محل شک نہ

ہونے کا بیان کرنا مقصود ہے تو دوسری طرف مرتابین فی القرآن کی حماقت ، ہٹ دھرمی، توہم پرستی اور آزاد ذہن سے اس میں غوروفکر کرنے سے محرومی کو بیان کرنا مراد ہے۔ جیسے سورۃ انعام، آیت نمبر 26 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛"وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ وَاِنْ يُهْلِكُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ "یعنی منکرینِ قرآن دوسروں کو اس پر غور کرنے سے منع کرتے ہیں اور خود بھی اُس سے دور رہتے ہیں اور وہ ہلاک نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو دراں حال کہ اُنہیں احساس نہیں ہوتا۔اس سلسلہ میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن ہو یا کوئی اور ضرورت دینی مفرد ہونے کی بناء پر اُس کے محل شک نہ ہونے کے باوجود نیز یہ کہ ضرورت دینیہ کے اِن مفردات سے تشکیل پانے والے جملہ خبریہ جیسے؛

"القرآن منزل من الله"

"الله واحد لاشریک له، الرسول حق مرسل من الله"

جیسے فطری اور بدیہی ہونے کی بنیاد پر محل شک نہ ہونے کے باوجود منکرین کا اِن میں شک کرنا ایسی ہی حماقت ہے جیسے اللہ وحدہٗ لاشریک کا شریک سے پاک ہونے کے باوجود مشرکین اُس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، اللہ کا شریک محال وناممکن ہونے کے باوجود یہ ظالم اُسے ممکن بتاتے ہیں اور اللہ کا ان "انداد من دون اللہ" کو اپنا شریک پیدا نہ کرنے اور ان کا اُس کے ساتھ شریک ہونے کا علم اللہ کو نہ ہونے کے باوجود مشرکین کا اُنہیں بطور معلوم ومعمول متعارف کرانا حماقت ہی حماقت ہے، جہل ہی جہل ہے بلکہ جہل مرکب کا شجرہ خبیثہ ہے۔ جیسے سورۃ رعد، آیت نمبر 33 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا؛

"اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَالَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ"

ترجمہ:۔ بلکہ تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو پوری زمین میں کہیں بھی اُسکے علم میں نہیں ہے (یعنی شرک کا سچ ہونا)۔

اور سورۃ یونس، آیت نمبر 18 میں فرمایا؛

"قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَالَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ"

ترجمہ:۔اے حبیب ﷺ! آپ فرمادیجئے کیا اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو اُس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں (یعنی شرک کا ماذون بہ من اللہ ہونا)۔

یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو فی الواقع اپنے شریک کے نہ ہونے بلکہ محال وناممکن ہونے کا علم ہے جب اُس کو ناممکن ہونے کا علم ہے تو پھر ممکن ہونے کا علم نہیں ہوسکتا ورنہ اجتماع نقیضین ہوگا جو بذات خود محال ہے۔اس کے باوجود مشرکین کا حسب منشاء چیزوں کو اللہ کے شریک کے طور پر متعارف کرانا ظلم وتعدی اور منہ زوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔اسی طرح قرآن شریف کے حوالہ سے مذکورہ دونوں صورتوں میں منکرین قرآن کا اظہار شک کرنا حماقت و جہالت اور منہ زوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے، جو جہل مرکب کی پیداوار ہے۔بہر تقدیر امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ ترجمہ کہ "کوئی شک کی جگہ نہیں" قرآن شریف کی اُن تمام جگہوں پر ہر اعتبار سے اطمینان بخش طریقے سے منطبق ہو رہا ہے جن میں "لَا رَيْبَ فِيْهِ" فرمایا گیا ہے۔بخلاف اُن تراجم کے جن میں اِن مقامات کا ترجمہ "اِس میں کوئی شک نہیں" یا "کچھ شک نہیں" جیسے الفاظ میں کیا گیا ہے۔کیونکہ اِن سب پر وہ تمام اعتراضات اور شکوک وشبہات وارد ہو رہے ہیں جن کو ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں۔ایسے میں کنزالایمان کے عرفانی امتیاز پر کس کو شک ہوسکتا ہے۔سچ فرمایا رب کریم جل جلالہ نے ؛"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ" (سورۃ جمعہ، آیت نمبر ۴)

وضاحتی مثال نمبر 8:۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۳ "اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ" کا کنزالایمان میں اِن الفاظ کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے "وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں" آیت کریمہ کا یہ ترجمہ لُغت، علم نحو اور علم بلاغت کے عین

مطابق ہے۔ بخلاف اُن تراجم کے جن میں لفظ وہ کو چھوڑ کر صرف ''جو بے دیکھے ایمان لائیں'' یا ''جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں'' یا ''جو غیب پر ایمان لاتے ہیں'' یا ''جو یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا'' جیسے انداز اپنائے گئے ہیں کہ وہ لُغت، علم نحو اور بلاغت و مقتضاء حال کے منافی ہیں۔

اِس تفریق کا فلسفہ یہ ہے کہ نحوی ترکیب کے حوالہ سے ''اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ '' اپنے ماسبق یعنی ''لِّلۡمُتَّقِیۡنَ '' سے منفصل و منقطع ہرگز نہیں ہے بلکہ اُس سے بدل یا اُس کی صفت اور تعارف و پہچان ہونے کی بناء پر اُسی کے ساتھ مربوط ہے نحوی ارتباط چاہے جس انداز سے بھی ہو جس میں اہل فن کا اختلاف آراء ممکن ہے لیکن معنوی ارتباط کی موجودگی کے حوالہ سے نہ کوئی اختلاف کہیں پایا جاتا ہے نہ ہی ممکن ہے جب لفظاً و معناً یہ اپنے ماقبل کے ساتھ مربوط ہے، اُس کا تعارف و پہچان ہے اور اُس کے مصداق و مظہر کا بیان ہے تو پھر اس کے ترجمہ میں بھی ارتباط پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ لا کر اس کو ماقبل کے ساتھ مربوط و متصل کرنا مترجم کے فرائض میں شامل ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس مربوط کلام کا ترجمہ بھی غیر مربوط اور علوم آلی کے برخلاف بے ڈھنگہ ہونے سے محفوظ ہو سکے۔ ان حقائق کی روشنی میں مذکورہ تراجم کا تقابلی جائزہ لینے سے واضح ہو رہا ہے کہ صرف کنز الایمان میں صفت و موصوف، یا بدل و مبدل منہ اور مُعَرَّف وَ مُعَرِّف کے مابین ارتباط پر دلالت کرنے والے لفظ ''وہ'' لا کر اِس حقیقت پر عمل کیا گیا ہے جس سے آیت کریمہ کے ترجمہ کا حق ادا ہونے کے ساتھ لُغتِ عربی، علم نحو اور علم بلاغت کے ماہرین سے بھی داد تحسین مل رہی ہے جبکہ دوسرے تراجم ان حقیقتوں کو نظرانداز کر کے آیت کریمہ کی درست ترجمانی کرنے سے قاصر ہیں۔

﴿ایک اور امتیازی عرفان﴾

اِس آیت کریمہ کے ترجمہ میں کنز الایمان کے مصنف کا ایک اور امتیازی عرفان یہ ہے کہ اِس میں ''وہ جو بے دیکھے ایمان لائے'' کا انداز ''بِالۡغَیۡبِ'' کے اعتبار سے تمام ممکنہ ترکیبی احتمالات کو جامع ہے بخلاف دوسرے تراجم کے نکتہ تفریق کے اِس اجمال کی تشریح اس طرح ہے کہ ''بالغیب'' کے اندر ترکیبی احتمال دو ہیں۔ ایک یہ کہ لفظ با تعدیہ کیلئے ہو یعنی ''یُؤۡمِنُوۡنَ'' کے فعل کو اُس کے مومن بہ تک متعدی کرنے کیلئے ہے جس کے مطابق ''الغیب'' لفظاً مجرور اور محلاً منصوب ہوگا کیونکہ اِس بناء پر وہ ''یُؤۡمِنُوۡنَ'' کیلئے مفعول بہ واقع ہو رہا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ با تعدیہ کیلئے نہیں بلکہ تلبّس و مصاحبت کیلئے ہے جس کے مطابق اپنے عامل و متعلق کے اعتبار سے حال ہوگا'' یُؤۡمِنُوۡنَ'' کے فاعل سے اور قرآن شریف کی شان جامعیت و معجزہ ہے کہ اُس کا ایک ایک لفظ بیک وقت متعدد معانی و مفہومات کو شامل ہو کر ہر ایک کے اعتبار سے درست ہوتا ہے یہاں پر بھی مفسرین کرام کی تصریحات کے مطابق ایسا ہی ہے کہ آیت کریمہ کا ان دونوں ترکیبی احتمالات پر منطبق ہونا درست اور ترکیب نحوی کے مطابق ہے جبکہ اس مقام پر آیت کریمہ کے کئے گئے بعض تراجم میں اس کو ایک کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جو قرآن شریف کی شان جامعیت کے منافی ہے۔ جیسے ''جو غیب پر ایمان لاتے ہیں'' یا جو کہ ''یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا'' جیسے ترجموں میں ہو رہا ہے۔ گویا اِس آیت کریمہ ''یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ '' کے ترجمہ میں اس کو ماقبل کے ساتھ مربوط کرنے کیلئے ''وہ'' کا لفظ لا کر کنز الایمان کے مصنف نے مناہج مذکورہ میں سے منہج اول کو پیش نظر رکھا ہے جبکہ ''بے دیکھے ایمان لائیں'' کہنے میں منہج چہارم کا خیال رکھا گیا ہے۔ جو مترجم کی قرآن فہمی اور عمیق النظری کا مظہر ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 9:۔

سورۃ البقرہ آیت کریمہ نمبر ۳ ''وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ '' کے ترجمہ میں کنز الایمان کے الفاظ ہیں ''اور ہماری دی ہوئی روزی میں

سے ہماری راہ میں اُٹھائیں" جس میں لفظ اِنفاق اور لفظ رزق کے لُغوی مفہوم کا لحاظ رکھنے کے ساتھ اُن کے شرعی مفہوم کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ نیز یہ کہ سیاق وسباق اور تقاضائے مقام کا بھی پورا پورا خیال رکھا گیا ہے بخلاف اُن تراجم کے جن میں "جو کچھ ہم نے اُنہیں دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں" کہا گیا ہے یا "جو کچھ ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں" یا "جو ہم نے روزی دی ہے اُن کو اُس میں سے خرچ کرتے ہیں" لکھا گیا ہے۔ کہ ان میں سے جنہوں نے روزی کا ذکر کیا ہے اُنہوں نے اِنفاق کے محض لُغوی مفہوم اور رزق کے لُغوی مفہوم کے ساتھ اُس کے شرعی مفہوم کا خیال رکھنے پر اکتفا کیا ہے جبکہ تقاضائے مقام کو پیش نظر رکھنے سے بے اعتنائی کی ہے کیونکہ اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرنا متقیوں کی تعریف کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مقتضائے مقام ہے کہ اِسی پر آیت کریمہ میں متقیوں کی تعریف کی جارہی ہے اور جنہوں نے اپنے ترجموں میں روزی کا لفظ ذکر کئے بغیر اُس میں سے خرچ کرتے ہیں کہنے پر اکتفا کیا ہے اُنہوں نے صرف "یُنۡفِقُوۡنَ" کے اصل یعنی اِنفاق کے لُغوی مفہوم کے اظہار پر اکتفا کیا ہے۔ جس میں "رَزَقۡنٰهُمۡ" کے اصل یعنی لفظ رزق کے دونوں مفہوموں کے ذکر سے بے اعتنائی کرنے کے ساتھ انفاق کے شرعی مفہوم اور تقاضائے مقام سے بھی بے اعتنائی کی گئی ہے اِس لئے کہ "جو کچھ ہم نے اُنہیں دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں" کہنے میں اور "جو کچھ ہم اُن کو عطا فرمایا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں" کہنے میں اِنفاق کے لُغوی مفہوم کے سوا کوئی چیز مفہوم ہی نہیں ہورہی تو رزق کے دونوں مفہوم کے ساتھ انفاق کے مذکورہ دونوں مفہوموں کا اِن ترجموں کے کسی لفظ کا مدلول ومفہوم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے میں اِن تراجم کو مرادِ قرآنی کے مطابق کہنے کی جرات کون کرسکتا ہے جبکہ کنز الایمان نے آیت کریمہ کے ترجمہ میں "اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اُٹھائیں" کہہ کر اِن تمام حقائق ولوازمات کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ ایسے میں دوسرے تراجم پر اس کے عرفانی امتیاز کو تسلیم کئے بغیر کون رہ سکتا ہے۔ (فجزاه الله خير الجزاء)

وضاحتی مثال نمبر 10:۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۶ "اِنَّ الَّـذِیۡـنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡـذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَایُؤۡمِنُوۡنَ" کا ترجمہ کنز الایمان میں اِن الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے "وہ جن کی قسمت میں کفر ہے اُنہیں برابر ہے چاہے تم اُنہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں" یہ آیت کریمہ کے جملہ الفاظ کی ترجمانی وجامعیت میں کامل ہونے کے ساتھ جملہ شکوک وشبہات سے ماوراء ہونے میں قرآن شریف کے عین مطابق ہے بخلاف اُن تراجم کے جن میں "کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے" کہا گیا ہے یا "بے شک جو لوگ انکار کرچکے ہیں برابر ہے اُنہیں تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے" لکھا گیا ہے یا "جو لوگ کافر ہیں اُنہیں نصیحت کرو یا نہ کرو اُن کیلئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لانے کے" یا "بے شک جو لوگ کافر ہوچکے برابر ہے اُن کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہ لائیں گے" جیسے الفاظ میں کیا گیا ہے۔

اِس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ "لَایُـؤۡمِـنُـوۡنَ" کی خبر درست ہونے کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ جن کافروں کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے اُن کی تقدیر میں ایمان نہ ہو یعنی اُن کا ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں نہ ہو، اُس کے ارادہ وعلم میں نہ ہو اور اُس کے معلوم میں نہ ہو یہ اسلئے کہ اِن سب مراحل میں بالترتیب اِس کی نقیض پائی جارہی ہے اور نقیضین میں سے ایک کا پایا جانا آپ ہی دوسرے کے عدم کی دلیل ہوتا ہے جس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ جس کے مطابق دُنیائے عمل میں اِن لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی صفت تکوین کے مطابق ایمان نہ لانا اسلئے ہے کہ اللہ کے ارادہ میں ان کا ایمان لانا نہیں ہے اور اللہ کے ارادہ میں ان کا ایمان لانا اسلئے

نہیں ہے کہ اُس کے علم میں نہیں ہے اور اُس کے علم میں اسلئے نہیں ہے کہ اُس کے معلوم میں نہیں ہے۔ یہ اِسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت تکوین کے مظاہر جتنے جو کچھ بھی ہیں یہ سب کے سب اُس کے ارادہ کے تابع ہیں اور ارادہ اُس کے علم کا تابع ہے اور علم اُس کے معلوم کا تابع ہے اور انسانوں کے کفر و ایمان جیسے کردار کا اُس کے معلوم ہونے کا مقصد اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ انسان سمیت جملہ خلائق کی پیدائش سے پہلے مرتبہ ازل میں اُس نے جس انسان کے اندر کفر اختیار کرنے کو دیکھا تو اُس کا یہ کفر معلوم قرار پایا اور جس کسی کے اندر ایمان اختیار کرنے کو دیکھا تو اُس کا یہ ایمان معلوم قرار پایا جس کے بعد ہر معلوم سے متعلقہ علم کے مطابق ارادہ تکوین دُنیائے عمل کے اندر ازلی کافر کے کفر کو وجود میں لانے کا موجب بنتا جارہا ہے اسی طرح ازلی مومن کے ایمان کو وجود بخشنے کا مقتضی ہوتا جارہا ہے جس کو قضاء وقدر، تقدیر الٰہی، مظاہر تقدیر اور تقدیر کا راز جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس کے متعلق رب کریم جل مجدہ الکریم نے فرمایا؛ ''وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ ''یعنی تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ (سورۃ الدھر، آیت نمبر ۳۰)

سورۃ البقرہ کی پیش نظر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قضاء وقدر سے متعلقہ اُس خاص زاویہ کو بیان فرمایا ہے جو غیر مسلم اور کفار کے ایمان لانے یا نہ لانے سے متعلق ہے، پیغمبر اکرم رحمت عالم ﷺ کی تبلیغی کاوشوں سے اُن کے مستفیض ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ہے اور قیامت تک جاری قائم ودائم حقیقی مبلغین اسلام کی تبلیغ کا اثر قبول کرنے یا نہ کرنے کے حوالہ سے ہے۔ جس کی عبارۃ النص و ماسیق لہ الکلام یہ ہے کہ غیر مسلم و کفار چاہے جس دور تاریخ کے بھی ہوں، جس پیغمبر کے بھی اُمت دعوت ہوں اور اُنہیں تبلیغ کرنے والے چاہے پیغمبر خود ہو یا پیغمبر کے وارث حقیقی مبلغین اسلام ہو بہر تقدیر اُنکی تبلیغی کاوشوں سے اثر لیکر ایمان لانا اُن کو ہرگز نصیب نہیں ہوسکتا۔ جن کی قسمت و تقدیر میں کفر ہے کیونکہ ایمان لانا اور نہ لانا باہمی نقیضین ہیں۔ نیز یہ کہ ایمان و کفر باہمی خاص ضدین ہیں جن میں سے ایک کا مقدور و مقسوم ہونا آپ ہی دوسرے کی عدم مقدوریت اور عدم مقسومیت کی دلیل ہے جس کے بعد کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جن غیر مسلموں اور کافروں کی تقدیر و قسمت میں کفر ہے اُن کے ایمان نہ لانے یا اُن کے ایمان لانے کا ممتنع بالغیر ہونے کی خبر دینے میں مذکورہ آیت کریمہ عبارۃ النص ہونے کی طرح جن کی قسمت و تقدیر میں ایمان ہے اُن کے ایمان لانے کا ممکن بالذات ہونے میں اشارۃ النص بھی ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ کنز الایمان کا یہ ترجمہ کہ ''وہ جن کی قسمت میں کفر ہے اُنہیں برابر ہے چاہے تم اُنہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایما ن لانے کے نہیں'' عبارۃ النص واشارۃ النص کے حوالہ سے آیت کریمہ کی جامعیت کا مظہر ہے جو دوسرے تراجم میں نہیں ہے۔ جس وجہ سے کنز الایمان کے ماسوا اُن تراجم پر قرآن شریف کی صداقت کے حوالہ سے وہ اشتباہات وارد کئے جاسکتے ہیں جو تاریخ کے مختلف ادوار میں منکرین کی طرف سے وارد کئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب اللہ تعالیٰ خود اُن کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے تو جھوٹ اللہ تعالیٰ پر ممتنع بالذات ہونے کی بناء پر اُن کا ایمان لانا ممتنع ہوا جب ایمان لانا ممتنع ہوا تو پھر ایمان لانے کے ساتھ اُنہیں مکلّف کرکے مامور بالایمان کرنا تکلیف مالایطاق قرار پایا جو ظلم ہونے کی بناء پر اللہ کی شان میں ممتنع ہے۔

یہ تراجم دوسرے اس اشتباہ کے بھی موجب ہیں کہ کافروں کے ایمان نہ لانے کی یہ خبر زمینی حقائق کے خلاف ہے ورنہ کیا سب صحابہ کرام شروع سے مومن تھے؟ کیا وہ کفر سے توبہ تائب ہوکر دائرہ اسلام میں نہ آئے ہیں؟ کیا اِس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد کوئی بھی کافر توبہ تائب ہوکر ایمان کی دولت سے سرفراز نہیں ہوا؟ اِس کے برعکس زمینی حقائق کی موجودگی میں مطلق کافروں کا مسلمان نہ ہونے کی خبر دینے والے اِن تراجم کی بناء پر قرآن شریف کی صداقت کے خلاف متحرک ہونے والی زبانوں کو خاموش کرانے کیلئے، اشتباہات

وارد کرنے والوں کو اطمینان دلانے کیلئے اور کتاب اللہ کی علی الاطلاق صداقت کو نارمل دنیا کی نگاہ میں ثابت کرنے کیلئے ان مترجمین کے پاس کوئی معقول جواب کل تھا نہ آج ہے جبکہ کنزالایمان کے اِس ترجمہ میں ''وہ جن کی قسمت میں کفر ہے اُنہیں برابر ہے چاہے تم اُنہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں'' کہہ کر مختصر ترین الفاظ میں نہ صرف یہ کہ آیت کریمہ کی عبارۃ اور اشارۃ النص دونوں کا اظہار فرمایا، کتاب اللہ کی جامعیت کا حق ادا کیا، مسئلہ تقدیر کو سمجھنے کی طرف اہلِ علم کو متوجہ کیا، قضاء وقدر سے متعلقہ درجنوں آیات قرآنی کی اہمیت کا اشارہ دیا اور اِن تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ نارمل ذہنوں میں پیدا ہونے والے تمام اشتباہات واعتراضات کا بھی قلع قمع فرمایا۔ (فجزاہ اللہ احسن الجزا۔ ما اعرفہ، ما اکملہ، ما افقیہ)

﴾دوسرا عرفانی امتیاز﴿

یہ کہ کنزالایمان کے اِس ترجمہ میں آیت کریمہ کے ابتدائی الفاظ ''اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' میں کچھ سابقین اور اکثر متاخرین مترجمین سے یہ چشم پوشی ہوئی ہے کہ اُنہوں نے مختلف انداز میں صرف ''کَفَرُوْا'' کا لُغوی مفہوم یا اُس کا حاصل مفہوم ظاہر کرنے پر اکتفا کیا ہے یعنی موصول کے بغیر صرف صلہ کا ترجمہ کیا ہے جو ناتمام ہے جبکہ کنزالایمان میں وہ کہہ کر اسم موصول کا ترجمہ بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ جو اِن تمام تراجم کو سامنے رکھ کر کنزالایمان کے ساتھ تقابلی جائزہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

﴾تیسرا عرفانی امتیاز﴿

یہ کہ اِس آیت کریمہ کے کنزالایمان والے ترجمہ میں اُس کی اُن تمام نحوی ترکیبوں کو پیشِ نظر رکھ کر مذکورہ الفاظ لائے گئے ہیں۔ جن کا احتمال مفسرین کرام کی تصریحات کے مطابق آیت کریمہ کے الفاظ میں موجود ہے جبکہ دوسرے تراجم میں مختلف انداز کے ساتھ صرف ایک ایک احتمال کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے جس کی پہچان وتفریق علم نحو اور علم بلاغت سے شغف رکھنے والوں سے مخفی نہیں رہ سکتی۔

اِس کی تفصیل اس طرح ہے کہ آیت کریمہ ''اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ'' میں ''الَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر منصوب محلاً اسم اِنّ ہے جبکہ ''سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ'' اِنّ کی خبر ہے لیکن اِس کے خبر ہونے کے انداز میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مفرد ہے، دوسرا یہ کہ جملہ ہے۔ مفرد ہونے کے دو مطلب ہیں، ایک یہ ہے کہ ''سَوَآءٌ'' جو اسم مصدر ہے بمعنی ''اِسْتِوَاء'' ہے اور ''ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ'' مجموع المصدرین یعنی انذار وعدم انذار مع النسبت الی الفاعل والمفعول بہ کا مجموع من حیث المجموع ہونے کی حیثیت سے محلاً مرفوع ہو کر اُس کا فاعل ہے اور مصدر اپنے فاعل سے مل کر اِنّ کی خبر ہے۔

دوسرا یہ کہ ''سَوَآءٌ'' مُستوٍ کے معنی میں ہے اور ''اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ'' کے دونوں مصدروں کا مجموع مع النسبت الی الفاعل والمفعول بہ من حیث المجموع محلاً مرفوع ہو کر اس کا فاعل ہوگا اور اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ اسمیہ ہونے کے بعد اِنّ کی خبر ہے۔ اور جملہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ''ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ'' کے دونوں مصدر یعنی انذار وعدم انذار کا مجموعہ مع نسبت الی الفاعل والمفعول بہ مجموع من حیث المجموع محلاً مرفوع ہونے کے بعد مبتداء موخر ہے جبکہ ''سَوَآءٌ'' بمعنی استواء یا مستوٍ میں سے کسی بھی صورت میں خبر مقدم ہے اور مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہونے کے بعد اِنّ کی خبر ہے۔ اس کے علاوہ ایک ترکیب یہ بھی ممکن ہے کہ ''الَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' کے اسم موصول اور اُس کا صلہ مل کر اِنّ کی اسم ہے جبکہ ''لَا یُؤْمِنُوْنَ'' اِس کی خبر ہے اور ''سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ'' کی مذکورہ تین صورتوں میں سے صرف جملہ والی صورت متعین ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی حیثیت جملہ معترضہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کا جملہ ہونا ضروری اور مفرد ہونا غیر متصور ہے۔ اہلِ علم سے پوشیدہ

نہیں رہ سکتا کہ علم نحو کے حوالہ سے ان ترکیبی احتمالات میں سے کسی ایک کو بھی آیت کریمہ میں مسترد نہیں کیا جاسکتا ہے جب آیت کریمہ اپنی جامعیت کے اعتبار سے اِن سب کو شامل ہے تو اس کے ترجمہ کا تقاضا بھی یہی ہوگا کہ اس میں بھی ایسے الفاظ وانداز اختیار کیا جائے جو اِن سب کو جامع ہو اور ان سب پر محمول کئے جانے کی صلاحیت ہو جو کنز الایمان کے مذکورہ ترجمہ کے سوا کسی اور ترجمہ میں نہیں پایا جاتا۔ ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ "کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے" والا ترجمہ مذکور الصدر ترکیب کے سوا کسی اور پر بھی محمول ہو سکے۔ اس کے برعکس "جو لوگ کافر ہیں اُنہیں نصیحت کرو یا نہ کرو اُن کیلئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لانے کے" والا ترجمہ موخر الذکر ترکیب کے سوا کسی اور پر بھی منطبق کیا جاسکے ایسے میں وہ کون سا انصاف پسند ہوگا جو کنزالایمان کے مصنف کا عرفانی امتیاز تسلیم کئے بغیر رہ سکے۔

وضاحتی مثال نمبر 11:۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۷ "وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ" کا ترجمہ کنزالایمان میں "اور اُن کی آنکھوں پر گھٹاٹوپ ہے" کے الفاظ میں کیا گیا ہے جو عربی لُغت اور علم نحو کے مطابق ہونے کے ساتھ بلاغت میں بھی قرآن شریف کے اِس مقام کی ترجمانی کا حق ادا کر رہا ہے بخلاف اُن ترجموں کے جن میں "اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے" کیا گیا ہے یا "اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے" لکھا گیا ہے۔ اِس تفریق کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے "غِشَاوَةٌ" لفظ کی حقیقت کو سمجھنے کے ساتھ اس پورے جملہ کی ترکیبی حیثیت کو جاننا بھی ضروری ہے، جو اس طرح ہے کہ "غِشَاوَةٌ" اور اس کے اصل عنصر غشی کی دلالت عربی لُغت میں کسی چیز کو ڈھانپنے پر ہوتی ہے۔ یعنی ہر ڈھانپنے والی چیز کو "غِشَاوَةٌ" کہا جاتا ہے۔ مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے: "و الغشاوة ما یغطیٰ به الشئی" یعنی "غِشَاوَةٌ" ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو ڈھانپا جائے۔ (مفردات امام الراغب، صفحہ ۳۶۶، مادہ۔ غ، ش، ی)

اور کتب لُغت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ پردہ والا مفہوم اس کے لوازمات میں سے ہے اور لازم اپنے ملزوم سے عام بھی ہوسکتا ہے۔ جس کے مطابق پردہ کا "غِشَاوَةٌ" کی طرح پردہ والی چیز کے ساتھ متصل ہونا کوئی ضروری نہیں ہے جبکہ ڈھانپنے والی ہر چیز کا اُس چیز کے ساتھ متصل ہونا ضروری ہے جس کو اُس نے ڈھانپنا ہوتا ہے۔ دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ ڈھانپنے اور رکاوٹ بننے کا مفہوم جس زیادتی و مبالغہ کیساتھ لفظ "غِشَاوَةٌ" میں ہے وہ لفظ پردہ میں نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جہاں پر کسی خارجی قرینہ سے پردہ کا زیادہ سخت ہونا مفہوم ہو رہا ہو اور وہ پردہ والی چیز کے ساتھ متصل بھی ہو ایسی جگہوں میں "غِشَاوَةٌ" کی تعبیر پردہ کے ساتھ کرنا بھی بطور ذکر الملزوم وارادۃ اللازم جائز ہوسکتا ہے۔ لُغت کے حوالہ سے اِس حقیقت کو سمجھنے کے بعد کنزالایمان کے مذکورہ ترجمہ کا دوسرے تراجم پر فائق ہونا آپ ہی واضح ہو رہا ہے کیونکہ گھٹاٹوپ کا لفظ ترجمہ کی حیثیت سے پردہ کے مقابلہ میں "غِشَاوَةٌ" کے زیادہ قریب ہے کہ دونوں میں زیادتی پائی جارہی ہے۔ اس سے بڑھ کر دوسرا عرفانی امتیاز کنز الایمان کے اس مقام کا یہ ہے کہ یہ نحوی ترکیب کے عین مطابق ہے اسلئے کہ آیت کریمہ میں "وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ" مذہب مختار فی النحو کے مطابق جملہ ظرفیہ ہے اور جملہ ظرفیہ کی حقیقت یہ ہے کہ اُس میں ظرف یا مشابہ بالظرف اپنے عامل کے عوض میں مذکور ہوتا ہے اور عوض ومعوض عنہ کا اجتماع فی اللفظ ناجائز ہونے کی وجہ سے اُس کے عامل کو ذکر کرنا مخل بالفصاحت ہے، جس وجہ سے اسی کے ذکر پر اکتفا کر کے اس کو بعد میں ذکر ہونے والے اسم مرفوع کیلئے عامل بنایا جاتا ہے۔ اِس آیت کریمہ میں بھی "وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ" عامل رافعہ اور "غِشَاوَةٌ" اُس کا فاعل ہونے ہو کر جملہ ظرفیہ مکمل ہوا ہے جس کا حقیقی مفہوم وہی ہے جو کنزالایمان کے ترجمہ میں "اُن کی آنکھوں پر گھٹا

ٹوپ ہے" کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا جبکہ دوسرے جن تراجم میں "اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے" کیا گیا یا "پردہ پڑا ہے" لکھا گیا ہے اُن میں "پڑا ہوا ہے" اور "پڑا ہے" کے الفاظ کا اضافہ کرکے انجانے میں عوض ومعوض عنہ کو جمع کیا گیا ہے جو خلاف فصاحت ہے اور جملہ ظرفیہ کے منافی وخلاف بلاغت ہے جو مذہب مختار فی النحو کے مطابق غلط ہے۔ ہاں اگر ان ترجموں کو مذہب غیر مختار پر محمول کرکے "وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ" کو جملہ اسمیہ کہا جائے تو پھر ان کو جائز کہا جا سکتا ہے کہ لیکن پھر بھی "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ" کے جملہ فعلیہ پر اس کا عطف جملہ ظرفیہ کے مقابلہ میں نامناسب ہوگا، جو علم نحو سے آشنائی رکھنے والوں سے مخفی نہیں ہے۔ الغرض یہ تراجم غلط یا نامناسب ہونے کے مانعۃ الخلو سے خالی نہیں ہیں۔ جبکہ کنزالایمان کا مذکورہ ترجمہ علم نحو اور علم بلاغت دونوں کے ماہرین سے دادِ تحسین پا رہا ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 12:۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۹ "یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کا ترجمہ کنزالایمان میں اِن الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے "فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو" جو فصاحت وبلاغت کے معیار پر پورا ہونے کے ساتھ حقیقت کے بھی مطابق ہے بخلاف اُن دوسرے تراجم کے جن میں "اللہ اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں" یا "یہ لوگ اپنے نزدیک اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لا چکے ہیں دھوکا دیتے ہیں" یا "یہ اپنے پندار میں خدا کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں" جیسے الفاظ میں کیا گیا ہے یہ اس لئے کہ آخر الذکر دونوں حقیقت کے ساتھ اگرچہ مطابق ہیں کہ منافقین کی یہ چال بازی وفریب کاری محض اُن کے اپنے زعم تک محدود ہے جس کا اثر اللہ تعالیٰ کو اور اُس کے خلیفہ ومومنوں کو نہیں پہنچا لیکن محض واقعہ کے مطابق ہونے سے ہی قرآن شریف کی ترجمانی کا حق ادا نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے ساتھ بلاغت بھی ضروری ہے جو فصاحت کے بغیر ممکن نہیں ہے جبکہ یہ سب بلا ضرورت تطویل اور زبان پر ثقیل الفاظ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے غیر فصیح ہیں جبکہ اول الذکر یعنی اللہ اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں" جیسے الفاظ میں کئے گئے تمام تراجم اِن کے برعکس ہیں یعنی فصیح تو ہیں جبکہ مطابق واقعہ نہیں ہیں ان کا فصیح ہونا تو ظاہر ہے کہ زبان پر ثقیل اور بلا ضرورت تطویل پر یا حشو وزوائد اور کریہہ السمع جیسے الفاظ سے خالی ومحفوظ ہیں۔ اس کے باوجود حقیقت کے خلاف اسلئے ہیں کہ "دھوکا دیتے ہیں" یا "چکما دیتے ہیں" کے الفاظ فی الواقع اللہ کو اور اللہ کے خلیفہ ومومنوں کو بالفعل دھوکا دینے اور چکما دینے کے مشعر ہیں جو خلاف حقیقت ہے۔

اس تقابلی جائزہ کی روشنی میں کنزالایمان کے کمال عرفان کو داد تحسین دیئے بغیر کون رہ سکتا ہے کہ اُس کے مصنف نے "فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو" کے الفاظ میں آیت کریمہ کا ترجمہ کرکے فصاحت وبلاغت کا جوہر دکھانے کے ساتھ حقیقت حال کا بھی پورا پورا خیال رکھا ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 13:۔

سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۹ "وَمَا یَشْعُرُوْنَ" کا ترجمہ کنزالایمان میں "اُنہیں شعور نہیں" کے الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے جو فصاحت وبلاغت کے حوالہ سے اصل متن کے مطابق ہونے کے ساتھ آیت کریمہ کی عبارۃ النص کے بھی مطابق ہے۔ بخلاف اُن تراجم کے جن میں "نہیں سوچتے" کہا گیا ہے یا "مگر سمجھتے نہیں" یا "اس سے بے خبر ہیں" یا "سمجھتے نہیں" جیسے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ نکتہ تفریق یہ ہے کہ متن کا اپنا لفظ "شعور" اُردو زبان میں مانوس الاستعمال اور عام فہم ہونے کے باوجود اُسے چھوڑ کر اُس کی جگہ ترجمہ میں سمجھنے، سوچنے اور خبر ہونے جیسے الفاظ کو استعمال کرنا خلاف الاصل ہے جو فصاحت کے منافی ہے جب فصاحت نہیں تو پھر بلاغت کہاں سے ہوگی کیونکہ بلاغت کی موجودگی کیلئے فصاحت کی موجودگی ناگزیر ہے جب بلاغت نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے بلیغ کلام کا ترجمہ غیر بلیغ کلام کے ساتھ کرنے

کا کیا جواز ہوسکتا ہے۔ جبکہ کنز الایمان میں ''اُنہیں شعور نہیں'' کہنے کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کے اس فصیح و بلیغ کلام کا ترجمہ اُس کے مطابق فصیح و بلیغ کلام کے ساتھ کرنے کی ضرورت کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ کنز الایمان کے عرفانی امتیاز کے اس کمال کے علاوہ آیت کریمہ کی عبارۃ النص کے مطابق ہونے کے حوالہ سے نکتہ تفریق کو سمجھنے کیلئے متن کے اس لفظ ''لَایَشْعُرُوْنَ'' کی حقیقت اور اس کے لُغوی مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے وہ اس طرح ہے کہ خصوصیت مقام سے قطع نظر اس کے اشتقاق میں تین احتمالات ہیں؛

(۱) یہ کہ ''شَعر'' سے ہو جو بال کو نشانہ بنانے کی طرح باریک و مشکل کام کو سمجھنے کے مفہوم میں نفس مصدر ہے۔

(۲) یہ کہ ''شِعر'' سے ہو جو کسی بھی باریک و مشکل کام کو سمجھنے کے مفہوم میں علم مصدر ہے۔

(۳) یہ کہ ''شعور'' سے ہو جو احساس بالمشاعر یعنی ادراک بالحواس کو کہتے ہیں جب تک ان میں سے کسی ایک کی تعیین کیلئے سیاق و سباق کا یا کسی اور خارجی دلیل و قرینہ کا وجود نہ ہو اُس وقت تک اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

سورۃ البقرۃ کی اس آیت کریمہ میں منافقین کی دھوکا بازی کا انجام اُنہیں کے حق میں نقصان و زیان ہونا چونکہ امر محسوس ہے، ظاہری چیز ہے اور مُدرک بالحواس ہے یعنی اتنا واضح اور بدیہی امر ہے کہ ہر سلیم الحواس شخص اس کا ادراک کرسکتا ہے۔ یہ اس بات پر قرینہ و دلیل ہے کہ یہاں پر لفظ ''لَایَشْعُرُوْنَ'' شعور سے مشتق ہے۔ دوسرا قرینہ آیت کریمہ میں منافقین کے مذکورہ عمل پر اظہار قباحت کا پیش نظر ہونا ہے کیونکہ اس کی عبارۃ النص اُن کی انتہا حماقت و قباحت ظاہر کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ یہ اپنے واضح نقصان کا احساس کرنے سے قاصر ہونے میں سلیم الحواس انسانوں سے بلکہ بہائم سے بھی گئے گزرے ہیں یہ اسلئے کہ مدرک بالمشاعر اور محسوسات چیزوں کے ادراک کرنے میں بہائم بھی انسانوں کے ساتھ شریک ہیں۔ اس پر تیسرا قرینہ و دلیل لفظ ''شَعر و شِعر'' سے اشتقاق کا آیت کریمہ کی عبارۃ النص کے منافی ہونا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں آیت کریمہ ''لَایَشْعُرُوْنَ'' کا یقینی مفہوم ادراک بالمشاعر والحواس کی نفی کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ایسے میں اس کا ترجمہ ''نہیں سوچتے'' یا ''مگر سمجھتے نہیں'' یا ''سمجھتے نہیں'' جیسے الفاظ میں کرنے کو کون سا صاحبِ انصاف درست ترجمہ کہہ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے!

﴿دوسرا عرفانی امتیاز﴾

کنز الایمان کے اس عرفانی امتیاز کے علاوہ دوسرا عرفانی امتیاز یہ ہے کہ آیت کریمہ کے اس ترجمہ میں اس کے مصنف نے ادراک بالمشاعر اور ادراک بالعقل کے مابین اور ان کے نقیضین کے مابین واقعی نسبت کا پورا پورا خیال رکھا ہے جو دوسرے تراجم میں نہیں پایا جاتا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مخصوص انسانوں سے قرآن شریف کے متعدد مقامات پر ادراک کی نفی کرنے کیلئے چار قسم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں یعنی ''لَایَشْعُرُوْنَ، لَایَعْلَمُوْنَ، لَایَفْقَهُوْنَ اور لَایَعْقِلُوْنَ'' ان چاروں الفاظ کے مابین نفس ادراک کی نفی مابہ الاشتراک ہونے کے ساتھ کچھ مابہ الامتیازات بھی ہیں۔

﴿لَایَشْعُرُوْنَ، لَایَعْلَمُوْنَ، لَایَفْقَهُوْنَ اور لَایَعْقِلُوْنَ کا فرق﴾

کہ لَایَفْقَهُوْنَ میں صرف ادراک نظری کی نفی ہوتی ہے اسلئے کہ فقہ علم نظری کے ساتھ خاص ہے۔ ''لَایَعْقِلُوْنَ'' میں صرف ادراک معقول کی نفی ہوتی ہے اسلئے کہ عقل معقولات و معنویات کے بلاواسطہ ادراک کیلئے خاص ہے، اور ''لَایَشْعُرُوْنَ'' جب شعور سے مشتق ہوتو اس میں ادراک بالحواس والمشاعر کی نفی ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں شعور کا مفہوم ادراک بالحواس والمشاعر کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا جبکہ ''لَایَعْلَمُوْنَ'' میں مطلق ادراک کی نفی ہوتی ہے چاہے جس ذریعہ سے

بھی ہو اور جس انداز یا جس قسم معلوم ومُدرک کا ہی کیوں نہ ہو۔ نیز یہ کہ فقہ بمعنی ادارک النظریات شُعُور کے مبائن اور علم کے ساتھ عقل بمعنی ادراک المعقولات سے بھی خاص مطلقاً ہے جبکہ علم اور ادراک المعقولات کے مابین عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے اور ''یَشْعُرُوْنَ'' جو شعور سے ہو اُس کے اور ''یَعْقِلُوْنَ'' بمعنی ادراک المعقولات کے مابین تباین کلی ہے کہ ادراک بالحواس من حیث انہ ادراک بالحواس اور ادراک بالعقل من حیث انہ ادارک بالعقل کے مابین من کل الوجوہ تباین ہی تباین ہے اور فلسفہ کے حصہ منطق سے روشناس حضرات جانتے ہیں کہ متبائنین کے نقیضین کے مابین تباین جزئی کی نسبت ہوتی ہے یعنی کبھی ان کا اجتماع ممکن ہونے کے ساتھ اُن میں سے ہر ایک کا دوسرے کے بغیر پایا جانا بھی ممکن ہوتا ہے اور یہ حقیقت بھی کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ ''لَایَشْعُرُوْنَ'' اور ''لَایَعْقِلُوْنَ'' کے بالترتیب حاصل مضمون یعنی ادراک بالمشاعر کی نفی اور ادراک بالعقل کی نفی ''یَشْعُرُوْنَ'' اور ''یَعْقِلُوْنَ'' کے حاصل مضمون کے نقیضین کے سوا اور کچھ نہیں ہیں ایسے میں ان کے مابین ایک مادہ اجتماعی اور دو مادہ افتراقی نوشتہ تقدیر قرار پاتے ہیں۔ قرآن شریف کی صداقت پر قربان جاؤں کہ جہاں جہاں لفظ ''لَایَشْعُرُوْنَ'' آیا ہے وہ ان تینوں سے خالی نہیں ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۱۵۴ میں شہداء کرام کی برزخی حیات جاویدان جو غیب محض ہے سے متعلق ''وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' جو فرمایا ہے وہیں پر مادہ اجتماعی پایا جاتا ہے کیونکہ عالم برزخ سے متعلقہ غیب محض ہونے کی وجہ سے ''لَاتَشْعُرُوْنَ'' بھی درست ہے اور ''لَاتَعْقِلُوْنَ'' بھی یعنی حواس کے ذریعہ اُس کا ادراک ممکن ہے نہ عقل کے ذریعہ بلکہ ایسا مواقع پر ''لَاتَعْلَمُوْنَ'' کہنا بھی درست ہے جس وجہ سے اِس کا ترجمہ بھی ''تم نہیں سمجھتے'' یا ''تمہیں خبر نہیں'' جیسے الفاظ میں کرنا درست ہوسکتا ہے۔ سورۃ الحُجرات، آیت نمبر ۲ میں بارگاہ نبوت کے آداب کے منافی کردار پر اعمال کے محو ہونے سے متعلق فرمایا: ''اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ'' یہیں پر ایک مادہ افتراقی پایا جاتا ہے یعنی صرف اور صرف ادراک بالحواس کی نفی یہ اسلئے کہ عنداللہ کسی انسان کے اعمال کا محو ہونا کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ حواس کے ذریعہ اُس کا ادراک ممکن ہوسکے نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا معقول نظری ہے جو تفصیلی دلیل کی شکل میں اس طرح ہے کہ:

مدعا:۔ شان نبوت میں بے ادبی کرنے والے کے اعمال محو ہوجاتے ہیں۔

صغریٰ:۔ اس لئے کہ وہ مرتد ہوچکا ہوتا ہے۔

کبریٰ:۔ جو بھی مرتد ہوچکا ہوتا ہے اُس کے اعمال محو ہوجاتے ہیں۔

عقلی نتیجہ:۔ لہٰذا شان نبوت میں بے ادبی کرنے والے کے اعمال محو ہوجاتے ہیں۔

لفظ ''لَاتَشْعُرُوْنَ'' کے ایسے تمام مقامات کے ترجمہ میں ''تمہیں خبر نہیں'' یا ''تم سمجھو گے بھی نہیں'' یا ''تم کو پتہ ہی نہ چلے'' جیسے الفاظ لانا درست ہوسکتا ہے۔ سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۱۲ میں منافقین کی محسوس فسادکاریوں سے متعلق فرمایا: ''اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ'' یہیں پر بھی صرف ایک مادہ افتراقی پایا جاتا ہے یعنی عدم ادراک المحسوسات بالحواس یہ اسلئے کہ منافقین کے ظاہری اور محسوس فساد فی الارض کے عدم ادراک کا اظہار مقصد ہے کہ وہ محسوس اور ظاہری باتوں کا ادراک کرنے سے بھی گئے گزرے ہیں۔ جبکہ ان تمام تراجم کا انداز محض استفہام انکاری کا ہے۔ علم بلاغت کے ساتھ شغف رکھنے والے حضرات آیت کریمہ کے سیاق وسباق، واقعہ اور لفظ ''اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ'' کے انداز تخاطب پر ان تراجم کو پیش کرکے دیکھے تو ان میں استفہام انکاری کے سوا کوئی اور چیز قطعاً نظر نہیں آئے گی جبکہ اصل میں صرف استفہام انکاری نہیں بلکہ استفہام انکاری مع التوبیخ ہے جبکہ کنز الایمان کے مذکورہ ترجمہ ''تو کیا تمہیں عقل نہیں'' کو آیت کریمہ کی

عبارۃ النص کے عین مطابق دیکھ کر اُس کے کمال عرفان کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاتا۔

وضاحتی مثال نمبر 14:۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۵ ''اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ وَیَمُدُّھُمْ فِی طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ '' کا ترجمہ کنزالایمان میں اس انداز سے کیا گیا ہے کہ ''اللہ اُن سے استہزاء فرماتا ہے، جیسا کہ اُس کی شان کے لائق ہے'' اِس میں شان الٰہی کی عظمت اور اُس کی سبوحیت وتقدس کا حق المقدور اظہار کیا گیا ہے بخلاف اُن تراجم کے جن میں ''اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے'' یا ''اللہ اُن سے ہنستی کرتا ہے'' یا ''اللہ اُن کو بہکاتا ہے'' جیسے الفاظ اختیار کیئے گئے ہیں اِس تفریق کا پس منظر اس طرح ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب استہزاء، کید، مکر، سحر جیسے الفاظ کے لُغوی مفہوم اللہ تالیٰ کی شان کے لائق نہ ہونے کی وجہ سے کل مکاتب فکر اہل اسلام کے مفسرین کرام، فقہاء عظام اور متکلمین سے لیکر صوفیاء کرام تک سب نے اِن کے ظاہری مفہومات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کو قابل غور سمجھ کر اپنے اپنے انداز میں اِن کی تعبیر بتائے ہیں مراد الٰہی کی ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہیں اور عظمت شان الٰہی کو ظاہری مغالطہ آمیزی سے بچا کر اِن کا ایسا ترجمہ کیا ہے جو لُغت ومحاورہ کے مطابق ہونے کے ساتھ عظمت شان الٰہی کے بھی مناسب ہے اسی لئے مفردات امام الراغت الاصفہانی میں کہا ہے ''والاستھزاء من اللہ فی الحقیقۃ لا یصح کمالا یصح من اللہ اللھو واللعب '' اِس کے بعد اِس کے مرادی مفہوم بتاتے ہوئے لکھا ہے: ''ای یجازھم جزاء الھزئو '' جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِن کے ساتھ استہزاء کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن کو ایسی سزا دے گا جیسے انسانوں کے معاشرہ میں استہزاء کے قابل ذلیل مجرم کو دی جاتی ہے۔ (مفردات امام الراغب، صفحہ ۵۶۵)

مفسرین کرام نے اِس کے ترجمہ میں اس سے مراد کافروں کے استہزاء کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا دینا بتائی ہے۔ جیسے تفسیر بیضاوی، وغیرہ میں ہے ''ای یجازیھم علی استھزائھم '' جبکہ ''اللہ اُن سے ہنسی کرتا ہے'' جیسے الفاظ میں ترجمہ کرنے والے حضرات نے جملہ سلف صالحین کی تصریحات اور عظمت شان الٰہی کی تقدیس وتنزیہ کو پیش نظر رکھنے کے بجائے اِس آیت کریمہ میں مذکور لفظ استہزاء کے محض ظاہری مفہوم پر نظر رکھی۔ جس کے نتیجہ میں ہنسی، ٹھٹھا اور مزاح جیسے الفاظ کو مراد الٰہی کے طور پر اِس کا ترجمہ قرار دیا جس کو عظمت شان الٰہی سے واقف اور اسلاف کے انداز عمل سے آگاہ کوئی شخص بھی قرین انصاف نہیں کہہ سکتا جبکہ کنزالایمان کے مصنف نے ''اللہ اُن سے استہزاء فرماتا ہے جیسے اُس کی شان کے لائق ہے'' کہہ کر تقدس شان الٰہی کا پاس رکھنے کے ساتھ جملہ سلف صالحین کی روحوں کو بھی خوش کر دیا کیونکہ جن متشابہات کے لُغوی مفہوم معلوم اور مرادی نامعلوم ہیں اُن کے ترجمہ اور اُن سے متعلق اسلامی عقیدہ کے حوالہ سے حضرت امام ابو حنیفہ سمیت تمام سلف صالحین سے یہی منقول ہے کہ اُن کے لُغوی مفہوم سے انکار کیئے بغیر مراد اللہ کی شان کے لائق کہا جائے۔ جیسے فقہ اکبر میں ہے: ''ولہ ید ووجہ ونفس کما ذکرہ اللہ تعالیٰ فی القرآن فھو صفات بلا کیف '' (فقہ اکبر، صفحہ ۵)

وضاحتی مثال نمبر 15:۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۸ ''کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ '' کا ترجمہ کنزالایمان میں مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے ''بھلا تم کیونکر خدا کے منکر ہوگے حالانکہ تم مردہ تھے اُس نے تمہیں جلایا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلائے گا پھر اُسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے'' یہ لُغت اور قواعد نحو کے مطابق ہونے کے ساتھ آیت کریمہ میں پائے جانے والے ممکنہ احتمالات کو جامع ہونے سمیت

واقعہ کے بھی مطابق ہے بخلاف اُن تراجم کے جن میں "کافرو تم خدا سے کیونکر منکر ہو سکتے ہو جس حال میں کہ تم بے جان تھے تو اُس نے تم کو جان بخشی پھر وہی تم کو مارتا ہے پھر وہی تم کو زندہ کریگا پھر اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے" یا "کس طرح کافر ہوتے ہو خدائے تعالیٰ سے حالانکہ تم بے جان تھے پھر جلایا تم کو پھر مارے گا تم کو پھر جلائے گا تم کو پھر اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے" جیسے انداز والفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اِس تفریق کے پس منظر کو سمجھنے کیلئے مندرجہ ذیل حقائق و مسلمات کو جاننا ضروری ہے۔

(۱) یہ کہ ہر آیت کے ترجمہ میں اُس کے ماقبل و مابعد اور سیاق و سباق کا لحاظ کرنا ضروری ہوتا ہے تا کہ آیات کریمہ کا باہمی ارتباط ٹوٹنے نہ پائے۔ جس کے مطابق یہاں پر اِس آیت کریمہ سے قبل کی آیات ومضامین میں بھی مسلم وغیر مسلم دونوں کو نصیحت و تبلیغ کی گئی ہے اور اِس کے بعد والی آیت کی تبلیغ میں بھی کسی ایک فریق کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں بلکہ دونوں کو یکساں نصیحت و تبلیغ ہے ایسے میں سیاق وسباق کا یہی تقاضا ہے کہ یہ بھی دونوں فریقوں کو شامل ہو اور اِس کی نصیحت و تبلیغ کے ساتھ بھی مسلم وغیر مسلم دونوں مکلف ہوں۔

(۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی خالقیت وقدرت سے کسی کافر کو انکار ہے نہ مشرک کو بلکہ مسلمانوں کی طرح وہ بھی اللہ کی ذات کو بمع وصف خالقیت وقدرت تسلیم کرتے ہیں یہاں تک کہ دھری کو بھی اِس سے انکار نہیں ہے لیکن تعبیر میں اُسے مغالطہ ہو رہا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک کے ساتھ مختص کاموں کو وہ دھر کی طرف منسوب کرنے کی غلطی میں مبتلا ہے۔ اسی کے مطابق کہا گیا ہے کہ؛

دھری نے کیا دھر سے تجھے تعبیر
تیرا انکار میرے مولیٰ کسی سے بھر نہ آیا

اس حقیقت کی بنیاد پر بظاہر اللہ کی ذات سے انکار کے موہم جتنے بھی مقامات ہیں اُن سے مراد و مفہوم ہمیشہ توحید فی العبادۃ سے انکار لیا جاتا ہے، مرادی مفہوم کی اِس تفسیر کا وضاحت طلب ہونے کی وجہ سے ترجمہ میں اِس کا اظہار ممکن نہیں ہوتا جس وجہ سے بلا تخصیص ہر مترجم کی مجبوری ہوتی ہے کہ ظاہر کے مطابق ترجمہ کریں۔ مجبوری پر مبنی اِس قسم تراجم کو دیکھ کر یہ "کہنا پھرنا کہ کافرو مشرک اللہ کی ذات اور اُس کی خالقیت وقدرت سے منکر ہیں" عوامی معیار اور سطحی ذہن کی پیداوار ہونے کی وجہ سے واضح نصوص قرآنی کے منافی اور حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

(۳) یہ کہ کفر وشرک کے فی الواقع ناجائز اور ناممکن ہونے پر جتنے بھی قرآنی دلائل ہیں اُن کی فہم آسان وبدیہی ہونے میں موحد و مشرک اور مسلم وغیر مسلم کی قطعاً کوئی تفریق نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ہر انسان ازخود اتنا ضرور سمجھتا ہے کہ اگر اللہ نے مجھے پیدا نہ کیا ہوا ہوتا تو میرا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا نیز یہ بھی ازخود سمجھتا ہے کہ مجھے وجود میں لانے کیلئے ماکولات ومشروبات اور مختلف خوراکوں کو اور اُن کی بنیاد یعنی زمین، آسمان، فضاء ہوا، چاند سورج، ستارے، دن رات اور مختلف موسموں کو بھی اُسی نے پیدا کیا ہے جس میں اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ نیز سمجھتا ہے کہ ماں باپ اور اُن کے ملاپ کو بھی ہمارے وجود کیلئے صرف اُسی نے سبب بنایا ہے جس میں اُس کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہے۔

اسی طرح نظام موت کو بھی ازخود سمجھتا ہے کہ یہ انسان کے دائرہ اختیار سے ماوراء محض اُسی کے نظام تخلیق کا حصہ ہے جس میں اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ الغرض اس قسم کے جتنے بھی بدیہیات ہیں اُنہیں سمجھنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل وحواس اور قوت فکری کا جوہر عطا فرمایا ہوا ہے جس میں موحد و مشرک اور مسلم وغیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

(۴) یہ کہ اِس آیت کریمہ "کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَکُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا ......الایۃ" میں جو "واؤ" ہے یہ حالیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قبلِ

پیدائش سے لیکر پیدائش تک اور بعد پیدائش سے لیکر نظام اِماتت تک جیسے اُمور میں خود کو اُس کی طرف علی الاطلاق محتاج اور اُس کا تنہا محتاج الیہ علی الاطلاق اور بلاشرکتِ غیر حاجت روا ہونے کو جاننے کی حالت میں توحید فی العبادت سے انکار کرنا۔ مختصر یہ کہ انسان کا اپنی حقیقت سے متعلق اِن تمام مراحل میں اللہ کا بلاشرکت غیر اور واحد حاجت روا ہونے کو جاننے کی جو حالت ہے وہ حال ہے یعنی نحوی حال "تَکْفُرُوْنَ" کے ضمیر فاعل سے جبکہ "تَکْفُرُوْنَ" توحید فی العبادت سے انکار کے معنی میں ان دونوں میں عمل کر رہا ہے کیونکہ حال و ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہوتا ہے۔ اور یہ کہ حال نحوی اور اُس کے عامل کا زمانہ بھی ایک ہونا ضروری ہے جس کو حال کہتے ہیں جو ماضی اور مستقبل کے مقابلہ میں ہوتا ہے جس کے مطابق فعل ماضی اور مستقبل کا حال واقع ہونا ممکن نہیں ہے جبکہ پیش نظر آیت کریمہ میں "واؤ" حالیہ کے بعد مذکور شدہ افعال میں بعض ماضی اور بعض مستقبل ہیں جس کی نزاکت ولطافت اور حلاوت کو سمجھنا اہل لسان کیلئے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے جبکہ اہل عجم کی فہمائش کیلئے لسان قرآنی کے ماہرین اور بُلغاء و فُصحاء عرب کے مواقع استعمال سے روشنی لینے کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ حال اور اُس کے عامل کا زمانہ ایک ہونے کا مسلمہ اُصول یہاں پر بھی قابل فہم ہو سکے۔ جس کے مطابق مفسرین کرام نے آیت کریمہ کی محصل ترکیب اس طرح سمجھائی ہیں کہ " **کیف تنکرون توحیدہ سبحانہ وتعالیٰ فی العبادۃ وقد تعلمون احتیاجکم علی الاطلاق فی جملتہ ھٰذہ المراحل و کونہ سبحانہ وتعالیٰ وحدہ محتاجاً الیہ علی الاطلاق فی جملتہ ھٰذہ المراحل بدون شرکت الغیر** " جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں "واؤ" حالیہ کے بعد مذکور شدہ افعال ماضیہ و مضارع و یہ حال نہیں ہیں بلکہ اُن کے متعلقہ انسانی علم حال ہے۔ جو کسی وقت بھی عاقل وبالغ انسان سے جدا نہیں ہوتا یعنی اِن تمام مراحل میں خود کو اللہ تعالیٰ کی طرف علی الاطلاق محتاج اور اللہ تعالیٰ کو اِن تمام مراحل میں محتاج الیہ علی الاطلاق اور بلاشرکت غیر تنہا حاجت روا ہونے کا انسان کو جو علم ہے وہ توحید فی العبادۃ سے انکار کے وقت بھی موجود ہے۔

(۵) یہ کہ آیت کریمہ میں "کَیْفَ" کا لفظ استخبار انکاری کیلئے استعمال ہوا ہے جو استفہام انکاری کے مفہوم سے قدرے جدا ہے جس کے مطابق آیت کریمہ کا محصل مطلب اس طرح ہو گا کہ "اللہ کی توحید فی العبادۃ کی سچائی سے اِس حال میں تم کیونکر انکار کر سکو گے جبکہ اِن تمام مراحل میں اپنی محتاجی اور اُس کا محتاج الیہ اور بلاشرکت غیر حاجت رواں ہونے کا تمہیں علم ہے"۔

اِن حقائق کو سمجھنے کے بعد کنزالایمان کے مذکورہ ترجمہ کی جامعیت، لُغت و بلاغت اور علم نحو کے اُصولوں کے ساتھ کمال مطابقت میں دوسرے تراجم سے ممتاز و اعلیٰ ہونے کی تفریق آپ ہی واضح ہو جاتی ہے اس لئے کہ کنزالایمان کے مذکورہ الفاظ "بھلا تم کیونکر خدا کے منکر ہو گے حالانکہ تم مردہ تھے اُس نے تمہیں جلایا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلائے گا پھر اُسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے" میں اولین لفظ "بھلا" استخبارِ انکاری کا مظہر ہے جو دوسرے تراجم میں نہ ہونے کی وجہ سے وہ "کَیْفَ" کے مرادی مفہوم پر دلالت کرنے سے خالی ہیں۔ اور "تم کیونکر خدا کے منکر ہو گے" کے الفاظ موحد و مشرک اور مسلم و غیر مسلم سب کو شامل ہونے کی بناء پر تمہید ۱، ۲، ۳ کے تمام حقائق کو شامل ہو رہے ہیں جو سیاق و سباق کے عموم کے بھی مطابق ہے اور کفر و شرک کے فی الواقع ناجائز و ناممکن ہونے کے اُن تمام دلائل پر بھی مشتمل ہے جن کو سمجھنے میں موحد و مشرک اور مسلم و غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز یہ کہ "تم کیونکر خدا کے منکر ہو گے" کے مضارع پر دلالت کرنے والا یہ کلام آیت کریمہ کے "تَکْفُرُوْنَ" کے صیغہ مضارع کے عین مطابق ہونے کے ساتھ عموم فاعل اور عموم اوقات یعنی حال سے لیکر آئندہ قیامت تک کے جملہ لمحات کو شامل ہے کہ کسی بھی انسان کو کسی بھی وقت

اُس ذات وحدہ لاشریک کی توحید فی العبادۃ کی سچائی سے انکار کرنے کا جواز نہیں ہے جس کا اِن تمام مراحل کے حوالہ سے بلاشرکت غیر تنہا حاجت روا، محی و ممیت اور علی الاطلاق محتاج الیہ ہونے کا انسان کو ہر وقت علم ہے۔ عموم فاعل اور انکار کے حوالہ سے عموم اوقات کے احاطہ وشمول کی یہ عکاسی دوسرے تراجم میں اسلئے مفقود ہے کہ اُن میں سے بعض نے "کافرو تم خدا سے کیونکر منکر ہو سکتے ہو" کہہ کر اِس خطاب کو کفار و مشرکین کے ساتھ خاص کر دیا ہے جبکہ بعض نے "کس طرح کافر ہوتے ہو" کہہ کر کفار و مشرکین کے ساتھ خاص کرنے کے ساتھ زمانہ حال کے ساتھ بھی خاص کر دیا جو کسی طرح بھی آیت کریمہ کے مفہوم میں موجود عموم الفاعل والاوقات کے مطابق نہیں ہیں، مسلمات مذکورہ ۱، ۲، ۳، ۴ کو محیط نہیں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کلام اللہ کی شان جامعیت کا عکس ومظہر نہیں ہیں۔

وضاحتی مثال نمبر 16:۔

سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۴۱ "وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ" کا کنزالایمان میں بایں الفاظ ترجمہ کیا گیا ہے کہ "اور ایمان لاؤ اُس پر جو میں نے اُتارا اُس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے ساتھ ہے اور سب سے پہلے اُس کے منکر نہ بنو" کنزالایمان کے اس ترجمہ میں قرآن شریف کے الفاظ "لِمَا مَعَكُمْ" کی وسعت ظرفیت کو پیش نظر رکھ کر اُس کے لُغوی اور ترکیبی مفہوم کا حق ادا کیا گیا ہے کیونکہ "جو تمہارے ساتھ ہے" کے الفاظ ایک ہی وقت میں ظرف زمان و مکان اور اُس کے عامل دونوں پر دلالت کر رہے ہیں جبکہ دوسرے وہ تراجم جن میں اِس کا ترجمہ "جو تمہارے پاس ہے" کے الفاظ میں کیا گیا ہے وہ صرف ظرف مکان کے ساتھ خاص ہے جبکہ قرآن شریف کا یہ لفظ "مَعَكُمْ" صرف ظرف مکان کیلئے نہیں بلکہ ظرف زمان میں کثیر الاستعمال ہونے کے باوجود اجتماع فی الزمان پر دلالت کرنے کی طرح اجتماع فی المکان پر بھی دلالت کرتا ہے۔ جیسے مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے: "مع يقتضى الاجتماع اما فى المكان نحوهما معاً فى الدار وفى الزمان نحو ولدا معاً" (مفردات القرآن الاصفہانی، صفحہ ۴۸۶، مادہ م، ع)

ان حضرات کی اِس غلطی کا منشاء اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ان مترجمین نے ترجمہ کیلئے منتخب کئے جانے والے الفاظ کو اصل متن کے تابع اور اُس کے مطابق لانے کے بجائے الٹا اصل کو اس کے مطابق بنا دیا، متبوع کو تابع اور تابع کو اصل بنا کر معکوس العملی کا ارتکاب کیا جو کسی صورت بھی قابل معافی نہیں ہے۔ اس قسم کی بے اعتدالیوں سے بچنے کیلئے کسی بھی کتاب کی صحیح ترجمانی کرنے والے شخص کیلئے دونوں زبانوں پر مہارت کو ضروری سمجھا گیا ہے۔ تو قرآن شریف جیسی معجز کتاب اللہ کی درست ترجمانی اس کے بغیر ممکن ہونے کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 17:۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۴۴ میں یہودیوں کے غیر معیاری مشائخ اور علماء سوٗ یعنی اُن کے ربانی اور احبار گفتہ خواص کی مخصوص بے اعتدالیوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" جس کا ترجمہ کنزالایمان میں "تو کیا تمہیں عقل نہیں" کے الفاظ میں کیا ہے جو واقعہ لُغت اور فصاحت وبلاغت کے معیار پر پورا ہونے کے ساتھ آیت کریمہ کی عبارۃ النص کے بھی مطابق ہے بخلاف اُن دوسرے تراجم کے جن میں "کیا تم سمجھتے نہیں" کے الفاظ میں کیا گیا ہے یا "پھر کیوں نہیں سوچتے ہو" یا "کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں" یا "کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے" یا "پھر کیوں نہیں سمجھتے" جیسے الفاظ لائے گئے ہیں وجہ تفریق یہ ہے کہ متن کے الفاظ "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" کے ضمن میں عقل کا لفظ موجود ہے اور یہ اُردو زبان میں کثیر الاستعمال بھی ہے اور مانوسۃ الاستعمال بھی ایسے میں اُس کی جگہ سوچنے اور سمجھنے جیسے الفاظ کو

لانا بغیر کسی ضرورت کے ہے جو خلاف فصاحت ہے نیز یہ کہ عقل کی جگہ ان الفاظ کو استعمال کرنے سے مذکورہ تراجم میں لسانی ثقل آ گیا ہے جیسے کنز الایمان والے ترجمہ کے ساتھ موازنہ کرنے سے محسوس ہو رہا ہے ایسے میں ان تراجم کو فصیح و بلیغ کہنے کا کیا جواز ہے۔ بلاغت کے معیار سے گرنے کے ساتھ دوسری خرابی ان میں یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ کی عبارۃ النص کے مطابق نہیں ہیں کیونکہ آیت کریمہ کے سیاق وسباق اور لفظ ''اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ'' کے لُغوی مفہوم کا تقاضا یہی ہے کہ یہاں پر ہمزہ استفہام انکار مع التوبیخ کیلئے ہے یعنی تقاضائے عقل کے خلاف کرنے پر اللہ تعالیٰ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے ساتھ اُن پر توبیخ بھی فرما رہا ہے کہ یہ روش چھوڑ دو۔ جس وجہ سے اس قسم مقامات پر واقع ''لَاتَشْعُرُوْنَ'' یا ''لَا یَشْعُرُوْنَ'' کا ترجمہ ''سمجھتے نہ ہو، یا تمہیں سمجھ نہیں، یا تمہیں عقل نہیں، یا تمہیں خبر نہیں'' جیسے الفاظ میں کرنا بلیغ کہلانے کے لائق ہیں نہ اللہ تعالیٰ کے اس بلیغ کلام کے تراجم کہلانے کے قابل بلکہ ایسے تمام مقامات کا درست اور عبارۃ النص کے مطابق ترجمہ کیلئے ویسے ہی الفاظ استعمال کرنا ضروری ہے۔ جیسے کنز الایمان میں استعمال کئے گئے ہیں یعنی شعور نہیں ہے۔ بلاکم وکاست یہی حال سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۹ کے پیش نظر مقام کے ترجمہ کا بھی ہے کہ یہاں پر ان غیر متنازعہ حقائق کی روشنی میں عبارۃ النص کے مطابق ترجمہ صرف کنز الایمان کا ہی ہے۔ (ما اکملہ ترجمۃ لکلام اللہ، ما احسنہ رعایۃ لمراتب الحقائق، فجزاہ اللہ عن جمیع الامہ احسن الجزا)

وضاحتی مثال نمبر 18:۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۴۷ ''وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ'' کا ترجمہ کنز الایمان میں اس طرح کیا گیا ہے ''اور یہ کہ اُس سارے زمانہ پر تمہیں بڑائی دی'' کنز الایمان کا یہ ترجمہ فصاحت و بلاغت میں قرآن شریف کے شایان شان ہونے کے ساتھ اصل حقائق کے بھی مطابق ہے جبکہ دوسرے وہ تراجم جن میں ''میں نے تم کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی'' یا ''میں نے تم کو بڑائی دی تمام عالَم پر'' یا ''میں نے تمہیں جہاں پر فضیلت دی تھی'' یا ''ہم نے تم کو دنیا جہاں کے لوگوں پر ہر طرح کی فوقیت دی تھی'' کہ یہ بلاغت کے منافی ہونے کے ساتھ واقعہ کے خلاف اور قابل اعتراض بھی ہیں اس تفریق کو سمجھنے کیلئے آیت کریمہ کی ترکیبی حقیقت اور ''اَلْعٰلَمِیْنَ'' کے واقعی مصداق کو جاننے کی ضرورت ہے وہ اس طرح ہے کہ آیت کریمہ ''وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ'' مصدر ماوّل ہو کر منصوب محلاً مفعول بہ ہے ''اذکروا'' کیلئے اسلئے کہ یہ نِعْمَتِیْ پر معطوف ہے اور اس کا مصدر ماوّل ہونے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنہیں مطلق زمانہ ماضی میں عالمین پہ فضیلت دینے کے سوا کوئی اور چیز معتبر نہیں ہے نہ زمانہ بعید نہ قریب نہ استمراری بلکہ مطلق ماضی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا فضیلت یاب ہونے سے زیادہ قطعاً کوئی چیز اس میں معتبر نہیں ہے۔ جیسے لفظ ''فَضَّلْتُکُمْ'' کا ماضی مطلق ہونے سے معلوم ہو رہا ہے ایسے میں اِن میں مترجمین کا ''فضیلت بخشی تھی، فضیلت دی تھی یا فوقیت دی تھی'' کہہ کر ماضی بعید کا اظہار کرنا اصل متن کے مصدر ماوّل کا ترجمہ کیونکر قرار پا سکتا ہے۔ جب مطابق اصل ہی نہیں ہے تو پھر فصیح و بلیغ ہو سکتا ہے نہ نحوی ترکیب کے مطابق جبکہ کنز الایمان کا مذکورہ ترجمہ ہر اعتبار سے مطابق اصل ہو کر مصنف کے کمال عرفان کی دلیل بن رہا ہے۔

﴿دوسرا عرفانی امتیاز﴾

اس کا یہ ہے کہ لفظ ''اَلْعٰلَمِیْنَ'' جو عالَم بمعنیٰ ''ما یعلم بہ الصانع'' کی جمع ہے اپنے لُغوی مفہوم کے اعتبار سے اگرچہ جملہ خلائق کو شامل ہے جس میں اولین و آخرین، چھوٹے بڑے اور اعلیٰ و ادنیٰ کی کوئی تفریق نہیں ہے لیکن استعمال میں مرادی مفہوم اس کا ہمیشہ ایک جیسا نہیں ہوتا اور ہر موقع استعمال میں اس سے مراد جملہ خلائق نہیں ہو سکتے بلکہ سیاق وسباق کی روشنی میں ہی مراد متکلم کی پہچان ہو سکتی

ہے کیونکہ دنیائے خلائق کے انواع ہزاروں اور لاکھوں قسموں میں موجود ہیں جن میں سے ہرنوع کی جبلت وفطرت دوسرے سے مختلف ہے اور ہرنوع اپنے خالق وصانع جل جلالہ کی یکتائی ذات وصفات پر دلالت کررہا ہوتا ہے جس کے مطابق ہرنوع کے ماتحت پائے جانے والے افراد وجزئیات خارجیہ میں سے ایک ایک فرد کا اُس وحدہ لاشریک کی یکتائی ذات وصفات پر دلالت کرنے کی طرح اُن سب پر صادق آنے والا نوع بھی مستقل دلیل ہے فرق صرف نوعیت وفردیت کا ہے کہ افراد کی دلالت دلیل فردی کی حیثیت سے ہے جبکہ اُن پر حمل ہونے اور صادق آنے والے نوع کی دلالت دلیل نوعی کی حیثیت سے ہے۔اسی نکتہ کی بنیاد پر عالَم کو استغراق کا صیغہ بنا کر "اَلْعٰلَمِیْنَ" کی شکل میں کبھی اُس سے مراد جملہ انواع خلائق مراد لئے جاتے ہیں۔جیسے آیت کریمہ: "وَاللّٰہُ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" اور "الا ان یشآء اللہ رب العٰلمین"

جیسے نصوص میں ہے اور کبھی اس سے مراد ایک ہی نوع کے جملہ افراد ہوتے ہیں۔جیسے "اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" (سورۃ الحجر، آیت نمبر ۷۰) میں ہے اور کبھی ایک سے زیادہ چند انواع کے تمام افراد ہوتے ہیں۔جیسے "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کی تفسیر میں بعض اسلاف نے فرمایا کہ اس سے مراد صرف انس وجن اور ملائکہ کے جملہ افراد ہیں۔ الغرض قرآن شرف کے اس لفظ "اَلْعٰلَمِیْنَ" کے مصداق ومظہر کی تعیین متعلقہ کلام کے سیاق وسباق کو دیکھے بغیر ممکن نہیں ہے ورنہ کلام کا درست ترجمہ ممکن ہوسکتا ہے نہ مراد الٰہی کی پہچان۔یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جس کی روشنی میں پیش نظر آیت کریمہ اور اس جیسے اُن تمام مقامات جو قرآن شریف کے اندر آئے ہیں، کے کئے گئے تراجم کا تقابلی جائزہ لینے سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ کنزالایمان کے ماسوا باقی وہ سب کے سب نامناسب اور خلاف حقیقت ہیں جن میں "میں نے تم کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی" یا "میں نے تم کو بڑائی دی تمام عالَم پر" یا "میں نے تمہیں جہان پر فضیلت دی تھی" یا "ہم نے تم کو دنیا جہان کے لوگوں پر ہر طرح کی فوقیت دی تھی" جیسے الفاظ ہیں کیونکہ ان میں سے جن تراجم میں بنی اسرائیل کو جہان کے لوگوں پر فضیلت دینے کا کہا گیا ہے اُن میں لفظ "اَلْعٰلَمِیْنَ" سے مراد مطلق استغراق نوعی لیا گیا ہے کہ نوع بنی آدم کے تمام افراد پر اُنہیں بڑائی وفضیلت بخشی گئی تھی جو خلاف حقیقت ہے کیونکہ اُن سے پہلے گزرے ہوئے اور آئندہ آنے والے صلحاء اور ذوات قدسیہ انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر انہیں ہرگز فضیلت نہیں دی گئی تھی ایسے میں اِن تراجم کو کس طرح اس آیت کریمہ کا حقیقی ترجمہ کہا جاسکتا ہے؟ اور جن تراجم میں لوگوں کا ذکر کئے بغیر تمام عالَم پر یا جہان پر بنی اسرائیل کو فضیلت دینے کا کہا گیا ہے اُن میں لفظ "اَلْعٰلَمِیْنَ" کو دنیائے اجناس کے جملہ انواع وافراد میں استغراق سمجھا گیا ہے یہ بھی خلاف حقیقت ہے کیونکہ گزشتہ وآئندہ کے صلحاء وانبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور ملائکۃ اللہ الکرام جیسے عظیم سے عظیم تر افراد عالَم پر ان کو ہرگز فضیلت نہیں تھی۔ایسے میں ان کو کلام اللہ کا درست ترجمہ کہنے کی کیا تک ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 19:۔

سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۴۹ "وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ" کا کنزالایمان میں ترجمہ کیا گیا ہے "اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بلا تھی" یا بڑا انعام" اِس میں آیت کریمہ کے اندر موجود ممکنہ ترکیبی احتمالات کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ لفظ "بَلَآءٌ" کے اندر من حیث اللغۃ پائے جانے والے مفہومات کا بھی پورا پورا خیال رکھا گیا ہے اس سے بڑھ کر کمال یہ کہ بریکٹ میں "بڑا انعام" کہہ کر ترجمۃ القرآن کے احتیاطی تقاضوں پر بھی حتی المقدور عمل کیا گیا ہے جو دوسرے تراجم میں ناپید ہیں نکتہ تفریق کے اِس راز کو سمجھنے کیلئے مندرجہ ذیل حقائق کو جاننا ضروری ہے؛

(۱) یہ کہ قرآن شریف کے کسی لفظ میں ایک سے زیادہ معانی کا یکساں احتمال موجود ہو یعنی تقاضائے مقام یا لُغت کے اعتبار سے ہر ایک کے درست ہونے کے باوجود کوئی ایک مرادِ الٰہی متعین ہونے پر کوئی دلیل وقرینہ جب موجود نہ ہو تو اُس کا ترجمہ کرنا مترجم کی علمی آزمائش وامتحان ہونے کے ساتھ مقتضائے احتیاط بھی ہوتا ہے کہ متن کے مطابق ایسا ترجمانی لفظ لائے جو سب کو شامل ہو سکے اگر ایسا لفظ لانا ممکن نہ ہو تو پھر کم از کم اتنا کریں کہ کسی بھی قابل فہم انداز سے اُن کا اشارہ ضرور دریں ورنہ صرف ایک کو لے کر دوسرے احتمالات کو ترک کرنے سے ترجمہ کہلانے کے قابل نہیں رہے گا۔ کسی بھی کتاب کے معیاری ترجمہ کیلئے مقررہ اِس اُصول سے قرآن شریف کا ترجمہ ہرگز مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ اللہ کی اِس عظیم کتاب کے معیاری ترجمہ کیلئے اِس کی اہمیت دوسری کتابوں سے کہیں زیادہ ہے۔

(۲) یہ کہ آیت کریمہ میں لفظ "بَلَآءٌ" کے اندر لُغۃً بھی اور تقاضائے مقام وترکیب نحوی کے اعتبار سے بھی چار مفاہیم اور معانی کا برابر احتمال موجود ہے۔

(i) یہ کہ اس سے مراد صدمہ وغم ہو اور "وَفِیْ ذٰلِکُمْ" کا اشارہ اس سے ماقبل مذکورہ شدہ سبب غم وصدمہ "یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآئَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآئَکُمْ" کی طرف ہو۔

(ii) یہ کہ اِس میں مراد مشقت وسیآت کے ساتھ ابتلاء وآزمائش میں رکھنا ہو اور اسم اشارہ یہاں پر بھی "یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآئَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآئَکُمْ" کے فاحصہ کی طرف ہو۔ یہ اسلئے کہ فراعنہ کے ہاتھوں یا کسی بھی ظالم کے ہاتھوں جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے ماتحت ہی ہوتا ہے جس میں تقدیر کے پوشیدہ اسرار موجود ہوتے ہیں جس کو سر القدر یعنی تقدیر کا راز کہا جاتا ہے۔

(iii) یہ کہ اِس سے مراد راحت وحسنات کے ساتھ آزمانا ہو اور لفظ "وَفِیْ ذٰلِکُمْ" کا اشارہ اللہ کے فرمان "وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ" کی طرف ہو۔ جیسے قرآن شریف کے دوسرے مقام پر فرمایا "وبلونا هم بالحسنات والسیآت" جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے کبھی راحت وحسنات کے ساتھ اور کبھی تکلیف وسیآت کے ساتھ اُنہیں آزمایا۔ (سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۱۶۸)

(iv) یہ کہ اِس سے مراد آزمائش سے قطع نظر محض تفضّل وکرم اور احسان وانعام ہو اور لفظ "وَفِیْ ذٰلِکُمْ" کا اشارہ "وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ" کے حاصل مضمون کی طرف ہو۔ متن لُغت کی کتابوں میں لفظ "بلآء" کے اِن متعدد مفہومات ومعانی کی موجودگی کے ساتھ قرآن شریف کی معتبر ترین لُغت "مفردات امام الراغب الاصفہانی" کے اندر بھی یہ سب موجود ہیں۔ ایک مقام پر لکھا ہے: "وَسُمِّیَ الغَمُّ بَلَآءً مِن حیث اَنَّهٗ یُبلِی الجسمَ" ایک جگہ پر احکام شرعیہ تکلیفیہ کو اور انسان کی منجانب اللہ مکلفیت کو "بلآء" کہنے کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے "والثالثُ اَنّ اِختبارَ اللّٰه تعالٰی لِلْعِباد تارةً بالمسّار لِیشکُرُوْا وَتارةً بالمضار لِیَعبرُوْا فَصارَتِ المحنَةُ والمنحَةُ جَمِیْعاً بَلآءً" اور تیسرے مقام پر بالخصوص سورۃ البقرۃ کی اسی آیت میں واقع لفظ "بلآء" سے مرادِ الٰہی کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھا ہے: "وَقَوْلُهٗ عَزَّوَجَلَّ وَفِی ذَالِکُمْ بَلَآءٌ مِنْ رَبِّکُمْ راجعُ اِلٰی الامرین اِلٰی المحنَة اللتی فی قولِهٖ عَزوَجَلَّ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَائِکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ وَاِلٰی المنحَةِ اللّتی انجاهُم" (مفردات القران امام الراغب الاصفہانی، صفحہ ۶۰۔۶۱، مادہ بلآء)

(۳) یہ کہ اُردو زبان میں استعمال ہونے والا لفظ "بلا" کی اصل وبنیاد بھی عربی زبان کا یہی لفظ "بلآء" ہے ساتھ میں فرق ہونے کے علاوہ اِن کے مابین مفہومی فرق یہ ہے کہ عربی "بَلَآءٌ" مذکورہ چاروں معانی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ اُردو کی بلا میں اُن میں سے صرف دو مفہوم یعنی صدمہ وغم اور زحمت وسختی کے سوا باقی ایک بھی استعمال نہیں ہوتا"۔

فرہنگ آصفیہ، جلد۱، صفحہ ۴۰۷، مادہ۔ب،ل،الف میں اِس کے بنیادی طور پر سات مختلف معانی بتانے کیساتھ ہرایک کے تحت مزید ذیلی معانی ذکر کئے ہیں اُن میں سے عربی لفظ "بَـلَـآءٌ" کے مذکورہ صرف دو کی گنجائش ہے یعنی صدمہ اور سختی وزحمت جس کے مطابق صدمہ کو غم کی جگہ اور زحمت کو سیآت ومصائب کیساتھ آزمانے کی جگہ لیا جاسکتا ہے جبکہ باقی دو یعنی راحت وحسنات کے ساتھ آزمانے اور آزمائش سے قطع نظر محض احسان وانعام کا اُردو کی "بلا" کے معانی میں کوئی نام ونشان بھی نہیں ہے اِن حقائق کو سمجھنے کے بعد آیت کریمہ کے حوالہ سے کنزالایمان کے ترجمہ کی جامعیت اوراحتیاطی تقاضوں کو پورا کرنے کا کمال آپ ہی واضح ہوتا ہے۔اسلئے کہ "اِس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بلا تھی (یا بڑا انعام)" کہنے میں "بلا" زحمت وسختی کے معنی میں "بَلَآءٌ" کے مصائب وسیآت کے ساتھ آزمائش اور صدمہ وغم والے مفہوموں کے ترجمہ کا اظہار ہورہا ہے جبکہ بریکٹ میں "یا انعام" کہنے میں فرعونیوں سے نجات دلانے کے احسان وانعام کا اظہار ہورہا ہے۔بخلاف اُن دوسرے تراجم کے جن میں "اِس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے صبر کی بڑی سخت آزمائش تھی" یا "اِس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی سخت آزمائش تھی" کے الفاظ میں کیا گیا ہے کیونکہ ان سب میں صرف ایک ترکیب اور لفظ "بَـلَـآءٌ" کے صرف ایک مفہوم کے اظہار پر اکتفا کیا گیا ہے جو ترجیح بلا مرجح ہونے کی وجہ سے اصل کا اظہار ہرگز نہیں ہے۔اسی طرح جن حضرات نے "اِس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی" کے الفاظ میں کیا ہے وہ بھی اصل کی ترجمانی سے قاصر اور ترجیح بلا مرجح ہیں کیونکہ اِس ذکر کے تمام ترجموں میں لفظ "وَفِیْ ذٰلِکُمْ" سے مراد فرعونیوں سے نجات دلانے اور لفظ "بَـلَـآءٌ" سے مراد راحت وحسنات اور احسان وانعام کے ساتھ آزمانا مراد ہے۔علیٰ ہذا القیاس اِس قسم کے تمام تراجم کے اندر آیت کریمہ میں موجود احتمالات میں سے صرف ایک کا ہی اظہار کیا گیا جس کو اصل کا اظہار نہیں کہا جاسکتا، متن کا ترجمہ قرار نہیں دیا جاسکتا اور آیت کریمہ کی جامعیت کے مطابق اور احتیاطی تقاضوں پر عمل نہیں کہا جاسکتا جبکہ کنزالایمان کے مصنف نے ترجمہ کے مذکورہ انداز میں ہر اعتبار سے ترجمہ کا حق ادا کیا ہے جو ان کے عرفانی امتیاز کی دلیل ہے۔(فجزاہ اللہ احسن الجزاء)

وضاحتی مثال نمبر 20:۔

سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۵۳ "وَاِذْاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ" کا کنزالایمان میں ترجمہ کیا گیا ہے "اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور حق وباطل میں تمیز کردینا" کنزالایمان کے یہ الفاظ ہر اعتبار سے آیت کریمہ کی ترجمانی کا حق ادا کرنے کے ساتھ لفظ "فُـرْقَـانَ" کی جامعیت کے عکاس ہونے میں کمال رکھتے ہیں جس سے دوسرے تراجم خالی ہیں۔ اِس تفریق کا فلسفہ یہ ہے کہ لفظ "فُـرْقَـانَ" جو زیادتی لفظ کی بناء پر فرق کے مقابلہ میں زیادہ تفریق وامتیاز کرنے کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے اپنے لُغوی مفہوم، ترکیبی حیثیت اور کل مکاتب فکر مفسرین کرام کی تصریحات کے مطابق ممکن ہے کہ اس سے مراد تورات ہی ہو جس کے مطابق یہ اُس کیلئے عطفِ تفسیری ہے یا عطف نسق ہی ہو جس میں ایک ذات یعنی تورات کی منزل من اللہ ہونے کی صفت کو اور اُس کی فرقانیت والی صفت کو ایک دوسرے سے مستقل قرار دے کر عطف کیا گیا ہو نیز یہ کہ ممکن ہے کہ اس سے مراد تورات کے احکام ہو جن کو بطور قانون فیصل بین الحق والباطل معطوف بنادیا گیا ہو۔نیز ممکن ہے کہ اِس سے مراد حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے معجزات ہوں کیونکہ اُن سے بھی محق ومبطل کے درمیان تفریق وتمیز ہوجاتی ہے۔اور اس بات کا احتمال بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی نصرت ہو جس سے اہل حق اور اہل باطل کے مابین فرق وتمیز ہوجاتی ہے۔اصل متن کا اس قسم

متعدد احتمالات کے حامل ہونے کا تقاضا ہے کہ اُس کے ترجمہ میں بھی ایسے الفاظ لائے جائیں جو ان سب کو شامل ہوسکیں۔ ہزار آفرین کنزالایمان کے مصنف پر کہ تقاضائے ترجمہ کی تکمیل کیلئے باہر سے نہیں بلکہ اُسی کے اپنے لغوی اور مصدری مفہوم کو "حق و باطل میں تمیز کردینا" کے الفاظ میں ظاہر کردیا جو اختصار کے ساتھ متن میں موجود تمام احتمالات کو شامل ہورہا ہے اور ترجمہ مطابق اصل ہورہا ہے جبکہ دوسرے تراجم والوں نے اصل متن میں موجود ممکنہ احتمالات میں سے صرف ایک ایک کو متضاد طور پر اصل متن یعنی لفظ کا مصداق ظاہر کرکے عام کا ترجمہ خاص میں کردیا اور غیر مختص کو ایک ایک کے ساتھ خاص قرار دے کر اصل کی مخالفت کردی جس کو ترجمہ کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 21:۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۵۴ "فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ" کا ترجمہ کنزالایمان میں "آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو" کے الفاظ میں کیا گیا ہے جو لغت و محاورہ اور نحوی ترکیب کے مطابق ہونے کے ساتھ نفس الامری واقعہ کے بھی مطابق ہے بخلاف اُن ترجموں کے جن میں "مار ڈالو اپنی اپنی جان" یا "پھر اپنے آپ کو قتل کرو" یا "اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو" جیسے الفاظ سے تعبیر کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب سرکش بنی اسرائیل نے بچھڑا پرستی کے شرک کا ارتکاب کیا تو اُن میں بعض وہ جو خود اِس گمراہی سے دور رہے لیکن استطاعت کے باوجود گمراہوں کو اِس سے منع نہیں کیا اِس قسم کے لوگوں کی کثرت تھی، منع کرنے پر استطاعت کے باوجود منع نہ کرنا بجائے خود قابل سزا جرم ہے جو روز اول سے اللہ کے قانون عدل کا حصہ اور جاری عمل ہے۔ بچھڑا پرستی کے مرتکب مجرم مرتد ہونے کی بناء پر ویسے بھی مستحق قتل تھے ہی جبکہ منع کرنے سے بے اعتنائی برتنے والوں کے ساتھ خونی رشتہ وقرابت داری کے رشتوں میں منسلک بھی تھے تو اللہ تعالیٰ نے اِس دوسرے طبقہ کے مجرموں کی توبہ کیلئے یہ حکم دیا کہ تلوار اُٹھا کر اپنے ہی ان خونی رشتہ وقرابت داری اور بھائی، بیٹے، چچا اور عزیزوں کو قتل کریں جو شرک وارتداد کی وجہ سے واجب القتل قرار پاگئے تھے۔

دوسرا مسلمہ یہ بھی ہے کہ خودکشی کی موت کہ ارادتاً انسان اپنے آپ کو قتل کرے چاہے جس مقصد کیلئے بھی ہو ہماری شریعت میں حرام وممنوع ہے آیا سابقہ شریعتوں میں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بطور توبہ جائز تھا یا نہ اس کی ایک جانب بھی یقینی نہیں ہے جب تک کوئی قابل اعتماد شرعی دلیل موجود نہ ہو اُس وقت تک اس کو جائز نہیں کہا جاسکتا۔

تیسرا مسلمہ واقعہ یہ ہے کہ اِس آیت کریمہ میں مذکور حکم قتل کے حوالہ سے تفسیر کی کتابوں میں اس بات پر اجماع کا حوالہ دیا گیا ہے کہ اُمت کا اجماع ہے کہ بنی اسرائیل کے اُن مجرموں کو خود کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ مشتی نمونہ از خرواری تفسیر قرطبی میں اِس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے؛

"**واجمعوا علی انه لم یومر کل واحد من عبدة العجل بان یقتل نفسه بیده**" جس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل اسلام کے علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اُن تمام بچھڑا پرستوں کو خود اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ (تفسیر قرطبی، جلد ۱، صفحہ ۴۰۱، تحت الایۃ المذکورۃ)

چوتھا مسلمہ واقعہ اس حوالہ سے یہ ہے کہ شریعت موسوی میں توبہ کی غرض سے خودکشی کو جائز کہنے والوں کے مابین اُس کے جائز الوقوع یا غیر جائز الوقوع ہونے کے حوالہ سے اپنے آپس میں اختلاف ہے اکثر اُس کے جائز الوقوع نہ ہونے کے قائل ہیں۔ جیسے تفسیر کبیر، قرطبی وغیرہ میں لکھا ہوا موجود ہے۔

پانچواں مسلمہ یہ ہے کہ قرآن شریف پر تمام اہل قبلہ اور جملہ فرقہائے اسلام کا عقیدہ وایمان ہونے کا یہی تقاضا ہے کہ اس کے

ترجمہ کرنے میں بھی جانب داری نہ ہو، کسی کیلئے قابل اعتراض نہ ہو بلکہ اتحاد و یگانگت کا مظہر ہو۔ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر ان حقائق کی روشنی میں دیکھنے سے کنز الایمان والا مذکورہ ترجمہ اِن سب پر منطبق ہو رہا ہے بخلاف ان دوسرے تراجم کے کہ وہ اِن سب کے خلاف ہیں کیونکہ اُن حضرات نے اِن حقائق سے چشم پوشی کر کے آیت کریمہ کے محض ظاہری الفاظ کو ہی پیش نظر رکھا ہے اُس میں بھی خود قرآن شریف سے ہدایات لینے کے بجائے ''مقابلة الجمع بالجمع یقتضی تقسیم الاحاد علی الاحاد'' کے لُغوی اُصول سے مغالطہ کھا گئے، اُسے بے محل استعمال کیا اور اُس پر عمل کرنے کے مواقع سے بھی غفلت برتی جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ جیسے ''فاغسلوا وجوھکم'' میں ہر ایک کو اپنا اپنا منہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ ویسے ہی مجرم بنی اسرائیل کو بھی یہاں پر اپنی اپنی جانوں کو خود قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلئے کہ اُنہوں نے ''فاغسلوا وجوھکم'' میں ہر ایک کو اپنا اپنا منہ دھونے کے حکم پر قیاس کر کے یہاں پر بھی ''فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' کو مجرم بنی اسرائیل کیلئے ہر ایک کو اپنی اپنی جان قتل کرنے کا حکم سمجھا۔ جو مذکورہ حقائق کا خلاف ہے، یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ حضرات ''مقابلة الجمع بالجمع یقتضی تقسیم الاحاد علی الاحاد'' کے مواقع استعمال کو سمجھنے کیلئے ''وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ''(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۸۴) یا ''وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ''(سورۃ الحجرات، آیت نمبر ۱۱) یا ''ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ''(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۸۵) پر بھی غور کرتے تو اِس غلطی کا ارتکاب کبھی نہ کرتے ایسے میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ کنز الایمان کی شکل میں اگر قرآن شریف کا ترجمہ موجود نہ ہوتا تو اِن دوسرے تراجم کو پڑھ کر استحکام ایمان کے بجائے تزلزل ایمانکا ارتکاب کیا جاتا ایسے میں ہر اُردو دان مسلمان کو اس کے مصنف کا یہ احسان سمجھنا چاہئے۔(فللہ درہ ما احسنہ معرفۃ ودرایہ)

وضاحتی مثال نمبر 22:۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۵۸ ''وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ'' کا ترجمہ کنز الایمان نے ان الفاظ میں کیا ہے ''اور جب ہم نے فرمایا اس بستی میں جاؤ پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹھوک کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں'' اِس میں دوسرے تراجم پر پانچ وجوہ سے برتری اور عرفانی امتیاز کا ثبوت ہے۔

اول ''وَاِذْ قُلْنَا'' کے ترجمہ میں ''قُلْنَا'' کا صیغہ جو انسانوں کے کلام میں متکلم مع الغیر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں متکلم مع الغیر اور جمع ہرگز نہیں بلکہ واحد متکلم معظم لنفسہ ہے جس سے غفلت کی بناء پر اکثر حضرات اس کو بھی جمع ہی کہتے ہیں جو لُغت اور نحاۃ کی تصریحات کے منافی ہے جس کی مکمل تحقیق بمع حوالہ جات ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کے ترجمہ کے حوالہ سے گزشتہ صفحات میں ہم کر آئے ہیں دوسرے سطحی حضرات کی طرح اکثر مترجمین حضرات نے بھی اول سے آخر تک پورے قرآن شریف میں اس اہم تفریق سے غفلت برتی ہے۔ جبکہ کنز الایمان کے مصنف نے اس قسم مقامات کا حق ترجمہ انجام دیتے ہوئے ان کے واحد متکلم معظم لنفسہ ہونے کا اظہار ''ہم نے فرمایا'' کے الفاظ میں کیا ہے جو بالیقین اُن کا عرفانی امتیاز ہے بخلاف اُن مترجمین کے جنہوں نے اِس قسم کے الفاظ کے ترجمہ میں ''ہم نے کہا'' لکھا ہے جس سے اِن الفاظ کو صیغہ جمع سمجھنے کا تاثر عیاں ہے، جو غلط ہے۔

﴿دوسرا عرفانی امتیاز﴾

اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں دوسرا عرفانی امتیاز ''اُدْخُلُوْ ا ھٰذِہِ الْقَرْيَةَ'' سے متعلق ہے کہ اس کے ترجمہ میں ''اس بستی میں جاؤ'' کہہ کر لفظ قریہ کے لُغوی مفہوم میں جو وسعت تھی اُس کو پیش نظر رکھا گیا ہے بخلاف دوسرے مترجمین کے کہ اُن میں سے بعض نے ''قریہ'' کا ترجمہ گاؤں کے معنی میں اور بعض نے شہر کے معنی میں کر کے ایک وسیع المفہوم لفظ کو اُس کے ایک مصداق کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔

اِس کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ ''قریہ'' قرآن شریف کی زبان میں آبادی کو کہتے ہیں، چاہے گاؤں ہو یا شہر، مفردات القرآن للامام الراغب الاصفہانی میں ہے؛ ''القریة اسم للموضع الذی یجتمع فیه الناس'' جس وجہ سے اس کے مواقع استعمال بھی ہر قسم آبادی کو شامل ہیں اور آیت کریمہ میں اِس سے جو بستی مراد ہے وہ جمہور مفسرین کے مطابق بیت المقدس شریف ہے اور جس وقت بنی اسرائیل کو اُس میں جانے کا یہ حکم ہوا تھا اُس کے اُس وقت کے حجم سے متعلق کچھ کہنا ممکن نہیں ہے کہ اُس کی حیثیت گاؤں کی تھی یا شہر کی ایسے میں اُس کے ترجمہ کو گاؤں یا شہر کے ساتھ مختص قرار دینے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اِس کے مفہوم کو گاؤں یا شہر کے ساتھ مختص ظاہر کرنے والوں کو اگر اس کے مواقع استعمال پر نظر ہوتی یا کم از کم اس کے لُغوی مفہوم میں پائے جانے والی وسعت کو پیش نظر رکھا گیا ہوتا تو کبھی ایسے نہ کرتے جبکہ کنزالایمان کے ''اِس بستی میں جاؤ'' والا ترجمہ مترجم کے ان دونوں فریضوں پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے۔ جو اُن کے عرفانی امتیاز کی نشانی ہے۔

﴿تیسرا عرفانی امتیاز﴾

''اُدْخُلُوْا'' کے ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کا ترجمہ ''جاؤ'' میں کر کے ''وَ اُدْخُلُوا'' کے عرفی مفہوم کے ساتھ اس کے مفہوم مرادی کو بھی ظاہر کیا ہے بخلاف اُن مترجمین کے جنھوں نے ''داخل ہو'' کیا ہے یا ''داخل ہو جاؤ'' کیا ہے۔ یہ تفریق اس لئے ہے کہ ان ترجموں میں کسی ایک کے اندر بھی اصل لفظ کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا ہے بلکہ اصل لفظ کو اُردو زبان کا رنگ دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ لفظ اپنے لُغوی اور استعمالی مفہوم کے اعتبار سے اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ اندر جائے بغیر صرف دروازہ کے اندر قدم رکھا جائے جس پر قسم سے متعلقہ احکام بھی مرتب ہو سکتے ہیں جبکہ آیت کریمہ میں مراد الٰہی ہرگز ایسی نہیں ہے کیونکہ آیت کریمہ میں دروازہ کے اندرون بستی میں جانا ہی مراد ہے جیسے آیت کریمہ کے سیاق وسباق سے مفہوم ہو رہا ہے۔ جس کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ کر کے کنزالایمان کے مصنف نے قرآن شریف کی ترجمانی کا حق ادا کیا ہے۔

﴿چوتھا عرفانی امتیاز﴾

آیت کریمہ کے مذکورہ ترجمہ میں کنزالایمان کا یہ ہے کہ اس میں ''سُجَّداً'' کے ترجمہ میں اس کی نحوی ترکیب اور بلاغت کا پورا پورا خیال رکھنے کے ساتھ ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے جو سجدہ کے تینوں لُغوی مفہوموں سمیت شرعی مفہوم کو بھی شامل ہو رہا ہے بخلاف دوسرے تراجم کے جن میں ''سجدہ کرتے ہوئے'' یا ''دروازہ میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا'' جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

اس تفریق کی تفصیل اس طرح ہے کہ لفظ سجدہ کے لُغت میں تین مفہوم ہیں؛

ایک یہ کہ جس چیز سے یا جس کسی سے جس عمل کا تقاضا کیا جائے وہ اُس کو پورا کریں عام اس سے کہ ایسا کرنے یا نہ کرنے کی ہر جانب پر اختیار وقدرت ہونے کے باوجود اختیاری طور پر ایسا کریں۔ جیسے انسان کا اطاعت گزاری کی شکل میں ہر عمل وہر عبادت چاہے جس شکل میں بھی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان سے اپنی اطاعت گزاری وعبادت کا تقاضا کیا ہوا ہے جس کو ان عبادات کی شکل میں وہ پورا کر رہا ہوتا ہے یا ایسا نہ کرنے کا اختیار وقدرت نہ ہونے کی صورت میں

محض جبلی وفطری طور پر ایسا کررہا ہو جیسے انسان کے ماسوا دوسرے حیوانات اور جمادات ونباتات اور جملہ اعیان اور اُن کے تابع عوارض کا اللہ تعالیٰ کے امر تکوینی کے مطابق چلنا، منشاء مولیٰ جل جلالہ کے مطابق منہج پر جاری ہونا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ خود کار نظام تکوین کے طبعی تقاضوں کو پورا کرنا۔ جیسے "وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" یعنی جو خلائق آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں وہ سب کے سب اللہ کیلئے سجدہ کرتے ہیں۔

(سورۃ النحل، آیت نمبر ۴۹)

"يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ" یعنی ان اعیان کے سایہ بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے حسب الاوقات دائیں اور بائیں طرف جھکتے ہیں۔

(سورۃ النحل، آیت نمبر ۴۸)

"وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ" یعنی درخت اور بیل بوٹیاں بھی سجدہ کرتی ہیں۔ (سورۃ الرحمٰن، آیت نمبر ۶)

جیسے نصوص کے علاوہ متن لُغت کی کتابوں میں بھی سجدہ کے ان مفہومات کا معتبر فی اللغت ہونا ثابت ہے۔ جیسے لسان العرب، جلد ۳، صفحہ ۲۰۶ میں ہے: "وکل من ذل وخضع لما امر بہ فقد سجد" اور اس سلسلہ میں شاعر کے اُس مشہور کلام کو بھی علم متن لُغت والوں نے ذکر کیا ہے۔ جس میں اُس نے "تری الاکم فیھا سجدا للحوافر" کہہ کر تیز رفتار گھوڑوں کے سموں کے سامنے ٹبوں کے تابع ہونے کو بیان کیا ہے۔ جیسے لسان العرب، جلد ۳، صفحہ ۲۰۶ میں ہے، اسی طرح المصباح المنیر میں ہے: "وکل شئی ذل فقد سجد"

﴿سجدہ کے دوسرے اور تیسرے لُغوی مفہوم﴾

یہ ہے کہ کسی کی تابعداری کے اظہار کے طور پر اُس کے سامنے سر جھکایا جائے۔ جیسے مفردات القرآن الراغب الاصفہانی میں ہے: "السجود اصلہ التطامن والتذلل"

تیسرا لُغوی مفہوم یہ کہ کسی کی تعظیم کیلئے اُس کے سامنے سر اور ماتھا زمین پر رکھا جائے۔ جیسے لسان العرب، جلد ۳، صفحہ ۲۰۴ میں ہے: "سجد، یسجد، سجودا وضع جبھتہ بالارض"

نیز المصباح المنیر، جلد ۱، صفحہ ۲۶۶ میں ہے: "سجد الرجل بمعنی وضع جبتہ بالارض"

﴿سجدہ کا شرعی مفہوم﴾

یہ کہ عبادت کی نیت سے سر اور ماتھے کو زمین پر رکھا جائے۔ جیسے المنجد میں ہے: "سجد بمعنی وضع جبتہ بالارض متعبداً" سجدہ اپنے اس مفہوم کے اعتبار سے صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کسی اور کیلئے نہ کبھی جائز ہوا ہے نہ کبھی ہوگا کیونکہ عبادۃ اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہونے کی بناء پر اُس کی ظاہری وباطنی تمام شکلیں بھی اُسی کے ساتھ خاص ہیں من جملہ اُن میں سے سجدہ کا یہ مفہوم بھی ہے۔ سجدہ کے ان مفاہیم کو سمجھنے کے ساتھ کنز الایمان کے اس آیت کریمہ کے حوالہ سے مذکورہ ترجمہ کے دوسرے تراجم کے ساتھ تقابلی جائزہ وتفریق کو سمجھنے کیلئے "سُجَّدًا" کا "وَّادْخُلُوا الْبَابَ" کے ساتھ ترکیبی ارتباط کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ بلا نکیر تمام مفسرین کرام متفق ہیں کہ یہ "ادْخُلُوا الْبَابَ" سے حال ہے جس کے مطابق مفہوم اس طرح ہوگا کہ سجدہ کرنے کی ہیئت کے ساتھ داخل ہو جاؤ کہ تمہارے داخل ہونے اور سجدہ کرنے کا وقت ایک ہو۔ یہ اسلئے کہ حال اور اُس کے عامل کا وقت ہمیشہ ایک ہونا ضروری ہے۔ جبکہ دُخول ہوتے وقت سجدہ اور سجدہ کرتے وقت دخول کا ایک وقت میں اجتماع ممکن نہیں ہے۔ اس محظور وناممکن صورت کو دیکھ کر بلا تخصیص کل مکاتب فکر اہل اسلام کے مفسرین کرام نے نحوی ترکیب کے حوالہ سے اس متفقہ صورت کی صحت کیلئے مندرجہ ذیل احتمالات کا امکان بتایا ہے۔

(۱) یہ کہ سجدہ سے مراد اُس کا شرعی مفہوم ہو اور حال سے مراد حال مقارنہ نہیں بلکہ حال مقدرہ ہو جس کے مطابق آیت کریمہ کا حاصل مفہوم اس طرح ہوگا کہ "ادخلوا الباب مُقَدِّرِین السجود الشرعی الشکری" یعنی بستی کے اندر جانے کے بعد سجدۂ شکر ادا کرنے کی قلبی تقدیر و مصمم ارادہ کے ساتھ اُس کے دروازہ میں داخل ہوجاؤ۔

(۲) یہ کہ سجدہ سے مراد اُس کے پہلے لُغوی مفہوم ہو اور حال سے مراد حال مقارنہ ہو جس کا حاصل مفہوم اس طرح ہوگا کہ "ادخلوا الباب **مطاوعین و منقادین لاوامر الله**"

(۳) یہ کہ سجدہ کا دوسرے لغوی مفہوم مراد ہو اور حال سے مراد حال مقارنہ ہو اس صورت میں حاصل مفہوم یوں ہوگا کہ "ادخلوا الباب **مطامنین اؤسکم لعظمت الله**"

(۴) یہ کہ سجدہ سے مراد اُس کے تیسرے لُغوی مفہوم مراد ہو اور حال سے مراد حال مقدرہ ہو اس صورت میں حاصل مفہوم اس طرح ہوگا کہ
"ادخلوا الباب مقدرین وضع الجبهة علی الارض لعظمت الله"

یہ وہ حقائق ہیں جن کو جمہور مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کے حوالہ سے بیان کیا ہوا ہے جن کو پیش نظر رکھے بغیر آیت کریمہ کا ترجمہ درست ہو سکتا ہے نہ کسی قابل فہم مقصد اور عبارۃ النص کا تصور ممکن ہو سکتا ہے۔ ان ناگزیر حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد کنزالایمان کے مذکورہ ترجمہ کا دوسرے تراجم کے ساتھ تقابلی جائزہ لینے سے زمین و آسمان جتنا فرق معلوم ہورہا ہے کیونکہ کنزالایمان والا ترجمہ "دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو" اصل متن کے جملہ الفاظ کی فصیح ترجمانی کرنے کے ساتھ ان چاروں حقائق کو بھی یکساں شامل ہے، جمہور مفسرین کرام کی تصریحات کا مظہر ہے اور نحوی ترکیب کے جملہ احتمالات کو محیط ہے جبکہ دوسرے تراجم میں یہ کمالات مفقود ہیں کیونکہ جن حضرات نے اس کے ترجمہ میں "دروازہ میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا" کہا ہے یا جنہوں نے "داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے" جیسے الفاظ لکھ دیئے ہیں وہ صرف سجدہ کے شرعی مفہوم کا مشعر ہے وہ بھی حال مقارنہ کی شکل میں جس کے مامور بہ ہونے کا امکان ہی نہیں ہے کیونکہ شرعی مفہوم کے مطابق سجدہ میں ہونے کی حالت میں سجدہ کے سوا کوئی اور عمل ناممکن ہے چہ جائیکہ پاؤں سے چل کر اندر داخل ہونے کا عمل ممکن ہو سکے۔

ان تمام حضرات کو محض اس وجہ سے یہ مغالطہ ہوا ہے کہ آیت کریمہ کا ترجمہ کرتے ہوئے انہوں نے لفظ "سُجَّدًا" کے محض شرعی مفہوم کو ہی پیش نظر رکھا اور "سُجَّدًا" کے منصوب ہونے کے حوالہ سے حال ہونے کی حتمی صورت پر ہی نظر جمائی کاش وہ اگر اس کے ساتھ مذکورہ ناگزیر حقائق کو بھی پیش نظر رکھتے تو کبھی ایسا نہ کرتے جبکہ کنزالایمان کے مصنف کے کمال عرفان کا راز ان سب پر نگاہ رکھنے میں پوشیدہ ہے جس سے آیت کریمہ کی جامعیت کا اظہار ہورہا ہے۔(**فاحسن الله اجره کیف ادیٰ حق ترجمة کلام الله تعالیٰ**)

﴿پانچواں عرفانی امتیاز﴾

آیت کریمہ کے مذکورہ ترجمہ میں کنزالایمان کا "وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ" کا ترجمہ "اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں" کے الفاظ سے عیاں ہورہا ہے۔ کہ یہ آیت کریمہ میں موجود تمام الفاظ کی فصیح تعبیر، حشو و زوائد سے پاک اور آیت کریمہ کی عبارۃ النص کے مطابق ہونے کے ساتھ لفظ "حِطَّةٌ" میں موجود ممکنہ احتمالات کو بھی محیط ہے بخلاف اُن دوسرے تراجم کے جن میں بعض "کہتے جاؤ بخش دیں" اور بعض نے "حطۃ کہنا" اور بعض نے "حطۃ کہتے جانا" کے الفاظ میں کیا ہے۔ اس تفریق کا راز یہ ہے کہ لفظ "حِطَّةٌ" کی بنیاد اور اصل حَطّ ہے۔ جو حَطَّ، یَحُطُّ، حَطًّا استعمال ہوتا ہے جس کے معنی گناہوں کو جھاڑنے اور معاف کرنے کے ہیں اور ثلاثی مزید فیہ بنا کر باب انفعال سے یعنی

اِنحطَّ، یَنحطُّ، اِنحطاطاً استعمال ہونے کی صورت میں متعدی کے بجائے لازم ہوکر زوال، پستی اور نیستی کی طرف جانے کے مفہوم میں ہوتا ہے جبکہ لفظ "حِطَّۃٌ" جلسۃ کے وزن پر بجائے خود مصدر نوعی ہے جو گناہوں کی بخشش کے بعد حاصل ہونے والی پاکیزگی کی مخصوص ہیئت پر دلالت کرتا ہے۔ لغوی مفہوم کے اعتبار سے اس حقیقت کی روشنی میں آیت کریمہ "وَّقُوۡلُوۡا حِطَّۃٌ" سے مراد الٰہی اور عبارۃ النص اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ بنی اسرائیل کو اس آیت کریمہ میں سابقہ گناہوں کی بخشش و معافی کا سوال کر کے حط الذنوب کے بعد حاصل ہونے والی پاکیزگی کی مخصوص ہیئت کی تمنا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

آیت کریمہ میں واقع لفظ "حِطَّۃٌ" کے مرفوع استعمال ہونے کی توجیہ و تعبیر میں مفسرین کرام کا انداز عمل مختلف ہونے کے باوجود مذکورہ مفہوم کو عبارۃ النص اور مراد الٰہی سمجھنے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے ایسے میں جو ترجمہ بھی اس کے منافی ہوگا اُسے کسی صورت بھی جائز و درست نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ "وَّقُوۡلُوۡا حِطَّۃٌ" کے الفاظ میں جن بنی اسرائیل کو سابقہ گناہوں کی معافی کا سوال کر کے حط الذنوب کے بعد حاصل ہونے والی پاکیزگی کی مخصوص ہیئت کی تمنا کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ عربی نہیں بلکہ عجمی تھے اُن کی زبان میں اس عبارۃ النص پر دلالت کرنے والے لفظ کا "حِطَّۃٌ" ہونا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے مفہوم و مقصد کا وجود ضروری ہے چاہے اُن کی اپنی زبان میں اس کیلئے استعمال ہونے والا کوئی بھی لفظ ہو ایسے میں یہاں پر فی الواقع دو احتمال ہیں۔

ایک یہ کہ عربی زبان کے اس لفظ کے مفہوم کے مطابق اپنی زبان کے کسی بھی الفاظ میں اس حکم پر عمل کرنا یہ احتمال قرآن شریف کے عمومی انداز بیان اور حکایت کے مخصوص الفاظ اور محکی عنہ کے الفاظ سے قطع نظر محض معنویت اور واقعیت پر مشتمل ہونے کے فطری اُصول اور کلام نفسی و کلام لفظی کے باہمی تناسب کے بدیہیات کے زیادہ قریب واطمینان بخش ہے جبکہ دوسرا احتمال یہ بھی ممکن ہے کہ اس مخصوص لفظ "حِطَّۃٌ" کو ہی مذکورہ عبارۃ النص کیلئے استعمال کرنا مراد ہو۔ جیسے "حِنطَۃٌ فِی شَعرَۃٍ" کی تبدیلی والی روایت سے بھی مفہوم ہو رہا ہے۔ اس صورت میں پھر دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ مذکورہ عبارۃ النص کیلئے عربی زبان کی طرح اُن عجمیوں کی زبان میں بھی یہ لفظ مستعمل و مروج ہو۔ دوسرا یہ کہ تقدیر کے کسی پوشیدہ راز کے مطابق انہیں اس مخصوص لفظ کے ساتھ تلفظ کرنے کی صورت میں مذکورہ مراد الٰہی اور عبارۃ النص کی تعمیل کا حکم دیا گیا ہو۔

اِن حقائق کی روشنی میں آیت کریمہ کے اُردو زبان میں کئے گئے تراجم کا تقابلی جائزہ لینے سے صرف اور صرف کنزالایمان کا مذکورہ ترجمہ ان سب کو محیط، واقعیت کا عکاس اور آیت کریمہ کی فصاحت و بلاغت کا حق المقدور مظہر ثابت ہو رہا ہے بخلاف اُن دوسرے تراجم کے جن میں "کہتے جاؤ بخشدیں" یا "حطۃ کہنا" یا "حطۃ کہتے جانا" جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کیونکہ اُن میں سے اول الذکر گھر سے نکل کر دروازہ پہنچنے تک راستہ میں اس کو پڑھنے کیساتھ خاص ہے جو اپنی محدودیت کی بناء پر آیت کریمہ کی جامعیت کے مناسب نہیں ہے تو پھر بلاغت کہاں سے آئے گی جبکہ اُن میں سے تیسرا اس محدودیت میں اول کے ساتھ شریک اور قدر مشترک ہونے کے ساتھ صرف اسی لفظ کو پڑھنے کے ساتھ اُن کو مکلّف بتانے میں دوسرے کے ساتھ بھی شریک ہے جو آیت کریمہ کی جامعیت اور واقعیت کے منافی ہیں۔

وضاحتی مثال نمبر 23:۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۵۹ "فَبَدَّلَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلاً غَیۡرَ الَّذِیۡ قِیۡلَ لَھُمۡ" کا ترجمہ کنزالایمان میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے "تو ظالموں نے اور بات بدل دی جو فرمائی گئی تھی اُس کے سوا" جو مراد الٰہی پر فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے علی وجہ الاتم دلالت کرنے کے ساتھ بدل اور مبدل منہ کے حوالہ سے تمام ممکنہ احتمالات کو بھی اصل

کیطرح محیط ہے بخلاف اُن ترجموں کے جن میں اس کا ترجمہ "تو جو ظالم تھے اُنھوں نے اس لفظ کو جس کا اُن کو حکم دیا تھا بدل کر اُس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا" کے الفاظ میں کیا ہے یا "تو جو لوگ اُن میں شریر تھے دعائے استغفار جو اُن کو بتائی گئی تھی اُس کو بدل کر دوسری بات بولنے لگے" کے الفاظ میں کیا ہے یا "پھر بدل ڈالا ظالموں نے بات کو خلاف اُس کے جو کہہ دی گئی تھی اُن سے" جیسے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ اس تفریق کو سمجھنے کیلئے آیت کریمہ کے حوالہ سے مندرجہ حقائق کو جاننا ضروری ہے۔

(۱) یہ کہ "بدل" جو تبدیلی سے ماضی معلوم کا صیغہ ہے مبدل اور مبدل منہ کو چاہتا ہے "اس سے مراد نحوی بدل نہیں بلکہ لغوی مفہوم مراد ہے" دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ "بدل" کا لفظ دو مفہوموں کی طرف متعدی ہوتا ہے اول کی طرف بلا واسطہ اور دوسرے کی طرف بواسطہ الباء اور دوسرے مفعول بہ کو اکثر و بیشتر مفعول بہ کے طور پر ذکر نہیں کیا جاتا۔ اس آیت کریمہ میں بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ صرف مفعول اول پر اکتفا کیا گیا ہے جو "قَـوْلاً" ہے جبکہ دوسرا مفعول بہ کے طور پر نہیں بلکہ پہلے مفعول بہ کی صفت "غَیْـرِ" کیلئے مضاف الیہ کے طور پر مذکور ہوا ہے جس کے مطابق "قَـوْلاً" کا لفظ بَدَّلَ کیلئے اول مفعول بہ ہے جبکہ "غَیْـرِ الَّـذِیْ قِیْلَ لَھُمْ" اُس کی صفت ہے اور موصوف اپنی صفت سے مل کر "فَبَـدَّلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" کیلئے مفعول اول ہے جبکہ مفعول ثانی ضمناً آپ ہی پہچانا جارہا ہے۔

(۲) یہ کہ قول کسی کلام یا جملہ یا کسی لفظ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ کسی بھی کردار کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے: "**ھم الاکثرون اموالا الامن قال ھٰکذا وھٰکذا وھٰکذا من بین یدیہ ومن خلفہ وعن یمینہ وعن شمالہ وقلیل ماھم**" جس کا مفہوم یہ ہے کہ زیادہ مالداروں کا انجام خراب ہے مگر وہ جنھوں نے اللہ کی راہ میں آگے پیچھے اور دائیں بائیں جہتوں میں صرف کیا جن کا وجود بہت کم ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۱۶۴، باب الانفاق وکراہیۃ الامساک)

مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے: "**یقال للدلالۃ علی الشئی**" (مفردات امام الراغب، صفحہ ۴۲۶، مادق۔ق،و،ل) جس کا مفہوم یہ ہے کہ قول کسی بھی کردار پر دلالت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

اس کے مطابق آیت کریمہ میں قول موصوف "حِـطَّۃٌ" کی کسی ضد کے ساتھ خاص ہوتی ہے نہ اُس کی صفت بلکہ دونوں میں "وَّقُـوْلُـوْا حِطَّۃٌ" کی عبارۃ النص کے مطابق عموم ہے جو تمام ممکنہ احتمالات کو شامل ہے۔

آیت کریمہ کے حوالہ سے ان حقائق کی روشنی میں اس کے کئے گئے مذکورہ ترجموں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ کنزالایمان کے سوا دوسرے تراجم میں آخرالذکر یعنی "پھر بدل ڈالا ظالموں نے بات کو خلاف اُس کے جو کہہ دی گئی تھی اُن سے" کا ترجمہ بدل و مبدل منہ کے حوالہ سے تمام ممکنہ احتمالات کو شامل ہونے کی خوبی کا حامل ہونے کے باوجود خلاف فصاحت ہے کیونکہ بلا ضرورت طوالت پر مشتمل ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ کسی بھی فصیح کلام کا ترجمہ اُس کی فصاحت کے خلاف کرنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے تو قرآن شریف جیسے معجز کلام کا ترجمہ اُس کی فصاحت کے خلاف کرنے کو کس طرح مستحسن کہا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کے کنزالایمان کے ماسوا باقی تمام تراجم کے حوالہ سے اسی کو حقیقت کے قریب اور ممکنہ احتمالات کو محیط کہا جاسکتا ہے لیکن اس کی عدم سلاست اور بے محل تطویل اس کو غیر مناسب اور کلام الٰہی کی ترجمانی کے منافی بنارہی ہے۔ جبکہ اول الذکر اور ثانی الذکر عدم سلاست اور بے محل تطویل پر مشتمل ہونے کی بناء پر خلاف فصاحت ہونے کے ساتھ بدل و مبدل منہ کے عموم کے منافی ہوکر ترجمہ کہلانے کے قابل ہی نہیں ہیں کیونکہ متن میں عموم اور

احتمالات کثیرہ ہیں جبکہ ان ترجموں میں بدل ومبدل منہ کو "حِطَّةٌ" کہنے اور اُس کے منافی دوسرا لفظ کہنے کے ساتھ خاص قرار دیا گیا ہے ایسے میں ان کو آیت کریمہ کا واقعی ترجمہ کہنے کی جرات نہیں کی جاسکتی۔ جبکہ ان تمام اغلاط کے علی الرغم کنز الایمان کے مصنف نے "تو ظالموں نے اور بات بدل دی جو فرمائی گئی تھی اُس کے سوا" کے الفاظ میں ترجمہ کر کے اصل متن میں مذکورہ الفاظ کے مساوی الفاظ لا کر حشو وزاوئد سے ترجمہ کو بچانے کے ساتھ اصل کی عبارۃ النص کے مطابق تمام ممکنہ احتمالات کا حامل بنادیا ہے جو ان کے کمال عرفان کی دلیل ہے۔ سچ کہا گیا ہے کہ ع

ملک سخن کی شاہی تم کو رضؔا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھادیے ہیں

وضاحتی مثال نمبر 24:۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۶۷ "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً" کے ترجمہ میں کنز الایمان کے الفاظ ہیں "خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو" فصاحت وبلاغت میں اصل کے مطابق ہونے کے ساتھ لفظ بقرۃ کے مصداق میں ممکنہ احتمالات کو بھی جامع ہے جبکہ دوسرے وہ تراجم جن میں "خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو" یا "خدا تمہیں ایک بیل ذبح کرنے کا حکم دیتے ہیں" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

اِس کی وضاحت اس طرح ہے کہ عربی زبان میں "بَقَر" کا لفظ ایک جنس ہے جس میں مذکر ومونث اور مفرد وجمع کی کوئی تفریق نہیں ہوتی اور اُردو محاورہ میں لفظ گائے کا بھی تقریباً یہی حال ہے جس وجہ سے گائے کا لفظ ہی "بَقَر" کا درست ترجمہ ہے جبکہ آیت کریمہ میں صرف "بقر" نہیں بلکہ "بَقَرَۃ" کا لفظ ہے یعنی تائے وحدۃ اُس کے آخر میں لا کر ایک عدد کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے جبکہ مذکر ومونث میں سے کسی کی تخصیص کیلئے کوئی لفظ، کوئی دلیل اور کوئی قرینہ موجود نہیں ہے ایسے میں "بَقَرۃ" کا ترجمہ ایک گائے کہنا ہی درست قرار پاتا ہے۔ اسی وجہ سے بلا نکیر تمام مفسرین کرام اور کل مکاتب فکر علماء اسلام نے بھی اس کو مطلق ہی سمجھا ہے تاوقتیکہ بعض ہندی علماء نے اس کو بیل کے ساتھ خاص قرار دے کر مذکورہ ترجمہ کیا۔ گویا بدعت فی ترجمۃ القرآن کی یہ غلط کاری صرف دیار ہند کی ایجاد ہے جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اپنے ماحول کے گاؤ پرستوں کی قدیم تاریخ میں بیل کا نقشہ بطور معبود دیکھ کر یہ رائے قائم کی ہو کہ زمانہ قدیم میں مطلق گائے کی نہیں بلکہ بیل کی پرستش کی جاتی ہوگی۔ اس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے مصری گاؤ پرستوں کی قدیم تاریخ میں بھی بیل کا نقشہ دیکھ کر اس رائے کو اتنا پختہ کیا ہو کہ اُس کی بنیاد پر تمام مفسرین کرام کے خلاف روش اختیار کی، لسان قرآنی اور لُغت عربی کے عموم اور اسم جنس کے اطلاق کو بھی نظر انداز کیا، اور آیت کریمہ کے بعد "بَقَرۃ" سے متعلقہ اُن تمام الفاظ سے صرف نظر کیا جن میں صرف ایک مقام کے ماسوا باقی ہر جگہ مونث کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں باوجود ان ہمہ اغلاط کے سب سے بڑی غلطی یہ کی ہے کہ لفظ "بقرۃ" کے اندر موجود مطلق مراد الٰہی کو بیل کے ساتھ مخصوص کر کے وہم کو یقین پر ترجیح دی ہے جو کسی صورت بھی قابل معافی نہیں ہے۔ ہندوستان کے جس مترجم نے آج سے ایک صدی قبل ترجمۃ القرآن کے حوالہ سے اس بدعت ضلالہ کا ارتکاب کیا تھا اُس وقت وہ اس حوالہ سے تنہا تھا جبکہ بعد میں اُس کی اندھی تقلید میں کچھ اور ہندیوں نے بھی یہی روش اختیار کی جو افسوس بالائے افسوس کے سوا اور کچھ نہیں ہے جبکہ کنز الایمان کے مصنف اپنے منہج سوم پر چلتے ہوئے آیت کریمہ کے اس لفظ کا ترجمہ جملہ مفسرین کرام کے مطابق کر کے اس قسم کی بدعت کاریوں سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔ (فجزاہ اللہ خیر الجزاء)

وضاحتی مثال نمبر 25:۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۷۶ "وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ " کا کنزالایمان میں ترجمہ کیا گیا ہے "اور جب آپس میں اکیلے ہوں تو کہیں وہ علم جو اللہ نے تم پر کھولا مسلمانوں سے بیان کئے دیتے ہو کہ اُسے تمہارے رب کے یہاں تمہیں پر حُجت لائیں کیا تمہیں عقل نہیں"۔ اسکے تین مقامات سے مصنف کا کمال عرفان ظاہر ہو رہا ہے؛

(۱) یہ کہ آیت کریمہ کے الفاظ "وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ " کا ترجمہ "اور جب آپس میں اکیلے ہوں" کے الفاظ میں کرنا لُغت کے عین مطابق ہونے کیساتھ فصیح و بلیغ بھی ہے اسلئے کہ لسان قرآنی میں "خَلَا" کا لفظ جب حرف جر "اِلٰی " کے ساتھ مستعمل ہو تو وہ ہمیشہ کسی کے پاس تنہائی اور اکیلے میں جانے کے مفہوم میں ہوتا ہے جیسے مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے: "وخلا الیہ بمعنی انتهیٰ الیه فی خلوة" (مفردات امام الراغب، صفحہ ۱۵۸)

"لُغت کے حوالہ سے اس حقیقت کی روشنی میں قرآن شریف کے مذکورہ الفاظ کا فصیح و بلیغ ترجمہ کنزالایمان میں استعمال کئے گئے۔ ان الفاظ میں سب پر عیاں ہو رہا ہے کہ اس میں عام فہم الفاظ میں لُغت کے عین مطابق متن کی ترجمانی کی گئی ہے بخلاف اُن دوسرے تراجم کے جن میں "اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں" یا "جب تنہائی میں ایک دوسرے کے پاس ہوتے ہیں" یا "جب آپس میں ملتے ہیں" یا "اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس" جیسے الفاظ لائے گئے ہیں کہ یہ سب کے سب لفظ "خَلَا" کے لُغوی مفہوم ظاہر کرنے سے خالی ہیں جب متن کے اصلی مفہوم ظاہر کرنے سے ہی خالی ہیں تو پھر اُنہیں فصیح کہنے کا کوئی تُک ہی نہیں رہتا۔ جب فصیح ہی نہیں تو پھر بلیغ کہاں سے ہوگا کہ بلاغت کیلئے فصاحت اولین شرط ہے۔

(۲) یہ کہ آیت کریمہ کے الفاظ "قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ " کا ترجمہ "تو کہیں وہ علم جو اللہ نے تم پر کھولا مسلمانوں سے بیان کئے دیتے ہو" لُغوی مفہوم پر سلاست اور آسان انداز میں دلالت کرنے کی وجہ سے فصیح و بلیغ ہونے کے ساتھ واقعہ کے بھی مطابق ہے۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ لفظ "فَتَحَ" کے صلہ میں حرف جر "علی" ہو اور اُس کا مدخول و مجرور اہل فہم ہو تو لسان قرآنی کے مطابق اُس کا مفہوم و معانی کسی کو کچھ سمجھانے، کچھ بتانے اور دوسروں سے پوشیدہ چیز کا پردہ کھول کر صرف متعلقہ شخص پر ظاہر کرنے کے ہوتے ہیں۔ مفردات امام الراغت الاصفہانی میں ہے: "فتح علیه كذا اذا اعلمه و وقفه علیه" (مفردات الراغب، صفحہ ۳۷۶)

کنزالایمان کے مذکورہ الفاظ اسپر دلالت کرنے میں کوئی خفایا ادائیگی میں زبان پر بوجھ یا سننے میں کراہت یا غیر مانوسیت سے خالی ومحفوظ ہونے کی وجہ سے ظاہر الفصاحت ہیں اور متن کے تقاضائے اظہار کے مطابق ہونے کی بناء پر بلیغ بھی ہیں بخلاف اُن تراجم کے جن میں آیت کریمہ کے ان الفاظ کا ترجمہ "تو کہتے ہیں کہ جو کچھ تورات میں خدا نے تم پر ظاہر کیا ہے تم مسلمانوں کو اُس کی خبر کئے دیتے ہو" کے الفاظ میں کیا گیا ہے یا "تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو اُن سے جو ظاہر کیا ہے اللہ نے تم پر" یا "تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھائی ہے" یا " کیا تم مسلمانوں کو اُس کی خبر کئے دیتے ہو" جیسے الفاظ میں کیا ہے کیونکہ یہ سب کے سب ضرورت سے زیادہ اور بلا فائدہ الفاظ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بلاغت کے قریب ہیں نہ فصاحت کے کیونکہ اس میں سلاست اور سہل الفہمی نہ ہونے کے ساتھ "فَتَحَ" کے بنیادی مفہوم جو کھولنا ہے کے اظہار سے بھی خالی ہیں۔ یہ اسلئے کہ عربی لُغت کا یہ لفظ یعنی ف، ت، ح اس ترتیب کیساتھ جس شکل اور جس صیغہ میں بھی پایا

جاتا ہے اُن سب میں کھولنے کا مفہوم ضرور موجود ہوتا ہے جسکا اظہار کنزالایمان کے سوا ان میں سے کسی ایک میں بھی نہیں کیا گیا ہے۔ایسے میں کون انہیں فصیح کہے جب فصیح نہیں تو بلیغ بھی نہیں اسلئے کہ بلاغت کا وجود فصاحت کے بغیر ناممکن ہے جب بلاغت نہیں تو پھر آیت کریمہ کے درست ترجمہ کہلانے کے بھی قابل نہیں۔

(۳) یہ کہ آیت کریمہ ''لِیُحَآجُّوْکُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ '' کہ اُس سے تمہارے رب کے ہاں تمہیں پر حجت لائیں کیا تمہیں عقل نہیں'' کا جن الفاظ اور جس ترتیب سے کنز الایمان میں ترجمہ کیا گیا ہے وہ فصاحت و بلاغت میں آیت کریمہ کے شایان شان ہونے کے ساتھ دوسرے تراجم کے مقابلہ میں اصل واقعہ کے زیادہ مناسب ہے جبکہ دوسرے تراجم جن میں ''تاکہ وہ اِس سے تمہیں تمہارے رب کے رُوبرو الزام دیں کیا تم نہیں سمجھتے'' جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس ڈگر کے تمام متراجم میں حجت کا ترجمہ الزام میں اور عقل کا سمجھ میں کیا گیا ہے جبکہ متن کے اصل الفاظ یعنی حجت اور عقل عربی کی طرح اُردو زبان میں بھی عام استعمال ہوتے ہیں۔ایسے میں اُنہیں چھوڑ کر اُردو میں اُن کے مفہوم ظاہر کرنے کی ضرورت کیا تھی۔اس کے علاوہ ان تراجم میں الفاظ کی ترتیب بھی سہل الفہم نہیں ہے۔نیز یہ کہ الفاظ بھی ضرورت سے زیادہ لائے گئے ہیں ایسے میں آیت کریمہ کے شایان شان فصیح و بلیغ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ کنزالایمان کے مذکورہ الفاظ اور اُن کی ترتیب اِن تمام کمزوریوں سے محفوظ ہیں۔

اسی طرح جن مترجمین نے اس کا ترجمہ ''کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس تم پر اُن کی حجت ہو جائے گی'' کے الفاظ میں کیا ہے اس میں ترتیب متن کی بلاضرورت تبدیلی کے ساتھ ترجمہ باللازم کیا گیا ہے جو اصل کی درستگی کی صورت میں خلاف الاصل ہے اہل انصاف جانتے ہیں کہ جو ترجمہ دوبار خلاف الاصل پر مشتمل ہو وہ ترجمۃ القرآن کہلانے کے قابل نہیں ہوسکتا۔اسی طرح جن حضرات نے اس کے ترجمہ میں ''تاکہ جھٹلائیں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم نہیں سمجھتے'' جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ یہ بھی متن کے اصل الفاظ یعنی عقل و حجت اُردو میں عام اور مانوسۃ الاستعمال ہونے کے باوجود بلاضرورت اُنہیں تبدیل کرنے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے فصاحت سے قاصر ہیں۔جب فصاحت نہیں تو بلاغت کہاں سے آئیگی۔تقابلی جائزہ کے حوالہ سے کنز الایمان کا یہ عرفانی امتیاز فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے تھا جبکہ واقعہ کی عکاسی میں متن کے مطابق ہونے کی تفصیل اس طرح ہے کہ یہودیوں کے غیر معیاری مشائخ ''ربانی'' اور علماء سؤ ''احبار'' رسول اللہ ﷺ کی حقانیت واوصاف کو تورات وانجیل کے ذریعہ جاننے کے باوجود محض اپنے دنیاوی مفادات کی خاطر تحریف کرنے اور چھپانے میں اتنے محتاط رہتے تھے کہ اپنے عوام کالانعام کو رسول اللہ ﷺ کے حقیقی اوصاف اور نبی آخر الزمان وخاتم النبیین ہونے کی حقانیت پر کسی طرح بھی مطلع نہ ہونے دیتے تھے اپنے عوام اور حلقہ اثر کے جہلاء سے حق چھپانے، دھوکہ دینے اور اپنے ساتھ لگائے رکھنے کیلئے اس احتیاط میں یکساں ہونے کے باوجود اُن میں بعض ایسے بھی تھے جو عوام کے بغیر محض دو چار ''ربانی'' (مشائخ) یا چند احبار مل کر کچھ ذمہ دار صحابہ کرام کے پاس آتے یا کسی بھی مشترکہ معاشرتی مسائل کے حوالہ سے ملاقات ہوتی تو تقیہ بازی اور منافقت کے طور پر حق کا اعتراف کرتے، رسول اللہ ﷺ کی حقانیت کا اظہار کرتے اور تورات وانجیل میں موجود اوصاف نبی آخر الزمان ﷺ کو بیان کرتے جبکہ اُن کے ساتھ والوں کو انکا یہ انداز عمل برا لگتا، صحابہ کرام کی مجلس میں اُن کو منع کرنے اور اُنہیں عقل کا دشمن کہہ کر سرزنش کرنے سے صبر

کرتے ہوئے محض کڑنے اور اُن پر دانت پیسنے پر اکتفا کرتے تھے یہیں سے اُٹھ کر جانے کے بعد صحابہ کرام سے تنہائی میں اُن پر پورا پورا غصہ اتارتے ہوئے کہتے تھے کہ لگتا ہے کہ تم میں عقل ہی نہیں ہے ورنہ مذہبی مخالفین کے سامنے مابہ النزاع کا اعتراف کبھی نہ کرتے، تمہاری عقل اتنا کام کرتی ہوتی کہ اسی اعتراف کی بنیاد پر وہ تمہارے خلاف اللہ تعالیٰ کے حضور حجت لائیں گے کہ یہ دیدہ ودانستہ منکر تھے اور دیدہ ودانستہ منکر پر جب گواہی موجود ہو تو اُس کیلئے گلو خلاصی ممکن نہیں ہوتی۔ الغرض وہ اُنہیں صرف اس حد تک سرزنش نہیں کرتے تھے کہ تم نے سمجھ کا خلاف کیا یا سمجھتے نہیں ہو بلکہ اُن کے اس منافقانہ کردار اور تقیہ بازی کے انداز کو عقلمندی کے خلاف قرار دے کر اُنہیں عقل کا دشمن سمجھتے تھے۔ یہ اسلئے کہ اُن کے باہمی تکرار اور سرزنش سے متعلق واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر کرنے کے بعد ''اَفَلَا تَعۡلَمُوۡنَ'' نہیں فرمایا بلکہ ''اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ'' کہہ کر منافقت نہ کرنے والوں کی طرف سے اُنہیں عقل کے دشمن اور عقل مندی کے منافی عمل کے حامل قرار دینے کی حکایت فرمائی ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں بھی کسی واقعہ سے متعلق کچھ فرمایا گیا ہے وہیں پر الفاظ وکلام تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جو اصل واقعہ کے عین مطابق وعکاس ہونے کے ساتھ انسانوں کے حق میں اتیان بالمثل سے معجز ہوتے ہیں دوسری زبانوں میں ان کا صحیح ترجمہ پیش کرنے کیلئے واقعہ کے ساتھ مناسبت اور متن کے الفاظ کی دلالت کو پیش نظر رکھنا مترجم کیلئے ناگزیر ہوتا ہے جس کو اِن تمام تراجم میں نظر انداز کیا گیا ہے جن میں متن کے الفاظ ''اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ'' کا ترجمہ ''کیا تم سمجھتے نہیں'' یا ''کیا تم جانتے نہیں'' جیسے الفاظ میں کیا گیا ہے۔

وضاحتی مثال نمبر 26:۔

سورۃ البقرۃ، آیت نمبر۷۸ ''وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِىَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ'' کنزالایمان کے الفاظ وانداز ''اور اُن میں کچھ اَن پڑھ ہیں جو کتاب کو نہیں جانتے مگر زبانی پڑھ لینا یا کچھ اپنی من گھڑت اور وہ نرے گمان میں ہیں''۔ یہ حقیقت کے مطابق اور فصاحت وبلاغت کے معیار پر پورا ہونے کے ساتھ آیت کریمہ میں تمام ممکنہ احتمالات کو بھی محیط ہے بخلاف دیگر تراجم کے جن میں کہا گیا ہے کہ ''اور بعض اُن میں سے اَن پڑھ ہیں جو کتاب نہیں جانتے سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور وہ محض اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں'' یا کہا گیا ہے ''اور بعض اُن میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور اُن کے پاس کچھ نہیں مگر خیالات'' یا ان الفاظ میں کیا گیا ہے ''اور بعض اُن میں سے اَن پڑھ ہیں کہ اپنے خیالات باطل کے سوا خدا کی کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں'' یا اِس قسم الفاظ میں کیا گیا ہے کہ ''اور بعض اُن میں اَن پڑھ ہیں جو منہ سے لفظوں کے بُو بُوا لینے کے سوا کتاب الٰہی کے مطلب کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور وہ فقط خیالی تکّے چلایا کرتے ہیں''۔

اہل انصاف پر مخفی نہیں ہے کہ ان تراجم میں سے بعض کے الفاظ اگر حقیقت کے کچھ قریب ہیں تو بے ترتیبی کی وجہ سے فصاحت کے خلاف ہیں جبکہ بعض کے الفاظ ہی متن کے برخلاف ہونے کی وجہ سے خلاف حقیقت ہیں۔ مثال کے طور پر ظن کا ترجمہ ''کچھ نہیں مگر خیالات'' کے الفاظ میں کیا گیا ہے جو کسی طرح بھی اُس کے مطابق نہیں ہے کیونکہ خیال تصور کے قبیلہ سے ہے تصدیق نہیں جبکہ ظن تصدیق کے قبیلہ سے ہے تصور نہیں جو اپنے آپ ضدین ہیں یعنی ایک وقت ایک ہی چیز خیال اور ظن دونوں نہیں ہوسکتی۔ ایسے میں ظن کے

ترجمہ میں خیال اور خیالات کہنے کا کیا جواز ہے۔ اسی طرح "لَایَعْلَمُوْنَ الْکِتَابَ اِلَّآ اَمَانِیَّ " کا ترجمہ جنہوں نے "اپنے خیالات باطل کے سوا خدا کی کتاب سے واقف ہی نہیں" کے الفاظ میں کیا ہے اس میں بلاضرورت تطویل کر کے فصاحت کے دائرہ سے نکالنے کے ساتھ "اَمَانِیَّ " کا ترجمہ باطل خیالات کے الفاظ میں کیا گیا ہے جو لفظ "اَمَانِیَّ " کے لُغوی مفہوم کے مطابق نہیں ہے کیونکہ لفظ "اَمَانِیَّ " کے قرآنی لُغت میں مندرجہ ذیل مفہوم و معانی پائے جاتے ہیں۔

(۱) مطلق پڑھنا چاہے سمجھ کر ہو یا بے سمجھے۔

(۲) بے سمجھے پڑھنا یعنی جس عبارت یا جس کتاب کو پڑھ رہا ہے اُس کے معانی و مضامین کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ جیسے محض ناظرہ خواں قرآن شریف کو اُس کے معانی و مضامین کو سمجھے بغیر زبانی پڑھ لیتے ہیں۔

(۳) بے حقیقت تقدیر جسکو جھوٹی آرزو، خیالی پلاؤ اور تمنائے بے محل بھی کہا جاسکتا ہے۔

(۴) باحقیقت تقدیر جس کو حقیقی تقدیر و تدبیر اور معنوی منصوبہ بندی بھی کہا جاسکتا ہے۔

(۵) لکھنا۔

لسان العرب، جلد ۱۵، صفحہ ۲۹۴ میں ہے: "التمنّی حدیث النفس بمایکون وبمالایکون "اس کے چند سطر بعد میں لکھا ہے: "وتمنی الکتاب قرئه وکتبه "اس کے دوسرے صفحہ پر لکھا ہے "والتمنّی الکذب تفعل من منیٰ یمنی اذا قدر لان الکاذب یقدر فی نفسه الحدیث ثم یقوله ویقال للا حادیث اللتی تتمنیٰ الامانی واحدتها اُمنیة" (صفحہ ۲۹۵)

دراصل اس لفظ کی بنیاد مُنٰی ہے جو باب ضَرب یَضرب سے مَنٰی، یمنی منیاً ومنیناً استعمال ہوتا ہے اور یہ مادہ یعنی م، ن، ی اس ترتیب کے ساتھ جس صیغہ اور جس شکل میں پایا جاتا ہے تقدیر کا مفہوم اُس میں ضرور ہوتا ہے مذکورہ پانچوں مفاہیم و معانی کے اندر بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے مفرد اُس کا چاہے مِنْیَة ہو یا مُنْیَة یا اُمنیة بہرحال مذکورہ پانچ معانی میں سے کسی ایک کے اندر ضرور استعمال ہوتا ہے جس کی تعیین و تشخیص کیلئے سیاق و سباق کی دلالت اور خارجی دلیل و قرینہ کی ضرورت ہے جس کے مطابق اِس آیت کریمہ میں صرف دو معنی مراد ہو سکتے ہیں ایک کہ بغیر سمجھے پڑھنے کے معنی میں ہو۔

دوسرا یہ کہ بے حقیقت اور من گھڑت آرزو اور جھوٹ کے مفہوم میں ہو اسی نکتہ کی بنیاد پر مفسرین کرام کے اقوال بھی ان دو سے متجاوز نہیں ہیں۔ جیسے مفردات امام الراغب میں پیش نظر آیت کریمہ کی تفسیر کے بارے میں ہے۔ "قال مجاهد معناه الاکذبا وقال غیره الاتلاوة مجردة عن المعرفة "جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ میں واقع لفظ "امانی" کی تفسیر جھوٹ سے کی ہے کہ اَن پڑھ یہود اپنے چالاک و ہوشیار مذہبی رہنماؤں کے بتائے ہوئے من گھڑت جھوٹی باتوں کو بطور مذہب جاننے کے سوا اور کچھ اُنہیں نصیب نہیں ہے۔ اور حضرت مجاہد کے ماسوا باقی تمام مفسرین کرام نے اس کی تفسیر بے سمجھے پڑھنے سے کی ہیں کہ اَن پڑھ یہودی عوام تورات کے مندرجات و معانی اور مضامین کو سمجھ کر نہیں بلکہ بغیر سمجھے محض ثواب کیلئے اور عبادت سمجھ کر ناظرہ پڑھتے ہیں جبکہ معانی و احکام کو سمجھنے کے حوالہ سے اُن ہی چالاک و ہوشیار دنیا پرست رہنماؤں کے محتاج ہیں اور وہ تورات کے معانی و مطالب اور احکام کے حوالہ سے جو من گھڑت و محرف باتیں اُنہیں بتاتے ہیں انکا مبلغ علم وہی کچھ ہوتا ہے ایسے میں یہودیوں سے من حیث القوم نبی آخرالزمان رحمۃ للعلمین ﷺ کیحقانیت پر ایمان لانے کی

کیا توقع کی جاسکتی ہے۔لفظ "اَمَانِیَّ" کے حوالہ سے اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر دیکھا جائے تو کنزالایما کے ماسوا جن مترجمین نے اس کا مفہوم "جھوٹی آرزوؤں" جیسے الفاظ میں ظاہر کیا ہے یا جنہوں نے "منہ سے لفظوں کے بُوبُوا لینے" جیسے الفاظ میں کیا ہے تو اُنہوں نے اس کو ایک دوسرے کے متضاد صرف ایک ایک مفہوم کے ساتھ مختص کر دیا ہے جبکہ تخصیص پر کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے ایسے میں انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اصل لفظ کا دونوں مفہوموں کے احتمال پر مشتمل ہونے کی طرح اُس کے ترجمہ کو بھی کسی ایک کے ساتھ مختص قرار نہ دیا جائے جس پر عمل کر کے کنزالایمان کے مصنف نے کمال عرفان کا ثبوت دیا ہے۔(**فجزاه الله احسن الجزاء ما اكمله وما احسنه عرفانا**)

وضاحتی مثال نمبر 27:۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۷۹ "**فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ**" کا کنزالایمان میں ترجمہ کیا گیا ہے "تو خرابی ہے اُن کیلئے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں پھر کہہ دیں یہ خدا کے پاس سے ہے" ترجمہ کی حیثیت سے یہ الفاظ فصاحت و بلاغت اور نحوی ترکیب کے مطابق ہونے کے ساتھ آیت کریمہ کی عبارۃ النص کے بھی مطابق ہیں جبکہ دوسرے تراجم اس معیار کے نہیں ہیں۔

اس تفریق کی تفصیل اس طرح ہے کہ لفظ "ویــــل" لسان قرآنی کے مطابق اسم مصدر ہے جس سے کسی اسم یا فعل کا اشتقاق نہیں ہوتا اور یہ جس حدثی مفہوم کیلئے اسم ہے یا جس پر دلالت کرتا ہے وہ کسی کا خراب ہونا، تباہ و برباد ہونا اور کسی نا قابل تصور عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔جیسے مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے: "**قال الاصمعي ويل ويح**" یعنی ویل ویح کی طرح اسم مصدر ہے۔

(مفردات القرآن، صفحہ ۵۵۷)

لسان العرب، جلد ۱، صفحہ ۳۷۷ میں ہے: "**ويل كلمة مثل ويح الاانها كلمة عذاب**" یعنی لفظ ویل اسم مصدر ہونے میں ویح کی طرح ہے مگر فرق یہ ہے کہ ویل عذاب پر دلالت کرنے والا کلمہ ہے۔اس کے ایک صفحہ بعد لکھا ہے: "**الويل الحزن والهلاک والمشقة من العذاب**"

اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ مصدر ہو یا اسم مصدر بہر تقدیر فاعل کے بغیر نہیں ہوتا اور ویل کا فاعل وہ شخص خود ہوتا ہے جس کے ساتھ یہ قائم ہوتا ہے اور استعمال اس کا چاہے مبتدا کے طور پر ہو یا مفعول مطلق یا اضافت کے طور پر ہر حال میں فاعل اس کا باہر سے نہیں ہوتا بلکہ وہی شخص ہوتا ہے جس کے ساتھ یہ خرابی قائم ہوتی ہے۔اس آیت کریمہ میں مبتدا کے طور پر استعمال ہوا ہے کہ بعد والے کلمات یعنی "**لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ**" نحوی اُصولوں کے مطابق اس کی خبر ہے۔حقیقت کی اس روشنی میں اس کا حقیقی ترجمہ وہی قرار پاتا ہے جو کنزالایمان میں کیا گیا ہے جبکہ دوسرے وہ تراجم جن میں "افسوس ہے اُن لوگوں پر" کے الفاظ میں کیا گیا ہے یہ سب کے سب متن کے حقیقی مفہوم کے خلاف ہونے کی بناء پر غیر معیاری قرار پاتے ہیں جب اصل کے حقیقی مفہوم کے خلاف ہیں تو فصیح و بلیغ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ان کے غیر معیاری ہونے کیلئے یہی ایک غلطی کافی ہے جبکہ نحوی ترکیب کے منافی ہونے کی غلطی اُس پر مستزاد ہے یہ اسلئے کہ ان تراجم میں "افسوس ہے اُن لوگوں پر" جیسے الفاظ استعمال کر کے انجانے میں لفظ "ویــــل" کیلئے فاعل باہر سے ظاہر کیا

جارہا ہے کیونکہ اُن پر افسوس کرنے والے ہی افسوس کے فاعل ہونگے جو "ویـــــــل" کی خرابی وعذاب میں مبتلا ہونے والے بدقسمتوں سے جدا ہیں جبکہ اصل متن کی عبارۃ النص ومقصود اصل کسی کی طرف سے اُن پر اظہارِ افسوس بتانا ہرگز نہیں بلکہ اُن ہی کی خرابی ومعذبیت بتانا ہے۔ افسوس بالائے افسوس یہ کہ اِس قسم کے غیر معیاری تراجم کو مروج کرکے قرآن شریف کے اصل مقصد بیان کا خلاف کیا جارہا ہے جو بے فکری وغفلت کا نتیجہ ہے۔ سچ کہا گیا ہے؛ "**ومفاسد قلت التامل يضيق عنها نطاق البيان**"

وضاحتی مثال نمبر 28:۔

سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۸۵ "ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ" کا ترجمہ کنز الایمان میں کیا گیا ہے "پھر یہ جو تم ہو" اصل متن اور نحوی ترکیب کے مطابق ہوتے ہوئے فصاحت وبلاغت کے معیار پر بھی پورا ہے بخلاف اُن کے جن میں اس کا ترجمہ "پھر تم ہی وہ ہو" کے الفاظ میں کیا گیا ہے یا "پھر تم وہ لوگ ہو" یا "پھر وہی تم ہو" یا "پھر تم وہی ہو" جیسے الفاظ میں کیا گیا ہے کیونکہ اِن سب کی مثال "سوال گندم جواب چنا" سے مختلف نہیں ہے۔ اسلئے کہ اِن میں اول الذکر دونوں جیسے جتنے بھی تراجم کئے گئے ہیں اُن میں "ھَـــــا اُوْلَآءِ" جو قریب کیلئے استعمال ہونے والے لفظ کا ترجمہ بعید کے الفاظ میں "وہ" میں کرنے کی غلطی کی گئی ہے جو قابل معافی نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اِن میں "پھر تم وہ لوگ ہو" کہنے میں لوگ کے لفظ کا متن پر اضافہ کرنا بلاضرورت ہے جو مُخل بالفصاحت ہے اور آخر الذکر دونوں میں "پھر وہی تم ہو" جیسے الفاظ لاکر متن کے قریب الدلالت لفظ کا ترجمہ بعید الدلالت لفظ کے ساتھ کرنے کی غلطی کیساتھ دوسری غلطی یہ کی گئی ہے کہ اس میں بلاضرورت تقدیم وتاخیر کی گئی ہے جس کیلئے کوئی باعث مقتضی آیت کریمہ میں چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔ ایسے میں اِن سب کو اصل کی معنوی بگاڑ تو کہا جاسکتا ہے جبکہ ترجمہ کہنا جائز نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اسلئے ہے کہ آیت کریمہ میں "ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ" میں "اَنْتُمْ" مبتدا اور "ھَــــولآءِ" اُس کی خبر ہے اور سب جانتے ہیں کہ یہ دونوں حاضر اور قریب کیلئے استعمال ہوتے ہیں بالخصوص لفظ "اُولآءِ" پر صرف تنبیہ "ھَـــــا" داخل ہونے کے بعد تو اُس کا قریب وحاضر ہونا مُوکد ومُوثق بھی ہوتا ہے۔ جیسے الفیہ ابن مالک کے مندرجہ ذیل اشعار۔

وبِاُولیٰ اَشِر لجمعٍ مطلقا
والمدّاُولیٰ ولَدَ البعد انطقا
بالکاف حرفاً دون لامٍ او معه
واللام اِن قدمت ھا ممتنعه

کی تشریح کرتے ہوئے ابن عقیل سے لے کر حضری تک، شرح اشمونی سے لے کر النہجۃ المرضیہ تک، الصبان سے لے کر شرح مکودی تک سب نے تصریح کی ہوئی ہیں۔

ایسے میں ان تراجم کے اندر آیت کریمہ میں مذکور "ھَـــــا اُوْلَـآءِ" کا ترجمہ لفظ "وہ" کے ساتھ کرنے کی کون سی ضرورت تھی جو تمام ائمہ نحو سے لیکر شیخ عبدالقاہر جرجانی اور سعد الدین تفتازانی تک پیشوایانِ بلاغت سے مخفی رہ کر اِن مترجمین کو نظر آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ صرف اور صرف غفلت کا نتیجہ ہے جس سے بچتے ہوئے کنزالایمان کے مصنف نے اس پورے خطہ کے اُردو دان مسلمانوں کو قرآن شریف کا معیاری ترجمہ دے کر اللہ کی کتاب کا حق ادا کرنے کے ساتھ سب پر احسان کیا ہے۔ (فجزاہ اللہ خیر الجزاء)

☆☆☆

توضیح البیان

(بین ترجمۂ مولوی محمود الحسن و بین ترجمۂ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ)

پیر سلطان محمود صاحب قادری نقشبندی دریاوی مدظلہ العالی☆

سورۃ الفاتحہ

(۱) "اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاکَ نَسْتَعِيْن" (آیت نمبر:۴)

ترجمہ

"ہم تجھ ہی کو پوجیں اور تجھ ہی سے مدد مانگیں" (اعلیٰ حضرت)

"ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں" (محمود الحسن)

گویا کہ اعلیٰ حضرت کے معنی کے لحاظ سے یہ جملہ دعائیہ ہے۔ یعنی نمازی نماز پڑھتے وقت یہ دعا مانگ رہا ہے کہ مجھے ایسی نماز پڑھنی نصیب ہو جو کہ میرے لیئے یوم الدین میں جزائے خیر کا سبب بنے اور نمازی یہ دعا مانگ رہا ہے کہ ہماری ایسی مدد فرما کہ میرے دین اور دنیا کے سب کام صحیح ہو جائیں۔ اور یہ جملہ دعائیہ ہونا مالک یوم الدین کے ساتھ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یوم الدین کا معنی "جو اچھے کام کریں گے ان کو اچھا بدلہ ملے گا اور جو برے کام کریں گے ان کو برا بدلہ ملے گا" اور تفسیر اسرار فاتحہ جو بڑی ضخیم کتاب صرف الفاتحہ کی تفسیر ہے اس میں دو جملوں کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" وقال مقاتل بن سليمان اى نستغيث فى امورنا بما يصلحنا فى ديننا و دنيانا وا لجامع الاقاويل نسالک ان تعيننا على اداء الحقوق و اقامة الفروض و تحمل المكاره وطلب المصالح "

ترجمہ: مقاتل بن سلیمان نے فرمایا تیرے ساتھ ہی فریاد کرتے ہیں کہ اپنے کاموں میں ساتھ اس چیز کے جو ہماری اصلاح کرے ہمارے دینی اور دنیوی کاموں میں۔ پھر اسرار فاتحہ والے لکھتے ہیں ان سب اقوال کا نتیجہ اور نچوڑ یہ ہے کہ ہم تجھی سے سوال کرتے ہیں اس بات کا کہ تو ہماری مدد کرے حقوق کے ادا کرنے اور فرائض کے قائم کرنے اور مشکلات کے برداشت کرنے اور مصلحت کے کاموں میں طلب کرنے میں۔ تو اس لحاظ سے بھی "اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْن" جملہ دعائیہ ہوا۔ جبکہ محمود الحسن صاحب کے ترجمہ کے مطابق جملہ خبر یہ ہوا۔ تو اس لحاظ سے جو شخص ریا کاری سے نماز پڑھ رہا ہے وہ جھوٹ بول رہا ہوتا ہے۔ جبکہ اعلیٰ حضرت کے لحاظ سے وہ یہ دعا کر رہا ہے کہ مجھے ایسی بندگی کی توفیق دے جو کہ تیری رضا کے لائق ہو اور میری ایسی مدد فرما کہ میرے دینی دنیوی سب کام صحیح ہو جائیں اور جو میرے فائدے کے کاموں میں مشکلات آئیں انکو برداشت کرنے کی توفیق دے۔

(۲) "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" (آیت نمبر:۵)

ترجمہ

"ہم کو سیدھا راستہ چلا" (اعلیٰ حضرت)

"بتلا ہم کو راہ سیدھی" (محمود الحسن)

ہدایت کے دو معنی ہیں "اِرَاءَةَ الطَّرِيْق اور اِيْصَالُ اِلَى الْمَطْلُوْب" یعنی "راستہ بتلانا" اور "مقصود تک پہنچانا" محمود الحسن صاحب نے راہ بتلانا معنی کیا ہے جبکہ اعلیٰ حضرت نے راستہ پر چلانا معنی کیا ہے۔ اگر خالی الذھن ہو کر سوچا جائے تو جو معنی اعلیٰ حضرت نے کیا ہے وہ صحیح ہے کیونکہ سیدھا راستہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ کی صورت میں سارا بتلا دیا ہے۔ یعنی راستہ بتلایا ہے تو ہم نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، حج

☆ سجادہ نشین آستانہ عالیہ دریائے رحمت شریف (حضرو) ضلع اٹک پنجاب پاکستان

کرتے ہیں۔ اگر یہ سیدھا راستہ نہیں تو پھر وہ کون سا سیدھا راستہ ہے جسکی ہم نماز میں اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں؟ مطلب یہ ہوا کہ سیدھا راستہ تو بتلا دیا ہے مگر اس پر چلانا بھی تیرا کام ہے۔(من یھدی اللہ فھو المھتد) جبکہ محمود الحسن صاحب نے دوسرا معنی یعنی (اِیْصَالُ اِلَی الْمَطْلُوْب) بھی کیا ہے "واللّٰہُ یَھْدِی مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" "اللہ تعالیٰ چلاتا ہے سیدھے راستہ پر جس کو چاہتا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ قرآن پاک کا ہم اپنی مرضی سے ترجمہ نہیں کر سکتے۔ اس عاجز کو ایک واقعہ اس مناسبت سے پیش آیا تھا۔ ایک دن ہم پشاور سے واپس آرہے تھے جس گاڑی پر ہم سوار تھے اس میں ہم اگلی سیٹ پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک نے مولویوں والی وضع قطع بنائی ہوئی تھی اور ایک داڑھی منڈا تھا۔ مولوی دوسرے سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف کردے گا مگر شرک معاف نہیں کرے گا۔ دو تین دفعہ اس نے یہ کہا تو میں نے پوچھا کہ تم شرک کس کو کہتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت کسی دوسرے کیلئے ثابت کرنی۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ مردے زندہ کرتا ہے اور بیماروں کو تندرست کرتا ہے اور مخلوق پیدا کرتا ہے۔ جبکہ قرآن مجید میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں مردے زندہ کرتا ہوں اندھے مادرزاد اور کوڑھوں کو تندرست کرتا ہوں اور مٹی سے پرندہ بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑنے لگ جاتا ہے۔ پھر وہ کہنے لگا کہ وہ اللہ کے حکم سے ایسا کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ کون اس بات کا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی ایک ذرہ بھی بنا سکتا ہے۔ پھر اس بات سے لاجواب ہوا تو علم غیب کی بحث شروع کردی۔ پھر جب اس میں بھی کچھ بات نہ بن سکی تو پھر یہ آیت پڑھی "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ" "ترجمہ: جس کو تو پسند کرے اس کو ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں نے کہا کہ ھادی رسول اللہ ﷺ کی صفت ہے کہ نہیں! اگر ھادی ہیں تو لَاتَھْدِیْ کا کیا معنی؟ تو کہنے لگا کہ مجھے نہیں پتہ۔ میں نے کہا کہ جان بوجھ کر جاہل بنتے ہو! پھر کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو طالب کو کیوں ہدایت نہ دی۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ ہدایت دے سکتا تھا کہ نہیں! اگر دے سکتا تھا تو کیوں نہ دی؟ تو کہنے لگا کہ اس کی مرضی نہ تھی۔ میں نے کہا کہ جو کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو وہ رسول کریم ﷺ کر سکتے ہیں یا کرتے ہیں؟ پھر وہ لاجواب ہوگیا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ دنیا میں کتنے لوگوں کو اختیارات دیتا ہے، کتنے کام انکی مرضی کے خلاف ہوتے ہیں لیکن کسی نے کہا کہ ان کا کچھ اختیار نہیں! اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں، ولیوں کو اختیارات دیتا ہے اور اپنی صفات سے متصف کرتا ہے۔ ان مسائل کا ثبوت آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔ مگر بعض دفعہ انکی مرضی کے خلاف ہوتا ہے محض اس لیئے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ ان صفات سے موصوف بالذات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہیں۔ اگر کسی صفت میں متصف بالذات سمجھے تو یہ شرک ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عطا سے سب صفات سے متصف مانے تب شرک نہیں۔

سورۃ البقرۃ

(۱) " ذَالِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ " (آیت نمبر:۲)

ترجمہ

"وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں" (اعلیٰ حضرت)

اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔ (محمود الحسن)

اگر اس کتاب میں کچھ شک نہیں تو پھر اسی سورت میں آیت نمبر:۲۳

" وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوْ بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ "

ترجمہ:

"اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی"۔ اس جیسی اور آیتیں بھی ہیں۔ اگر شک نہیں تو یہ آیتیں کیوں نازل ہوئیں؟ معلوم ہوا شک تھا اعلیٰ حضرت

نے جو معنی کیا وہ قانون نحوی کے لحاظ سے صحیح ہے۔ ذالک اسم اشارہ بعید کیلئے ہے یعنی جسکی طرف اشارہ کیا جاتا ہے وہ دُور ہو تو ذالک کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہماری زبان میں کہتے ہیں (وہ شخص) اور اگر جسکی طرف اشارہ کیا جائے وہ قریب ہو تو اس کیلئے ھـذا کا کلمہ بولتے ہیں یعنی (یہ شخص)۔ قرآن مجید کلمات کے لحاظ سے تو قریب ہے۔ حق یہ ہے کہ ھـذا الکِتا بُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ تو اللہ تعالیٰ نے ذَالِکَ الۡکِتَا بُ فرما کر یہ سمجھایا کہ یہ بہت بلند مرتبہ کتاب ہے۔ اس سے بے پرواہی نہ برتنا پھر لَا رَیۡـــبَ فِیۡـــہ کا معنی جو اعلیٰ حضرت نے کیا ہے اس معنی کے لحاظ سے یہ جملہ اللہ تعالیٰ نے بطور دلیل اس کتاب کے بلند مرتبہ ہونے پر نازل فرمایا ہے۔ کیوں کہ یہ مثل مشہور ہے "مَـنۡ صَـنَّفَ قَـدِاسۡتَھۡـدَفَ" (جس نے کوئی کتاب تصنیف کی ہے وہ اعتراضات کا نشانہ بنا ہے) اللہ تعالیٰ نے لَا رَیۡـبَ فِیۡہِ نازل فرما کر اس کا ازالہ فرمایا کہ ایسی بلند مرتبہ کتاب ہے جس میں کوئی شک اور اعتراض کی جگہ نہیں اور یہ معنی مولانا احمد رضا خان صاحب نے اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ یہ قانون نحوی کے لحاظ سے معنی بنتا ہے۔ کیونکہ لانفی جنس کا ہے ریب اسکا اسم ہے فیہ ظرف مستقر خبر ہے اور جہاں ظرف مستقر خبر ہو وہاں پر چار اسموں اور چار فعلوں میں سے ایک اسم اور ایک فعل حذف ہوتا ہے۔ چار افعال اور اسماء یہ ہیں۔

ثبـت ثـابـت، حـصـل حـاصل، کـار کـائن، وجد مـوجـود۔ معنی یہ بنا "لا ریـب مـوجـود فیـہ" یہ اس صورت میں ہوگا جب فیـہ کو لاریب کے ساتھ ملائیں کیوں کہ فیـہ پر وقف جائز ہے یعنی لا ریب سے بھی ملا سکتے ہیں۔ اور فیہ کو ھُدًی سے بھی ملا سکتے ہیں۔ اس صورت میں فیـــہ ظرف مستقر خبر مقدم ہے اور ھُـدًی مبتداء مؤخر ہے پھر لا ریـــب میں لا کی خبر موجود محذوف نکالیں گے یعنی لاریب موجود فیہ ھدًی۔

سورۃ البقرہ

(۲) "وَلَا تَقۡرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ" (آیت نمبر: ۳۵)

ترجمہ

"مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے" (اعلیٰ حضرت)

اور پاس مت جانا اس درخت کے، تم ہو جاؤ گے ظالم۔ (محمود الحسن)

حالانکہ اردو میں ظلم کے معنی ہیں کسی کی حق تلفی کرنا۔ یعنی کسی کا حق ہڑپ کرنا۔ حدیث میں ہے "الظلم ظلالت یوم القیامۃ او کما قال" یعنی کسی کا حق ہڑپ کرنا قیامت میں اندھیروں کی صورت میں انسان پر چھا جائے گا۔ اور مولانا احمد رضا خان صاحب نے معنی کیا کہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ یعنی یہاں پر ظلم کا لغوی معنی مراد ہے اصطلاحی معنی مراد نہیں۔ ظلم کا لغوی معنی منجد والے کرتے ہیں "وَضۡـــعُ الشَّیۡ ءِ فِیۡ غَیۡرِ مَحِلہ" یعنی کسی شیٔ کو اپنی جگہ پر نہ رکھنا کسی دوسری جگہ پر رکھنا۔ محمود الحسن صاحب کے معنی کے لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کا قرآن سے ظالم ہونا ثابت ہوتا ہے اور آدم علیہ السلام نے جنت میں کسی پر ظلم نہیں کیا ہے اور مولانا احمد رضا خان صاحب نے جو معنی کیا ہے اس کے لحاظ سے آدم علیہ السلام قرآن مجید سے ظالم ہونے کے عیب سے بچ گئے۔

نوٹ: ویسے غلطیاں محمود الحسن صاحب کے ترجمہ میں بہت ہیں لیکن میں وہی غلطیاں لکھ رہا ہوں جو قاری کے ذہن میں آسانی سے سمجھ آجائیں۔

(۳) "نِسَا ؤُکُمۡ حَرۡثٌ لَّکُمۡ فَاۡ تُوۡ ا حَرۡثَکُمۡ اَنّٰی شِئۡتُمۡ" (آیت نمبر: ۲۲۳)

ترجمہ

"تمہاری عورتیں تمہارے لیئے کھیتیاں ہیں سو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو" (اعلیٰ حضرت)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو۔ (محمود الحسن)

یعنی دبر سے یا فرج سے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ اگر دبر سے جائے گا تو کیا عورت اولاد جنے گی؟ تو پھر کھیتی تو نہ ہوئی۔ پھر جہاں سے چاہو والا معنی صحیح نہ ہوا۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے ''جس طرح'' والا معنی اس لیئے کیا ہے کہ علم اصول کی پہلی کتاب اصول الشاشی میں لکھتے ہیں کہ اَنّٰی ظرف مکاں ہے۔ یعنی جہاں سے چاہو لیکن اس آیت میں کیف شئتم کے معنی ہیں یعنی جس طرح چاہو۔ مولانا مفتی احمد یار خان صاحب نے ایک کتاب (علم القرآن فی القرآن) لکھی جس میں انہوں نے لکھا کہ جس وقت بائیس علوم کا پورا ماہر نہ ہو تو ترجمہ قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔ انہوں نے کہا کہ جتنے فتنے پیدا ہوئے ہیں یہ سب اردو تراجم کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ کیونکہ جو بھی تھوڑا بہت عربی زبان سے واقف ہوتا ہے وہ قرآن مجید کا ترجمہ لکھنے بیٹھ جاتا ہے۔ ایک وہ نوری زمانہ تھا کہ لوگ قرآن کے متعلق خیال کیا کرتے تھے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کو سمجھنا آسان نہیں پھر وہ لوگ ضروریات دین کے مسائل سیکھتے تھے اور ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ آج استاد صاحب نے کیا سبق پڑھایا ہے۔ مگر اچانک زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ ہر ایک قرآن مجید کا ترجمہ لکھنے لگا۔ قرآن مجید کے معنی اردو میں ایسے کرنے چاہیئے کہ غلط ذہنیت رکھنے والوں کو غلطی نکالنے کی گنجائش نہ ملے۔ اگر چہ تشریح میں انہوں نے اسکی صورت لکھی ہے پھر مطلب تو کیف شئتم ہی بنتا ہے۔ تفسیر روح البیان والے معنی کرتے ہیں (انّٰی شئتم) انّٰی ھنا بمعنی کیف اے کیف یعنی انّٰی بمعنی کیف کے ہے۔ اور تفسیر خازن والے معنی کرتے ہیں '' فَـاْتُـوْا حَـرْ ثَـكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ '' یعنی کیف شئتم وحیث شئتم یعنی جس طرح چاہو اور جس وقت چاہو۔ یہاں پر انّٰی ظرف مکان نہیں ظرف زماں ہے لباب التنزیل والے بھی یہی معنی کرتے ہیں تفسیر قادری والے معنی کرتے ہیں جس طرح چاہو۔ مطلب ہے کہ اکثر مفسرین نے مولانا احمد رضا خان صاحب والا معنی کیا ہے۔

تفسیر بحر مواج والے معنی کرتے ہیں ''فَـاْتُـوْا حَرْ ثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ '' (فاسبیه است حرثکم مستعار است از نسائکم معنی اینست کشت خویشت بیائید هر چونکه خو لائید) یعنی فاسبیہ ہے اور حرثکم نسائکم کے معنی سے مستعار ہے۔ معنی یہ ہوا کہ اپنی عورتوں کے پاس آؤ جس طرح کے چاہو آگے لکھتے ہیں انّٰی کے دو معنی ہیں این و کیف۔ آگے لمبی بحث لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہاں کیف کا معنی متعین ہو گیا۔

(۴) '' اَ الشَّیْطٰنُ یَعِدُ كُمُ الْفَقْرَ '' (آیت نمبر:۲۶۸)

ترجمہ

''شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا'' (اعلیٰ حضرت)

''شیطان وعدہ دیتا ہے تمہیں تنگدستی کا'' (محمود الحسن)

حالانکہ اردو کا عام محاورہ ہے کہ اچھی بات پر انعام کا وعدہ کرتے ہیں اور کسی برے کام پر سزا کی دھمکی دیتے ہیں۔ روح البیان والے معنی کرتے ہیں (الشیطٰن یخوفکم بالفقر) یعنی شیطان تمہیں بھوک سے ڈراتا ہے۔ تفسیر خازن والے معنی کرتے ہیں (اے یخو فکم الفقر) یعنی فقر سے ڈراتا ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں (وعدته خیرا و وعد ته شرًا) مطلب یہ ہوا کہ وَعَدَ یَعِدُ کے دو مصدر ہیں وَعَدَ یَعِدُ وَعْدًا اور وَعَدَ یَعِدُ وَعِیْدًا۔ اگر وعد یعد کی نسبت شر کی طرف ہو تو پھر وعید کے معنی میں ہو گا جیسا کہ سورۃ ق میں ہے (فحق وعید) میرے عذاب کا وعدہ ثابت ہو گیا۔ پھر آگے اس ہی سورۃ میں ہے (ذالک یوم الوعید) یہ ہے وعدہ عذاب کے دن کا۔ پھر اس سورۃ کے آخر میں (من یخاف وعید) قرآن سے اسے نصیحت کرو جو میری دھمکی سے ڈرتا ہے۔

سورۃ آل عمران

(۱) '' وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَا لْاُ نْثٰى ''(آیت نمبر:۳۶)

ترجمہ

''اور وہ لڑکا جو اس نے مانگا اس لڑکی سا نہیں'' (اعلیٰ حضرت)

اور بیٹا نہ ہو جیسی وہ بیٹی (محمود الحسن)

یعنی اعلیٰ حضرت نے الذّکر میں الف، لام عہد ذھنی بنایا اور الانثٰی میں عہد خارجی بنایا۔ یعنی جو لڑکا مریم علیہ السلام کی والدہ کے ذہن میں تھا وہ عام ہے اور مریم خواص میں سے ہے۔ جبکہ محمود الحسن صاحب کے معنی کے لحاظ سے کوئی بیٹا مریم علیہ السلام جیسا نہیں حالانکہ مریم علیہ السلام کو شان اپنے بیٹے سے ملی۔ پانچ چھ سال کا واقعہ ہوگا میرے ایک مخلص ساتھی مولانا حافظ محمود احمد صاحب نے اخبار جہاں جو فیصل آباد سے شائع ہوتا تھا سے دکھایا کہ اس میں ایک عورت نے اس آیت شریف کا ترجمہ لکھا ''نہیں ہے مرد مثل عورت کے'' یعنی جنس عورت جنس مرد سے بہتر ہے۔ یہ معنی لکھ کر لکھتی ہے کہ مرد کو کیا حق ہے کہ عورت کو طلاق دے۔ میں نے پانچویں پارے کی آیت '' الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ '' لکھ کر اور اس کا ترجمہ (مرد حاکم ہیں عورتوں پر) اور پھر خوب تہدیدی کلمات لکھ کر اس کو بھیجے۔ پھر کچھ عرصہ بعد حافظ محمود احمد صاحب سے کہا کہ اس سے کوئی مسئلہ پوچھیں تو اس عورت نے جواب دیا کہ دینی مسائل علماء سے پوچھا کرو۔ مطلب یہ ہوا کہ اردو کے تراجم اور اردو کے رسائل نے کتنا دین کا نقصان کیا ہے۔ ہر ایک دین پڑھے بغیر مفتی بن بیٹھتا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ کا مفسرین نے کیا معنی کیا ہے! تفسیر روح البیان والے معنی لکھتے ہیں کہ (واللام فیھا للعھدی لیس الذکر الذی کانت تطلبه كالانثى) یعنی کہ الذکر میں الف لام ذھنی والا معنی کرتے ہیں۔ نہیں وہ لڑکا جو طلب کرتی تھی مثل اس لڑکی کے۔ لباب التنزیل والے لکھتے ہیں (الذی طلبت) وہ لڑکا جو اس نے طلب کیا (واللام فیھما للعھدی) یعنی لام الذکر اور الانثی دونوں میں عہد کے لیئے ہے۔ اکثر تفاسیر میں ایسا ہی معنی کرتے ہیں۔ تفسیر تبصیر القرآن و تیسیر المنان والے لکھتے ہیں (ولیس الذکر الذی طلبت کا الانثی، التی وھبت اذ فضلت کثیر امن اکمل الاولیاء من الرجال) یعنی وہ لڑکا جو اس نے طلب کیا وہ اس لڑکی جیسا نہیں جو اس کو ہبہ کی گئی تھی اس لیئے کہ اس کو کتنے مردوں میں سے اولیاء کاملین پر فضیلت دی گئی تھی۔ تفسیر بحر مواج والے اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں (معنی اینست خدائے عالم تراست بد انچه او زاده است و بصفات فاضله که درونهاده است و نیست پسرے که او طلب کرده است همچود خترے که اوزاده است) ترجمہ: معنی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہت اچھا جانتا ہے جو بچی ساتھ اس نے جنی ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ بچی میں کیا کیا صفات فاضلہ ہیں اور یہ بھی جانتا ہے کہ نہیں وہ بچہ جو اس نے مانگا تھا مثل اس بچی کے نہیں جو اس نے جنی ہے۔ تفسیر خازن والے معنی کرتے ہیں (ولیس الذکر الذی طلبت کا لانثی التی ھی مو ھو بة الله تعالیٰ و کانت مریم من اَجَلِّ النساء و افضلھن فی وقتھا) ترجمہ: کہ جو لڑکا اس نے طلب کیا تھا اس لڑکی جیسا نہیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی۔ اور مریم علیہ السلام وقت کی افضل اور بزرگ عورتوں میں سے تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے وہ معنی کیا جو مولانا احمد رضا خان صاحب نے کیا ہے۔

(۲) '' وَمَكَرُوْ وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمَا كِرِيْنَ ''
(آیت نمبر: ۵۴)

ترجمہ

''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے انکے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی۔ اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔'' (اعلیٰ حضرت)

اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سب مکاروں سے بڑا مکار ہے۔ (محمود الحسن)

اب دیکھتے ہیں کونسا معنی لغت اور مفسرین کے معنی کے موافق ہے۔ حدیث شریف میں ہے مشکوٰۃ شریف میں کتاب الاسماء فی جامع الدعاء (عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال کان النبی ﷺ یدعو بقول ربِّ اَعِنِّی ولا تعن علی وانصرنی ولا

تنصر علی و امکرلی ولا تمکر علی " آگے لمبی حدیث لکھنے کے بعد لکھتے ہیں رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجۃ۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان الفاظ کے ساتھ دعا فرمایا کرتے 'اے رب میرے، میری اعانت کر اور میرے خلاف اعانت نہ کر اور میری مدد کر اور میرے خلاف مدد نہ کر اور میرے لیئے خفیہ تدبیر فرما اور میرے خلاف خفیہ تدبیر نہ فرما۔' (وامکرلی ولا تمکر علی) اس کی تشریح محشی لمعات کے حوالے سے فرماتے ہیں (و امکر لی ولا تمکر علی مکر اللہ ایقاع بلا ئیہ با عد ائیہ من حیث لا یشعرون وقیل المکر حیلۃ توقع بہ المرء فی الشر وھی من اللہ تدبیر خفی) یعنی مکر اللہ کا یہ ہے کہ اپنے دشمن کو مصیبت میں ڈال دینا ایسی صورت سے کہ اس کو سمجھ بھی نہ آئے اور کہا گیا ہے کہ مکر حیلہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے انسان کو شر میں پھنسایا جاتا ہے اور مکر کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے تدبیر خفی مراد ہوتی ہے۔ اور تفسیر قادری والے معنی کرتے ہیں اور اللہ نے انہیں جزا مکر کی دی اور اللہ خوب بدلہ دینے والا ہے مکاروں کو۔ اور تفسیر خازن والے معنی کرتے ہیں (ای جاز اھم علی مکرھم بان رفع عیسیٰ الی السماء والقی شبہہ علی ما ارادا غتیالہ حتی قتل ولا یجوز اضافۃ المکر الی تعالیٰ الا علی معنی الجزاء لانہ مذموم عنہ الخلق وعلی ھذا الخداع والاستھزاء کذا فی شرح التاویلات)

ترجمہ: "اللہ نے انکو انکے مکر کی جزا دی عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اور جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو دھوکا دینے کا ارادہ کیا اس کو ان کے مشابہ بنادیا حتیٰ کہ قتل کیا گیا، مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جائز مگر اوپر معنی جزاء کے کیونکہ یہ مخلوق کے نزدیک مذموم ہے اور اس پر ہی خداع اور استھزاء کے معنی جزا نکالیں گے۔ یعنی خداع کی جزا دی اور استھزاء کی جزا دی۔ مدارک التنزیل والے شرح التاویلات کے حوالہ سے یہ معنی بیان کرتے ہیں۔" اندازہ لگائیں کے تفسیروں والے کیسے صاف لکھتے ہیں کہ ایسے مذموم کاموں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر دیوبندیوں کے شیخ الھند صاحب ہیں جو کہ دھڑا دھڑ ان امور کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔ ہر ایک کا ترجمہ اپنی اپنی جگہ بیان کیا جائے گا انشاء اللہ۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ مفسرین نے ببانگ دھل یہ اعلان فرمایا ہے کہ ایسے کاموں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر علماء دیوبند کے نزدیک جو مشہور ترجمہ ہے وہ مولانا محمود الحسن صاحب کا ہے جو علماء دیوبند میں شیخ الھند کے لقب سے مشہور ہیں۔ انکے ترجمہ سے اللہ تعالیٰ کا متعدد آیات سے بے علم ہونا ثابت ہوتا ہے اور مکری، دغاباز، داؤلاؤ، فریبی، سب عیب اللہ تعالیٰ میں ثابت ہوتے ہیں۔ چند سال پہلے کی بات ہے کہ میرے پاس نرتوپہ (قریبی گاؤں) سے ایک آدمی مسئلہ پوچھنے کیلیئے آیا۔ مجھے کہنے لگا کہ امریکہ میں میرا ایک ساتھی ہے اس نے مجھے کہا ہے کہ انگریزی میں قرآن مجید کا ترجمہ کر کے مجھے بھیجو۔ تو میں نے اسے کہا کہ کونسا ترجمہ کر کے اسے بھیجو گے تو وہ حیران ہو گیا پھر میں نے متعدد جگہ سے اسے مولانا محمود الحسن صاحب کا ترجمہ دکھایا تو مزید حیران ہو کر رہ گیا۔ چند مہینوں کی بات ہے کہ ایک شخص نے مجھے کہا کہ دیوبندی عقیدہ والے کہتے ہیں کہ ہمارے علماء گرائمری معنی کرتے ہیں۔ میں نے پھر چند آیتیں دکھا کر کہا کہ یہ گرائمری معنی ہیں یا صاف کفری معنی ہیں۔

(۳) "لَیْسَ لَکَ مِنَا لْاَمْرِ شَیْءٌ" (آیت نمبر:۱۲۸)

ترجمہ

"یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں۔" (اعلیٰ حضرت)

تیرا کچھ اختیار نہیں۔ (محمود الحسن)

تیرا کچھ اختیار نہیں، یہاں پر آپ ﷺ کے اختیار کی نفی کر رہے ہیں حلانکہ مولانا محمود الحسن صاحب خود ہی اختیار کلی ثابت کر رہے ہیں۔

سورۃ اعراف، آیت نمبر: ۱۸۸ (قُلْ لَّا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ) ترجمہ: "تو کہہ دے کہ مالک نہیں اپنی جان کے بھلے اور نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے" اکثر وہابی اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن مجید اعلان کر رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں مگر الّا ماشاء اللّٰہ کو چھوڑ دیتے ہیں یعنی مگر اللہ جو چاہے۔ اب اللہ کتنا چاہتا ہے اس آیت کی تشریح میں مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو نہ اپنے اندر اختیار مستقل رکھتا ہے نہ علم محیط۔ سید الانبیا ﷺ جو علوم اولین و آخرین کے حامل اور خزائن ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے (نوٹ) جو علوم اولین و آخرین کے حامل یعنی ازل سے ابد تک۔ جن کو جو علوم ملے ہیں یا ملیں گے خواہ جن ہو یا شیطان یا فرشتے یا انسان جو علوم کسی کو ملے ہیں یا ملیں گے وہ سب رسول اللہ ﷺ کے ملے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ کے علوم کی کوئی حد نہیں اور خزائن ارضی کے امین بنائے گئے تھے اور خزانے سب زمین میں ہیں۔ سونا، چاندی، پیتل، تانبا، لوہا، ڈیزل ہر قسم کی معدنیات زمین میں ہیں اور انہیں کی کنجیاں رسول اللہ ﷺ کو دی گئی ہیں تو پھر کیا آپ کے اختیارات کی کوئی حد ہے اور پھر جہاں جہاں خزانے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس انکی کنجیاں موجود ہیں تو پھر رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہے کہ وہ خزانے کہاں کہاں ہیں۔ دیکھو ڈیزل زمین کے کتنے نیچے پانچ پانچ سو فٹ جا کر نکالتے ہیں تو آپ ﷺ کے علم کی کوئی حد ہے اور محمود الحسن صاحب کے ترجمہ میں سورۃ کوثر کی تشریح کو پڑھو پھر پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو کتنا اختیار دیا ہے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنوں پر اور ہواؤں پر اختیار دیا تھا یہ شرک نہیں! پھر رسول اللہ ﷺ کے اختیار کی نفی محمود الحسن صاحب اپنے ہی ترجمہ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ تفاسیر والے کیا معنی کرتے ہیں۔ تفسیر خازن والے معنی کرتے ہیں (لیس لک من الامر شیء بل الامر امری فی ذالک) اس سارے معاملے میں میرا اختیار ہے تیرا اختیار کچھ نہیں، یعنی جنگ احد میں جن لوگوں سے حکم عدولی ہوئی ان کے حق میں تمہیں اختیار نہیں کہ ان کے حق میں بدعا کریں انکا سارا معاملہ میرے اختیار میں ہے میری مرضی ہے کہ ان کو معاف کروں یا سزا دوں، انہوں نے حکم عدولی کی ہے۔ تفسیر مدارک التنزیل والے معنی کرتے ہیں (لیس لک من امرھم شیٔ) ان کے کام میں تمہارا کوئی اختیار نہیں۔ مولانا احمد رضا خان صاحب "یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں"۔ تفسیر روح البیان والے معنی کرتے ہیں انکے کام میں تمہارا کوئی اختیار نہیں۔ مطلب ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے جو معنی کیا وہی معنی اکثر تفاسیر والوں نے کیا۔

(۴) " اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جٰھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ " (آیت نمبر: ۱۴۲)

ترجمہ: "کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ تعالیٰ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی"۔ (اعلیٰ حضرت)

اس آیت میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے علم کا معنی امتحان کیا۔ کیونکہ اگر (لما یعلم) کا علم معنی کرتے تو اللہ تعالیٰ کا بے علم ہونا ثابت ہوتا اور یہ کفری معنی ہے اور اسکا معنی انہوں نے (امتحان نہ لیا) کیا ہے۔ یہ اس لیئے کہ علم ساتھ امتحان لازم ہے، جب انسان علم دین سے فارغ ہوتا ہے تو اس سے امتحان ضرور لیا جاتا ہے۔ اور کوئی کالج یا سکول میں پڑھتا ہے تو اسکا امتحان بھی ضرور لیا جاتا ہے۔ تو گویا علم کا معنی امتحان یہ التزامی معنی ہے۔ اور محمود الحسن صاحب معنی کرتے ہیں:

"کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو"۔

العیاذ باللہ اس ترجمہ سے کتنی باتوں سے اللہ تعالیٰ کا بے علم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ تفسیر والوں نے کیا معنی کیا ہے۔ تفسیر

قادری والے (لمّا یعلم) کا معنی کرتے ہیں "اور نہیں دیکھا اللہ نے" اور تفسیر حسینی والے معنی کرتے ہیں (وندید خدا) اور تبصیر الرحمن و تیسیر المنان والے معنی کرتے ہیں (ولم یتمیز ما علم اللہ من الذین جا ھدو ا منکم ممن علم ضعفھم عن الجھاد) یعنی اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو جانتا ہے کہ یہ مجاہد ہیں انکی تمیز نہیں کرائی، ان لوگوں میں سے جنکا علم رکھتا ہے کہ یہ جہاد میں کمزور ہیں۔ تفسیر ابی السعود والے معنی کرتے ہیں "اما من باب التمثیل ای لیعا ملکم معاملة من یرید ان یعلم المخلصین الثا بتین علی الایمان من غیرھم او العلم فیه مجاز عن التمیز بطریق الطلاق السبب علی المسبب" مطلب یہ ہے کہ یہ بطور تمثیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم سے ایسا معاملہ فرماتا ہے جیسا کہ ارادہ کرتا ہے اس بات کا کہ جانے ان لوگوں کو جو مخلص ثابت ہیں اور ایمان کے اوران کے غیر سے یا کہ علم اس جگہ مجاز ہے تمیز سے ساتھ طریقے استعمال اسم سبب کے اوپر مسبب۔ یعنی علم سبب ہے تمیز کا، لہٰذا علم بول کر مراد تمیز لی ہے۔ اور تفسیر ابن عباس والے لکھتے ہیں (ولمّا یعلم اللہ لم یر اللہ) تفاسیر والوں کے معنوں کی تشریح میں تفسیر قادری والے معنی کرتے ہیں کہ نہیں دیکھا اللہ نے، اور تفسیر حسینی والوں نے بھی 'ندید خدا' یعنی خدا نے نہیں دیکھا کیا اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما میں بھی یہ لکھا کہ اللہ نے مجاہدین سے جہاد نہیں دیکھا۔ یہ تو معنی صحیح ہے کیونکہ معنی یہ ہوا کہ جب مخاطبین نے جہاد کیا ہی نہیں تو ان سے اللہ تعالیٰ جہاد کیسے دیکھتا۔ لیکن اس عاجز کے ذہن میں ایک قسم کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم دو قسم کا ہے۔

علم اجمالی اور علم تفصیلی

علم اجمالی مثلاً انجینئر کے ذہن میں بلڈنگ یا ڈیم کا ایک نقشہ ہوتا ہے تو یہ علم اجمالی ہے۔ پھر جب بلڈنگ یا ڈیم بن جاتا ہے تو یہ علم تفصیلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم اجمالی اور علم تفصیلی ایک ہے یعنی علم تفصیلی جو کہ بلڈنگ یا ڈیم بننے کے بعد کا ہے وہی بلڈنگ یا ڈیم بننے سے پہلے ہے۔ میرے ذہن نارسا کے موافق اعلیٰ حضرت والا معنی ہے کیونکہ جنہوں نے (لم یر اللہ) یعنی نہیں دیکھا اللہ نے معنی کیا ہے گویا انہوں نے علم اجمالی اور تفصیلی میں فرق کیا ہے اور اعلیٰ حضرت والے معنی کے مطابق کیونکہ علم کے ساتھ امتحان لازم ہے تو (لما یمتحن) معنی مراد لیا ہے۔ اور جنہوں نے تمیز معنی کیا ہے وہ بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ امتحان لینے کے بعد سند دے کر تمیز کرائی جاتی ہے کہ یہ علم میں کس حد تک کامیاب ہے۔ (سورۃ توبہ آیت نمبر: ۱۶) میں محمود الحسن صاحب نے جو ترجمہ کیا وہ بھی ذرا ملاحظہ ہو:

" اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَکُوۡا وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا مِنۡکُمۡ وَلَمۡ یَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلَا رَسُوۡلِہٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَلِیۡجَۃً ؕ وَاللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ "

ترجمہ: کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور حالانکہ ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا اور نہیں پکڑا انہوں نے سوا اللہ کے اور اسکے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو بھیدی۔ (محمود الحسن) سوچیں کہ محمود الحسن صاحب اللہ کیلئے گزرے ہوئے کاموں کی بے علمی ثابت کر رہے ہیں۔ نوٹ: میں نے بعض ساتھیوں کو یہ ترجمہ دکھایا تو وہ کہنے لگے کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کے پاس لسٹیں نہیں پہنچیں۔ (نعوذ باللہ) اور (واللہ خبیر بما تعلمون) کا معنی کرتے ہیں "اور اللہ کو خبر ہے جو تم کر رہے ہو" تعجب کی بات ہے۔ جو کام کر چکے ہیں وہ اللہ کو معلوم نہیں اور جو کام کر رہے ہیں انکی اللہ کو خبر ہے۔ ایسا بھی کوئی کم عقل ہوگا! تشریح: لَمَّا قانون نحوی کے لحاظ سے استغراق ماضی منفی کے لیئے آتا ہے۔ مثلاً (لمّا یعمل) ابھی تک اس نے یہ کام نہیں کیا۔ اور پہلے لمّا یعلم اللہ کے بعد جاھدوا کی عبارت آئی ہے۔ وہاں بھی مولانا محمود الحسن صاحب نے معنی کیا ہے "جو لڑنے والے ہیں تم میں" یہ معنی زمانہ حال کے مطابق ہے اور سورۃ توبہ میں زمانہ ماضی کے مطابق معنی کیا ہے۔ یعنی (جنہوں نے جہاد کیا ہے)

مگر مولانا احمد رضا خان صاحب نے دونوں جگہ پر زمانہ حال کیا ہے۔
پارہ نمبر:۴ میں معنی کیا ہے ''جولڑنے والے ہیں''۔ سورۃ توبہ میں معنی کیا ہے ''جولڑیں گے'' یعنی اب لڑیں گے اور پارہ نمبر:۴ میں (لـمّـا یعلم اللہ) کا معنی امتحان کیا۔ سورۃ توبہ میں تمیز معنی کیا۔ کیونکہ مخلصین اور غیر مخلصین میں مراد ہے۔ مولانا محمد صابر، مولانا عبد السلام، مولانا محمد امتیاز جامعہ اشاعت القرآن حضرو اٹک بنام (انصاف) ایک رسالہ لکھا ہے۔ انصاف کے صفحہ نمبر:۹۸ پر لکھتے ہیں علماء دیوبند کی تفسیری خدمات (۱) ترجمہ شیخ الھند (۲) تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی اسکے کمالات تو کچھ گزشتہ صفحات پر پڑھے ہیں اور انشاءاللہ کچھ آنے والے صفحات پر پڑھ لو گے۔ (۳) بلغۃ الحیر ان قدوۃ المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب۔ اس کے کمالات کے متعلق علماء دیوبند کا فتویٰ پڑھیں۔
''مولوی غلام خان اور اس کی جمع کردہ تفسیر بلغۃ الحیر ان پر علماء دیوبند کے فتوے''۔

مولوی غلام خان نہ دیوبندی ہیں نہ بریلوی یہ ایک جدید فتنہ طائفہ کا بانی ہے۔ مسلمانوں کو خبردار رہنا چاہیئے مولوی غلام خان اور اس کے ہم خیالوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہے اور انکو مساجد کا امام نہیں بنانا چاہیئے۔ اور دین کی حفاظت کے لیئے ان سے سلام کلام بند کردینا چاہیئے۔ سردار مفتی دارالعلوم دیوبند اور دیگر علماء کے فتوے بہت لمبے ہیں۔ جس نے دیکھنے ہوں میرے پاس آکر دیکھ سکتا ہے۔ (السید مہدی حسن صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، جناب مفتی محمد شفیع صاحب سابق دارالعلوم دیوبند حال کراچی، مفتی کفایت اللہ دہلوی) اور آج سے تقریباً پچاس سال قبل ایک اشتہار بعنوان ''دو فتنے اور دو فتوے'' چھپا۔ مولانا نصیر الدین غورغشتی سے صاحبزادہ طوروی نے پنج پیریوں کے متعلق فتویٰ پوچھا تھا اور انہوں نے جواب بھی دیا تھا۔
سوال نمبر:(۱) پنج پیریوں یعنی وہابیوں سے قرآن مجید کا ترجمہ کرنا اور انکے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟
سوال نمبر:(۲) توسل بالانبیاء والا ولیاء کا کیا حکم ہے؟
سوال نمبر:(۳) زیارت کے جانے کا کیا حکم ہے؟
سوال نمبر:(۴) دائرہ اسقاط کا کیا حکم ہے؟
سوال نمبر:(۵) دعا بعد سنت جمع کے ساتھ کرنے کا کیا حکم ہے؟
سائل فقیر حقیر لاشی صاحبزادہ طوروی حال یار حسین۔ بمطابق: ۲۵ ذی الحجہ، ۱۳۸۵ھ، ۱۷ اپریل ۱۹۶۶ء۔
جواب نمبر: (۱) پنج پیریوں یعنی وہابیوں سے ترجمہ مت کرواؤ وہ قرآن شریف کی تحریف کرتے ہیں۔ مشرکوں کی آیتیں مومنوں پر صادق کرتے ہیں اور ان جیسے فاسد عقائد والوں کے پیچھے نماز کی اقتداء نہ کرنا۔
جواب نمبر: (۲) توسل بالانبیاء والاولیاء جائز و مشروع ہے۔ کتابوں میں توسل با اعمال صالحہ بھی اور بذوات فاضلہ بھی آیا ہے۔ میرے والد صاحب دعا میں بحرمت سید الابرار و بحرمۃ سید المرسلین کہا کرتے تھے۔ توسل بیت اللہ شریف، قرآن شریف، انبیاء عظام، اولیائے کرام مثلاً غوث اعظمؒ، پیر باباؒ، پیر سوات صاحبؒ، اور دیگر اولیاء کرام پر بھی جائز ہے اور انکے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا جائز ہے۔
جواب نمبر:(۳) زیارت کو جانا سنت اور مستحب امر ہے۔ حضور ﷺ بھی جنت البقیع تشریف لے جایا کرتے تھے۔ میں بھی والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی زیارت کے لیئے جدا جدا مقبروں پر جاتا ہوں۔ عورت بھی اکیلی جا سکتی ہے جبکہ زیارت اپنے گاؤں میں ہو اور فتنے کا احتمال نہ ہو اور اگر زیارت اپنے گاؤں سے دور ہو تو محرم کے ساتھ جائے گی جیسے حج کو۔
جواب نمبر:(۴) اسقاط تو قضا نماز اور روزوں کا کفارہ ہے۔ میں نے اپنی بیوی کا بہت اسقاط کیا تھا۔ اور دور تو حیلہ تھا اور بہتر ہے دور میں قرآن پاک مال متقوم ہے یعنی قیمت رکھتا ہے۔
جواب نمبر: (۵) دعا بعد سنت جمع کے ساتھ کرنا مستحب جائز و بہتر

ہے۔ میں بھی سنت کے بعد جمع کے ساتھ دعا کرتا ہوں۔ میرے اساتذہ کرام، مشائخ عظام بزرگان دین بھی جمع کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے۔ سنت کے بعد دعا کا حکم فرض کے بعد دعا کے حکم کے برابر ہے۔ اس لیئے کہ سنت مکمل تابع اور متمم فرض ہے، فرض سے جدا نہیں۔ بلکہ فرض اور سنت کے درمیان زیادہ دیر بھی نہیں بیٹھے گا، سنت پڑھنے کے لیئے جلدی اٹھے گا دیر کرنا مکروہ ہے۔

دستخط: شیخ الحدیث (نور اللہ مرقدہ) نصیر الدین غورغشتی

مولانا صابر نے رسالہ (انصاف) میں علماء دیوبند کی تفسیری خدمات کے عنوان میں پہلا درجہ شیخ الھند کو دیا جو کہ آپ نے اسکی کچھ خدمات گذشتہ صفحات پر پڑھی ہونگی اور کچھ خدمات انشاء اللہ تعالیٰ آنے والے صفحات میں پڑھ لوگے۔ اور تفسیری خدمات میں بلغتہ الحیر ان کو تیسرا درجہ دیا ہے۔ اس تفسیر کے پڑھانے کی خدمات زیادہ تر مولوی غلام خان المعروف مولوی غلام اللہ خان صاحب نے دی ہیں۔ جن کے متعلق علماء دیوبند نے اس تفسیر کی اغلاط پر متنبہ کر کے ان کے پیچھے نماز نہ ہونے کے فتوے صادر فرمائے ہیں اور پنج پیریوں نے کچھ خدمات کی ہیں جن کے متعلق "دو فتنے اور دو فتوے" کے عنوان سے شائع ہونے والے اشتہار میں مولانا نصیر الدین غورغشتی کی تحریر سے فتویٰ پڑھ چکے ہو۔ حالانکہ مولانا نصیر الدین صاحب مولانا حسین علی صاحب کے شاگرد بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے۔ (الحق یعلو ولا یعلی علیـــــہ) حق اونچا ہوتا ہے اس پر کوئی چیز اونچی نہیں ہو سکتی۔ کاتب الحروف کم عمر تھا کہ بلغتہ الحیر ان پر حضرو میں ایک مناظرہ ہوا تھا اس میں بلغتہ الحیر ان کے معتقدین کی طرف سے مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا نصیر الدین صاحب، مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی تھے اور مخالفین کی طرف سے مولانا عبد الحق صاحب پیر زئی شریف، مولانا عبد المنان صاحب ساماں والے جو کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ساماں والے کے بھائی تھے۔ ہمارے چچا مولانا حضرت دین صاحب جو کہ حافظ محمد الیاس صاحب کے والد اور حافظ محمد رفیع صاحب کے چچا تھے۔ مناظرہ ہوا، اور معتقدین کو شکست فاش ہوئی اور مولانا غلام اللہ خان صاحب پر حسن ابدال سے لے کر چھچھ تک تقریر پر پابندی لگی۔ جس طرح (دو فتنے اور دو فتوے) والے اشتہار کو ان پنج پیریوں پر ڈپٹی کمشنر صبغۃ اللہ صاحب آف چمکنی نے پابندی لگائی تھی۔ یہ ہیں علماء دیوبند کی تفسیری خدمات۔ میں تو اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ اگر غیر جانبدار ہو کر انصاف کا مطالعہ کیا جائے تو (انصاف) رسالہ لکھنے والے نے انصاف کا خون کیا ہے۔ حالانکہ بلغتہ الحیر ان والے نے لوح محفوظ کا انکار کیا ہے۔ "کل فی کتاب مبین" کے تحت لکھتا ہے کہ یہ علیحدہ جملہ ہے ماقبل کے ساتھ متعلق نہیں۔ تا کہ لازم آئے کہ تمام باتیں اولاً کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے تمام اعمال فرشتے لکھ رہے ہیں۔ اہلسنت و جماعت قائل ہیں کہ سب کچھ پہلے سے لکھا ہوا ہے اور اس کے مطابق دنیا میں امور ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اس مذہب پر اعتراضات قویہ معتزلہ کے آتے ہیں۔ یعنی پس لازم ہوگا کہ بندہ کو عذاب دینے کی وجہ کیا ہوئی گناہوں سے۔ اور خدمختار بھی نہ رہا کیونکہ اوپر اس تقدیر کے خودمختار ہونے کا معنی نہیں معلوم ہوتا کہ کیا ہے۔ اسی واسطے مسامرے والے نے اس کا جواب نہ دیا اور کہا کہ یہ نہایت سخت اشکال ہے اور تفسیر کبیر والے نے کہا اس کے واسطے بہت سے حیلے کیئے ہیں لیکن کوئی معتبر جواب نہ دیا کہ جس سے تسلی اور یقین آجائے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ باری تعالیٰ اس تقدیر پر مختار نہ رہا کیونکہ اس تقدیر پر مرید ہونے کا معنی کیا ہے بلکہ لازم آتا ہے کہ مختار نہ رہے۔ جیسا کہ حکما کہتے ہیں اور معتزلہ کہتے ہیں کہ پہلے ذرہ بذرہ لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ جو چاہا تھا لکھا تھا سب چیز موجود کا عالم ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا بھی علم ہے اور جس چیز کا ابھی ارادہ بھی نہیں کیا اس کا عالم نہیں ہے۔ کیونکہ اصل میں وہ شیء بھی نہیں ہے اور انسان خودمختار

ہے اچھے کام کرے یا نہ کرے اور اللہ کو پہلے اس سے کوئی علم نہیں کہ کیا کریں گے بلکہ اللہ کو ان کے کرنے کے بعد معلوم ہوگا۔ اور آیات قرآنیہ جیسا کہ (ویعلم الذین) وغیرہ بھی اور احادیث کے الفاظ بھی اس مذہب پر منطبق ہیں۔

(نوٹ) آیت کی تفسیر تو مولوی صاحب معتزلہ کے مطابق کررہے ہیں اور مذہب اہلسنت و جماعت پر اپنے زعم باطل میں اعتراضات تو یہ بھی کررہے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ معتزلہ کہتے ہیں۔ یہ نہیں لکھتے کہ ہم کہتے ہیں۔ ترمذی شریف اور ابن ماجہ شریف کے حوالہ سے مشکوٰۃ شریف والے کتاب الایمان فی القدر میں اس حدیث کو نقل فرماتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ ایک دن آئے اور ہم تقدیر پر بحث کررہے تھے، آپ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہوگیا گویا آپ کے چہرہ مبارک پر انار نچوڑا گیا ہو۔ اور فرمایا کہ کیا اس بات کا تمہیں حکم دیا گیا ہے یا کہ میں تمہاری طرف اس لیئے بھیجا گیا ہوں۔ پہلی امتوں نے تقدیر پر بحث کی اور ہلاک ہوئیں میں تمہیں سختی سے پھر سختی سے حکم کرتا ہوں کہ تقدیر میں بحث مت کرو"۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ ہر ایک کو روکا گیا ہے۔ اس مسئلے کو ہر ایک نہیں سمجھ سکتا۔ اسی فصل کی دوسری حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میری امت سے دو قسم کے لوگوں کا اسلام میں کچھ حصہ نہیں۔ المرجیہ اور قدریہ" شیخ عبدالحق مرجیہ کا لغوی معنی کرنے کے بعد تشریح فرماتے ہیں کہ "مرجیہ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ بندے کا کوئی اختیار نہیں وہ مجبور محض ہے جیسا کہ ایک پتھر جس کا کوئی اختیار نہیں جس کے ہاتھ میں ہے وہ جس طرف پھینکے اسکی مرضی ہے۔ اور قدریہ وہ فرقہ ہے جو کہتا کہ انسان مختار مطلق ہے۔ جو چاہے کرے تقدیر کا کوئی دخل نہیں۔ یہ فرقہ معتزلہ فرقہ ہے اور اہل سنت و جماعت بین بین ہیں۔ نہ بندہ کو مجبور محض سمجھتے ہیں اور نہ مختار مطلق۔"

کاتب الحروف العاجز سلطان محمود صانہ اللہ من الشرور فی الدنیا و یوم البعث و النشور بحرمۃ سید الانبیاء عرض کرتا ہے کہ عندالعقل وعندالنقل نہ بندہ مجبور محض ہے نہ قادر مطلق ہے کیونکہ بندہ کتنے کام بالارادہ کرتا ہے۔ اگر جمادات کی طرح ہوتا تو کسی کام کا ارادہ نہ کرسکتا اور یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ اور نہ قادر مطلق ہے کیونکہ کتنے کام کرنا چاہتا ہے لیکن نہیں کرسکتا۔ اگر قادر مطلق ہوتا تو ہر کام کرسکتا اور مذہب اہلسنت کا عقیدہ بین بین ہے۔ یعنی بندہ کاسب الافعال ہے اور اللہ تعالیٰ خالق الافعال ہے۔ بندہ سعی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ثمرہ مرتب کردیتا ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

مالی دا کم پانی پانا بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانا لاوے یا نہ لاوے

اس مسئلہ کے ثبوت میں دلائل عقلیہ سے کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ مولوی غلام خان صاحب کو سوائے مسامرے والے کے مذہب میں کوئی کتاب ہی نظر نہیں آئی۔ دلائل عقلی میں تو یہ چھوٹی سی مثال پیش کی گئی ہے اور دلائل نقلیہ میں قرآن مجید کی آیت پیش کی جاتی ہے۔ پارہ نمبر:۲۳ سورۃ الصّٰفّٰت "وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تمہیں اور تمہارے عملوں کو۔ اس چھوٹی سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان دو فرقوں کا رد فرمادیا یعنی انسان مجبور محض ہوتا تو کوئی کام نہ کرسکتا۔ عمل کی نسبت بندے کی طرف کرنے سے بندے کے مجبور محض ہونے کا رد کردیا ہے۔ اگر قادر مطلق ہوتا تو اپنے عمل کا خالق ہوتا اور بندے کے عمل کی خلقت کی نسبت اپنی طرف کر کے بندے کا قادر مطلق ہونے کا رد فرمادیا ہے۔ مولوی غلام خان صاحب نے بندے کے قادر مطلق ہونے کے عقیدے کی وجہ سے کتنی آیات قرآنیہ کا انکار اور احادیث کثیرہ کا انکار کیا۔ کتاب الایمان بالقدر کی تشریحات احادیث میں محدثین کے اقوال دیکھیں۔ اشاعرہ

اور ماتریدیہ کے علم کلام کی کتابوں اور عقائد کی کتابوں میں دیکھیں۔
قرآن مجید میں جو آیتیں کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کو مسلمانوں پر چسپاں کر کے شیخ القرآن بننے کا جو نتیجہ نکلا ہے اس کو علماء دیوبند نے جو اشتہار بعنوان "مولوی غلام خان اور اس کی جمع کردہ تفسیر بلغة الحیران پر علماء دیوبند کے فتوے" پڑھیں اور اس ہی بلغة الحیران کے صفحہ نمبر: ۲۰۵ پر لکھتے ہیں کہ یاجوج ماجوج سے کافر اور انگریز مراد ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں یاجوج ماجوج کے بارے میں پورا نصف رکوع ہے کہ وہ سد سکندری کے اس طرف ہیں اور بھی اغلاط ہیں جو علماء دیوبند کے استفتاء میں منقول ہیں۔ اور تفسیر بلغة الحیران میرے پاس موجود ہے۔

سورة النسآء

☆ "اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ"

(آیت نمبر: ۱۴۲)

ترجمہ

"البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی انکو دغا دے گا" (محمود الحسن)

آپ پہلے تفسیروں کے حوالہ سے پڑھ چکے ہیں کہ خدع، استھزاء، مکر اور کید کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نا جائز ہے۔

"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور وہی انکو غافل کر کے مارے گا۔" (اعلیٰ حضرت)

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں "اَلْحَرْبُ خَدْعَة" یعنی حرب جنگی اسکیم کا نام ہے۔ مثلاً گتکہ کھیلنے والا ایک ڈنڈے سے کتنے کتنے زور آوروں کو بھگا دیتا ہے۔ پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین گتکہ بازی اور تلوار بازی جنگ کے لیئے سیکھا کرتے تھے اور فوجی ہر سال میں دو تین ماہ سکیموں کے لیئے جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپے پھرتے ہیں جھوٹی جنگیں لڑتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ جب کافروں سے جہاد کرنے کیلئے جاتے تھے تو اگر مشرق والوں پر حملہ کرنا ہوتا تو کیمپ مغرب کی طرف لگاتے تھے تا کہ مشرق والے سمجھیں کہ حملہ مغرب والوں پر ہوگا۔ یہ ہے غافل کر کے مارنا اور ہوشیار آدمی وہ ہوتا ہے جو دایاں ہاتھ دکھاتا ہے اور مارتا بایاں ہے۔

سورة الانعام

☆ "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ، وَهُوَيُدْرِكُهُ الْاَبْصَارَ"

(آیت نمبر: ۱۰۳)

ترجمہ

"نہیں پا سکتی اس کو آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو" (محمود الحسن)

میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ جب یہ ترجمہ میں نے دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ یہ تو انکار معراج بنتا ہے، اس سے تو معراج کی نفی ہوتی ہے۔ اور اس آیت پر جو جناب شبیر احمد عثمانی صاحب نے حاشیہ لکھا ہے دیکھیں۔ لکھتے ہیں کہ (حضرت شاہ صاحب نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ آنکھوں میں یہ قوت نہیں کہ اس کو دیکھ لیں، ہاں وہ ازخود راہ لطف و کرم اپنے آپ کو دکھانا چاہے تو آنکھوں میں ویسی قوت بھی پیدا فرما دیگا) اب کوئی ملحد بے دین یہ کہے کہ قرآن مجید میں جب یہ ثابت ہے اس کو آنکھ نہیں دیکھ سکتی تو قرآن مجید کے خلاف حدیث سے کیسے معراج ثابت کر سکتے ہیں۔ مجھے باڑیاں کیمپ سے ایک استفتاء آیا تھا کہ ایک شخص فردوس نامی رسول اللہ ﷺ کی نورانیت اور معراج سے انکار کرتا ہے اور مجھے حیرانگی ہوئی کہ معراج کا کیسے انکار کرتا ہے! جب محمود الحسن کا ترجمہ دیکھا تو پھر مجھے یقین ہوا اور پھر میں نے تفسیریں دیکھنا شروع کیں۔ تفسیر روح البیان دیکھی وہ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں "وادرک الشیء عبارة علی الوصول الیه و الا حاطة به" یعنی ادراک کا معنی احاطہ کرنا یعنی حدود داربعہ پر مطلع ہونا ہے۔ عاجز کہتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حدود اربعہ نہیں لہٰذا اس پر احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ تفسیر قادری والے معنی کرتے ہیں (نہیں پاتیں اسے

نظریں اور وہ پاتا ہے سب نظر والوں کو) یہ آیت نفی ادراک پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ہر شئی پر واقف ہوتا اور اس شئی کا احاطہ کر لیتا ہے۔نفی رویئت پر دلالت نہیں کرتی۔تفسیر حسینی والے معنی کرتے ہیں "درنیا بد اور اد یدھا و او دریا بد خدا اوند دید ھا را ایس آیۃ دلالتی بر نفی ادراک داردکہ وقوف است بر کنہ شیء واحاطہ بدو "ترجمہ:اس کو آنکھیں نہیں پا سکتیں اور وہ آنکھوں والوں کو پا سکتا ہے۔یہ آیت نفی ادراک پر دلالت کرتی ہے اور ادراک کا معنی کسی شئی پر واقف ہونا اور اسکا احاطہ کرنا ہے۔تفسیر خازن والے معنی کرتے ہیں(قال جمہور المفسرین معنی الادراک الاحاطہ بکنہ الشیء حقیقۃ فا لا بصآر تری الباری جل جلالہ ولا تحیط بہ کما ان لقلوب تعرفہ ولا تحیط بہ وقل سعید بن مسیب فی تفسیر قولہ لا تدرکہ الابصار ای لا تحیط بد الا بصار وقال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما کَلَّت الابصار المخلوقین عن الاحاطۃ)

ترجمہ:"جمہور مفسرین یعنی عام مفسرین ادراک کا معنی کرتے ہیں کہ کسی شئی کی کنہ اور حقیقت کا احاطہ کرنا،پس آنکھیں اس کو دیکھ سکتی ہیں اور اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔جیسا کہ دل اس کو پہچان سکتے ہیں اور اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور سعید بن میںب نے اللہ تعالیٰ کے قول 'لا تدرکہ الا بصار' کی تفسیر میں فرمایا ہے'ای تحیط بہ الابصار 'یعنی آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مخلوقات کی آنکھیں اس کے احاطہ سے عاجز ہیں۔" پھر تفسیر خازن والے آگے لکھتے ہیں(وتمسک بظاھر الا یۃ قوم من اھل البدع وھم الخوارج و المعتزلہ و بعض المرجیۃ)بہت لمبی تفصیل ہے۔اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کے تحت اس کا خلاصہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے جو آگے آنے والا ہے۔مدراک التنزیل والے بھی اسی طرح بہت لمبی تفصیل لکھتے ہیں۔تفسیر روح المعانی(لا تدرکہ الابصار)"جمع بصر یطلق علی کما قال الراغب علی الجارحۃ الناظرۃ وعلی القوۃ التی فیھا وعلی البصیرۃ . وھی قوۃ القلب المدرکہ و ادراک الشیء عبارۃ عن الوصول الی غایۃ والا حاطۃ بہ" پھر روح المعانی والے نے تین چار صفحات پر اس بحث کو پھیلایا ہے۔پھر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث (من زعم ان محمدً ا ﷺ رای بہ سبحانہ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ)پر بحث لکھی۔ایسے شیخ الھند کے متعلق کیا کہا جائے جس کے ترجمہ سے دین کا کتنا نقصان ہوا ہے۔پس دیوبندیوں نے اپنے بڑوں کی تائید میں دین متین کا بیڑا ہی غرق کر دیا ہے۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

دین کی ہر خرابی ہے ان تین سے
شاہ ظالم ، پیر جاہل ، عالم بے دین سے

حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نور اللہ مرقدہ اس آیت شریف کا ترجمہ کرتے ہیں۔

ترجمہ: "آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں"(اعلیٰ حضرت)

مولانا نعیم الدین مراد آبادی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ ادراک کے معنی ہیں مرئی کے جوانب وحدود پر واقف ہونا اسی کو احاطہ کہتے ہیں اور اسکی یہی تفسیر حضرت سعید بن میںب اور ابن عباس رضی اللہ عنھم سے منقول ہے۔اور جمہور مفسرین ادراک کی تفسیر (احاطہ) فرماتے ہیں اور احاطہ اسی چیز کا ہو سکتا ہے جسکے حدود اور جہات ہوں۔اللہ تعالیٰ کے لیئے حدود اور جہات محال ہیں تو اس کا ادراک اور احاطہ بھی ناممکن ہے۔یہی مذہب ہے اہل سنت کا۔خوارج اور معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقے ادراک اور رؤیۃ میں فرق نہیں کرتے اس لیئے وہ اس گمراہی میں مبتلا ہو گئے کہ انہوں نے دیدار الٰہی کو محال عقل قرار دے دیا۔باوجود یہ کہ نفی رویت نفی علم کو مستلزم ہے۔آگے مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے جو تفصیل لکھی ہے اس کو دیکھ لیں۔عاجز سلطان محمود

صانہ اللہ تعالیٰ من الشرور فی الدنیا و فی یوم البعث و النشور عرض کرتا ہے کہ صاحب روح المعانی نے اس آیت کی تشریح میں گمراہ فرقے یعنی معتزلہ اور خوارج کہ جنہوں نے دیدار الٰہی کو محال عقل قرار دیا ہے، انکے دلائل لکھ کر پھر انکا رد دلائل منطقیہ سے یعنی دلائل عقلیہ اور دلائل نقلیہ سے بڑے بسط سے فرمایا ہے پھر حدیث شریف (نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہ) ترجمہ: "اللہ نور ہے، کیسے میں اس کو دیکھ سکتا ہوں۔ اور دوسری حدیث شریف (رایت نورا) "میں نے نور دیکھا" صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (فقد روی انہ قال رای محمد ﷺ ربہ فقال عکرمۃ الیس اللہ تعالیٰ ' قال لا تدرکہ الابصار ' فقل لام لک ذالک نورہ الذی ھو نورہ اذا تجلی بنورہ لا یدرکہ شئ) ترجمہ: "یعنی یہ بات روایت کی گئی ہے کہ ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے (لا تدرکہ البصار) نہیں فرمایا؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا! تیری ماں نہ ہو وہ وہ نور ہے جس کے ساتھ وہ تجلی فرمائے تو اس کو کوئی شئی نہیں دیکھ سکتی۔ صاحب روح المعانی نے اسے دو تین سطریں اوپر (وقت تجلیہ بنور الذی یذھب بہ الابصار و ھو النور الشعشانی المشار الیہ) فی الحدیث الوردہ فی صحیح مسلم وغیرہ (لا حرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصر) یعنی اس سے وہ نور کہ اس وجہ مبارک کی شعائیں جس آنکھ تک پہنچیں اس کو جلادیں۔ بلاتمثیل اس کو ایسے سمجھیں کہ جس وقت سورج اپنی کامل روشنی میں اپنی شعاؤں کے ساتھ طلوع ہوتا ہے تو اس کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی مگر جس وقت وہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے تو پھر اس کو آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ غالباً یہ مولانا جامی کا شعر ہے۔

موسیٰ زھوش رفت بیک پر تو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسم

"یعنی ایک تجلی سے موسٰی علیہ السلام کے ہوش اڑ گئے۔ مگر آپ ﷺ عین ذات کا نظارہ اپنے کامل ہوش وحواس میں کرتے رہے۔"

بڑے افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ اپنے آپ کو حنفی اور اہل سنت وجماعت کہلانے والے شیخ الھند جیسے لقب والے ترجمہ کرتے وقت معتزلوں اور خارجیوں جیسا ترجمہ کریں تو پھر گمراہی سے وہی بچ سکے گا جس پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہو۔ علماء دیوبند میں القابات بہت سستے ہیں۔ کوئی شیخ الھند ہے، کوئی شیخ القرآن، کوئی شیخ الاسلام ہے، کوئی شیخ العرب والعجم ہے، کوئی شیخ التفسیر، کوئی شیخ الحدیث ہے تو کوئی شیخ الادب والفقہ۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ اب ذرا ایک جھلک اوران ہی شیوخ کی دیکھیں۔

سورۃ الاعراف، آیت نمبر: ۱۸۹ ترجمہ محمود الحسن صاحب "وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور اسی نے بنایا اس کا جوڑا تا کہ اس کے پاس آرام پکڑے۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا حمل رہا ہلکا سا حمل، تو چلتی پھرتی رہی حمل کے ساتھ پھر جب بوجھل ہوگئی تو دونوں نے پکارا اللہ اپنے رب کو کہ اگر تو ہم کو بخشے چنگا بھلا تو ہم تیرا شکر ادا کریں" اس آیت کریمہ کی تشریح میں شبیر احمد عثمانی صاحب نے بڑی لمبی بحث لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شیطان نے مائی حوا کو فریب دیا اور ان سے وعدہ لے لیا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام حارث رکھیں اور حوا نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھی راضی کرلیا اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے عبدالحارث نام رکھا۔ حارث ابلیس کا نام تھا۔ عرض یہ ہے کہ یہ واقعہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ واقعہ لکھنے سے کتنا نقصان ہوا ہے کہ جو یہ تشریح پڑھے گا وہ یہ سمجھے گا کہ آدم علیہ السلام سے شرک ہوا۔ اور جو ان کا پہلے دن کا دشمن تھا اسی کے نام پر اپنے بیٹے کا نام رکھا اور جن کو (وعلم آدم الاسمآء کلها) یعنی سب اسماء سکھائے گئے تھے ان کو اپنا ازلی دشمن پتہ تھا اور جنت میں اس کا نام بھی پتہ تھا۔ تفسیر کبیر والے نے اس کہاوت کو کتنے دلائل سے رد کیا ہے اور تفسیر روح البیان

والے نے بھی اس سے آدم علیہ السلام اور حوا مراد نہیں لیا۔ ایسی تشریح سے جو غلط ذہن والے ہیں وہ سمجھیں گے کہ انبیاء سے بھی شرک ہوتا ہے۔ آخر میں میں یہ ثابت کروں گا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حارث شیطان کا نام ہے وہ غلط کہتے ہیں۔

فتاویٰ رشیدیہ مبوب کامل صفحہ نمبر: ۴۰ (حضرت آدم وحوا سے شرک فی التسمیہ صادر ہونہ شرک حقیقی)

سوال: حامی شریعت جناب مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب سورۃ الاعراف کی آیت نمبر: ۱۹۰ کے جواب میں کیا فرماتے ہیں کہ حضرت آدم و حوا علیہ السلام کے بارے میں جو وارد ہے (جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ) تمام مفسرین کے کلام سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آدم وحوا سے شرک ہوا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا اور حارث شیطان کا نام ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ اس اعتراض کا جواب تحریر فرمایا جاوے، جواب کہیں سے نہیں ملتا بہت تشویش ہے۔ (مرسلہ سید اکرام حسین انبالوی)

جواب: شرک جو آیت شریف میں آیا ہے وہ شرک نہیں جو کبیرہ ہے بلکہ صغائر اور ترک اولیٰ پر بھی شرک کا اطلاق آیا ہے چنانچہ شرک دون شرک احادیث میں آیا ہے۔ پس یہ شرک جو ان سے سرزد ہوا یہ شرک فی التسمیہ ہے یعنی بوجہ عدم علم اس امر کے کہ حارث شیطان کا نام ہے، انہوں نے عبدالحارث نام رکھ دیا۔ پس یہ صورۃ شرک ہے نہ واقع اور حقیقی ترک اولیٰ اور مکروہ تنزیہی کا صدور انبیاء سے بعد نبوت بھی اتفاقاً جائز رکھا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی۔

یہ اعتراض و جواب کئی وجوہ سے غلط ہے۔ پہلے سید اکرام حسین صاحب نے جو لکھا ہے کہ تمام مفسرین کے کلام سے یہ بات ثابت ہوئی ہے۔ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ نہ سید اکرام حسین صاحب نے عربی تفاسیر اور احادیث کا مطالعہ کیا ہے اور نہ ہی رشید احمد گنگوہی صاحب نے عربی تفاسیر اور احادیث شریف کا مطالعہ کیا ہے۔ اگر سید صاحب تفاسیر کا اور احادیث شریفہ کا مطالعہ کرتے تو کبھی بھی یہ سوال نہ کرتے اور نہ رشید احمد گنگوہی صاحب ایسا بے ڈھنگا جواب دیتے۔ جواب میں لکھا کہ شرک جو آیت شریف میں آیا ہے وہ شرک نہیں جو کبیرہ ہے بلکہ صغائر اور ترک اولیٰ پر بھی شرک کا اطلاق آیا ہے۔ حالانکہ تفسیر کبیر والے لکھتے ہیں کہ یہ اسم محض یا اسم لقب ہوگا یعنی عبدالحارث نام رکھنا اسم محض ہوگا، پھر تو شرک ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اسم محض میں معنی مراد نہیں ہوتا اگر اسم لقب ہے تو حقیقت شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ نبی سے شرک ہو۔ عاجز عرض کرتا ہے کہ مطلب یہ ہوا کہ جو عبدالحارث نام رکھنے کی روایت ہے وہ آدم علیہ السلام کے حق میں نہیں۔ اور تفسیر روح البیان والے اور تفسیر کبیر والے بھی فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ فرما رہے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں صحیح سالم اولاد دی تو تیرا شکر یہ ادا کریں گے۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے اولاد دی تو وعدہ کے خلاف نبی ہو کر شکر یہ ادا کرنے کے بجائے شرک کیسے کیا؟ روح البیان والے لکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی پانچ سو دنوں میں ہزار اولاد پیدا ہوئی۔ مطلب یہ ہوا کہ رات دن میں دو بچے پیدا ہوئے تھے۔ عاجز عرض کرتا ہے کہ (فلمّا اثقلت دعو الله) کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت آدم علیہ السلام کے متعلق ہی نہیں۔ پھر شبیر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ تنبیہ: حافظ عماد الدین ابن کثیر نے بتا دیا ہے کہ عبد الحارث نام رکھنے کی حدیث مرفوع جو ترمذی شریف میں ہے وہ تین وجہ سے معلول ہے۔ سلطان محمود عرض کرتا ہے کہ جب یہ حدیث تین وجہ سے معلول ہے تو پھر اتنی لمبی بحث لکھنے کا کیا فائدہ! اتنا ضرور فائدہ ہے کہ جو صحیح العقیدہ ہے وہ شک میں مبتلا ہوگا۔ اور جو غلط عقیدہ والا ہے اس کو تقویت حاصل ہوگی۔ جیسا کہ سید اکرام حسین انبالوی صاحب کیسی پریشانی میں مبتلا ہیں۔ پھر علماء دیوبند کے نام نہاد قدوۃ العلماء، زبدۃ الفقہا، فخر المحدثین، قطب العالم کے کمالات علمی دیکھیں کہ کیسا جاہلوں جیسا جواب دیا ہے۔ حالانکہ تمام دیوبندی جن کا ذکر پہلے گزرا وہ ان القابات سے ان کو یاد کرتے ہیں اور دیکھیں کیسا ہے جاہلوں کا جواب

یعنی شرک جو آیت شریف میں آیا ہے وہ شرک نہیں جو کبیرہ ہے بلکہ صغائر اور ترک اولیٰ پر بھی شرک کا اطلاق آیا ہے۔ (لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم) قرآن مجید شریف بار بار اعلان فرماتا ہے کہ شرک کبھی بھی معاف نہیں ہوگا اور گنگوہی صاحب فرما رہے ہیں کہ صغائر اور ترک اولیٰ پر بھی شرک کا اطلاق آیا ہے۔ حالانکہ گناہ صغیرہ تو اللہ تعالیٰ بلا سزا معاف فرمادے گا اور آدم علیہ السلام بوجہ عدم علم کے کہ حارث شیطان کا نام ہے جس کے متعلق قرآن مجید کا اعلان ہے کہ ان کو ہم نے سب اسماء سکھائے۔ پھر اب حدیث شریف لکھتا ہوں۔ مشکوٰۃ شریف باب الاسامی فصل تیسری (عن ابی وھب الجشمی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ تسمو با سماء الانبیاء وا حب الا سماء الی اللہ عبد اللہ و عبد الرحمٰن و اصدقھا حارث وھمام واقبحھا حرب ومرۃ رواہ ابو داؤد) ترجمہ: "ابی وھب الجشمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کے ناموں کے ساتھ نام رکھو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پیارے نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہیں اور بہت سچے نام حارث اور ھمام ہیں اور بہت برے نام حرب اور مرۃ ہیں۔ یہ حدیث ابوداؤد کی ہے۔"

کیوں جناب! جن کو اللہ تعالیٰ نے سب نام سکھادیئے ان پر تو بے علمی کا فتویٰ لگا کر شرکیہ نام رکھنے کا فتویٰ لگا دیا مگر اتنا ضرور لحاظ کیا کہ شرک کی تقسیم کردی کہ شرک کا اطلاق گناہ صغیرہ اور ترک اولیٰ پر بھی آیا ہے۔ پھر استدلال میں حدیث شریف شرک دو ن شرک پیش کرتے ہیں۔ یعنی شرک کوئی کم درجہ کا ہے اور کوئی سخت درجہ کا۔ یعنی شرک فی الذات اور شرک فی الصفات۔ شرک فی الصفات میں آٹھ ایسی ہیں جن میں شرک اور صفتوں سے سخت ہے۔ مگر جو شرک بھی ہو وہ کبھی بھی معاف نہیں ہوسکتا اور مفتی گنگوہی صاحب نے شرک کا اطلاق صغائر اور ترک اولیٰ پر لکھ کر شرک کی حیثیت ہی ختم کردی۔ مگر یہاں پر کیا فتویٰ نعوذ باللہ لگانا چاہئے کہ جو دیوبندیوں کی تحقیق کے مطابق شرکیہ نام تھا اس کو رسول اللہ ﷺ نے سچے ناموں میں فرمایا۔ پھر (اکمال فی اسماء الرجال) دیکھیں حرف الحاء فصل فی الصحابہ یعنی مشکوٰۃ شریف کی احادیث کے راویوں میں سے جو صحابہ حارث نام والے ہیں وہ پڑھیں تو سات صحابہ کے نام حارث اور حارثہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ جو نام غلط ہوتے تھے ان کو بدلا دیا کرتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے نہیں بدلا یا تو نعوذ باللہ ان کو بھی نہیں پتہ تھا اور سات تابعیوں کے نام تھے انکو بھی نہیں پتہ تھا مگر چودھویں صدی کے بے لگام مفتیوں کو پتہ لگ گیا۔ اگر زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر عربی تفاسیر دیکھو اور میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اوّل اردو تراجم نہیں پڑھنے چاہئے کیونکہ پیشوا لوگ فرماتے ہیں کہ جب تک ۲۲ علوم کا ماہر نہ ہوجائے تب تک قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کا شوق نہ رکھے۔ روزمرہ جو مسائل انسان کو پیش آتے ہیں وہ سیکھے اگر ترجمہ پڑھنے کا شوق ہے تو پھر اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کا ترجمہ پڑھیں۔ کیونکہ میں نے ایسا ترجمہ تفسیری مسئلہ میں، مفسرین متقدمین کو بھی نہیں پایا۔ اعلیٰ حضرت صرف وہی تفسیر پیش کرتے ہیں جس میں پڑھنے والے کا ایمان برقرار رہے۔ پھر من گھڑت معنی نہیں کرتے۔ آپ اگر اس عاجز کی تحقیق کو بنظر انصاف دیکھیں گے تو آپ ضرور یہ فیصلہ کریں گے کہ اس معاملہ میں اعلیٰ حضرت کا کتنا اونچا مقام ہے۔

سورۃ یوسف

☆ "وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوۡ لَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ"

(آیت نمبر: ۲۴)

ترجمہ

"اور البتہ عورت نے فکر کیا اسکا اور اس نے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی" (محمود الحسن)

اس معنی کے لحاظ سے یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے ارادہ کرلیا تھا اور یہی معنی اکثر مفسرین نے کیا۔ پھر اکثر نے (هَمَّ بِهَا) میں قسم قسم کی تاویلیں کی ہیں۔ اور تفسیر قادری والے نے معنی کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ بھاگنے کا کیا مگر یہ معنی بھی (لَـوْ لَآ اَنْ رَّا) کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا۔ فقط ایک اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے ایسا معنی کیا جس سے یوسف علیہ السلام کی برأت ثابت ہوتی ہے اور یہ معنی انہوں نے قانون نحوی کے موافق کیا ہے۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ جس معنی میں اکثر مفسرین نے لغزش کھائی ہے اس سے اعلیٰ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے کیسے بچایا ہے۔ اور اس عاجز پر بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور مرشد کی نظر کرم ہے جس کی وجہ سے یہ معنی ذہن میں آیا۔ حالانکہ یہ مسئلہ پچپن (۵۵) ساٹھ (۶۰) سال پہلے استاذ الاساتذہ

قبلہ کہوں کہ کعبہ کہوں کہ صنم
القاب کے خیال میں حیران ہے قلم

حضرت قبلہ استاذ کامروی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا تھا۔ پھر مرشد کامل کے صدقہ سے اللہ نے میرے دل میں القاء کردیا۔ اعلیٰ حضرت نے اس آیت کا معنی کیا ہے:

ترجمہ: "بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا، اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔" (اعلیٰ حضرت)

اعلیٰ حضرت کا یہ معنی پڑھا تو میرے ذہن میں دلیل آگئی کہ استاد صاحب کامروی رحمۃ اللہ علیہ نے (عبدالرسول) میں پڑھایا تھا کہ "لَـوْ لَا" امتناعیہ شرطیہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شرط ہو تو جزا نہیں ہوتی اور اگر شرط نہ ہو تو جزا ہوتی ہے۔ (لَـوْ لَآ اَنْ رَّا بُـرْهَـانَ رَبِّه) اس کی شرط ہے۔ جزا اس کی محذوف ہے جو (همّ بها) ہے (وهمّ بها) جو (لولا) سے پہلے ہے وہ اس پر دال ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام زلیخا کا خیال کر بیٹھتے اگر دلیل ربی نہ دیکھ لیتے۔ لیکن دلیل ربی دیکھی لہٰذا ارادہ نہیں کیا۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ مشہور ہے (لولا علی لهلک عمر) یعنی "اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا" اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے مولانا احمد رضا خان صاحب پر کہ جس نکتہ پر بڑے بڑے مفسرین کی نظر نہیں پہنچی وہاں پر احمد رضا خان صاحب کی نظر پہنچی۔ پھر اس عاجز پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے اور مرشد کامل رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل کہ اسکی دلیل اسکے دل میں القاء کردی۔ ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا او الحمد لله رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علی رحمة اللعالمین۔

سورة الانبیاء

☆ " وَ ذَالنُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِباً فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ "
(آیت نمبر:۸۷)

ترجمہ

"اور ذلنون کو (یاد کرو) جب چلا غصہ میں بھرا تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔" (اعلیٰ حضرت)

اور مچھلی والے کو، چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو۔ (محمود الحسن)

محمود الحسن صاحب نے (لـن نـقـدر) کا معنی قدرت سے کیا تو معنی غلط ہوگیا کہ گویا یونس علیہ السلام نے اللہ کو قادر نہیں سمجھا۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو قادر نہیں سمجھتا؟ اور مولانا احمد رضا خان صاحب نے 'قدر' سے معنی کیا تو معنی صحیح کیا۔ جیسا کہ آیت "اللہ تعالیٰ رزق کھول دیتا ہے جس کے لیئے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیئے چاہتا ہے" میں ہے۔ مولانا محمود الحسن صاحب کے ترجمہ کے لحاظ سے معنی یہ ہوا کہ میرا خدا کیا کرسکتا ہے اور مولانا احمد رضا خان صاحب کے معنی کے لحاظ سے یہ ہوا کہ اللہ مجھ پر تنگی نہ کرے گا۔ جیسے کہ ایک کہتا ہے کہ میرا استاد یا باپ کیا کرسکتا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ مجھے

استاد صاحب کچھ نہ کہیں گے۔اب دیکھتے ہیں کہ تفسیر والوں نے کیا معنی کیا ہے۔

تفسیر قادری والوں نے معنی کیا ہے کہ "تنگ نہ کردیں گے اس پر راہ چلنا" یعنی اسکا راستہ تنگ نہ کریں گے۔تفسیر روح المعانی والے اس کے دو معنی کرتے ہیں،شان یہ ہے (لن نقدر و نقدضی علیه بقوبة و نحوها او لن نضیق علیه فی امره بحبس) یعنی "لن نقدر باب تفعل سے بنایا ہے بمعنی تقدیر کے۔اور ایک قرأۃ میں صیغہ متکلم کے اور ایک قرأۃ میں صیغہ غائب کے ساتھ۔لن یقدر دونوں قرأۃ میں تقدیر بمعنی قضا اور حکم ہوگا۔" یعنی یونس علیہ السلام کا خیال تھا کہ میرے خلاف اللہ کوئی سزا کا فیصلہ نہ کرے گا یا کہ میرا کام مجھ پر تنگ نہ کرے گا۔اور روح المعانی والے فرماتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے کہ (لن نقدر) بمعنی تضیق کے ہو یعنی تنگی کے معنی میں ہو۔کیونکہ اس معنی کے لحاظ سے بھی آیا ہے اور آگے روح المعانی والے لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ (لن تقدر) قدرت سے ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشکل معلوم ہوئی کہ ایک عام آدمی بھی ایسا خیال نہیں کرسکتا ہے چہ جائے کہ نبی ایسا خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر نہیں۔پھر گھبرا کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔تو پھر روح المعانی والے لکھتے ہیں کہ پھر ان کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دیا جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔فقط قریب قریب سب تفاسیر والوں نے ایسے ہی لکھا ہے۔معلوم نہیں کون سے علم کے گھمنڈ میں شیخ الہند صاحب ترجمہ کرنے بیٹھ گئے یا کہ لقب شیخ الہند کے نشہ میں بیٹھ گئے یا کہ انگریزوں کے عطیات حلال کرنے کیلئے ایسے تراجم لکھنے پڑے ہیں۔اگر اس بات کا ثبوت ضرورت ہو تو میرے پاس آئیں میں انہی کی کتابوں سے اس بات کا ثبوت دوں گا مگر شرط یہ ہے کہ جماعتی تعصب اور استاد پرستی کے تعصب سے خالی ہو کر آئیں۔اس ترجمہ میں غلطیاں تو بہت ہیں مگر صرف وہی غلطیاں لکھی گئیں جن میں کفر کی حد تک کا خطرہ ہو،وہ بھی اس عاجز کے علم کے مطابق۔

سورۃ محمد

☆"وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ "

(آیت نمبر:۱۹)

ترجمہ

"اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے" (محمود الحسن)

استغفر اللہ نعوذ باللہ مولانا محمود الحسن صاحب نے گناہ کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی ہے۔حالانکہ اہل وسنت و جماعت یعنی آئمہ اربعہ کے نزدیک انبیاء معصوم ہیں اور یہ بات دلائل قویہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں کیونکہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام معصوم نہ ہوں تو پھر ادیان پر کوئی اعتبار نہیں ہوسکتا کہ انبیاء نے اپنی طرف سے یہ دین گھڑ لیئے ہوں اور قرآن مجید پر اعتبار نہیں ہوسکتا کیونکہ نعوذ باللہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید اپنی طرف سے گھڑ لیا ہو۔اور یہ بات زبانی جمع خرچ نہیں ہے بلکہ کتابیں اور تفاسیر ایسے مسائل سے بھری پڑی ہیں۔قربان جاؤں ایسے حنفی نما خارجیوں اور معتزلوں کے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کو مکار،سب مکاروں سے بڑا مکار،کہیں اللہ تعالیٰ کو بے علم ثابت کیا جارہا ہے۔اور کہیں اللہ تعالیٰ کو دغاباز اور کہیں فریبی اور کہیں داؤلاؤ،کہیں معراج کا انکار کیا جارہا ہے کہیں انبیاء پر اللہ تعالیٰ کو قادر نہ ماننے کا الزام لگایا جارہا ہے اور کہیں نبی پر زنا کے لیئے تیار ہونے کا الزام لگایا جارہا ہے۔حالانکہ مترجم کو ایسا ترجمہ کرنا چاہیئے کہ قطعی عقیدہ پر الزام نہ آئے۔اور کہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف گناہ کی نسبت کرکے آپکی عصمت کو تار تار کیا جارہا ہے۔قربان جاؤں اعلیٰ حضرت پر کہ ان سب غلطیوں سے ان کا دامن پاک ہے۔

اب دیکھتے ہیں کہ اس آیۂ مبارکہ کا اعلیٰ حضرت نے کیا ترجمہ کیا ہے۔

ترجمہ: ''اور اے محبوب ﷺ اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔'' (اعلیٰ حضرت)

دیکھتے ہیں کہ یہ معنی انہوں نے اپنی طرف سے کیا ہے یا کہ مفسرین نے یہ معنی کیا ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں (وقال بعض الناس لذنبک ای لذنب اھل بیتک وللمؤمنین و المؤمنات) یعنی ''ایک معنی تو یہ بنتا ہے کہ اپنے اہل بیت کے گناہوں کی معافی مانگو اور دوسرا معنی یہ بنتا ہے کہ ترک افضل جو کہ آپکی نسبت گناہ ہے اس کی معافی مانگو۔'' اور امام رازی فرماتے ہیں کہ ایسی بات کرنا آپکی نسبت، اللہ کی پناہ اس سے۔ تیسری وجہ جو مستنبط ہے مولانا امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ بہت اچھی ہے۔ گویا کہ اس دلیل کو امام رازیؒ نے بہت فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ استغفار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ توفیق دے اچھے عمل کرنے کی اور برے عمل سے بچنے کی۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ استغفار کا معنی طلب الغفران یعنی غفران کی طلب کرنا ہے۔ اور غفران کا معنی برے کام پر پردہ ڈالنا اور جو گناہوں سے بچایا گیا ہے گویا اس سے گناہ پردہ کئے گئے ہیں یعنی گویا اس سے گناہ چھپائے گئے ہیں۔ یہی معنی ہے معصوم ہونے کا۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جو استغفار کا حکم ہے گویا اپنے لیئے معصومیت کی دعا مانگنے کا حکم ہے اور معنی طلب الغفران کا یہ ہے کہ ہمیں شرمندہ نہ کرنا۔ اور کبھی معنی ہوتا ہے گناہ سے عصمت کا۔ پس وہ گناہ میں نہیں کرتا اور کبھی معنی ہوتا ہے گناہ ہو جانے کے بعد پردہ ڈالنا۔ جیسا کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں ہے۔ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بہت بڑا نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے تین حال ہیں۔ ایک حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور ایک اپنے نفس کے ساتھ اور ایک حال غیر کے ساتھ۔ اللہ کے ساتھ جو حال ہے وہ اس کی توحید یعنی اس کو وحدہ لاشریک ماننا ہے اور جو اپنے نفس کے ساتھ ہے تو اس کیلئے عصمت مانگنی ہے اللہ سے۔ اور جو حال مومنوں کے ساتھ ہے تو وہ انکے لیئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی ہے۔ تفسیر فتوحات الٰہیہ (بتوضیح تفسیر الجلالین المعروف بجمل) اس میں 'واستغفر لذنبک' کی تحقیق میں بہت لمبی بحث لکھی ہے۔ جس سے یہی مطلب بنتا ہے کہ ذنب کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح نہیں۔ مگر مولانا محمود الحسن ہیں جو بے دھڑک ذنب کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کیئے جا رہے ہیں اور تفسیر کبیر کی طرح جمل والے بھی معنی اس آیت کا یہ کرتے ہیں کہ (واستغفر لذنبک ای لذنوب اھل بیتک) یعنی معنی یہ ہے کہ اپنے اہل بیت کے گناہوں کی معافی مانگو۔

سورۃ الفتح

☆ ''اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ'' (آیت نمبر: ۲،۱)

ترجمہ

''ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ، تا کہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور پیچھے رہے'' (محمود الحسن)

''بیشک ہم نے تیرے لیئے روشن فتح فرما دی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے۔''

(ترجمہ اعلیٰ حضرت)

مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''اور تمہاری بدولت امت کی مغفرت فرمائے''۔ روح البیان اور خازن والوں نے گناہ کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف جائز نہیں سمجھی اور تفسیر جلالین والے اس کی تشریح میں لکھتے ہیں (الترغیب امتک فی الجهاد وهو لعصمة الانبياء عليهم الصلوٰة و السلام بالدليل القطعي القاطع من الذنوب) جلالین والے فرماتے ہیں کہ ''اس کی تاویل کی جائیگی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ جو 'قاطع من الذنوب' ہے۔'' اس کی تشریح میں جمل والے لکھتے ہیں۔ شیخ الاسلام ذکریا الانصاری

اپنی شرح طوالع میں فرماتے ہیں کہ بعض نے فرمایا 'معنی غفران کا یہ ہے کہ بندے اور گناہوں کے درمیان پردہ حائل ہو پھر اس سے گناہ صادر نہ ہوں'۔ کیونکہ غفر کا معنی ستر ہے اور ستر درمیان بندے اور گناہ کے ہوگا یا درمیان گناہ اور اس کی سزا کے ہوگا۔ پھر آپ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پہلا معنی لائق ہے اور امتوں کے ساتھ دوسرا معنی لائق ہے۔ اور تفسیر کبیر والے لکھتے ہیں کہ اس آیت پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب آپ ﷺ کے ذنب ہی نہیں تو پھر وہ کیا شئی ہے جو انکے لیئے بخشی جائے گی۔ تو تفسیر کبیر والے فرماتے ہیں کہ اس کا جواب کئی دفعہ کتنی صورتوں میں دیا گیا ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ذنب المؤمنین ہے۔ یعنی مومنوں کے گناہ معاف فرمائے۔ دوسرا جواب یہ کہ ذنب سے ترک الافضل ہے۔ تیسرا جواب الصغائر ہیں۔ چوتھا جواب عصمت ہے اور اس کی وجہ سورۃ القتال میں ہم نے بیان کی ہے۔

ان اوراق میں مولانا محمود الحسن صاحب کی وہ اغلاط بیان کی گئی ہیں جو کہ کفر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ باقی اغلاط میں سے بھی کئی کفر کی حد تک ہیں مگر وہ سب ان اغلاط میں داخل ہیں (و اللہ یھدی من یشآء الی صراط مستقیم) جو شخص استاد پرستی اور فرقہ پرستی کے تعصب سے بچ کر ان اوراق کا مطالعہ کرے گا تو یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوگا کہ واقعی محمود الحسن صاحب نے غلطیاں کی ہیں۔ میں نے بعض ساتھیوں کو محمود الحسن صاحب کے ترجمہ کی غلطیاں دکھائیں تو انہوں نے کہا کہ دیوبندی کہتے ہیں کہ ہم گرائمری معنی کرتے ہیں۔ تو پھر میں نے وہ وہ آیتیں دکھائیں جن سے اللہ تعالیٰ مکری، دغاباز اور بے علم ثابت ہوتا ہے اور جو ترجمہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے کیا وہ اکثر تفاسیر سے ثابت ہوتا ہے۔ اردو میں ایسا ترجمہ کرنا چاہیے کہ مطالعہ کرنے والے کا عقیدہ غلط نہ ہوجائے۔ پانچ سات سال کی بات ہوگی ایک شخص نرتوپہ (قریبی گاؤں) کا ایک مسئلہ پوچھنے کے لیئے میرے پاس آیا، مجھے اس نے کہا کہ مجھے ایک دوست نے جو امریکہ میں رہتا ہے اس نے کہا ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ انگریزی میں کر کے بھیجو۔ میں نے اس کو کہا کہ کس ترجمہ سے لکھ کر بھیجو گے تو وہ حیران ہوگیا۔ میں نے اس کو مولانا محمود الحسن کا ترجمہ دکھایا تو وہ مزید حیران ہوگیا۔ یہ جتنی بدعقیدگی پیدا ہوئی ہے یہ ان اردو تراجم کی ہی برکت ہے۔ جس کو بھی عربی کا معنی اردو میں کرنے کا کچھ بھی ملکہ پیدا ہوا تو وہ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے بیٹھ گیا۔ حالانکہ متقدمین پیشوا فرماتے ہیں کہ جب تک ۲۲ علوم کا ماہر نہ ہو تو قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائے۔ شاید حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ہے:

جمیع العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ افھام الرجال

قریب قریب غلط عقیدہ سے بچنے کے لیئے مولانا احمد رضا خان صاحب کا ترجمہ انسان کو کافی ہے۔ ورنہ اکثر تراجم جو ہیں ان سے غلط عقیدہ انسان میں پیدا ہوجاتا ہے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ میں جو لوگ غلطیاں نکالتے ہیں میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ وہ زیادہ تر غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو تو میرے پاس آئے۔ ضد اور عناد کو دل سے نکال کر آئے تو انشاء اللہ میں ان ہی کتابوں سے یہ غلط بیانیاں دکھاؤں گا۔ میں نے حق کی تلاش میں اٹھارہ (۱۸) بیس (۲۰) سال صرف کیئے ہیں اور ان لوگوں نے کئی انداز سے مناظروں کے چیلنج بھی کیئے ہیں۔ میں صرف یہ کہتا تھا کہ مناظرہ تھانے میں کریں گے تو میدان میں نہیں آتے تھے۔ سچ کو کیا ڈر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر طرح کے بدعقیدوں اور ہر طرح کی بدعقیدگی سے اپنی پناہ میں رکھے اور اپنے پیارے محبوب ﷺ کا سچا اور پکا عاشق بنائے اور ہمارے دلوں کو عشاق رسول ﷺ کی محبت اور گستاخان رسول ﷺ کی نفرت سے لبریز کرے۔

(آمین بجاہ السید المرسلین ، وماعلینا الا لبلاغ المبین)

❁......❁......❁

"کنز الایمان" پر اعتراضات کا علمی جائزہ

[سورۂ البروج کی ایک آیت کے حوالے سے]

﴿صاحبزادہ ابوالحسن واحد رضوی﴾

پروفیسر ابو عبید دہلوی اپنے رسالہ "فاضل بریلوی کے کردار ونظریات کا مختصر جائزہ" میں "کنزالایمان" پر اعتراض کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"احمد رضا خان صاحب نے یہ ترجمہ بلا سوچ اور اور کتب تفسیر ولغت کی طرف مراجعت کیے بغیر طبعی کسلمندی کے اوقات میں املا کرایا۔ اسی وجہ سے ان کے ترجمہ میں بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ اس بات کی وضاحت اگلے بیان میں آرہی ہے۔ ان اغلاط کی تعداد تو اگرچہ بہت زیادہ ہے لیکن ہم چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔" (ص:۲۱)

چنانچہ سورۃ البروج کی آیت نمبر ۱۵ کے ترجمہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ذو العرش المجید (سورۂ بروج آیت نمبر ۱۵) احمد رضا خان صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے: "عزت والے عرش کا مالک" یعنی احمد رضا خان صاحب نے المجید کو العرش کی صفت بنایا حالانکہ المجید کی دال پر پیش کے ساتھ یہ العرش کی صفت بن ہی نہیں سکتی بلکہ ذو العرش اور المجید یہ دو اللہ تعالیٰ کی علیحدہ علیحدہ صفات ہیں۔ لہذا صحیح ترجمہ یہ ہے: "عرش کا مالک، بڑی شان والا"۔ (ص:۲۱)

پروفیسر صاحب نے اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کو غلط قرار دے کر نہایت جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ حالانکہ آیت کا ترجمہ بالکل درست ہے۔ آئندہ سطور میں ہم دلائل وبراہین سے واضح کریں گے کہ یہ ترجمہ درست ہونے کے ساتھ ساتھ منفرد بھی ہے۔

قارئین گرامی! حوالہ جات سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن حکیم کی مختلف آیات کی مختلف قرأتیں ہیں۔ جن کی تفصیل کتب تجوید و قرأت میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ مذکورہ آیت میں جہاں لفظ المجید، ذو کی صفت ہوسکتا ہے وہیں دوسری قرأت کے مطابق العرش کی صفت بھی بن سکتا ہے۔ مفسرین نے دونوں قرأتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ کسی نے المجید کو مرفوع [دال پر پیش] پڑھ کر ذو کی صفت تسلیم کیا ہے اور کسی نے المجید کو مکسور (دال کے نیچے زیر) پڑھ کر العرش کی صفت اختیار کیا ہے۔ پہلی صورت میں ترجمہ یوں ہوگا۔ عرش کا مالک، بزرگی والا، اور دوسری صورت میں ترجمہ یوں ہوگا: عزت والے عرش کا مالک۔ امام احمد رضا نے دوسری قرأت کو اختیار کرتے ہوئے ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے ان کا ترجمہ بالکل درست ہے۔ پروفیسر صاحب کا اعتراض دراصل اُن کے محدود علم کا نتیجہ ہے۔ اگر انھوں نے کتب تفسیر اور کتب تجوید وقرأت کی طرف مراجعت کی ہوتی تو وہ یہ اعتراض نہ کرتے بلکہ وہ اس بات کا اعتراف کرتے کہ امام احمد رضا کو دیگر علوم وفنون کی طرح علم قرأت پر بھی کس طرح زبردست دسترس حاصل تھی اور ترجمۂ قرآن کے اندر انھوں نے کیسی کیسی علمی بحثیں محض لفظوں میں سمو کر رکھ دی ہیں۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے قبل امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ جیسے عظیم مفسر نے

بھی اسی قرأت کو اختیار کیا ہے بلکہ انھوں نے متن قرآن میں المجید کی دال پر زیر کی حرکت لگائی ہے۔ (دیکھئے تفسیر کبیر) اب ہم ذیل میں مفسرین کی توضیحات نقل کرتے ہیں جس میں انھوں نے المجید کو بطور صفت العرش درست قرار دیا ہے۔

(۱) امام علامہ علاء الدین علی خازن علیہ الرحمۃ اپنی مشہور تفسیر "لباب التأویل فی معانی التنزیل" میں **المجید** کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وقرئ المجید بالکسر علی انه صفة العرش أی السریر العظیم اذ لا یعلم صفة العرش وعظمته الا اللّٰه تعالیٰ وقیل أراد حسنه فوصفه بالمجید فقد قیل ان العرش أحسن الأجسام"

[تفسیر الخازن، ص:۳۶۸]

ترجمہ:

المجید کسرہ (زیر) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس بنا پر یہ العرش کی صفت ہوگا یعنی تختِ عظیم کیونکہ عرش کی صفت وعظمت بھی تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے المجید فرما کر عرش کا حسن مراد لیا ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ عرش کا قالب تمام اجسام سے بہتر ہے۔

(۲) اسی طرح علامہ نسفی تحریر فرماتے ہیں:

"(المجید) وبالجر حمزة وعلی ،علی انه صفة للعرش ومجد اللّٰه عظمته ومجد العرش علوه وعظمه"[تفسیر مدارک،ص:۱۲۶۷]

ترجمہ:

المجید، جر کے ساتھ (بھی) ہے حمزہ اور علی (کے نزدیک) اس بنا پر عرش کی صفت ہوگا چنانچہ اللہ کی مجد و بزرگی سے مراد اس کی عظمت جبکہ عرش کی مجد و بزرگی سے مراد اُس کا اونچا اور بڑا ہونا ہے۔

(۳) صاحب تفسیر قرطبی المجید بالکسر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(ذو العرش المجید) قرأ الکوفیون الا عاصما "المجید" بالخفض نعتا للعرش.....الباقون بالرفع نعتا لذو وهو اللّٰه تعالیٰ واختاره أبو عبید وأبو حاتم ،لأن المجد هو النهایة فی الکرم والفضل ،واللّٰه سبحانه المنعوت بذلک ،وان کان قد وصف عرشه بالکریم فی آخر "المؤمنون"___"

[تفسیر قرطبی، ص:۲۹۶، ۲۹۷]

ترجمہ:

(ذوالعرش المجید) قُرّاءِ کوفہ نے سوائے جناب عاصم کے "المجیدِ" دال کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے، عرش کی صفت کے طور پر۔ باقی قُرّاء نے رفع (دال پر پیش) کے ساتھ پڑھا ہے، ذو کی صفت کے طور پر، اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اس (قراءت) کو ابو عبیدہ اور ابو حاتم نے اختیار کیا ہے کیونکہ مجد کا معنیٰ ہے انتہائی کرم وفضل اور اللہ تعالیٰ اس صفت سے متصف ہے اگرچہ اُس نے اپنے عرش کو کریم بھی فرمایا ہے سورۂ مومنون کے آخر میں۔

(۴) امام رازی نے اپنی "تفسیر کبیر" میں نہ صرف قرأت بالکسر کی توضیح کی ہے بلکہ اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ وہ دونوں قراءتوں کی صراحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(المجید) وفیه قراء تان(احداهما) الرفع فیکون ذلک صفة اللّٰه سبحانه ،وهو اختیار اکثر القراء والمفسرین لأن المجد من صفات التعالیٰ والجلال،وذلک لا یلیق الا باللّٰه سبحانه ،والفصل والاعتراض بین الصفة والموصوف فی هذا النحو غیر ممتنع. (والقراء ة الثانیة) بالخفض وهی قراء ة حمزة

،والکسائی فیکون ذلک صفة للعرش ،وهؤ لاء قالوا القرآن دل علیٰ انه یجوز وصف غیر اللّٰه بالمجید حیث قال (بل هو قرآن مجید) ورأینا أن اللّٰه تعالیٰ قصف العرش بأنه کریم فلا یبعید أیضاً أن یصفه بأنه مجید ، ثم قالوا ان مجد اللّٰه عظمته بحسب الوجوب الذاتی وکمال القدرة والحکمة والعلم وعظمة العرش علوه فی الجهة وعظمة مقداره وحسن صورته وترکیبه ،فانه قیل العرش أحسن الأجسام ترکیباً وصورة.

[تفسیر کبیر، ص:۱۲۳، جلد:۳۱]

ترجمہ:

المجید میں دو قراءتیں ہیں ایک رفع کے ساتھ تو اس صورت میں یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہوگا اور اکثر قُرّاء اور مفسرین نے یہی اختیار کیا ہے کیونکہ مجد، علو اور جلال اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کو ہی سزاوار ہیں اور صفت و موصوف کے درمیان فصل ایسے مواقع میں ممنوع نہیں ہے۔اور دوسری قراءت زیر کے ساتھ ہے اور یہ جنابِ حمزہ اور جنابِ کسائی کی قراءت ہے تو اس صورت میں المجید عرش کی صفت ہوگا۔ان علماء و قراء کا کہنا ہے کہ قرآن میں خود اس پر دلیل موجود ہے کہ مجید اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی بھی صفت واقع ہو سکتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے بل ھو قرآن مجید (یہاں مجید قرآن کی صفت ہے)۔نیز ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش کو کریم فرمایا ہے تو یہ بھی بعید نہیں کہ یہاں اُس نے اپنے عرش کو مجید فرمایا ہو۔پھر مفسرین کا کہنا ہے کہ اللہ کی مجد و بزرگی سے مراد اس کی عظمت ہے جو اس کی ذاتی ہے ۔نیز کمالِ قدرت، حکمت اور علم مراد ہے۔جبکہ عرش کی عظمت سے مراد اُس کا جہت کے اعتبار سے بلند ہونا، مقدارِ عظمت، حسن صورت اور حسن ترکیب (بناوٹ) ہے۔چنانچہ کہا گیا ہے کہ عرش اپنی صورت و بناوٹ کے حوالے سے تمام چیزوں سے خوبصورت ہے۔

۵۔ صاحب تفسیر روح المعانی جناب شہاب الدین سید محمود آلوسی علیہ الرحمۃ بھی اسی انداز میں تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''(المجید)........وقرأ الحسن،وعمرو بن عبید،وابن وثاب ،والاعمش ،والمفضل عن عاصم،والاخوان المجیدِ بالجر صفة للعرش ومجده علوه وعظمته وحسن صورته وترکیبه فانه قیل العرش أحسن الأجسام صورة وترکیباً''

[تفسیر روح المعانی، جلد:۳۰، ص:۹۲]

ترجمہ:

(المجید)......حسن، عمرو بن عبید، ابن وثاب ،اعمش ،مفضل بروایت عاصم اور اخوان نے (المجیدِ) زیر کے ساتھ پڑھا ہے، عرش کی صفت کے طور پر (اس سے مراد) عرش کی بزرگی ،بلندی ،عظمت، حسن صورت اور خوبصورت بناوٹ ہے۔اسی لئے کہا گیا ہے کہ عرش اپنی صورت و بناوٹ کے اعتبار سے تمام چیزوں سے خوبصورت ہے۔

(۶) علامہ ابن کثیر نے بھی آیت کی تفسیر میں اس بات کی صراحت فرمائی ہے اور دونوں صورتوں کو درست قرار دیا ہے، چنانچہ تفسیر ابن کثیر اردو میں ہے:

''مجید کی دو قراءتیں ہیں۔دال کا پیش بھی اور دال کا زیر بھی۔پیش کے ساتھ وہ خدا کی صفت بن جائے گا اور زیر کے ساتھ عرش کی صفت ہے۔معنیٰ دونوں کے بالکل صحیح اور درست بیٹھتے ہیں''۔

[تفسیر ابن کثیر، جلد ۵، ص:۴۴]

(۷) فاضل بریلوی قدس سرہ کے ترجمہ کے بعد بھی بعض مترجمین و مفسرین نے المجید کی دوسری قراءت کو پیش نظر رکھا ہے اور اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔چنانچہ راقم الحروف کے والد گرامی حضور ریاض الملت قدس سرہ نے اپنے ترجمہ ریاض الایمان میں بھی یہی

ترجمہ کیا ہے۔

(دیکھئے تفسیر ریاض القرآن، جلد چہارم)

(۸) علاوہ ازیں ہمارے معاصر مفسر و محدث جناب علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ نے بھی اپنے ترجمۂ قرآن میں المجید کو العرش کی صفت قرار دے کر ترجمہ کیا ہے: "عظمت والے عرش کا مالک"

(ملاحظہ ہو تفسیر تبیان القرآن ص ۶۴۸ جلد ۱۲)

علامہ موصوف لفظ المجید کی توضیح میں ارقام فرماتے ہیں:

"اس آیت میں مجید کا لفظ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ تعالیٰ، مجد اور جلال، اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے عرش کی صفت ہو جس طرح قرآن مجید (البروج:۲۱) میں مجید، قرآن کی صفت ہے"۔

[ایضاً ص:٦٦]

(۹) کچھ عرصہ قبل شائع ہونے والی ایک اور اردو تفسیر، تفسیر رفاعی جو کہ جناب سید محمد رفاعی عرب کی علمی کاوش ہے، اس میں بھی آیت کا جو ترجمہ دیا گیا ہے وہ المجید کی دوسری قراءت کے حوالے سے ہے، ملاحظہ ہو: "عزت والے عرش کا مالک" [تفسیر رفاعی، ص ۱۴۷]

(۱۰) انڈیا کے دیوبندی مصنف جناب نسیم احمد غازی مظاہری نے اپنی "درسی تفسیر پارہ عم" میں بھی المجید کی دوسری قراءت کی وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"المجید میں دوسری قراءت جر کی ہے۔ اس صورت میں یہ العرش کی صفت ہوگا"۔ [درسی تفسیر، ص:۱۴۷]

(۱۱) ایک اور معاصر مفسر مولانا عبد اللطیف اپنی تفسیر کاشف البیان میں [المجید] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"المجید... اس کو مرفوع [المجیدُ]، مجرور [المجیدِ] دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ مرفوع ہونے کی حالت میں یہ ودود یا ذو کی صفت ہے اور مجرور ہونے کی صورت میں عرش کی صفت ہے یعنی وہ بڑے عرش کا مالک ہے"

[تفسیر کاشف البیان، جلد ششم، ص:۵۱۵]

قارئین گرامی! مفسرین کی درج بالا وضاحت و صراحت سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ المجید میں دو قراءتیں ہیں اور دونوں درست ہیں۔ لہٰذا آیت کا ترجمہ بھی دونوں طرح درست ٹھہرا۔ ان دلائل و براہین کے ملاحظہ کے بعد یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو علم قراءت پر بھی مکمل عبور حاصل تھا اور انھوں نے بوقت ترجمہ مختلف قراءتوں پر غور و خوض کر کے ترجمہ کا کام سرانجام دیا ہے۔ عربی زبان کے ماہرین اور فلسفۂ اعراب سے آگاہ اہل علم و فن پر یہ بات مخفی نہیں کہ المجید مرفوع کے بجائے مکسور پڑھنے میں سلاست و روانی زیادہ نمایاں دکھائی دیتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ فاضل بریلوی کے کردار و نظریات کا مختصر جائزہ، مطبوعہ لاہور۔
۲۔ تفسیر الخازن، جلد چہارم مطبوعہ پشاور
۳۔ تفسیر نسفی برحاشیہ خازن، مطبوعہ پشاور
۴۔ تفسیر قرطبی جلد ۱۰، مطبوعہ تہران، ایران
۵۔ تفسیر رفاعی، مطبوعہ لاہور
۶۔ تفسیر کبیر جزء ۳۱، مطبوعہ قم، ایران
۷۔ تفسیر روح المعانی، جزء ۳۰ مطبوعہ لاہور
۸۔ تفسیر کاشف البیان مطبوعہ ہوتی، مردان
۹۔ تفسیر ریاض القرآن، ناشر جامعہ ریاض الاسلام، اٹک
۱۰۔ تفسیر تبیان القرآن، فرید بکسٹال، لاہور
۱۱۔ تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ کراچی
۱۲۔ درسی تفسیر پارہ عم، مطبوعہ اکوڑہ خٹک، سرحد، پاکستان

﴿x......x......x﴾

مولانا تبسم شاہ بخاری

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم امابعد .

قرآن مجید دین اسلام اور ایمان و حکمت کا حقیقی سرچشمہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے اپنا کوئی سہیم وشریک نہیں رکھتا اسی طرح کوئی اور کتاب اپنی صوری اور معنوی خصائص و محاسن میں قرآن مجید کے ہم پلہ و برابر نہیں۔ اسی مقدس کتاب نے مسلمانوں کی روح اور جذبہ وعمل میں ایسا مدوجزر پیدا کیا اور ایسی فکری مہمیز عطا کی کہ ایک جاہلانہ سوچ کی قوم مقام بدویت سے اٹھی اور دنیا بھر کے لوگوں کے لئے منارۂ نور اور معلم حکمت بن گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شیرینی گفتار نے اس کو وہ عروج اور نکھار بخشا اور ایسا اثر عطا فرمایا کہ سننے والے اس کی تعلیماتِ مقدسہ کو اپنی روح اور دل میں جذب کرتے چلے گئے اس کی روح پرور تعلیمات نے حد درجہ بگڑے ہوئے معاشرے کی کایا پلٹ کر رکھ دی اتحاد کی تاریکیاں دور ہوگئیں، فسق و مجور کے بادل چھٹ گئے، جاہلانہ رسم و رواج کا خاتمہ ہوا اور کائنات نور ہدایت سے منور و معمور ہوگئی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو قیامت تک کے لئے مکمل ضابطہ حیات اور ذریعہ ہدایت و نجات ہے۔

اول قرآن کریم کو یکجا کیا گیا۔ پھر اس کو پاروں میں تقسیم کیا گیا۔ رکوع و آیات کے نشان دئے گئے، اعراب لگائے گئے اور ایک قرات پر رکھ کر عام کر دیا گیا چونکہ اسکی زبان عربی تھی لہذا جب یہ عرب کی سرحدوں سے نکل کر عجم تک پہنچا تو ایک وقت ایسا آیا کہ فہم قرآن میں دشواری پیش آنے لگی۔ احساسِ فرض اور تمدنی ضروریات کی بنا پر صحابہ کرام کی ایک جماعت ایسی تھی جو قرآن کی تشریح وتفسیر کرتی تھی لیکن وہ شدت کے ساتھ احتیاط سے بھی کام لیتے کیونکہ حدیثوں میں تفسیر بالرائے کی جو وعید تھی انہیں ہر لمحے اسکا مکمل خیال رہتا تھا۔ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ کے بعد قرآنی علوم پر کام کی نوعیت میں وسعت آگئی۔ تفسیری ناموں کے ساتھ تالیفات وجود میں آنے لگیں۔ اور بڑے بڑے علمی ذخیرے علوم قرآن پر جمع کئے گئے علوم کا یہ سرچشمہ اور بصائر و حِکم کا یہ خزینہ، قرآن، خطۂ عرب کو اپنی ضیاپاشیوں کی برکات سے نوازتا ہوا برصغیر پاک و ہند میں پہنچا تو رفتہ رفتہ اس کی تعلیمات یعنی اسلام پورے برصغیر میں پھیل گیا۔ یہاں کے باشندوں کو قرآنی تعلیمات سے روشناسی اور اس کے اسرار و رموز کی تفہیم کی خاطر ناگزیر تھا کہ علاقائی زبانوں میں قرآن کریم کے معانی و مطالب کو عام کیا جائے تاکہ تفہیماتِ مسائل میں دقت پیش نہ آئے۔ کہتے ہیں کہ توقیتی لحاظ سے سب سے پہلا ترجمہ وتفسیر ہندی اردو میں قاضی محمد معظم سنبھلی نے ۱۱۳۱ھ میں تصنیف کیا۔ جس کا واحد مخطوطہ نورالحسن صاحب بھوپالی کے کتب خانہ کی زینت ہے۔ پھر ۱۱۵۰ھ میں ایک اور ترجمہ دکنی اردو میں ہوا جسکے مصنف کا نام تحقیق نہیں ہو سکا۔ قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں محفوظ ہے۔ بعد ازاں شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے ۱۱۹۰ھ اور پندرہ برس بعد شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے تشریحی ترجمہ قرآن مجید بنام "موضح قرآن" کیا۔ ذکر چونکہ اردو تراجم کا ہو رہا ہے اسلئے بعد کے ادوار میں بہت سے اردو ترجمے وجود میں آئے۔

آمدم برسر مطلب:

امام اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز کا ترجمہ قرآن بنام "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۰ء کو سامنے آیا۔ حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں: "اردو زبان میں قرآن پاک کے بہت سے ترجمے لکھے گئے ہیں اور بازار میں دستیاب بھی ہیں لیکن ترجمہ کرنے کے لیے عربی لغت اور گرائمر سے واقف ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ بارگاہِ الوہیت اور دربار رسالت کا ادب واحترام، عصمت انبیاء کا لحاظ، ناسخ ومنسوخ، شان ونزول سے واقفیت، بظاہر اختلاف رکھنے والی آیات کے درمیان تطبیق، عقائد اہل سنت، تفسیر صحابہ وتابعین اور تفسیر سلف صالحین پر گہری نظر اور عبور ہونا بھی ضروری ہے۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے تقریباً پچاس علوم وفنون میں بے مثال مہارت، وسیع مطالعہ اور حیرت انگیز حافظہ عطا فرمایا تھا انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ کر کے عامۃ المسلمین پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ بلاشبہ ان کا ترجمہ تمام خوبیوں کا حامل اور قرآن پاک کا بہترین ترجمان ہے"

(تقریظہ بر "تسکین الجنان" تالیف مولانا عبدالرزاق بھترالوی)

لیکن برا ہو تعصب اور جہالت کا کہ ان کے ترجمہ قرآن کی بے پناہ مقبولیت نے مخالفین کو سراسیمہ کر دیا ہے چنانچہ کئی کتابچے اور پمفلٹ اس ترجمہ کے خلاف دیکھنے میں آئے مگر مطالعہ کرنے پر معلوم ہوا کہ شاید ہی کسی نے اتنی بددیانتی کا ارتکاب اور جہالت کا مظاہرہ کیا ہو جتنا ان کتابچوں اور پمفلٹوں کے مرتبین نے کیا۔ ڈاکٹر خالد دیوبندی اس مظاہرے کی قیادت میں سب سے نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ قاری عبدالرشید، استاذ جامعہ مدینہ لاہور ہیں جنوں نے "حضرت شیخ الہند اور فاضل بریلوی کے ترجمہ قرآن کا تقابلی جائزہ" لکھ کر بزعم خود دین کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ کوئی اور صاحب پروفیسر ابو عبید دہلوی ہیں جنہوں نے "فاضل بریلوی کے کردار ونظریات کا مختصر جائزہ" لکھ کر اور شومئ قسمت، اپنے طبقہ میں بھی کوئی پذیرائی حاصل نہ کرسکے۔ ایک معترض جمیل احمد نذیری دیوبندی جامع عربیہ احیاء العلوم مبارکپور اعظم گڑھ (انڈیا) بھی اس "کارخیر" میں شریک ہیں۔ اور کئی دوسرے چھوٹے بڑے دیوبندی مولوی وقتاً فوقتاً اپنے "علمی تبحر" کا اظہار کرتے رہتے ہیں معمولی سے بصیرت رکھنے والا انسان بھی ان مذکورہ علمائے دیوبند کی یہ کتابیں پڑھ کر اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ درحقیت یہ کاروائیاں کسی انتقامی جذبے کے زیر اثر کی جارہی ہیں۔ دین وایمان اور اصلاح وتبلیغ سے دور کا بھی انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ لطف کی بات یہ کہ "حسام الحرمین" کی اشاعت سے قبل شاید ہی کسی دیوبندی مولوی نے امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ پر کوئی اعتراض کیا ہو ورنہ یہی کنزالایمان اور دیگر کتابیں پہلے بھی موجود تھیں۔ مگر جب تحذیر الناس، حفظ الایمان اور دوسرے دیوبندی کتابوں کی کفریہ عبارات پر امام احمد رضا بریلوی اور علمائے حرمین شریفین کا فتوی سامنے آیا تو بجائے توبہ تائب ہونے کے ان لوگوں نے مخالفت امام احمد رضا بریلوی پر کمر باندھ لی۔ وہ دن اور آج کا دن ہر دیوبندی مولوی کا یہ وظیفہ بن گیا کہ صبح وشام ایک ایک تسبیح امام احمد رضا کے خلاف ضرور پڑھنی ہے۔ ایک طرف امام احمد رضا بریلوی ہیں جو اپنے پیغمبر کی عظمت وشان کے تحفظ کی خاطر سینہ تانے کھڑے ہیں۔ دوسری جانب خوف خدا اور عذاب آخرت سے بے نیاز مخالفین کا طبقہ طرح طرح کے نام نہاد اور بے وقعت الزامات کے تیروں کی بوچھاڑ میں مصروف ہے۔ نصیب اپنا اپنا۔ امام احمد رضا کہتے ہیں کہ تم نے میرے پیغمبر کی شان میں بے ادبی، توہین اور گستاخی کیوں کر کی؟ وہ لوگ کہتے ہیں تم نے ہمارے اکابر کے خلاف قدم کیوں اٹھایا؟ اس طرح وہ لوگ اہل حق کے خلاف لکھ لکھ کر "توشہ آخرت" بنانے میں خوب مصروف ہیں۔ یہاں مجھے علامہ محمد اقبال کی نظم "سیرِ فلک" یاد

آرہی ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں کہ تخیل کے ہمراہ میرا گذر آسمانوں میں ہوا۔ وہاں کے باسی مجھے حیرت سے دیکھتے تھے، وہاں وہ ساقیان جمیل اور شور نوشانوش سے گزر کر دور جنت کو دیکھتے ہیں۔

"ایک تاریک خانہ، سرد و خموش" کرہ زمہریر سے زیادہ خنک، بس کی کیفیت پوچھی گئی تو "حیرت انگیز تھا جواب سروش"

یہ مقام خنک جہنم ہے
نار سے نور سے تہی آغوش
شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے
جن سے لرزاں ہیں مرد عبرت کوش
اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

قاری عبدالرشید صاحب نے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرۃ کی ابتدائی ۳۷ آیات پر سینکڑوں اعتراض جڑنے کی سعی نامشکور فرمائی ہے۔ اعتراض کی نوعیت کیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے سورہ فاتحہ کی یہ آیت کریمہ ملاحظہ فرمایئے مالک یوم الدین قاری صاحب کا اعتراض دیکھیے۔ "(اس) کا ترجمہ خان صاحب (امام احمد رضا) نے یہ کیا ہے" روزِ جزا کا مالک" یہ ترجمہ عبارت قرآنی کی ترتیب کے موافق نہیں۔ جبکہ حضرت شیخ الہند (محمود الحسن) نے صحت ترجمہ کے ساتھ ساتھ الفاظ کی قرآنی ترتیب کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا وہ فرماتے ہیں " مالک روز جزا کا" (حضرت شیخ الہند اور فاضل بریلوی کے ترجمہ قرآن کا تقابلی جائزہ صفحہ ۱۸ مطبوعہ انجمن ارشاد المسلمین مزنگ لاہور) اس پہ تبصرہ تو سعی لا حاصل ہے قارئین نے اعتراض کا خوب اندازہ لگا لیا ہوگا۔ البتہ اختصاراً محمود الحسن صاحب کے ترجمہ قرآن کے کچھ مقامات دیکھتے ہیں کہ وہ ترجمہ الفاظ کی قرآنی ترتیب کے مطابق ہے یا نہیں

۱۔ ولا تفرقوا (ال عمران ۱۰۳) "اور پھوٹ نہ ڈالو"
۲۔ حفرۃ من النار (ال عمران ۱۰۳) "آگ کے گڑھے کے"
۳۔ الی الخیر (ال عمران ۱۰۴) "نیک کام کی طرف"
۴۔ عذاب عظیم (ال عمران ۱۰۵) "بڑا عذاب ہے"
۵۔ لکان خیر لھم (ال عمران ۱۱۰) "تو ان کے لئے بہتر تھا"

ان ترجموں میں الفاظ کی قرآنی ترتیب کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ یہاں قاری عبدالرشید صاحب کا دعویٰ غلط ثابت کرنا مقصود ہے اور بتانا ہے کہ ہر مترجم کے ترجمے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ خیال تو ان باتوں کا رکھنا چاہیے جس کا اشارہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ کے نقل کردہ حوالے میں ہم کر آئے ہیں۔ ایسا اعتراض انتقامی کاروائی اور تنقید برائے تنقید کہلاتا ہے۔

دوسرا اعتراض:

"صاحب کنزالایمان نے الحمدللہ رب العالمین کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا" (ایضاص ۱۴) اس ترجمہ پر قاری عبدالرشید صاحب نے چار اعتراض عائد کئے ہیں اور تفسیر مظہری، تفسیر کشاف اور روح المعانی کے بھاری بھرکم حوالوں سے لکھا کہ "ثابت ہوگیا کہ حمد کے معنی خوبی نہیں، خوبی پر تعریف کرنے کے ہیں لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ صاحب کنزالایمان حمد کا ترجمہ "تعریف" کی بجائے "خوبی" کر رہے ہیں" (ایضا صفحہ ۱۵)

قاری صاحب کے نام کے ساتھ "فخرِ اہل سنت" لکھا ہوا ہے ان کے شاگرد یقیناً ان کی ذات پر فخر کرتے ہوں گے نیز استاذ حدیث و تفسیر بھی درج ہے۔ اس پر وہ اور بھی نازاں ہوتے ہوں گے۔ یہ ان کا حق ہے کُلُّ حِزۡبٍ ۢ بِمَا لَدَیۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ

ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قاری صاحب کا اعتراض درست ہے یا محض تعصب اور انتقامی کاروائی ہے۔

دیکھیے مولوی محمود الحسن صاحب کا ترجمہ

۱۔ الحمد للہ (سبا آیت ۱) ''سب خوبی اللہ کو ہے''

۲۔ الحمد للہ (فاطر آیت ۱) ''سب خوبی اللہ کو ہے''

ایک اور حیرت انگیز بات:

'' فخرِ اہلِ سنت'' کے اس دعوے کی سچائی کہ ''حمد'' کے معنی ''خوبی'' نہیں آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ ایک حیرت انگیز بات اور دیکھئے، قاری صاحب نے الحمد للہ کے ترجمہ امام احمد رضا پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ: ''لفظ ''للہ'' کا ترجمہ صاحب کنزالایمان نے کیا ہے ''اللہ کو''، عربی میں ''ل'' حرف جر ہے جس کے معنی ''لیے'' اور ''واسطے'' کے ہوتے ہیں اس لئے جدید فصیح اردو میں ''الحمد للہ'' کا ترجمہ یہ نہیں ہے جو صاحب کنزالایمان نے کیا ہے کہ ''سب خوبیاں اللہ کو'' بلکہ اس کا فصیح اردو ترجمہ وہ ہے جو حضرت شیخ الہند نے فرمایا ہے یعنی "سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں" لفظ الحمد للہ میں لام جارہ کا ترجمہ لفظ "کو" سے کرنا اردو کی فصاحت کو بٹہ لگانا ہے"

(ایضاً صفحہ ۱۵، ۱۶)

اب آپ انہی "شیخ الہند صاحب" کا ترجمہ سورہ سبا اور سورہ فاطر کا دیکھئے "سب خوبی اللہ کو ہے" اردو کی فصاحت کو بٹہ لگایا نہیں؟ قاری صاحب نے تو بتایا تھا کہ حمد کا معنی خوبی نہیں اور للہ کا معنی "اللہ کو" نہیں دونوں باتیں ہم نے اسی ترجمے سے ثابت کر دیں جس کو قاری صاحب بڑے طنطنے سے تقابلی جائزے میں پیش کر رہے تھے۔ معترض صاحب تو اپنے اصلی مقام پر ان کاروائیوں کا خمیازہ بھگت رہے ہوں گے، دیکھئے شاگردان عزیز کونسی راہ اختیار کرتے ہیں۔

مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے

سورہ یونس کی آیت نمبر ۱۰ کے اندر الحمد للہ کا معنی "سب خوبی اللہ کو" / سورہ النحل کی آیت ۷۵ الحمد للہ میں "للہ" کا معنی اللہ کو / سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں "الحمد للہ" میں "للہ" کا معنی اللہ کو / سورۃ کہف ۱ "اللہ کو" / نمل ۵۹ "اللہ کو" نمل ۹۳، "اللہ کو / "سورہ عنکبوت آیت ۶۳ "سب خوبی اللہ کو / "سورہ روم آیت ۱۸ حمد کے معنی "خوبی" / سورہ لقمان آیت ۲۵ "سب خوبی اللہ کو ہے" / سورہ الصفت ۱۸۲ "سب خوبی ہے اللہ کو" / زمر آیت ۲۹ حمد کے معنی "خوبی" آیت ۷۵ میں "حمد" کے معنی "خوبیاں" / سورہ مومن آیت ۲۹ "الحمد للہ" کے معنی سب اللہ کو / سورہ جاثیہ آیت ۳۶ میں حمد کے معنی "خوبی" کیا ہے۔ حمد کا لفظ اور بھی کئی مقامات پر آیا ہے۔ ہم انہی تراجم پر اکتفا کرتے ہوئے ایک تیسرے اعتراض کی طرف چلتے ہیں۔

قاری عبدالرشید صاحب لکھتے ہیں:

احمد رضا خان صاحب نے "فاخر جھما" میں آنے والے حرف "فا" کا ترجمہ "اور" کیا ہے۔ یہ ترجمہ "واو" کا ہوتا ہے نہ کہ "فا" کا (ایضاً صفحہ ۱۵۹) قاری صاحب کے شیخ الہند نے بھی "فا" کا ترجمہ "اور" کیا ہے دیکھیے فنجعل لعنت اللہ (آل عمران ۶۱)" اور لعنت کریں اللہ کی ان پر "/ فاتلوھا (آل عمران ۱۳۷) "اور دیکھو" / فان کان لھن ولد (النساء ۱۲)" اور اگر ان کے اولاد ہے" / فان کانو اکثر (النساء ۱۲) اور اگر زیادہ ہوں۔ یہ تحقیق چند صفحات کا نتیجہ ہے قاری صاحب کے اعتراض کی حقیقت کا پتہ چل گیا ہے تو ضرور یہ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ دیوبندی مولویوں کا امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کے ساتھ محض اسی لئے بغض و عداوت ہے کہ انہوں نے ان دیوبندیوں کے اکابر کی کفریہ عبارات پر گرفت کر کے تکفیر کا شرعی فریضہ کیونکر ادا کیا۔ اب جو نا سمجھ حضرات اعمال صالحہ کی رغبت میں ان کے ساتھ چمٹ کر عقائد صحیحہ کی بربادی کر رہے ہیں یوم حساب جواب کے لئے تیار رہیں۔

ایک اور اعتراض دیکھئے:

اھدنا الصراط المستقیم لکھ کر قاری صاحب کہتے ہیں "اس کا ترجمہ خان صاحب نے یہ کیا ہے "ہم کو سیدھا راستہ چلا" (ایضا صفحہ ۲۰) اس پر اپنے شیخ الہند کی تعریف و توصیف میں قلابے ملانے کے بعد ان کے ترجمہ کو بہتر قرار دیا ان کا ترجمہ ہے "بتلا ہم کو راہ سیدھی" قاری صاحب نے جو سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کا باہمی ربط بتا کر اپنے شیخ الہند کے ترجمے کو فوقیت دی ہے یہ بھی ان کی شدید کم علمی اور نااہلی کا ثبوت ہے۔ان کے ممدوح اگر نکتہ رس ذہن کے مالک ہوتے اور دقت نظر کا اندازہ کرتے تو "بتلا" کی بجائے "چلا" کرتے اور اسی کو فوقیت دیتے اس لئے کہ راہ بتلا، یا، دکھا۔ یہ دعا کافی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو کفار و مشرکین کو بھی سیدھی راہ بتلائی ہے مگر وہ سیدھی راہ پر چلے نہیں۔

ھدی للناس سے یہ بات واضح ہے کامل دعا تو یہ ہے کہ اے اللہ ہمیں سیدھی راہ چلا۔ یعنی سیدھی راہ چلاتا رہ یا اس پر ثابت قدم رکھ۔ راہ بتلانا تو کفار کے لئے بھی ثابت ہے۔

قاری صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

بعض بریلوی حضرات حضرت شیخ الہند کے ترجمہ "اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے" پر اعتراض کرتے ہیں ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ احمد رضا خان صاحب نے ترجمہ فرمایا ہے "اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے "اور "استہزاء" کا معنی ہنسی، مذاق، ٹھٹھول، مذاق کرنا، ہنسی اڑانا، ٹھٹھا کرنا، ملاحظہ ہو فیروز اللغات اردو اور نسیم اللغات وغیرہ لہٰذا معترضین کو چاہیے کہ "استہزاء" کے معنی اور احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جو اعتراض کرنا چاہیں، کریں، پھر ہم بھی انشاء اللہ جواب پیش کر دیں گے (ایضا صفحہ ۹۲)

استہزاء عربی کا لفظ ہے اور پھر قرآن کا۔ اس کا صحیح مفہوم اللہ تعالیٰ اور اس کے بتانے سے اس کے رسول صلی اللہ علی وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ ترجمہ کرتے وقت بارگاہ رالوہیت اور دربار رسالت کا ادب و احترام بھی ضروری ہے۔ چونکہ اس کا معنی جو اردو میں ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف جائز نہ تھی اس لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے اصل لفظ ہی رہنے دیا۔ اور آگے لکھ دیا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ یعنی مزید احتیاط کا تقاضا بھی پورا کر دیا۔ اسی طرح عربی کے کچھ لفظ ایسے ہیں جو ہمارے علاقائی زبان میں اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتے جیسے "مکر" یہ بھی قرآنی لفظ ہے اس کا بھی اصل مفہوم اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اس کے معنی خفیہ تدبیر کے بھی آتے ہیں جو کہ اچھا مفہوم رکھتے ہیں یہ نسبت مکر کے (ہماری زبان میں) کیونکہ ہم لوگ "مکر" کو فریب اور دھوکہ کے معنی میں لیتے ہیں یعنی جب لفظ "مکر" آتا ہے تو ذہن فوراً دھوکے اور فریب کی طرف منتقل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے کفار کے لئے مکر کا معنی "مکر" کیا اور اللہ تعالیٰ کے لئے "خفیہ تدبیر" ۔دیکھئے سورہ الانفال آیت ۳۰۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ جب "استہزاء" کو اعلیٰ حضرت نے "استہزاء" ہی رہنے دیا تو "مکر" کو بھی مکر ہی رہنے دیتے اس کا جواب یہی ہے جو دیا جا سکا ہے کہ درحقیقت ہماری بول چال میں لفظ "مکر" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی شان میں حرف گیری کے مترادف ہے۔

لہٰذا ترجمہ ایسا ہو کہ حرمت قرآن اور عصمت انبیاء سلامت رہے۔ عرب والے تو "مکر" کو اچھے معنوں میں لے سکتے ہیں پاک وہند والے نہیں۔

پروفیسر ابو عبید دہلوی صاحب نے جو اپنی کتاب "فاضل بریلوی کے کردار و نظریات کا مختصر جائزہ میں کنزالایمان پر اعتراضات کا ڈھونگ رچایا ہے وہ بھی اسی طرح کے ہیں جیسا کہ قاری عبدالرشید صاحب کے اعتراضات بتلائے گئے کتاب کے دوسرے باب میں

صرف چار اعتراض لکھے گئے۔

۱۔ سورہ البروج میں ذو العرش المجید کا ترجمہ درست نہیں

۲۔ سورہ النحل آیت ۵۳ میں تجئرون کا ترجمہ پناہ لینا درست نہیں۔

۳۔ سورۃ الرحمٰن آیت ۳۳ میں بسلطن کا معنی اسی کی سلطنت ہے، درست نہیں۔

۴۔ سورہ طارق آیت ۶ میں دوسرے خلق کا ترجمہ چھوڑ دیا۔

چونکہ یہ اعتراضات پروفیسر صاحب کے تبحر علمی کا شاہکار ہیں اس لئے جواب سے گریز کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے تیسرے باب میں عقائد کے اعتبار سے دو مسئلے لئے ہیں اور بس۔ ایک علم غیب کا اور دوسرا "اپنی جان کے برے بھلے کا (ذاتی) اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے"

پروفیسر صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ "احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ میں "نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں" آپ کا لفظ ان کے مخصوص عقیدے کی ترجمانی کے لیے ہے، ورنہ قرآن پاک کے متن میں اس لفظ کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے" (صفحہ ۲۹،۳۰)

یعنی الفاظ "آپ" اور "ذاتی" پر اعتراض ہے۔ ہم بھی پروفیسر صاحب کی علمی قابلیت کو دیکھتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ہمارے پاس بھی ایسے لا حاصل اعتراضات کے جواب کے لیے وقت کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ ہمارا مفید مشورہ یہ ہے کہ کسی مستند عالم سے مستند تفاسیر کا ترجمہ سن لیں اگر دل کی آنکھیں اندھی نہیں ہو چکی ہیں تو ان شاء اللہ حق واضح ہو جائے گا۔ ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی، مانچسٹروی کے اعتراضات کا جائزہ لینے سے قبل مولوی جمیل احمد نذیری دیوبندی (انڈیا) کے متعلق بھی بتاتے چلیں کہ انھوں نے جو اعتراضات کیے ان کے دو آیتوں کے ترجمے پر بے بنیاد اور غلط اعتراضات کا تجزیہ حضرت مولانا اختر حسین صاحب، فیضی مصباحی (انڈیا) نے پیش کیا جو ماہنامہ "القول السدید" لاہور اگست ستمبر ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔ نذیری صاحب نے سورہ بقرۃ آیت ۱۴۵ کے ترجمہ رضویہ پر یہ اعتراض کیا کہ اس ترجمہ میں خاں صاحب نے بریکٹ میں "اے سننے والے کسے باشد" کا اضافہ کر کے اس خطاب کو ختم کر دیا جو ماسبق سے چلا آرہا تھا" اسکے

نوٹ:

[۱] اصول قرأت کا نکتہ ہے اس تک معترض صاحب کی رسائی نہیں ہے اس کا تفصیلی جواب ہمارے علماء نے دیا ہے۔

[۲] اردو لغت میں ''پناہ'' کے معنی: امن، عافیت، حفاظت، نگرانی، حمایت، سہارا، امداد وغیرہ ہے۔ عربی لغت میں جورۃ جورۃ وجارۃ سے استجارۃ۔ معنی ہے: کسی سے پناہ لینا، فریاد رسی چاہنا، مدد مانگنا، اس طرح مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ترجمہ بلیغ اور وسیع المطالب ہے۔ (المورد)

[۳] لغت میں ''سلطان'' کے معنی: حجت، دلیل، قدرت، اقتدار، بادشاہت ہے۔ (المورد) مولانا احمد رضا کا ترجمہ لغوی اعتبار سے بالکل درست اور وسیع المعنی مختار تفاسیر کا نچوڑ ہے۔ تفسیر صدیقی میں ''الا بسلطن'' کی تفسیر میں ہے:

یہی آسما ہے یہی ہے زمیں .... تو تم بھاگ کر پھر کدھر جاؤ گے

[۴] سورۂ طارق کی آیت نمبر ۶ کے سیاق (آیت نمبر ۵) میں ترجمہ موجود ہے۔ اس کے مطلب کا سیاق وسباق آیت نمبر ۷ تک پھیلا ہوا ہے۔ البتہ آیت نمبر ۶ میں مولانا احمد رضا نے خُلِقَ (بنایا گیا) کی تکرار نہ کر کے عبارت میں جو سلاست وروانی پیدا کی ہے، اس کی داد کچھ اہلِ فن اور اہلِ زباں ہی دے سکتے ہیں۔

جواب میں مولانا اختر حسین فیضی نے اسی آیت کریمہ کے دو ترجمے پیش کئے ہیں ایک مولوی اشرف علی تھانوی کا اور دوسرا محمود الحسن دیوبندی کا اور ترجموں کی نقل سے پہلے لکھا" لگے ہاتھوں پیشوایان دیوبند کی دو اہم اور معتبر شخصیات کے ترجمے پیش کئے جا رہے ہیں۔جس سے اندازہ ہو گا کہ "اے سننے والے کسے باشد" یا اس قسم کے دوسرے جملے کا اضافہ نہ کرنے کی وجہ سے ترجمہ کس قدر عصمت سوز اور قرآنی فہم کی ادائیگی سے بعید تر ہو گیا۔

قارئین: سورہ بقرۃ کی آیت ۱۴۵ کے مذکورہ دونوں دیوبندی ترجمے پڑھیے اور دیکھ لیجئے کہ تنقیص رسالت ظاہر ہوتی ہے یا نہیں۔مگر علمائے دیوبند کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔بس اپنی اپنی طبعیت اور مزاج کی بات ہے۔البتہ یقین ہے کہ ان کے اکابرین میں سے کسی کی بات ہو رہی ہوتی تو یہ الفاظ کسے باشد والے نہ صرف درست ٹھہرتے بلکہ ان کو واجب و فرض قرار دیا جاتا اور لکھنے والے کے شعور و فکر پر تحسین کے ڈونگرے بھی برسائے جاتے۔نذیری صاحب کا دوسرا اعتراض "بمصیطر" کے ترجمہ لفظ" کڑوڑا" پر ہے۔اسکے جواب میں عصمت فیضی فرماتے ہیں:

"جب امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اپنا ترجمہ" کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" پیش کیا تو اس وقت بریلی اور قرب و جوار کے علاقوں پر روہیل کھنڈ کی ٹکسالی زبان کا تسلط تھا۔گویا وہاں کے باشندے خود اہل زبان تھے۔اور اہل زبان اپنی زبان کے پوری طرح پیرو ہوتے ہیں بلکہ اپنی زبان کی اقتداء کرنا واجب تصور کرتے ہیں۔اعلیٰ حضرت نے قرآن مجید کا ترجمہ روہیل کھنڈ کی ٹکسالی زبان میں کیا ہے۔"

(القول السدید صفحہ ۹۳)

اس کے بعد مجیب نے لغات سے بتایا کہ اس کا معنی نگران اور حاکم اعلیٰ کے ہیں نیز جرات کا ایک شعر بھی پیش فرمایا۔

اب ہم موجودہ دور کے امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمتہ کے سب سے بڑے مخالف ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی کے اعتراضات کا ذرا تفصیلاً جائزہ لیتے ہیں۔قارئین کرام یقیناً ہمارے جوابات سے نہ صرف دلی طور پر مطمئن بلکہ محظوظ بھی ہوں گے انشاء العزیز۔جاء الحق وزھق الباطل کا روح پرور نظارہ کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو جایئے۔

چل میرے خامہ بسم اللہ

ترجمہ ظاہر صورت بشری :

ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی آیت کریمہ قل انما انا بشر مثلکم (سورۃ کہف) کا ترجمہ "تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں" (ترجمہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمتہ) نقل کر کے لکھتے ہیں۔" اب دیکھئے مولانا احمد رضا خان نے کس طرح قرآن کے الفاظ میں اپنے الفاظ داخل کئے ہیں۔تحریف قرآن کی اس جرات پر عالم اسلام کیوں خاموش ہے؟ ظاہری صورتِ بشری کے الفاظ قرآن کے نہیں یہ مولانا کا اپنا اضافہ ہے۔قرآن کی تحریف ہے اور بریکٹ بھی یہاں نہیں۔مولانا کا اس سے مقصد اپنے جاہل عوام کو ایک ایسا ترجمہ بہم پہنچانا ہے جس کے حوالے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت پاک کا انکار کر سکیں۔کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر صورت بشری میں کافروں کی طرح تھے؟ استغفر اللّٰہ العظیم قرآن کریم میں صرف نوع بشری کا بیان تھا جس میں تمام انسان شریک ہیں اور ذات میں سب متحد۔لیکن سب ایک دوسرے کے برابر ہرگز نہیں۔نہ ظاہری صورت بشری میں نہ حقیقت بشری میں۔قرآن مجید میں صرف نوعِ بشری کا بیان ہے۔

(مطالعہ بریلویت جلد دوم صفحہ ۹۰،۹۱)

اب بالترتیب جوابات ملاحظہ فرمائیں۔کوئی ایسا مترجم آج تک پیدا نہیں ہوا جس نے قرآن کریم کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کیا ہو اور اس نے قرآن کے الفاظ میں اپنے الفاظ داخل نہ کئے ہوں۔اگر کوئی ہے تو اس کی نشاندہی ہی بحوالہ ترجمہ کی جائے۔وہ تو صبح قیامت

تک ڈاکٹر صاحب نہیں بتا سکیں گے۔ البتہ ڈاکٹر صاحب خود کوشش کر کے دیکھیں اور ایسا ترجمہ کر کے دکھا دیں جس میں اپنے الفاظ داخل نہ کئے گئے ہوں کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت مراد خداوندی اپنے لفظوں میں بیان کرنا ہرگز تحریف نہیں۔ ڈاکٹر صاحب تو جان بوجھ کر تہمت اچھال رہے ہیں کہ ان کا نصب العین ہی اہل حق پر کیچڑ اچھالنا ہے۔ چونکہ بقول ڈاکٹر صاحب یہ تحریف قرآن ہے اور وہ عالم اسلام کی خاموشی پر شکوہ کناں ہیں تو لیجے ملاحظہ فرمایئے بقول ڈاکٹر صاحب تحریف قرآن کے چند نمونے اور عالم اسلام نہیں تو کم از کم ڈاکٹر صاحب خود تو اس جرات پر آواز اٹھائیں۔

﴿۱...... وعلم ادم الاسماء کلھا (بقرۃ ۳۱)

ترجمہ محمود الحسن

"اور سکھلا دیئے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے"

یہاں لفظ "اللہ" اور "چیزوں" کسی قرآنی الفاظ کا ترجمہ نہیں، اپنی طرف سے اضافہ ہے۔

﴿۲...... یآدم انبئھم باسمآ ءھم (بقرۃ ۳۳)

ترجمہ محمود الحسن

"اے آدم بتا دے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام"

'فرشتوں' اور 'چیزوں' کسی عربی لفظ کا ترجمہ نہیں۔

﴿۳...... و اشربوا فی قلوبھم العجل (بقرۃ ۹۳)

ترجمہ محمود الحسن

" اور پلائی گئی ان کے دلوں میں محبت اسی بچھڑے کی"

محبت کسی عربی لفظ کا ترجمہ نہیں

﴿۴...... ام تریدون (بقرۃ ۱۰۸)

ترجمہ محمود الحسن

" کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو"

مسلمان کسی قرآنی لفظ کا ترجمہ نہیں۔

مزید آیات اور ترجمہ آگے "رحمانی کلام میں انسانی کلام" کے عنوان سے آرہے ہیں اگر تحریف سے مراد یہ ہے کہ قرآنی عقیدے یا افشائے الٰہیہ کے خلاف کوئی عقیدہ "ظاہر صورت بشری" تو یہ ترجمہ پھر بھی مکمل طور پر صحیح ہے اس میں بشریت کا ہرگز انکار نہیں۔ بلکہ بشریت میں اوروں کے ساتھ مساوات کا انکار ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ "قرآن کریم میں صرف نوع بشری کا بیان تھا" بھی تفصیل طلب ہے۔ پہلی بات یہ کہ قرآنی الفاظ میں "بشر" کا لفظ ہے۔ "نوع بشر" کا نہیں۔ اب اس کا ترجمہ بشر کیا جائے یا آدمی یا انسان، مجموعی طور پر سب کا مفہوم و مطلب ایک ہی ہوگا۔ آج تک کسی نے یہ ترجمہ نہیں کیا کہ "تو کہہ میں بھی نوع بشر ہونے میں تم جیسا ہوں" جب نوع بشر خود قرآن نے نہیں کہا بلکہ صرف بشر کہا تو اب ڈاکٹر صاحب ہی جواب دیں کہ جب اس کا ترجمہ یہ ہو "تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم" (ترجمہ محمود الحسن) تو آپ یہاں بھی یہ سوال اٹھائیں" کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدمی ہونے میں کافروں جیسے تھے؟" اور یہ ترجمہ دیکھئے " کہہ دیجئے کہ میں تم ہی جیسا بشر ہوں " (ترجمہ اشرف علی تھانوی) اب یہاں بھی سوال کریں کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہونے میں کافروں جیسے تھے؟ آپ کا سوال تو آپ کے ہی ترجموں پر اٹھتا ہے نہ کہ ہمارے ترجموں پر۔ ترجمہ " ظاہر صورت بشری" میں تو برابری اور مساوات کا خاتمہ ہے۔ جو عین مطلوب قرآن ہے۔ ظاہر صورت بشری سے کیا مراد ہے۔ صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں۔ " کہ مجھ پر بشری اعراض و امراض طاری ہوتے ہیں اور صورتِ خاصہ میں کوئی بھی آپ کا مثل نہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام وظواہر تو حد بشریت پر چھوڑے گئے اور ان کے ارواح و بواطن بشریت سے بالا اور ملاء اعلیٰ سے متعلق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ الضحیٰ کی تفسیر

فرمایا کہ آپ کی بشریت کا وجود اصلاً نہ رہے۔ اور غلبہ انوار حق آپ پر علی الدوام حاصل ہو"

(خزائن العرفان زیر تحت آیت سورۂ کہف بشر مثلکم)

آپ کا کفار کو اپنا بشر بتانا نفی الوہیت کے لئے تھا، ہمسری و برابری بتانے کے لئے نہیں۔ "ظاہر صورت بشری" سے آپ کا یہ کہنا کہ:

"مولانا کا اس سے مقصد اپنے جاہل عوام کو ایک ایسا ترجمہ بہم پہنچانا ہے جس کے حوالے وہ حضور کی بشریت پاک کا انکار کر سکیں "اپنی برادری کو خوش کرنے اور نمبر بنانے کے لئے آپ نے جو اتنا بڑا بہتان باندھا ہے اس کا حساب تو عنقریب آنکھیں بند ہونے کے بعد خدا تعالیٰ آپ سے لے لے گا۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ آپ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کی کسی کتاب سے ایسی عبارت دیکھتے تو "مطالعہ بریلویت" میں اس مقام پر ضرور لاتے۔ نہ آپ دکھا سکتے ہیں نہ آپ کی برادری کو کائی اور فرد۔ یہ امام احمد رضا پر میرے مولا تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ مخالفین جھوٹ کے طور پر یہ بہتان تراش کر ان کے انبار لگا رہے ہیں مگر آج تک نفئ بشریت میں ان کا ایک جملہ نہ دکھا سکے نہ دکھا سکیں گے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے کی زبان دیکھئے "جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے، وہ کافر ہے، قال تعالیٰ" قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا"

(فتاویٰ رضویہ جلد ۶ صفحہ ۶۷ مبارکپور انڈیا)

اللہ تعالیٰ کی اور بھی بہت سی مخلوقات ہیں۔ ہر ایک کی شکل و صورت اپنی اپنی ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوع انسانی سے ہیں اور دیکھتے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ آپ اللہ کے بندے اور مرد ہیں۔ افہام و تفہیم کے لیے آپ کلام کرتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں۔ لیکن ان ظاہری انسانی علامات و لوازمات کو دیکھ کر کوئی آپ کو اپنے جیسا ہی بشر سمجھنے لگے اس لئے ترجمہ فرمایا گیا کہ "ظاہر صورت میں تو اگرچہ میں بشر ہی ہوں، نوع انسانی سے ہوں مگر میری اصل حقیقت اور ہے۔ حقیقت محمد یہ کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ نانوتوی صاحب کا شعر ہے کہ۔

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت
نہ جانا اور کسی نے تجھے بجز ستار

(محمد قاسم نانوتوی)

ڈاکٹر صاحب۔

یہاں بھی کہیں کہ مولوی قاسم نانوتوی صاحب کا مقصد ہم جاہل (فی الواقع) افراد کو عقیدہ پہنچانا ہے جس کے حوالے حضور پاک کی بشریت کا انکار ہو سکے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز ایک استفتاء کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت سے اعلیٰ ہے وہ ظاہری صورت میں، ظاہر بینوں کی آنکھوں میں بشریت رکھتے ہیں، جس سے مقصود خلق کا ان سے انس حاصل کرنا اور ان سے فیض پانا، ولھذا ارشاد فرماتا ہے ولو جعلنٰه ملكا لجعلنٰه رجلا وللبسنا علیهم مایلبسون "اور اگر ہم فرشتے کو رسول کر کے بھیجتے تو ضرور اسے مرد ہی کی شکل میں بھیجتے اور ضرور انہیں اسی شبہ میں رکھتے جس دھوکے میں اب ہیں۔ ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری صورت دیکھ کر انہیں اوروں کی مثل بشر سمجھنا، ان کی بشریت کو اپنا سا جاننا، ظاہر بینوں، کور باطنوں کا دھوکہ ہے۔

شیطان کے دھوکے میں پڑے ہیں۔

ہمسری با اولیا برداشتند
انبیاء را ہمچو خود پنداشتند

ان کا کھانا پینا سونا یہ افعال بشری اس لئے نہیں کہ وہ ان کے محتاج نہیں۔ اس پر یہ حدیث شریف دال ہے: حاشالست کا حد کم انی ابیت عندر بی یطعمنی و یسقینی۔ ان کے یہ افعال بھی

اقامت سنت و تعلیم امت کے لئے تھے کہ ہر بات میں طریقہ محمودہ لوگوں کو عملی طور سے دکھائیں سکھائیں جیسے ان کا سہو ونسیان، حدیث میں ہے انی لانسی ولکن انسی لیستن بی میں بھولتا نہیں بھلایا جاتا ہوں تا کہ حالت سہو میں امت کو طریقہ سنت معلوم ہو، امام اجل محمد عبدری ابن الحاج مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احوال بشری کھانا پینا سونا جماع اپنے نفس کریم کے لیے نہ فرماتے تھے بلکہ بشر کو انس دلانے کے لیے کہ ان افعال میں حضور کی اقتدا کریں کیا نہیں دیکھتا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور مجھے ان کی کچھ حاجت نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمہاری دنیا میں سے خوشبو اور عورتوں کی محبت دلائی گئی۔ یہ نہ فرمایا کہ میں نے انہیں دوست رکھا اور فرمایا تمہاری دنیا میں سے، تو اسے اوروں کی طرف سے اضافت فرمایا نہ اپنے نفس کریم کی طرف، صلی اللہ علیہ وسلم، معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے مولیٰ عزوجل کے ساتھ خاص ہے۔ جس پر یہ ارشاد کریم دلالت کرتا ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر صورت بشری اور باطن ملکی ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ افعال بشری محض اپنی امت کو انس دلانے اور ان کے لیے شریعت قائم فرمانے کے واسطے کرتے تھے نہ یہ کہ حضور کو ان میں سے کسی شے کی کچھ حاجت ہو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ انہیں اوصاف جلیلہ وفضائل حمیدہ سے جہل کے باعث بے چارے جاہل یعنی کافر نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے، عمرو نے سچ کہا کہ یہ قول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہ فرمایا بلکہ اس کے فرمانے پر مامور ہوئے جس کی حکمت تعلیم تواضع و تانیس امت و سد غلو نصرانیت ہے۔ اول، دوم ظاہر اور سوم یہ کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی امت نے ان کے فضائل پر خدا اور خدا کا بیٹا کہا پھر فضائل محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی عظمت شان کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

یہاں اس غلو کے سدباب کے لیے تعلیم فرمائی گئی کہ کہو کہ میں تم جیسا بشر ہوں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں، ہاں یوحی الی رسول ہوں، دفع افراط نصرانیت کے لئے پہلا کلمہ تھا اور دفع تفریط ابلیست کے لیے دوسرا کلمہ، اسی کی نظیر ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

قل سبحن ربی هل کنت الا بشر ارسولا تم فرمادو پاکی ہے میرے رب کو میں خدا نہیں میں تو انسان رسول ہوں۔ انہیں دونوں کے دفع کو کلمہ شہادت میں دونوں لفظ کریم جمع فرمائے گئے۔ اشهد ان محمد اعبده ورسوله، بندے ہیں خدا نہیں رسول ہیں خدا سے جدا نہیں۔

(فتاوی رضویہ ج۶ صفحہ ۱۴۵۔۱۴۳ مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ کراچی، ۱۴۱۲ھ)

ڈاکٹر صاحب! آپ کے اکابر میں سے مولوی خلیل احمد سہارنپوری نفس بشریت کے متعلق لکھتے ہیں:

"لا ریب اخوت نفس بشریت میں اور اولاد آدم ہونے میں ہے اور اس میں مساوات بنص قرآن ثابت ہے اور کمالات تقرب میں نہ کوئی بھائی کہے نہ مثل جانے"

(براہین قاطعہ ص۳، مطبوعہ بلالی ڈھوک ہند)

اس کے جواب میں علامہ غلام رسول سعیدی جو اس وقت مولانا احمد رضا بریلوی کے مخالفین اور معاندین میں سے ہیں، اور اہلسنت و جماعت کے بعض بنیادی عقائد اور معمولات سے سخت اختلاف رکھتے ہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"شیخ سہارنپوری کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ نفس بشریت میں تمام انسان آپ کے مماثل اور مساوی ہیں ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے انبیاء علیہم السلام میں عام انسانوں کی بہ نسبت ایک وصف زائد ہوتا ہے جو نبوت ہے، وہ حامل وحی ہوتے ہیں، فرشتوں کو دیکھتے ہیں اور ان کا کلام سنتے ہیں اس لئے نبی کی بشریت اور عام انسانوں کی بشریت مماثل اور مساوی نہیں ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ نبوت سے قطع

نظر تو نفس بشریت میں مساوات ہے تو میں کہوں گا کہ اس طرح تو نفس حیوانیت میں نطق سے قطع نظر انسان گدھوں، کتوں، اور خنزیروں کے مماثل اور مساوی ہے اور ایسا کہنا انسان کی توہین ہے۔ اسی طرح نفس بشریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے مماثل اور مساوی کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے، اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

قل انما انا بشر مثلکم

(الکھف:۱۱۰)

تو اس کے دو جواب ہیں ایک جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وما من دابة فی الارض ولا طائر بطیر بجنا حیه الا امم امثالکم۔ (الانعام:۳۸)

ترجمہ: ہر وہ جاندار جو زمین پر چلتا ہے اور ہر وہ پرندہ جو اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہے وہ تمہاری ہی مثل گروہ ہیں۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ زمین اور فضا کے تمام جاندار اور تمام پرندے انسانوں کی مثل ہیں تو اس طریقہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ انسان گدھ، چیل اور بندر اور خنزیر کی مثل ہے تو کیا یہ انسان کی توہین نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے مساوی اور ان کی مثل ہیں تو یہ بھی آپ کی توہین ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز میں عام انسانوں کی مثل ہیں؟ کسی وجودی وصف میں کوئی انسان آپ کی مثل نہیں ہے بلکہ آپ کے ساتھ مماثلت عدمی وصف میں ہے نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں نہ ہم واجب اور قدیم ہیں نہ آپ واجب اور قدیم ہیں نہ ہم مستحق عبادت ہیں نہ آپ مستحق عبادت ہیں اور یہ آیت اسی معنی پر دلالت کرتی ہے:

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم اله واحد

(الکھف:۱۱۰)

ترجمہ: آپ کہیے کہ میں (مستحق عبادت نہ ہونے میں) تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے"

(تبیان القرآن جلد ہفتم صفحہ ۲۲۹، ۲۳۰)

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنسِ بشر اور نوعِ انسان سے پیدا ہوئے ہیں لیکن کیا ان کی حقیقت صرف انسان اور بشر ہے؟ تو مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشرِ محض نہیں ہیں بلکہ ایسے بشر ہیں جو حاملِ وحی ہیں اور وحی ہی وہ وصف ہے جس کی وجہ سے عام انسان اور بشر کا نبی سے امتیاز ہوتا ہے۔ اور جس طرح انسان کو حیوانات کے مقابلے میں عقل اور ادراک کی خصوصیت حاصل ہے نبی کو اس خصوصیت کے علاوہ استعدادِ وحی کی خصوصیت بھی حاصل ہے جس سے وہ عام انسان اور بشر سے ممتاز ہوتا ہے۔ لہٰذا امام احمد رضا بریلوی کا ترجمہ ظاہر صورت بشری بالکل صحیح ترجمہ ہے۔ اس پر اعتراض انتہائی کم علمی اور ناقص فہمی کی دلیل ہے۔ بشر کا معنی ظاہری جلد ہے جو بدن پر ہوتی ہے اور بدن ظاہر ہوتا ہے۔ نظر آتا ہے۔ روح باطنی ہے نظر نہیں آتی۔ انبیاء کرام کے ظاہری بدن تو بشری بنائے گئے مگر ارواح نوری یعنی ملکی اسی کو علامہ خفاجی نے شرح شفا میں بیان فرمایا۔ (دیکھئے نسیم الریاض جلد سوم) ان دلائل کی روشنی میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا ترجمہ سلف صالحین کی تشریحات کے عین مطابق ہے۔

قواعد ترجمہ سے گریز:۔

اس عنوان سے آپ لکھتے ہیں۔

"بریلوی علماء نے اپنے گرد جن عقائد اور مسائل کی باڑ بنا رکھی ہے اور انہیں مسلک کی ضروریات بتلاتے ہیں قرآن پاک میں ان کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ مولانا احمد رضا خان اس صورت حال سے بہت تنگ تھے۔ بخلاف اس کے علماء دیوبند تو حید و رسالت کے باب میں جو کچھ کہتے وہ مضمون الفاظ قرآن میں صریح مل جاتا"

(مطالعہ بریلویت جلد دوم ۹۶)

بریلوی یعنی علمائے اہل سنت و جماعت کے تمام عقائد بحمد اللہ تعالیٰ قرآن و حدیث اور سلف صالحین سے ثابت ہیں۔ دیوبندی وہابی کے وجود سے پہلے ان کے بڑے انہیں عقائد و مسائل پر عمل پیرا رہے۔ آج کے معترضین کے آباؤ اجداد بھی سنی بریلوی ہی تھے۔ اور بریلوی کی اصطلاح سے پہلے والے لوگ بھی انہیں عقائد پر کاربند تھے جن پر آج بریلوی سنی چل رہے ہیں۔

(حیات شبلی صفحہ ۴۴ مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ)

بات علماء کی ہو رہی ہے عوام کی نہیں عقائد کا پتہ علمائے کرام کی تشریحات سے چلتا ہے، عوام کے رسم و رواج سے نہیں۔ علمائے دیوبند توحید رسالت کے باب میں کیا کہتے ہیں۔ یہ آپ کے علمائے دیوبند کی کتابوں سے ظاہر و باہر ہے۔

مثلاً آپ کی کتابوں میں یہ عقیدہ بڑی شد و مد سے پیش کیا جاتا ہے کہ خدا جھوٹ بولنے پر قادر ہے۔ دیکھئے اپنے ممدوح مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب " یکروزہ صفحہ ۱۴۵ مطبوعہ دیوبند براہین قاطعہ از مولوی خلیل احمد سہارنپوری، فتاوی رشیدیہ از مولوی رشید احمد گنگوہی۔ "امکان کذب باری تعالیٰ" کا عقیدہ آپ کی رگ و پے میں رچا بسا ہوا ہے لہٰذا اس کے ثابت کرنے کے لئے آپ قرآن کریم کی آیت کریمہ ان اللہ علی کل شئی قدیر سے استدلال کرتے ہیں۔ جبکہ دنیا کا کوئی مسلمان عالم اس کو کذب باری تعالیٰ پر منطبق نہیں کرتا۔ اسی لئے آپ نے بھی فرمایا ہے کہ توحید و رسالت کے باب میں ہمارا عقیدہ قرآن سے مل جاتا ہے۔ پھر آپ کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ممکن ہے، آپ کو بھائی کہا جا سکتا ہے، آپ ہم جیسے بشر ہیں، لہٰذا آپ کی تعریف ایک بشر کی سی کرنی چاہیے بلکہ اس سے بھی کم تر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب عطا نہیں فرمایا، انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کل ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بڑے بھائی ہیں ہم ان کے چھوٹے۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کو جانوروں، پاگلوں اور بچوں کے علم سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یہ سب اور ان جیسے بہت سے اس قسم کے عقائد آپ کی کتب مثل تقویۃ الایمان، تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان، یکروزی، فتاوی رشیدیہ، تذکرۃ الخلیل وغیرہ میں موجود ہیں۔ یہ تمام کتابیں مارکیٹ میں موجود ہیں اور دیکھی جا سکتی ہیں۔

لیکن دور کیوں جایئے۔ آپ نے اپنے ترجموں میں اللہ تعالیٰ کے لئے فریب، داؤ، اور چال کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے معاذ اللہ "بھٹکے ہوئے" اور "گنہگار" کے الفاظ آیات کے ترجمہ میں استعمال کیے ہیں۔ دوسری جانب امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمتہ نے آداب خداوندی اور آداب رسالت کو پورے طور پر ملحوظ خاطر رکھ کر ترجمہ فرمایا۔ لیکن آپ کو ایسے تراجم اچھے نہیں لگتے اس لئے کہ یہ اپنی اپنی طبیعت اور مزاج کی بات ہے۔ جو ترجمے آپ کے "بزرگ" فرما گئے چاہے وہ کتنے ہی توہین آمیز اور بے ادبی پر مشتمل ہوں مگر آپ کو دل و جان سے پیارے ہیں اور آپ آج تک بھرپور طریقے سے ان کے دفاع پر کمر بستہ ہیں۔

ذنبک کا ترجمہ :

آپ کو اعلیٰ حضرت کے "ذنبک" کے ترجمے پر بھی اعتراض ہے کہ انہوں نے ہمارے بزرگوں کی طرح " گناہ" کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر منسوب نہ کیا، امت کی طرف کیوں کیا اور اگر ایسا کرنا ہی تھا تو ترجمہ میں نہ کرتے تفسیر میں کرتے۔ آپ فرماتے ہیں:۔ "اس سے کیا یہ بہتر نہ تھا کہ یوں کہہ دیا جاتا ترجمہ تو یہی ہے " تیرے گناہ" لیکن اس سے مراد امت کے گناہ ہیں"۔

(مطالعہ بریلویت جلد دوئم صفحہ ۹۸،۹۹)

آپ کتنی بے تکلفی سے کہہ گئے ہیں "تیرے گناہ" جیسے مخاطب رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں، کوئی عامی ہو۔ ہے نا یہ اپنے اپنے مزاج اور طبیعت کی بات۔ اب یہ فرمایئے کہ اگر کوئی سوال کرئے " کہ امت کے گناہ" کی دلیل کیا ہے اور کون سا حرف یا لفظ امت کے گناہوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تو جو دلیل اور ثبوت آپ تفسیر کے زمرے میں دیں گے کیا وہ ترجمہ کے حق میں نہیں دے سکتے ؟ اس کا کوئی جواب آپ کے پاس ہے؟ آپ کی دیانت و دین داری کا یہ حال ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمتہ جن آیات کے ترجمہ سے قبل اے سننے والے، کسے باشد، اے مسلمان وغیرہ کے الفاظ لاتے ہیں۔ تا کہ پڑھنے والے کو پتہ چل جائے کہ خطاب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ مگر مراد امت کے افراد ہیں۔ آپ نے بر بنائے بغض وعداوت انھیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل کر کے بے ادبی، گستاخی کا الزام امام احمد رضا کے سر مڑھ دیا گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عامی کے انداز میں مخاطب کر رہے ہیں۔ (صفحہ ۱۰۷) آپ اپنے "بزرگوں " کی بے ادبیوں اور گستاخیوں کا جواب کسی نہ کسی صورت دے کر اپنے "توشہ آخرت" "فَخَفَّتْ مَوَازِیْنُ" میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو کرتے رہیں۔

غلط ترجمہ کی مثال:

اس عنوان سے آپ نے لکھا ہے کہ سورہ نساء کی ایک آیت کے الفاظ انا قتلنا المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللّٰہ کے ترجمہ میں مولانا احمد رضا خان نے یہ ترجمہ کیا" اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا" آپ نے اعتراض یہ کیا کہ شہید کرنے کا دعوی یہاں کیسا بے محل ہے۔۔۔ یہود کی زبان سے کہلوا رہے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو شہید کیا۔

(ایضاً صفحہ ۱۰۵)

ہر مسلمان جانتا ہے کہ جب بھی کسی نبی و رسول کے متعلق بات ہو تو اسکے حق میں ان کے لیے ادب واحترام کے لفظ لائے جاتے ہیں۔ بہ تقاضائے ادب امام احمد رضا نے یہاں لفظ شہید استعمال فرمایا مثلاً کوئی آدمی کسی کو پیغام دے کر آپکی طرف روانہ کرے اور بھیجنے والا مرتبہ و بزرگی میں آپ سے بڑا ہو اور وہ یہ کہہ کر بھیجے کہ خالد محمود کو کہنا کہ تم کل بارہ بجے میرے گھر پہنچ جانا، اب ظاہر ہے کہ قاصد بعینہ وہی الفاظ دہرا دے تو بے ادب کہلائے گا، خود آپ بھی اسے ایسا کہنے پر اچھا نہ سمجھیں گے۔ یہود جو کہیں سو کہیں مگر ہم کہیں گے تو ادب واحترام کا خیال پہلے رکھیں گے اور آپ کو بھی یہودیوں کا طرز تخاطب پسند ہے تو یہ آپ کی مرضی۔ آپ نے مزید لکھا ہے "حضرت عیسیٰ علیہ السلام شہید کے طور پر نہ پہلے کہیں معروف تھے اور نہ بعد میں ہوئے نہ کوئی فرقہ ان کی شہادت کا مدعی ہوا۔" (ایضاً ۱۰۵)

اب مندرجہ ذیل دو ترجمے ملاحظہ فرمایئے:۔

ا۔ "اور محمد تو ایک رسول ہے، ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا، یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں"

(ترجمہ محمود الحسن دیو بندی آل عمران۔۱۴۴)

۲۔ "اور محمد تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول ہو چکے، تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں، تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے " (ترجمہ کنزالایمان) آپ نے دونوں ترجمے ملاحظہ فرمائے۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمتہ نے ٹھیک فرمایا تھا کہ ترجمے کے لیے عربی لغت اور گرائمر سے واقف ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ بارگاہ الوہیت اور دربار رسالت کے ادب واحترام کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ یہ فرق ان دو ترجموں سے خوب واضح ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب! آپ یہاں بھی اعتراض اٹھائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے شہید کا ترجمہ کیوں کیا گیا۔ اور کہیں کہ "مارا گیا" زیادہ مودب و محترم اور فصیح ترجمہ ہے فاعتبروا یا اولی الابصار!

دو دو ترجمے کرنے کا شوق:

ویکون الرسول علیکم شھیدا (البقرۃ) میں "شہیدا" کا معنی امام احمد رضا بریلوی نے "نگہبان و گواہ" فرمایا۔ آپ نے اس کو دو ترجمے کہا۔ اس معنی پر تفسیر مدارک اور تفسیر بیضاوی کی تائید شامل ہے۔ لما کان الشھید کالرقیب۔۔(مدارک) اور کان الرسول علیہ السلام کالرقیب۔۔(بیضاوی) علامہ بیضاوی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شہادت کے بعد علیٰ آئے تو یہ شہادت کسی کے خلاف ہوتی ہے۔ جب کسی کے حق میں شہادت دینی ہو تو شہادت کے بعد لام آتا ہے۔ اس کا جواب علامہ نے دیا کہ اگرچہ نبی کریم کی شہادت ان کے حق میں ہوگی لیکن آپ چونکہ ان (اپنی امت کے افراد) کے لئے رقیبوں (نگہبانوں) کی طرح ہیں، اس وجہ سے علیٰ سے متعدی کیا ہے۔ چونکہ آپ نگہبان ہیں۔ نہ کہ یہ مراد کہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت نے گواہ کے ساتھ لفظ نگہبان بڑھا دیا۔

ایک اور اعتراض:

ڈاکٹر صاحب "کنزالایمان ترجمہ قرآن نہیں" کا عنوان دے کر مقدمہ کنزالایمان کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"لفظ بلفظ ترجمہ کرنے کے سبب حرمتِ قرآن، عصمتِ انبیاء، اور وقارِ انسانیت کو بھی ٹھیس پہنچتی ہے اور۔۔۔۔۔ انہی تراجم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ بعض امور کا علم اللہ ربّ العزت کو بھی نہیں ہوتا" (مقدمہ کنزالایمان صفحہ ا)

غور کیجئے یہ جرح کیا بعینہٖ وہی نہیں جو پادری عبدالحق نے عربی دان ہونے کی حیثیت سے قرآن پر کی تھی اور ان بریلوی علماء نے اردو دان ہونے کی حیثیت سے ان اردو تراجم کے ذمہ لگا دی؟

(مطالعہ بریلویت جلد دوم صفحہ ۹۸)

دیکھنا یہ ہے کہ پادری عبدالحق عربی دان نے کیا جرح کی تھی۔ وہ بھی خود ڈاکٹر صاحب ہی نے نقل کردی ہے ملاحظہ فرمائیے پادری عبدالحق کہتا ہے:

"قرآن کا مطالعہ کریں تو کوئی نقص نہیں جو خدا میں نہ ہو اور کوئی عیب نہیں جو اس کے انبیاء میں نہ ہو، محمدی علماء تفسیروں میں ان تمام آیتوں کی تاویلیں کرتے ہیں لیکن قرآن کے الفاظ جوں کے توں ہیں اور وہ ہمارے دعوے کی تائید کرتے ہیں مسلمانوں کا قرآن کچھ کہتا ہے اور ان کی تفسیریں کچھ، سونجات کی راہ صحفِ مقدسہ میں ہے۔ صحفِ مقدسہ صفحہ: ۱۷۔ (ایضاً صفحہ ۹۶، ۹۷)۔"

قرآن کریم کسی بندے کا کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے اس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں ان کی فصاحت و بلاغت، ان کے حقیقی معنی اور ان کی اصلی مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں، جتنا کچھ امت کو بتانے کی ضرورت محسوس کی گئی وہ بواسطہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتا دیا گیا بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو لغتِ عرب سے لیے گئے مگر اُن کے معنیٰ وہ نہیں جو لغت میں ہیں بلکہ قرآن کے اپنے معنیٰ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جو مقدمہ کنزالایمان کی عبارت دی ہے اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ترجمہ ایسا ہو جس سے حرمت قرآن بھی باقی رہے اور عصمتِ انبیاء بھی، یعنی ترجمے میں کوئی ایسا لفظ نہ آنے پائے جس میں اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی گستاخی ثابت ہو، اللہ رب العزت نے جو کلامِ پاک اُتارا ہے وہ اُس کے الفاظ و معانی کی تفصیل مخلوق سے زیادہ جانتا ہے۔ مگر مخلوق خصوصاً امّتِ محمدیہ کو زیبا نہیں کہ وہ ترجمہ کرتے وقت آدابِ توحید و رسالت کو بھول جائے کہ یہی تعظیم و ادب ہی اس کا طرہ امتیاز ہے۔ ایسے الفاظ ترجمہ میں شامل ہی کیوں کیے جائیں جو ہماری زبان میں اچھے معنوں میں مستعمل نہیں۔ یہ تو مطلب ہوا مقدمہ کنزالایمان کی عبارت کا، جب کہ دوسری طرف پادری عبدالحق صاحب براہ راست قرآن مجید کے عربی الفاظ یعنی اصل متن ہی پر معترض ہیں کہ قرآن کچھ کہتا ہے اور تفسیریں کچھ۔ یعنی وہ بے چارہ اپنی عقل پر ہی بھروسہ کر کے بیٹھ گیا ہے کہ جو سامنے نظر

آرہا ہے اس کی اصلیت بھی وہی ظاہر کی طرح ہے۔ گویا پادری صاحب نے جان لیا کہ بس اس کے علاوہ کوئی دوسرے معنیٰ تو متعین ہو ہی نہیں سکتے۔ انہوں نے اپنی کم علمی و کم فہمی سے اللہ کے کلام کے الفاظ کو اپنی عقل کی روشنی میں پرکھا اور اپنی عقل کے زور پر ہی اُن کے معنی محدود مخصوص کر لیے۔ لہٰذا مقدمۂ کنزالایمان کی عبارت پادری صاحب کی عبارت میں مشرق و مغرب کا فرق ہے اور اگر ڈاکٹر صاحب بر بنائے تعصب پھر بھی بضد ہیں تو بتائیں کہ اگر تفاسیر کے اندر تاویلوں کے ذریعے حرمتِ قرآن اور عصمتِ انبیاء کو بچایا جا سکتا ہے تو ترجمہ کے اندر ہی اس کلیے کو قائم کر لینا کیونکہ درست اور جائز نہ ٹھہرے گا؟ قرآن مجید کے عربی لفظ کی جو مراد آپ دوسرے قدم پر جا کر لیتے ہیں وہی مراد اگر پہلے قدم یعنی ترجمہ ہی میں لے لی جائے تو کونسی تحریف ہو جائے گی؟ جو معنی تفاسیر کے مطابق ہو کیا وہ معنی غلط ہو جائے گا؟ چونکہ آپ کے علمائے دیوبند نے اپنے تراجم میں قرآنی الفاظ " مکر" کا معنی فریب کیا" ضالاً" کا معنی " بھٹکتا ہوا" کیا" ذنب" کے معنی " گناہ" کیا اور ان سب کی نسبت اللہ و رسول کی طرف کر دی اس لیے اب آپ اس بات پر بہت زور دے رہے ہیں کہ جب ان کے لفظی معنی یہی بنتے ہیں اور لفظی ترجمہ یہی نکلتا ہے تو وہ کیا کرتے۔ تو عرض ہے کہ وہ وہی کچھ کرتے جو انھوں نے صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج اور جہاد کے معنوں میں کیا ہے اگر آپ کے نزدیک لفظی ترجمہ قرآن ہی درست ہے تو پھر صلوٰہ کے معنی نماز نہیں بلکہ مطلق " دعا" ہے زکوۃ کا مطلب مطلق " زیادتی" ہے صوم کا مطلب مطلق " بندش" ہے۔ حج کا ترجمہ مطلق " قصد" ہے اور جہاد کا ترجمہ مطلق " مشقت" ہے، بتایئے اس کے لفظی ترجمے کیوں نہیں کئے گئے آپ کے قول کے مطابق تو اگر صلوٰہ سے مراد نماز لینا تھی تو تفسیر کے اندر لی جاتی نہ کہ ترجمہ میں۔ علیٰ ہٰذا القیاس دیگر الفاظ کا ترجمہ لفظی کر دیا جاتا اور جو مراد تھی وہ تفاسیر میں پیش کی جاتی، آپ کے علمائے دیوبند نے ایسا کیونکر نہیں کیا؟ اور سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ جس بیچارے کے پاس کوئی تفسیر ہی نہ ہو وہ کیا کرے۔ کیا وہ لفظی ترجمے پر ہی عمل کرے اور اُن کے معنی وہی سمجھے جو آپ کے علماء نے ترجمے میں پیش فرما دیئے ہیں؟ سیدھے طریقہ پر کیوں نہیں مان لیتے کہ ترجمہ لغوی شرعاً معتبر نہیں ہوتا بلکہ ترجمہ اصطلاحی شرعاً معتبر ہوا کرتا ہے۔ دیکھئے آپ کے حکیم الاسلام قاری محمد طیّب قاسمی لکھتے ہیں:

" روایت میں آیا ہے کہ جب روزہ کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ ابتداء میں یہ حکم تھا کہ رات کو سو کر جب بھی آنکھ کھلے، اس وقت سے اگلے افطار تک بیچ میں کھانا پینا منع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں تخفیف فرمائی اور ارشاد فرمایا:

وکلوا واشربوا حتّٰی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر

(البقرہ:۲/۱۸۸)

یعنی صبح کاذب کے بعد جب صبح صادق کا اُجالا ظاہر ہو تو اب کھانے پینے سے رُک جاؤ، اور روزہ کی نیت کرو۔

اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے دو قسم کے دھاگے، کالے اور سفید تیار کرائے اور سرہانے رکھ لئے۔ جب سفید دھاگا کالے دھاگے سے متمیز ہو جاتا تب کھانا پینا بند کرتے۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کے دھاگے تیار کرائے اور تکیے کے نیچے رکھ دیئے، ان کو دیکھتے رہے جب کالا دھاگہ سفید دھاگہ سے بالکل ممتاز نظر آتا، تو روزہ کی نیت کرتے حالانکہ اس وقت صبح صادق ہوئے خاصا وقت پندرہ، بیس منٹ گزر چکے ہوتے۔

ان حضرات نے باعتبارِ لغت یہ صورت اختیار کی تھی تو لغوی اعتبار سے غلط بھی نہ تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی چونکہ یہ مراد نہ تھی اسلئے سب کی دلجمعی نہ ہوئی اور معاملہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا۔ اے عدی تم کیا

صورت کرتے ہو؟

انہوں نے عرض کیا میں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کلوا واشربوا کے نازل ہونے کے بعد دو ڈورے اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیے ہیں اور انہیں دیکھتا رہتا ہوں۔ جب تک کالا ڈورا سفید ڈورے سے ممتاز نہ ہوجائے کھاتا پیتا رہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے ارشاد فرمایا۔ اے عدی! تمہارا تکیہ بڑا وسیع ہے کہ اس میں دن رات چھپ گئے کیونکہ کالے ڈورے سے رات مراد ہے اور سفید ڈورے سے مراد دن ہے۔ دھاگوں کے ڈورے مراد نہیں اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہاں لغوی معنیٰ مراد نہیں۔

(خطبات حکیم الاسلام جلد دوم صفحہ ۲۷، ۲۸ کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

اسکے بعد متصل ہی قاری محمد طیّب صاحب فرماتے ہیں:

یہیں سے معلوم ہوا کہ لفظ کے ایک لغوی معنیٰ ہوتے ہیں اور ایک مرادی۔ قرآن مجید اُترا تو لغتِ عربی میں ہے لیکن ہر جگہ لغت مراد نہیں بعض جگہ قرآن کریم نے لغت تو زبان عرب سے لیا مگر معنیٰ اس کے اندر اپنے ڈالے اور وہی مرادی معنیٰ کہلاتے ہیں"

(ایضاً صفحہ ۲۸)

قاری صاحب کا یہ پیرا بھی پڑھنے کے قابل ہے، فرماتے ہیں:۔ "اگر مرادی معنیٰ ضروری نہ ہوتے، لغوی معنیٰ ہی کافی ہوتے، تو اتنا کافی ہوتا کہ حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کا نسخہ لاتے، بیت اللہ کے چھت پر رکھ دیتے اور اعلان کردیتے اے لوگو! تم روحانی مریض ہو۔ یہ تمہارے لئے نسخہ شفا ہے تم زباں داں ہو، عربی سمجھتے ہو اس کتاب کو دیکھ دیکھ کر اپنا علاج کرلیا کرو، پھر پیغمبر مبعوث کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی مگر مسائل کہیں بھی لعنت سے حل نہیں ہوا کرتے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی کی بعثت ہوئی۔ وہ لغت سے اللہ کی مراد متعین کر کے لوگوں کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے اور اللہ کے نزدیک اس آیت کا کیا مطلب ہے؟

(ایضاً صفحہ ۲۹)

ڈاکٹر صاحب! اپنے حکیم الاسلام کی عبارت کا ایک ایک لفظ غور سے پڑھیے اور پھر بتایئے کہ کیا لفظی ولغوی ترجمہ شرعاً معتبر اور درست سمجھا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں تو جہاں امام احمد رضا نے مرادی معنیٰ لے کر ترجمہ کیا ہے وہ کیونکر درست نہ سمجھا جائے گا۔ تو کیا اب پادری عبدالحق کی عبارت کو بھی آپ کے حکیم الاسلام صاحب کی عبارت کے ساتھ یہ کہہ کر منطبق کردیا جائے کہ عبدالحق پادری کو بھی لفظوں پر اعتراض ہے کہ ان کے معنیٰ صحیح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء میں عیب ونقص پائے جاتے ہیں اور قاری صاحب بھی کہتے ہیں کہ اصل معنیٰ تو وہی لغت والا ہے مگر مرادی معنیٰ کوئی اور ہے یعنی قاری صاحب بھی تو یہی کہتے ہیں کہ جو کچھ نظر آرہا ہے یہ اصل معنیٰ نہیں مراد کوئی اور ہے۔ اور اصل معنیٰ اسی لئے نہیں کہ اسے حرمتِ قرآن اور عصمتِ انبیاء باقی نہیں رہتی کوئی خرابی ایسی ضرور واقع ہوتی ہے کہ قاری صاحب مرادی معنیٰ ہی کی طرف زور دیتے ہیں اور اُسی کو معتبر سمجھتے ہیں۔

رحمانی کلام میں انسانی کلام:

مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمتہ کا ترجمہ پیش کر کے ڈاکٹر صاحب نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ ترجمہ قرآن میں اپنے الفاظ شامل کرنا بہت بڑی زیادتی بلکہ تحریفِ قرآن ہے۔ سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی آیات کا ترجمہ کنزالایمان نقل کر کے آپ فرماتے ہیں:

"یہ قرآن پر ایک بڑا ظلم ہے، رحمانی کلام میں انسانی کلام کو ملانا ہے، اس قسم کا اضافہ ترجمہ قرآن میں ایک کھلی تحریف ہے"

(مطالعہ بریلویت جلد دوم صفحہ ۱۰۳)

اس سے قبل آپ نے ایک جگہ یہ بھی فرمایا ہے۔

"اپنی طرف سے کوئی الفاظ ڈالنا ہو تو اُسے ( ) بریکٹ میں لکھتے ہیں تا کہ اُسے کسی لفظ کا ترجمہ نہ سمجھا جائے" (ایضاً صفحہ ۱۰۰) اصل مسئلہ یہ ہے کہ تحریف اس وقت متصور ہوگی جب کوئی لفظ معنیٰ میں بگاڑ پیدا کر

دے اور مطلب و مفہوم الٹ ہوجائے، بغیر بریکٹ کے اردو الفاظ کا ترجمہ میں زیادہ ہوجانا محض تفہیم و وضاحت سمجھی جاتی ہے تحریف نہیں اور اگر تحریف ہی ہے تو پھر یہ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:۔

(الف) واستغفرہ سورۃ النصر پارہ ۳۰

ترجمہ: محمود الحسن:۔

"اور گناہ بخشوا اس سے "بتایئے" گناہ" کس قرآنی لفظ کا ترجمہ ہے؟ بقول آپ کے رحمانی کلام میں انسانی کلام کا اضافہ ہوگیا۔ دوسرے یہ بغیر بریکٹ کے ہے لہذا بقول آپ کے کھلی تحریف، تیسرے یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے تو محض یہ حکم دیا کہ اے میرے محبوب تم بخشش چاہو۔ مگر محمود الحسن صاحب نے ساتھ لفظ "گناہ" لکھ کر اس کی نسبت بھی حضور کی طرف کردی۔ سورۃ الفتح میں تو "ذنب" کے معنی گناہ کئے گئے۔ یہاں واستغفرہ میں گناہ کے لفظ کا اضافہ کرکے اسے ذاتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے ساتھ کیونکر منسوب کردیا گیا۔ طبعی تقاضا ہی کہا جاسکتا ہے ورنہ قرآن میں تو یہ لفظ نہ تھا۔

(ب) واذنت لربها وحقت O سورۃ الانشقاق پارہ ۳۰

ترجمہ محمود الحسن:

'' اور سن لے حکم اپنے ربّ کا اور وہ آسمان اسی لائق ہے''

بتایئے "آسمان" کس قرآنی لفظ کا ترجمہ ہے۔

(ج) کراما کاتبین O سورۃ الانفطار پارہ ۳۰

ترجمہ محمود الحسن:

"عزت والے، عمل لکھنے والے "بتایئے" عمل'' کس قرآنی لفظ کا ترجمہ ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے، یہی مثالیں کافی ہیں ورنہ تو دیوبندی تراجم میں بھی ہر صفحے پر ایسے اضافے موجود ہیں۔ تحریف اگر اسی کا نام ہے تو کوئی دیوبندی مترجم بھی اسی تحریف سے نہیں بچ سکتا۔

سورۃ الرحمن کی ابتدائی آیات:

ان آیات کے ترجمہ میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے عشقِ مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مفسرین کرام کی تصریحات کی روشنی میں اپنے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس کے لیے جو عظیم الشان الفاظ درج کیے ہیں وہ قرآن و حدیث کے نظریئے کے عین مطابق ہیں جنہیں ڈاکٹر صاحب کم فہمی سے تحریف کا نام دے رہے ہیں جن بے چاروں نے خصائصِ کبریٰ، کنزالعمال اور مسند امام احمد کا بھی مطالعہ نہیں کیا اور اعتراض جڑ دیا کہ اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرنے کی حدیث کہیں موجود نہیں جس کا حوالہ اعلیٰ حضرت نے اپنی کتاب "الامن والعلیٰ" میں نقل فرمایا، وہ بھی امام احمد رضا کے مُنہ آ لگے۔ بہر حال اعلیٰ حضرت کا ترجمہ دیکھئے

الرحمن O علم القراٰن O خلق الانسان O علمه البیان O

ترجمہ:

"رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا، ما کان و ما یکون کا بیان انہیں سکھایا" (قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ انسان سے مراد حضرت رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کتاب الشفا)

ڈاکٹر صاحب کے پیٹ میں مروڑ اُٹھ کھڑا ہوا کہ ہمارا کام تو نبی کو اپنے جیسا بشر بتانا ہے۔

جس کو اپنے پیٹھ پیچھے کی بھی خبر نہیں ہوتی اور جو یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ اس دیوار کے پرے کیا ہے، یہ احمد رضا نے کیا کہا کہ ما کان و ما یکون (جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے) کا علم قرآن سے ثابت کر دیا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے دل کی آتش مطالعہ بریلویت لکھ کر بجھائی وگرنہ انسانی کلام تو ڈاکٹر صاحب کے اپنے علماء کے تراجم میں بھی شامل ہے۔ آپ ڈاکٹر صاحب کی بیماری کا اصلی سبب جان چکے ہیں۔ تو آیئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم مبارک کے متعلق اختصاراً دو چار باتیں ملاحظہ فرمائیں

١. ونزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شیء

(پ۱۴ سورۂ نحل آیۃ-۸۹)

ترجمہ:

اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

کل شیٔ عام ہے اس میں تخصیص نہیں لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کل شے کا علم ہوا کیونکہ آپ ہی قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں البتہ یہ ہر چیز کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے ذاتی نہیں۔

۲۔ علمہ البیان کے تحت شیخ المفسرین صاحب معالم فرماتے ہیں۔

" یعنی بیان ماکان و مایکون لانہ صلی اللہ علیہ و سلم ینبی عن خبر الاولین و الآخرین و عن یوم الدین " یعنی بیان ماکان و مایکون، جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کا علم آپ کو عطا فرمایا گیا اس لیے کہ آپ اولین و آخرین اور قیامت کے دن کی بھی خبر رکھتے ہیں۔

(تفسیر معالم التنزیل جز سابع مطبوعہ مصر)

اس کے علاوہ ماکان و مایکون کے یہی الفاظ سند المفسرین علامہ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر خازن میں بیان فرمائے ہیں قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ آیا ہے کہ ان اشیاء کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں وہاں اللہ کا ذاتی علم مراد ہے یعنی اپنی ذات سے مخلوق میں سے کوئی فرد بھی کچھ نہیں جان سکتا۔ ذاتی علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے جیسا کہ سید سلیمان ندوی نے "سیرۃ النبی" جلد چہارم میں اس کی تصریح کی ہے۔

۳۔ مسلم شریف میں ایک حدیث مبارکہ ابو زید یعنی عمر بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے درج ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھا کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ ظہر ہوئی تو منبر سے اُترے نماز پڑھائی اسی طرح کرتے کرتے غروب آفتاب تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ صرف نماز کا وقفہ ہوتا رہا۔ اس خطبہ شریف میں سید صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماضی و مستقبل کی خبر دی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

" ثم صعد المنبر حتی غربت الشمس فاخبر نا بما کان و بما هو کائن "

ترجمہ:

یہ ہے کہ آپ نے پھر منبر پر جلوہ افروز ہو کر خطبہ دیا جو غروب آفتاب تک جاری رہا اس طویل خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں (ماکان) جو کچھ پہلے گزر چکا تھا اور (ماھو کائن) جو کچھ ہونے والا تھا اس کی بھی خبر دی۔

۴۔ مشکوۃ شریف کے باب المعجزات کی ایک حدیث کی شرح میں علامہ ملا علی قاری شرح فرماتے ہیں

" یخبرکم بما مضی ای بماسبق من خبر الاولین من قبلکم و ماهو کائن بعد کم ان من نباء الاخرین فی الدنیا و من احوال الاجمعین فی العقبیٰ"

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزشتہ اور آئندہ تم سے پہلوں اور تمہارے بعد والوں کی دنیا اور عقبیٰ کے جمیع احوال کی خبر دیتے ہیں حدیث مشکوۃ کی ہے۔ شرح ملا علی قاری کی ہے۔ اور علم ماکان و مایکون ثابت کیا گیا ہے۔

۵ . وعلمک مالم تکن تعلم

(پارہ۵۔ سورۃ النساء ع ۱۳، آیۃ ۱۱۳)

یعنی اے محبوب تمہیں سکھا دیا اللہ نے جو کچھ تم نہ جانتے تھے اس آیت کے تحت امام المفسرین ابن جریر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وعلمک مالم تکن تعلم من خبر الاولین والاخرین و ماکان و ما هو کائن

۶۔ وعلمک مالم تکن تعلم کے تحت تفسیر عرائس البیان میں ہے۔

" ای علوم عواقب الخلق علم ماکان و ما یکون "

۷۔ تفسیر ابن عباس میں ہے۔ (علم البیان) الھمه اللّٰه بیان کل شي و اسماء کل دابة تکون علی وجه الارض "

۸۔ تفسیر جلالین میں ہے

علمک مالم تکن تعلم من الاحکام و الغیب اللّٰه نے احکام شریعت کا علم بھی اور غیب کا علم بھی دیا۔ اگر صرف "احکام کا علم" مراد ہوتا تو "والغیب" کا اضافہ ہرگز نہ ہوتا۔

۹۔ تفسیر حسینی میں ہے

در احادیث معراجیہ آمدہ است کہ در زیر عرش قطرہ در حلق من ریختہ فعلمت ماکان و ماسیکون پس دانستم انچہ بود وانچہ خواہد بود"

ترجمہ: احادیث معراجیہ میں آیا ہے کہ عرش سے ایک قطرہ میرے حلق میں ٹپکایا گیا جس کی وجہ سے مجھے ماکان و ماسیکون یعنی گزشتہ اور آئندہ کے سب امور کا علم ہو گیا۔

۱۰۔ مشکوۃ شریف میں حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ وعظ فرمایا اور ان فتنوں کی خبر دی کہ جو ظاہر ہوں گے، آگے آتا ہے۔

ما ترک شیاء یکون فی مقامه ذ لک الی قیام الساعة الاحدث

ترجمہ:

نہیں چھوڑی کوئی چیز کہ واقع ہونے والی تھی اس مقام میں قیامت تک مگر یہ بیان فرمایا:

اب جبکہ احادیثِ مبارکہ اور مفسرین کرام کی وضاحت سے آیاتِ قرآنی کے تحت روشن ہو گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ماکان و مایکون حاصل تھا اور مفسرین کرام نے علمه البیان کے تحت ہی بیان کیا ہے تو اس جگہ اگر امام احمد رضا نے ترجمہ میں یہی مراد ی معنی بیان فرما دیئے تو کیا اب اسے تحریف کہا جائے گا؟ اگر معنوی تحریف ہی دیکھنے کا شوق دامن گیر ہے تو تحذیر الناس اٹھا لیجئے۔ تحذیر الناس کے اندر کیے گئے خاتم النبین کے نئے معنیٰ کے متعلق خود نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:

"اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو ان کی شان میں کیا نقصان آ گیا اور کسی طفل نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہو گیا"

(تحذیر الناس صفحہ ۳۵ دار الاشاعت کراچی)

نانوتوی صاحب کے لفظ "مضمون" کا مطلب کسی لفظ کا معنیٰ ہے یعنی جو معنیٰ میں نے کیا ہے اس معنی کی طرف بزرگان دین میں سے کسی کا فہم بھی نہیں گیا ذہن تو اس وقت کسی کا جاتا جب اس لفظ کا کوئی دوسرا معنیٰ ہوتا۔ اس بات کی تصدیق مولوی خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری نے اپنی کتاب "المہند" میں کی ہے لکھتے ہیں:۔

" ہمارے خیال میں علمائے متقدمین اور اذکیاء متبحرین میں سے کسی کا ذہن اس میدان کے نواح تک بھی نہیں گھوما۔

(المہند صفحہ ۵۲)

یعنی تیرہ سو برس تک کسی عالم، کسی مفسر، کسی متکلم، کسی محدث، کسی امام، کسی تابعی اور کسی صحابی کا ذہن اس معنیٰ کے نواح تک بھی نہیں گھوما جو معنی نانوتوی صاحب کہیں سے نکال کر لے آئے ہیں حتی کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہ معنیٰ نہیں بتلائے۔ ظاہر ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا ہوتا تو تمام بزرگانِ دین اسے بھی ظاہر کرتے اور یہ ایسا معنیٰ ہے کہ آئندہ بھی کوئی مسلمان اس کے قریب تک نہیں بھٹکے گا۔

☆۔ ماکان و مایکون ایک محدود زمانے کے علم کا نام ہے اس سے اللہ تعالیٰ سے خاص کرنا علم خداوندی کو گھٹانا ہے۔

☆۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے وعدہ نبوت کا اہم سبب

(Main Factor) یہی تحذیر الناس ہے۔

☆۔ تحذیر الناس کے متعلق ہمارا ایک طویل تحقیقی مضمون عنقریب ماہانہ "الحقیقہ" شکر گڑھ سے چھپ کر آرہا ہے۔ انشاءاللہ

کفایت بمعنی "کافی" ہی نہیں "بچت" بھی۔

"غلط ترجمہ قرآن کی ایک اور مثال" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

" فسیکفیکھم اللّٰہ وھو السمیع العلیمo

(پ ۱ ع ۱۶)

ترجمہ:

سو اب کفایت ہے تیری طرف سے ان کو اللہ

(شاہ عبدالقادر محدث دہلوی)

سو اب کافی ہے تیری طرف ان کو اللہ (حضرت شیخ الہند) ان تراجم سے یہ بات ہویدا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ان کو کافی ہے ان سے خود نبٹ لیں گے مگر مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کو حضور علیہ السلام کی بجائے ان مشرکین کی طرف سے پیش کر دیا "سوائے محبوب عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرئے گا۔" احمد رضا خان"

(مطالعہ بریلویت جلد دوم صفحہ ۱۰۶)

ڈاکٹر صاحب کی عیاری دیکھئے کہ جب کوئی مسئلہ اپنے حق میں کرنا ہوتا ہے تو کتابیں دیکھ دیکھ کر منطق وکلام کی اصطلاحوں کے سہارے ڈھونڈتے ہیں اور جب فریب کاری اور جوڑ توڑ کے کرتب دکھانے منظور ہوتے ہیں تو اردو کے سادہ سے الفاظ "کفایت" کے معنی تک بھول جاتے ہیں۔ ذرا اُٹھایئے اردو لغت اور دیکھئے کفایت کا معنی۔ اس کے معنی "بچت" اور "جزورسی" کے بھی ہیں اور کفایت کرنا بمعنی بچت کرنا درج ہے اور یہی محاورہ امام احمد رضا علیہ الرحمتہ نے استعمال فرمایا ہے اردو سمجھنے والے جانتے ہیں کہ محاورات میں مختلف الفاظ کے ساتھ ضمیریں بدل جایا کرتی ہیں اب اس میں "بچت کرنا" کے معنی کو سامنے رکھ کر مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ترجمہ دیکھئے" سوائے محبوب عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت (یعنی تمہاری بچت) کرے گا" جب لفظ کفایت کا استعمال کریں گے تو اس کے ساتھ "تمہیں" بھی درست اور "تمہاری" بھی۔ تمہیں کفایت کرے گا یا تمہاری کفایت کرے گا، دونوں درست ہیں ان کی طرف سے "یعنی دشمنوں کی گزند سے، مطلب یہ ہوا کہ اللہ دشمنوں کی گزند سے تمہاری بچت کریگا یا حفاظت کرے گا اور یہ مطلب ہم نہیں نکال رہے بلکہ الفاظ بھی ظاہراً ہر لحاظ سے درست ہیں " کمالات عزیزی" شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمتہ کی مشہور ومعروف کتاب ہے اس میں بھی لکھا ہے۔"دفعہ شر دشمن فسیکفیکھم اللّٰہ و ھو السمیع العلیمo۔ یہ فقرہ سب چیزوں سے بہت نفع کا ہے دشمنوں کے شر سے کفایت طلب کرنے کو۔ یعنی دشمنوں کے شر سے بچت وحفاظت طلب کرنے کو۔ یہی معنیٰ لیکر کفایت کا لفظ امام احمد رضا بریلوی نے استعمال کیا ہے۔ پتہ چلا یہ سب جوڑ توڑ کے کارنامے ہیں ترجمہ میں ہر گز کوئی خرابی نہیں۔ مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ میں کفایت کا استعمال ایک اور جگہ دیکھئے

و کفی اللّٰہ المومنین القتالo

(سورۃ احزاب۔۲۵)

ترجمہ: اور اللہ نے مسلمانوں کو لڑائی کی کفایت فرمادی۔

جبکہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

اور اپنے اوپر لے لی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی۔

حاشیہ پر جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

"یعنی مسلمانوں کو عام لڑائی لڑنے کی نوبت نہ آئی" مطلب یہ کہ لڑائی سے بچت ہوگئی اس آیت کریمہ میں بھی مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمتہ "کفایت" کو بمعنیٰ "بچت" ہی استعمال کیا ہے لیکن

محمود الحسن صاحب کا ترجمہ: مسلمانوں کی لڑائی اللہ نے اپنے اوپر لے لی عجیب وغریب ترجمہ ہے مگر ہم لوگ کھینچا تانی کے عادی نہیں۔ مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے "کفی" کو کافی کے معنیٰ میں بھی لیا ہے۔

" و کفی باللّٰہ شھیدا (سورہ الفتح)

"اور اللہ کافی ہے گواہ" معلوم ہوا کہ انہوں نے یکفی اور کفی کے معنی کو سیاق وسباق کے لحاظ سے کہیں "بچت" کیا ہے اور کہیں "کافی"۔ لیجیے اب موضح قرآن سے شاہ عبد القادر محدث دہلوی کا ترجمہ دیکھئے "پھر کفایت کرے گا تجھے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سلم ان کی بدی سے خدائے تعالیٰ" شاہ عبد القادر محدث دہلوی اور امام احمد رضا بریلوی کے جملے اوپر تلے ملاحظہ فرمایئے:

"پھر کفایت کرے گا تجھے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بدی سے خدائے تعالیٰ

(محدث دہلوی)

"اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا

(امام احمد رضا)

الفاظ کے آگے پیچھے ہونے کے معمولی سے فرق کے ساتھ حرف بہ حرف ترجمہ ایک جیسا ہے دیکھئے "ان کی بدی سے خدائے تعالیٰ" اور "اللہ ان کی طرف سے" دونوں کا مطلب ایک ہے "پھر کفایت کرے گا تجھے" اور "تمہیں کفایت کرے گا" دونوں ایک جیسے ہیں مزید وضاحت کے لیے یہ نقشہ ملاحظہ فرمایئے تاکہ صحیح طور پر سمجھ میں آجائے ۔شاہ عبد القادر کا ترجمہ ترتیب کے ساتھ ہوگا۔

خدا تعالیٰ ان کی بدی سے تجھے کفایت کرے گا (تفسیر موضح القرآن)

اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا (کنزالایمان)

شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجموں سے اخذ کردہ ایک اردو ترجمہ حکیم یسین شاہ صاحب سکنہ دھرم سالہ ضلع کانگڑہ (انڈیا) کا بھی ہے۔ وہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ "اور ان کی طرف سے تجھے اللہ کافی ہے" ویسے اپنے بزرگ شیخ الہند جناب محمود الحسن صاحب کا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

یاایھا الانسان ما غرک بربک الکریمo

اے آدمی کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر"

جملہ اگر صحیح ترتیب کے ساتھ پڑھا جائے تو اس طرح ہوگا "اے آدمی تو اپنے ربّ کریم پر کس چیز سے بہکا"

یعنی معاذ اللہ وہ کونسی شے تھی جس نے تجھے ربّ کریم پر بہکا دیا۔ حالانکہ درست فقرہ یوں ہے:۔

"اے آدمی کسی چیز نے تجھے ربّ کریم سے بہکا دیا" جب کہ رب کریم پر کہنے سے بہکنے کی نسبت ربّ کریم کی طرف ہوگئی جو کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی وگستاخی ہے۔

اب مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

"اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے ربّ سے"

مثلاً کوئی کہے کہ وہ راہ حق سے بہک گیا تو مطلب ہوگا کہ حق کو چھوڑ دیا اور کوئی کہے کہ راہ حق پر بہک گیا تو مطلب یہ نکل آئے گا کہ راہ حق پر آجانا بہت بری بات ہوئی کہ باطل سے بہکا حق کی طرف آ گیا۔ آپ کے شیخ الہند نے بھی کہہ دیا کہ کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر:

ڈاکٹر صاحب:۔آپ کی دھوکہ بازیوں اور فریب کاریوں کی داستان کہاں تک کوئی بیان کرئے۔

کہتے ہوئے گزر گئی ساری ہی زندگی
قصے ترے فریب کے اب تک ہیں ناتمام

مخاطب حضور، مراد اُمّت:

ڈاکٹر صاحب! "حضور کو عامی کے انداز میں بلانے کی غلطی" کے عنوان سے مولانا احمد رضا خان بریلوی سے یوں بدگمان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"وان حکم بینھم بما انزل اللّٰہ ولا تتبع اھواء ھم
(پ۶۔المائدہ ع۷)

ترجمہ:

حکم کران میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اور مت چل ان کی خوشی پر (شیخ الہند)

اے مسلمان! اللہ کے اتارے پر حکم کر اور ان کی خواہشوں پر نہ چل (احمد رضا خان)

مفتی احمد یار صاحب گجراتی نے نور العرفان حاشیہ کنزالایمان میں تصریح کر دی ہے کہ یہ حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا سو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے عامی انداز سے مخاطب کرنے کی اس بے ادبی کو دوسری آیت میں اس اضافے سے کہ "اے محبوب" کہا دھویا نہیں جا سکتا۔

(مطالعہ بریلویت جلد دوم صفحہ ۱۰۷)

آپ نے ناحق یہاں مفتی صاحب کے حوالے کا تکلف فرمایا ہے اپنی بات کو مدلل بنانے کے لیے اس سے زیادہ معتبر و مستند کہ جس کا رد کوئی مسلمان نہیں کر سکتا خود سارا قرآن کریم تھا۔ اس لئے کہ وان حکم آیت کریمہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ قرآن ہے اور سارا قرآن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترا ہے۔ اس لیے جو حکم دیا گیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو دیا گیا یعنی پہلے یہ حکم ان تک پہنچا اس کے بعد امت تک۔ بے شمار حکم ایسے ہیں کہ وہاں آپ کی ذات اقدس نہیں بلکہ امت کے افراد مراد ہیں یہ آیت کریمہ دیکھئے:

فلا تک فی مریۃ منہ ق انہ الحق من ربک :
(سورۃ ھود۔۱۷)

ترجمہ محمود الحسن:

"سو تو مت رہ شبہ میں اس سے، بے شک وہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے"

حاشیے پر مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں۔

"یہ خطاب ہر شخص کو ہے جو قرآن سنے یا حضور کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے"

اور ملاحظہ فرمایئے:

فان کنت فی شک مما انزلنا الیک حتی یروا العذاب الالیمO

ترجمہ محمود الحسن:

"سو اگر تو ہے شک میں اس چیز سے کہ اتاری ہم نے تیری طرف تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں۔۔۔الخ" حاشیے پر مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں۔

"بظاہر یہ خطاب پیغمبر علیہ السلام کو ہے لیکن حقیقت میں آپ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے"

چونکہ اس سے قبل دو سطر یہ آیت کریمہ یعنی وان حکم بینھم سے پہلے فاحکم بینھم کے الفاظ مبارکہ ہیں لہذا مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ نے پہلے یہی لکھا کہ امت کے افراد مراد ہیں اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے یہ ترجمہ کیا:

"تو ان میں فیصلہ کرو اللہ کے اتارے سے اور اے سننے والے ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا"

کنزالایمان پڑھنے والے خوب جانتے ہیں کہ پورے قرآن مجید میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کوئی بات فرمائی گئی وہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے "اے محبوب" کے پیارے اور محبت بھرے الفاظ لائے ہیں (جس کا خود ڈاکٹر صاحب نے بھی خطرہ محسوس کرتے ہوئے پیش بندی کے طور پر حوالہ دیا ہے) اور جہاں بظاہر تو حکم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے مگر مراد امت ہے وہاں وہ "اے سننے والے" "اے مسلمان" اور "اسے سننے والے کسے باشد" کے الفاظ لاتے ہیں تاکہ پڑھنے والا سمجھ لے کہ یہاں درحقیقت خطاب امت کو ہو

رہا ہے یہی کنزالایمان کا اسلوب ہے۔لیکن ڈاکٹر صاحب چونکہ جوڑ توڑ اور فریب کاری کا پسندیدہ کھیل کھیلنے میں مصروف رہے۔اس لیے سورہ بقرہ رکوع ۱۳ کی آیت لکھ کر کہتے ہیں:۔

اب مولانا احمد رضا خان کا گستاخانہ ترجمہ دیکھئے:

"اے سننے والے کسے باشد! اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا۔الخ

(احمد رضا خان)

یہ نہ کہیے گا کہ یہاں ڈاکٹر صاحب "کسے باشد" کے معنی سے بے خبر تھے۔اس لیے "گستاخانہ ترجمہ" کہا اور تبصرے میں من مانی کی بلکہ یہ جوڑ توڑ کی کرامت ہے۔جس ذہن میں دیوبندیت وہابیت گھر کر جائے وہ ایسی وارداتوں پر مجبور ہو جاتا ہے۔ڈاکٹر صاحب بھی یہ مکر وحیلہ نہ کرتے تو مذہب ہاتھ سے چلا جاتا۔"کسے باشد" کا معنی ہے "خواہ کوئی ہو" معلوم ہوا اعلیٰ حضرت نے "کسے باشد" کہہ کر ان الفاظ کی نسبت امت کی طرف کی ہے۔اگر اعلیٰ حضرت کی مراد آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہوتی تو وہ اسے سننے والے کسے باشد ہرگز نہ کہتے، اس لئے کہ جب قرآن براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُتر رہا ہے تو اس تخصیص کی ضرورت ہی کیا تھی۔ایک اور آیت مقدسہ ملاحظہ فرمائیے:

ولا تجعل مع اللّٰہ الٰھا اخر فتلقی فی جھنم ملوما مد حورا○

(سورۃ بنی اسرائیل۔۳۹)

ترجمہ اعلیٰ حضرت:

اور اسے سننے والے! اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہ ٹھہرا کہ تو جہنم میں پھینکا جائے گا طعنہ پاتا دھکے کھاتا۔

یہ خطاب چونکہ اُمت کے لیے تھا اس لیے اعلیٰ حضرت نے حسب عادت اس مقام پر بھی اسے سننے والے کہا اس آیت سے قبل جن برائیوں کی روک تھام کا ذکر کیا گیا۔مولوی شبیر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ باتیں امت کی طرف بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجی گئیں جو چیز عثمانی صاحب نے تفسیر میں پیش کی وہی چیز اعلیٰ حضرت نے ترجمہ میں پیش فرمادی تاکہ پڑھنے والا اسی لمحے حقیقت تک پہنچ جائے۔لہٰذا ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ مولانا احمد رضا خان نے حضور کو عامی کے انداز میں بلایا ہے دوسری فریب کاریوں کی طرح یہ بھی جوڑ توڑ کی بدترین مثال ہے۔اللہ تعالیٰ شر دیوبندیت سے محفوظ و مامون فرمائے ویل لکل افاک اثیم○

"کفر پایا" بمعنی کفر معلوم ہو گیا:

ڈاکٹر صاحب فلما احس عیسی منھم الکفر
(پ۳ آل عمران ع ۵) لکھ کر کہتے ہیں:

"اب مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ دیکھئے:

اور جب عیسیٰ نے ان سے کفر پایا بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف استغفر اللہ العظیم۔حضرت عیسیٰ نے ایمان ہی ایمان پایا تھا۔وہ خدا کے پیغمبر تھے، کفر انہوں نے ہرگز نہیں پایا"

ڈاکٹر صاحب الفاظ "ایمان پانا" کفر پانا کے مقابلہ میں لائے ہیں اور چونکہ خود ڈاکٹر صاحب نے اعلیٰ حضرت کو گستاخ کہنے کے لیے ان پر الزام عائد کرتے ہوئے ان کے الفاظ" کفر پانا" کی نسبت کفار کی جانب سے حضرت عیسیٰ کی طرف کی ہے۔لہٰذا ڈاکٹر صاحب کے "ایمان پانا" کے الفاظ بھی کفار کی جانب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سمجھے جائیں گے۔یعنی بقول ڈاکٹر صاحب کے کہ انہوں نے کفار سے کفر نہیں بلکہ ایمان پایا تھا اور یہ بات بجائے خود کفر ہے کہ پیغمبر تو ایمان والے امتی سے بھی ایمان نہیں لیتا چہ جائیکہ کفار و مشرکین سے ایمان حاصل کرے۔یہ تو تھا الزامی جواب، بہر حال ترجمے کو پڑھ کر گمان بھی نہیں گزرتا کہ کفر پانے کا یہاں مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کفار و مشرکین سے کفر کی تعلیم لیتے رہے، مگر دیوبندی

ذہن کی عیاری دیکھئے کہ محض "کفر پانے" کے الفاظ لے کر ان کی نسبت پیغمبر خدا کی طرف ان معنوں میں کردی کہ تعلیماً حضرت عیسیٰ نے کفار سے اپنے لئے کفر حاصل کیا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) حالانکہ "کفر پانا" کا معنی ہے کفر معلوم کرلیا، یا ان کے کفر کا علم ہوگیا۔ ظاہراً بھی الفاظ کا استعمال درست ہے کیونکہ لفظ "پانا" کے معنی لغت میں "معلوم کرلینا" اور جان لینا" کے ہیں اسی طرح اس کے معنی "تاڑنا" اور پہچاننا" کے بھی ہیں۔ پانا کے معنی مطلق حاصل کرنا ہی نہیں ہوتے مثلاً میں کہتا ہوں "میں نے آپ کا مقصد پالیا ہے" تو اسکا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ آپ کا مقصد میں نے اپنے لئے حاصل کرلیا یا آپ کا مقصد آپ سے لے لیا ہے۔ کوئی ذی شور اس طرح نہیں سمجھ سکتا۔ سب جانتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے آپ کا مقصد معلوم کرلیا ہے یا مجھے آپ کا مقصد پتہ چل گیا ہے۔

مومن کا یہ شعر ملاحظہ فرمایئے:

کل تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

"اغیار پا گئے" یعنی اغیار کو معلوم ہوگیا یہی معنیٰ اعلیٰ حضرت نے لیا ہے کہ جب عیسیٰ نے ان سے کفر پایا یعنی جب عیسیٰ نے ان کا کفر معلوم کرلیا، مستند اور معتبر شاعر کی زبان سے بھی ثابت ہوگیا اور اردو کی لغات میں بھی یہی ہے کہ "پانا" کے معنی جان لینا، تاڑ لینا، معلوم کرلینا وغیرہ بھی ہیں۔ ظاہراً باطناً جملہ درست ہے دھوکہ دینے والے اپنے انجام کو پیش نظر رکھیں۔

ڈاکٹر خالد محمود کی طرف سے بدترین گستاخِ رسول ولید بن مغیرہ کا دفاع

تعصب انسانی ذہن کو اس قدر تاریک و تنگ کردیتا ہے کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں مفقود ہوکر رہ جاتی ہیں اپنے پرائے، اچھے برے اور حق و باطل کی تمیز مٹ جاتی ہے اگر ایک عاشق رسول سے دشمنی اور عداوت کا نتیجہ دیکھنا ہو تو ڈاکٹر خالد محمود کی کتاب مطالعہ بریلویت جلد دوم کہ یہ دو صفحے ضرور ملاحظہ کیجئے جن کی عبارت پیش کی جانے والی ہے۔ قلم کے بے راہروی کا نظارہ کرنا ہو یا ذہن کی آوارگی کا تماشا دیکھنا ہو تو ان صفحات کو ضرور پڑھیے جو ڈاکٹر صاحب نے مولانا احمد رضا خان کی ناحق دشمنی میں بدترین گستاخ رسول ولید بن مغیرہ کے حق میں خوش دلی و خوش عقیدگی سے تحریر فرمائے ہیں۔

ولید بن مغیرہ کا تعارف:

اہل ایمان جانتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ بدترین کافر و مشرک تھا جو آقائے دو جہاں سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ وبارک وسلم کو ساحر، مجنوں اور نہ جانے کیا کیا بکتا تھا (العیاذ باللہ) مفسر قرآن شاہ عبدالقادر محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

"ولید ملعون کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو قرآن پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں یہ باتیں دیوانوں کی کرتا ہے سو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ (تفسیر موضح قرآن سورۃ القلم)

ولید بن مغیرہ کی گستاخی پر اللہ تعالیٰ جل شانہ جو ستارالعیوب ہے، قرآن کی صورت میں وحی نازل فرمائی اور عیب چھپانے کی بجائے اس کے عیبوں کو ظاہر فرمادیا۔

مودودی صاحب کے مطابق یہ شخص اس قدر گستاخ رسول اور اپنے دیگر برے عیوب کی وجہ سے مشہور تھا کہ اس کا نام لینے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کی یہ صفات سنتے ہی ہر شخص سمجھ سکتا تھا کہ اشارہ کس کی طرف ہے۔

ولید بن مغیرہ کے حق میں مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی ملاحظہ کیجئے جس میں اس سفاک شخص کے عیب سر عام بیان کردیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تطع کل حلاف مھین O ھماز مشاء بنمیم O مناع اللخیر معتد اثیم O عتل بعد ذلک زنیم O ان کان ذا مال

و بنین ○ (پ ۲۹ سورہ القلم)

ترجمہ مودودی صاحب:

"ہر گز نہ دبو کسی ایسے شخص سے جو بہت قسمیں کھانے والا، بے وقعت آدمی ہے، طعنے دیتا ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، بھلائی سے روکتا ہے، ظلم و زیادتی میں حد سے گزر جانے والا ہے، سخت بد اعمال ہے، جفا کار ہے، اور ان سب عیوب کے ساتھ بد اصل ہے، اس بنا پر کہ وہ بہت مال واولاد رکھتا ہے"

(تفہیم القرآن جلد ششم)

گستاخی رسول کا انجام دیکھئے کہ نزول آیات سے لے کر قیامت تک کروڑوں اربوں انسان اس کے عیبوں کی گنتی ہر لمحے اور ہر وقت کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے کیونکہ دنیا میں کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی صورت میں ان آیات کی تلاوت ضرور ہوتی رہتی ہے اور باوجود عیب گننے کے ثواب حاصل کر رہے ہیں اس لئے کہ گستاخ رسول تھا۔ گویا گستاخ رسول کی برائی بیان کرنا قرآنی اصول بھی ہے اور باعثِ ثواب بھی۔

ڈاکٹر صاحب کی ناگواری کا عجیب پہلو:

حیرت اس بات پر ہے کہ ولید بن مغیرہ کے حرامی ہونیکی نشاندہی جب قرآن مجید نے کی تو اس وقت ولید کے ساتھی کفار و مشرکین نے بھی چڑ نہیں کھائی بلکہ خود ولید بن مغیرہ بھی معترض نہ ہوا اور ماں کی جان کے درپے ہوا کہ میرے اصل اور بد اصل ہونے کے بارے میں تو ہی بہتر جانتی ہے۔ چنانچہ ماں نے بھی جان چلے جانے کے خوف سے حقیقت ظاہر کر دی کہ تو واقعی اپنے باپ کا نہیں۔ یعنی ولید نے خود بھی اس عیب کو جھٹلایا نہیں اور انکار نہیں کیا بلکہ سچ ہی جانا مگر آج ہمارے اسلامی ملک پاکستان کے علامہ ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی ہیں کہ جنہیں ولید بن مغیرہ کو حرامی کہنے پر سخت کوفت محسوس ہوتی ہے، اس قدر کہ اگر کوئی اس کے لئے بد اصل یا اس کی اصل میں خطا کے الفاظ تحریر کرے تو ڈاکٹر صاحب کی طبع دیوبندیت پر سخت ناگوار گزرتا ہے ناگواری کا یہ تاثر حیرت انگیز پہلو لیے ہوئے ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

مجھے کہنے دیجئے کہ یہ امام احمد رضا بریلوی کی کھلی کرامت ہے کہ ان سے دشمنی کرنے والا ولید بن مغیرہ کی حمایت میں لگ گیا۔

آیئے ڈاکٹر صاحب کے اعتراضات ملاحظہ فرمایئے: لکھتے ہیں

"قرآن کریم نے اس کے بارے میں کہا:

عتل بعد ذلک زنیم

(پ ۲۹ سورۃ القلم)

ترجمہ: اجڈ، ان سب کے پیچھے بدنام (حضرت شیخ الہند) "درشت خو، اس سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا" (مولانا احمد رضا خان) اصل میں خطا سے مراد یہ ہے کہ وہ حرامی ہے، کسی کی اصل میں خطا ہو بھی تو یہ اسکا اپنا گناہ نہیں، اس کے ماں باپ کا گناہ ہوتا ہے یہاں ان بدکرداروں کے اپنے عیب ذکر کیے جا رہے ہیں۔ کسی کو حرامزادہ کہنا گالی تو ہو سکتا ہے لیکن اسے اس کے کسی قصور کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن پاک گالی سے یقیناً پاک ہے، اس شخص کے لئے جو کسی قوم میں ویسے ہی آکر مل جائے، زنیم کا لفظ کتنا مناسب ہے اس کا معنی حرامی یا حرام زادہ ہرگز نہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے ایک گندا معنی نکال کر کس گستاخی سے اسے متن قرآن کی طرف نسبت کر دیا ہے"

(مطالعہ بریلویت جلد دوم صفحہ ۱۳۶)

ڈاکٹر صاحب ایک عبارت میں زنیم کا نتیجہ نکالتے ہوئے یوں گل افشانی فرماتے ہیں۔

"وہ شخص جو کسی اور قوم سے ہو کر کسی دوسری قوم میں شامل ہو جائے، خاندان اور نسب بدلنے والا بھی بے شک زنیم ہے لیکن اسے حرامی نہیں کہا جا سکتا نہ یہ کہ اسکی اصل میں خطا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے یہ نہایت گندا معنی کیا ہے، علمائے اسلام جب قادیانیوں کو الزام

دیتے ہیں کہ مرزا غلام احمد نے اپنے مخالفین کو گالیاں دی ہیں اور انہیں حرام زادہ کہا ہے سوان اخلاق کا آدمی ایک شریف انسان کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے بھی تو ایک شخص (ولید بن مغیرہ) کو حرام زادہ کہا ہے ہم نے بارہا کہا کہ قرآن کریم نے ہرگز کسی شخص کو حرام زادہ نہیں کہا، نہ زنیم کے معنی حرام زادہ کے ہیں۔ تو وہ جھٹ مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ کنزالایمان پیش کر دیتے ہیں کہ اس میں زنیم کے معنی یہ لکھے گئے ہیں" جس کی اصل میں خطا ہو" سو ہمیں جواباً کہنا پڑتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بھی تو عہد انگریزی میں دوسرے درجے کے مجدد ہی تھے نا، اول مرزا غلام احمد دوم مولانا احمد رضا خاں۔ کاش مولانا احمد رضا خاں کا یہ ترجمہ نہ چھپتا اور مسلمانوں کو قادیانیوں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑتا"

(مطالعہ بریلویت جلد دوم صفحہ ۱۳۷)

ولید بن مغیرہ کے بھرپور دفاع اور حمایت میں پانچ جملے

ا۔" کسی کی اصل میں خطا ہو بھی تو یہ اس کا اپنا گناہ نہیں اس کے ماں باپ کا گناہ ہوتا ہے۔(ڈاکٹر خالد محمود)

یہ الزام براہ راست قرآن مجید پر ہے۔ متقدمین و متاخرین تمام مفسرین و مترجمین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں ولید ہی کو زنیم کہا گیا ہے اور یہ بھی کہ اس کے معنی حرام زادہ کے ہیں۔ کیا اس بات کی خبر (معاذ اللہ) خدا تعالیٰ کو نہیں تھی کہ یہ گناہ تو ولید کی ماں کا ہے ولید کا نہیں، پھر میں بھلا قرآنی آیات ولید کے حق میں اتار کر اسے حرام زادہ کیونکر کہہ رہا ہوں؟ ڈاکٹر خالد صاحب کو شان نزول معلوم نہیں تو جاہل، معلوم ہے اور پھر بھی اعتراض ہے تو خود بے ادب گستاخ وہ بھی اللہ اور رسول کے، انھیں سب کچھ یقیناً معلوم ہے البتہ خوب خدا سے بے نیاز اور عذاب آخرت سے بے پروا ہو کر بغض و عناد اور ظلم و خیانت کی حدوں سے بھی آگے گزر گئے ہیں۔ علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ زنیم دراصل اس لیے کہا گیا کہ اصل اور بداصل کی عادات و خصائل میں قدرتی طور پر بہت فرق پایا جاتا ہے۔ بداصل فطرتاً درشت خُو، طعنے باز، چغلی خور اور جھوٹا ہوتا ہے یعنی برائی کا اثر بچے میں بھی منتقل ہو جاتا ہے اس لیے اس برائی سے بچنے کی تاکید اس لیے بھی ہے کہ جہاں بذاتِ خود بدکاری بہت بڑے عذاب کا باعث ہے وہیں اس کا اثر ناجائز اولاد میں بھی برے طریقے سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔" کسی کو حرام زادہ کہنا گالی تو ہوسکتا ہے لیکن اسے اس کے کسی قصور کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔(ڈاکٹر صاحب)

یہ الزام بھی براہ راست قرآن مجید پر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ولید ہی کو زنیم کہا ہے اور اسی معنیٰ میں کہا ہے کہ وہ حرام زادہ ہے اور یہ عیب اس لیے ظاہر فرمایا تاکہ دنیا اس برائی سے رک جائے اور سمجھ لے کہ زنیم شخص خود بھی ظلم و زیادتی کرنے والا، جفا کار، بداعمال و بدکردار اور سفاک فطرت کا مالک ہوتا ہے۔ یعنی بڑوں کا گناہ تو الگ ہوا، جنم لینے والا بچہ بھی ان کی برائی کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکے گا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے حرامی ہونے کو بھی ظاہر فرما دیا کہ یہ جو بڑھ چڑھ کر میرے پیارے محبوب کی شان میں گستاخیاں کرتا پھرتا ہے یہ دراصل بداصل ہے اور بداصل انہیں عادات و خصائل کا مالک ہوتا ہے۔ تو جناب ڈاکٹر صاحب! اب اللہ تعالیٰ سے کہیے کہ اس نے ولید کو زنیم کیونکر کہا جب کہ گناہ اور قصور اس کی ماں کا تھا۔

۳۔"اس شخص کے لئے جو کسی قوم میں ویسے ہی آکر مل جائے، زنیم کا لفظ کتنا نامناسب ہے۔(ڈاکٹر صاحب)

دل کے کانوں سے صاحب بصیرت حضرات سماعت فرمائیں کہ ڈاکٹر صاحب کی عبارت کے یہ الفاظ پکار پکار کر ولید بن مغیرہ کی حمایت کرتے نظر آتے ہیں مگر کیا کیا جائے ڈاکٹر صاحب! جس گستاخ رسول کی حمایت میں آپ کمربستہ ہیں اور اسے حرام زادہ کہنے پر آپ چڑتے ہیں، تمام مفسرین کرام نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ واقعی حرام زادہ تھا۔ ایک آپ ہیں کہ بڑے میٹھے انداز میں فرماتے ہیں "زنیم کا لفظ کتنا

نامناسب ہے" جیسے ولید کی بارگاہ میں عقیدتوں کے پھول نچھاور کیے جارہے ہوں۔ آپ کے پرستار آپ کے ان جذبات کی قدر کرتے ہیں ،آپ کا یہ جذبہ سلامت رہے کیونکہ و من یضللہ فلا ھادی لہ

۴۔ "اس (زنیم) کے معنی حرامی یا حرام زادہ ہرگز نہیں"

(ڈاکٹر صاحب)

"ہرگز" کی تاکید مکمل طور پر ولید کے حق میں جاتی ہے یعنی آپ مطلق گوارہ نہیں فرماسکتے کہ کوئی ولید بن مغیرہ کو حرام زادہ کہے جبھی تو فرماتے ہیں" اس کے معنی حرام زادہ ہرگز نہیں" مگر کیا کیا جائے کہ جب علمائے اسلام کی تصریحات وتشریحات دیکھتے ہیں تو وہاں آپ کی بات جھوٹ کا پلندہ نظر آتی ہے اور ولید کے بارے میں جس خوش فہمی کا شکار آپ ہیں وہ خوش فہمی دم توڑ دیتی ہے بہر حال، ہم مہر بلب ہیں کہ ہر کسی کو اپنے ممدوح کے دفاع کا حق حاصل ہے۔

۵۔ "مولانا احمد رضا خاں نے ایک گندا معنیٰ نکال کر کس گستاخی سے اسے متنِ قرآن کی طرف نسبت کر دیا ہے۔(ڈاکٹر صاحب)

مولانا احمد رضا خاں نے تو "گستاخی" کر ہی ڈالی، آپ چونکہ پی۔ایچ۔ڈی ہیں۔علامہ ہیں اور اپنے اندر علم وفضل کے بحرِ ذخار سمیٹے بیٹھے ہیں، دیانت وصداقت کے اعلیٰ درجے پر بھی فائز ہیں، روپوں پیسوں کی بھی کمی نہیں لہذا آپ مولانا احمد رضا کے مقابلہ میں زنیم کا ایک اچھا سا، خوبصورت اور محترم معنی نکال کر انتہائی ادب واحترام سے ولید بن مغیرہ کی ذات پر چسپاں کر دیجئے یوں آپ اور آپ کے پرستاروں کے کلیجے میں ٹھنڈ بھی پڑ جائے گی اور احمد رضا سے اس کی گستاخی کا بدلہ بھی ہو جائے، ایک تیر سے دو شکار کیوں نہیں کر لیتے ؟ ویسے اب تک تو آپ زنیم کا بادب اور لائق احترام معنی نکالنے میں ناکام رہے ہیں البتہ میرے اس مضمون کو پڑھنے کے بعد آپ پھر ایک ناکام سی کوشش کر کے دیکھ لیں ہمت مرداں مدد ے۔۔۔؟

اسی طرح میں نے آپ کی کتاب سے جو دوسرا پیرا نقل کیا ہے وہ بھی سارے کا سارا ولید کے تحفظ اور بچاؤ کی کھلی عکاسی کرتا نظر آتا ہے۔ اگر ولید بن مغیرہ کو حرام زادہ کہنے پر امام احمد رضا بریلوی انگریزوں کے ایجنٹ ہو گئے تو آنے والے دلائل کے بعد ڈاکٹر صاحب کس کس کو انگریزوں کا ایجنٹ قرار دیں گے اور کس کس کے سر گستاخ ہونے کی تہمت رکھیں گے۔

خدا کی شان کہ جو اپنی کتاب میں امام احمد رضا کو گستاخ کہنے کے لئے مکمل فریب کاری اور جوڑ توڑ سے کام لیتا رہا وہ خود تمام بزرگان دین حتی کہ بارگاہ خداوندی اور بارگاہ رسالت کا کتنا بڑا گستاخ نکلا کیونکہ قرآن حضور پر اترا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زنیم کے معنی حرام زادہ کے بتائے، اس کو صحابہ کرام نے سنا اور تابعین تک پہنچایا اور تابعین کے ذریعے تبع تابعین تک پہنچا اور ایسے ہی ہم تک پہنچا۔اگر یہ معنیٰ نہ ہوتا تو مترجمین اور مفسرین کرام اس کا معنی حرام زادہ کیوں بتاتے۔اور ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ معنیٰ کرنے والا گستاخ ٹھہرا۔ اب خود شمار کر لیجئے کہ ڈاکٹر صاحب کس کس پہ گستاخ ہونے کا الزام نہیں رکھ رہے اور کون ہے جو اس تہمت بد سے بچ جائے نعوذ باللہ من شرور انفسنا

زنیم کا معنی حرام زادہ۔ٹھوس دلائل

ڈاکٹر صاحب نے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے پاکیزہ دامن پر جو کیچڑ اچھالنے کی باطل کوشش کی ہے اس سے انہوں نے اپنا دامن گستاخ رسول سے دوستی کا حق ادا کرتے ہوئے عتاب وعذاب کے انگاروں سے بھر لیا ہے۔ڈاکٹر صاحب کے انجام کو اللہ تعالی کے سپرد کرتے ہوئے احقر اب ان دلائل کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ زنیم کے معنی حرام زادہ ہی کے ہیں۔

۱۔ ڈپٹی نذیر احمد خاں، جنہیں دیوبندی انگریزوں کے دیے ہوئے خطاب "شمس العلماء" کے لقب سے یاد کرتے ہیں انہوں نے عتل بعد ذلک زنیم کا ترجمہ یہ کیا ہے:

"اوران سب (عیوب) کے علاوہ بداصل بھی ہے"

بداصل کے معنی حرام زادہ ہی کے ہیں، بقول ڈاکٹر صاحب، مولوی نذیر احمد خان انگریز کے ایجنٹ اور گستاخ قرآن ٹھہرے،

۲۔ جماعت اسلامی کے بانی مودودی صاحب کا ترجمہ: "اوران سب عیوب کے ساتھ بداصل بھی ہے" حاشیہ میں مودودی صاحب رقمطراز ہیں۔ "اصل میں لفظ زنیم کا استعمال ہوا ہے کلام عرب میں یہ لفظ اس ولدالزنا کے لئے بولا جاتا ہے جو دراصل ایک خاندان کا فرد نہ ہو مگر اس میں شامل ہو گیا ہو"

(تفہیم القرآن جلد ششم سورۃ القلم)

مودودی صاحب کے ترجمہ وتشریح سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ یونہی آ کر کسی دوسرے خاندان میں ملنے والے کو زنیم نہیں کہتے بلکہ اسے کہتے ہیں جس کی اصل گناہ بد کی وجہ سے تبدیل ہو گئی ہو اور وہ دوسرے خاندان میں شامل ہو گیا ہو۔ بقول ڈاکٹر صاحب یہ بھی انگریزوں کے ایجنٹ اور گستاخ قرآن ٹھہرے۔

۳۔ مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں۔

"زنیم" کے معنی بعض سلف کے نزدیک ولدالزنا اور حرام زادے کے ہیں جس کافر کی نسبت یہ آیتیں نازل ہوئیں وہ ایسا ہی تھا" (تفسیر عثمانی) "وہ ایسا ہی تھا" یعنی حرام زادہ ہی تھا۔ عثمانی صاحب کے تصدیق سے متعلق اب ڈاکٹر صاحب کیا فرمائیں گے؟ کیا اب بھی کہیں گے کہ عثمانی صاحب نے ایک گندا معنی نکال کر کس گستاخی سے اسے متن قرآن کی طرف نسبت کر دیا ہے؟

میرے خیال میں اب تو وہ کسی قادیانی کے سامنے شرمندہ نہیں ہوں گے، کیا عثمانی صاحب بھی عہد انگریزی میں دوسرے درجے کے مجدد تھے؟ اُف ڈاکٹر صاحب نے جسے بدنام کرنا چاہا وہ کتنا ہی نیک خو کیوں نہ ہوا، بدنام کر کے رہے اور جسے عقیدت کا اظہار مقصود تھا کتنا ہی برا کیوں نہ تھا۔ اس کی بارگاہ میں عقیدت کا نذرانہ ضرور پیش کیا۔ ولید بن مغیرہ کے ساتھ اس خوش عقیدگی کے پس پردہ کون سا جذبہ کارفرما رہا یہ ڈاکٹر صاحب ہی بتا سکتے ہیں یا قارئینِ کرام خود سمجھ سکتے ہیں! ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی!

۴۔ دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا ترجمہ دیکھئے:

"ان (سب) کے علاوہ حرام زادہ (بھی) ہو"

امید ہے قارئین کی آنکھیں اب خوب کھلتی جا رہی ہوں گی کیونکہ ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں تو کھلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہاں تو ختم اللّٰہ علی قلوبھم و علی ابصارھم والا معاملہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو مولانا احمد رضا خاں کے ترجمہ اصل میں خطا سے چڑ تھی۔ مگر یہاں تو لفظ بھی حرام زادہ استعمال ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اب تو آپ قادیانیوں کے سامنے شرمندہ نہیں ہوں گے نا؟ بالفرض ایسی صورت حال پیش آ ہی جائے تو قادیانی کے آگے تحذیرالناس رکھ دیا کیجئے، منظر بدل جائے گا، گلے ملتے نظر آئیں گے، بجائے شرمندگی کے تفاخر کا احساس پیدا ہوگا۔ اور جہاں تک انگریزوں کا ایجنٹ ہونے کی بات ہے، تو یہ ڈاکٹر صاحب ہی وضاحت فرماسکیں گے کہ آپ کے مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے تھانوی صاحب کے بارے میں یہ کیوں لرزہ خیز انکشاف فرمایا تھا کہ "ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ حکومت (برطانیہ) کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔"

(مکالمۃ الصدرین صفحہ ۱۶)۔

۵۔ مولوی عبدالماجد دریا آبادی صاحب بھی دیوبندی مذہب میں بلند پایا درجہ کے مالک ہیں، ان کا ترجمہ یہ ہے۔ "اس کے علاوہ بدنسب بھی ہے"

بدنسب اسی شخص کو کہتے ہیں جس کی اصل میں خطا ہو، کیا فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب اپنے اس بزرگ دیوبندی کے بارے میں کہ یہ عہد

انگریزی میں کون سے درجے کے مجدد تھے؟ یہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب، مودودی صاحب، شبیر احمد عثمانی، تھانوی صاحب اور عبدالماجد دریا آبادی کے چھپنے والے ترجموں نے زنیم کا معنی بد اصل، بدنسب اور حرام زادہ کر کے قادیانیوں کے سامنے آپ کا سر اونچا کر دیا ہوگا۔

۶۔ علامہ حسین واعظ کاشفی فرماتے ہیں۔ زنیم ہ بدمعاش حرام زادہ، جس کا باپ نامعلوم ہو۔۔۔ تفسیر زاہدی میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ نے یہ آیت قریش کی مجلس میں ولید کو پڑھ کر سنائی، جس عیب پر آپ پہنچے اس کو اپنے میں پاتا تھا مگر حرام زدگی کو نہیں پاتا تھا اس نے اپنے جی میں کہا۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھوٹ نہیں کہتے ہیں جو زنیم کہا اس مہم کو کیسے سر کروں، تلوار کھینچ کر ماں کے پاس چلا آیا، القصہ بہت ڈرا دھمکا کر اقرار لیا تو اس کی ماں نے کہا، تیرا باپ عورت سے بات چیت کی جرات نہیں کرتا تھا، اس کے بھتیجے تھے۔۔۔ مجھ کو رشک آیا فلاں غلام کو اجرت پر لے لیا، تو اسی کا لڑکا ہے۔

(تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ ۴۳۶ مترجم مولانا سید عبدالرحمٰن بخاری۔ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

۷۔ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ قاموس کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

"وہ شخص جو حرامی ہونے میں متہم ہوا"

(تفسیر مظہری جلد ۱۲ صفحہ ۴۴ سعید اینڈ کمپنی) پڑھتا جا شرماتا جا!

۸۔ مولوی محمد نعیم دیوبندی استاد دیوبند نے زنیم کا معنی و تشریح یہ کی ہے: "اس کے علاوہ حرام زادہ ہو۔۔۔ جو قریش میں یونہی منسوب ہو یعنی ولید بن مغیرہ جس کے باپ نے ۱۸ سال بعد اس کو اپنی طرف منسوب کیا تھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اللہ نے جس قدر اس کی برائی کی، کسی اور کی بیان کی ہو لہٰذا یہ عار ہمیشہ کے لیے اس کو لگ گئی"

(کمالین شرح جلالین جلد ۷ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

۹۔ زیر آیت مذکورہ یعنی عتل بعد ذلک زنیم کے تحت اس تفسیر جلالین کا حاشیہ دیکھئے جو وفاقی وزارت تعلیم حکومت پاکستان نے ملک کے تمام دینی مدارس کے لیے منظور کی ہے۔ جس پر لکھا ہے

تعلیقات جدیدہ من التفاسیر المعتبرہ

لحل الجلالین "مطبوعہ ایم۔وائی پرنٹرز (P) لمیٹڈ پی ۱۵۲۸ اصغر مال راولپنڈی

حاشیہ میں لکھا ہے:

هو من يدعى بغير ابيه انباله و هو المتنبى كما مر شرح هذا اللفظ من الشارح فى سورة الاحذاب و فى روح البيان فالزنيم هو الذى تبناه احد اى اتخذه ابنا وليس ا ابن له من نسبه فى الحقيقة

پس ولید بن مغیرہ پسر خواندہ شد در قریش در اصل از قریش نہ بود یعنی حرام زادہ بود"

۱۰۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ "لغتِ عرب میں زنیم اسے کہتے ہیں جو کسی قوم کا سمجھا جاتا ہو لیکن دراصل اس کا نہ ہو، عرب شاعروں نے اسے اس معنی میں لیا ہے یعنی جس کا نسب صحیح نہ ہو۔۔۔ عکرمہ فرماتے ہیں ولد الزنا مراد ہے۔۔۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ لیکن سب کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ زنیم وہ شخص ہے جو برائی میں مشہور ہوا ہو اور عموماً ایسے لوگ ادھر ادھر سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جن کے صحیح نسب اور حقیقی باپ کا پتہ نہیں ہوتا"

(تفسیر ابن کثیر جلد ۵ مترجم ابو محمد جونا گڑھی۔ نظر ثانی و اضافات سید انظر شاہ کشمیری، ادارہ اشاعت ناشران قرآن لاہور)

۱۱۔ علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی فرماتے ہیں:۔

" سب عیبوں کے بعد زنیم ولد الزنا، حرام کا نطفہ، بیشتر اخلاقِ رذیلہ کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ ولید کو اٹھارہ برس کے بعد اس کے باپ نے کہا تھا کہ یہ میرے نطفہ سے ہے۔ حرامی اولاد میں خیر و برکت،

شجاعت وحمیت کم ہوتی ہے"

(تفسیر حقانی جلد ۵ میر محمد کتب خانہ کراچی)

ڈاکٹر صاحب نے جو اعتراض کیا تھا کہ کسی کو حرام زادہ کہنا گالی تو ہوسکتا ہے لیکن اسے اس کے کسی قصور کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا، علامہ حقانی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ قرآن کریم نے اسی لئے اس کا یہ عیب ظاہر فرمایا کہ یہ شخص بداصل و بدنسب ہونے کے باعث خیر و برکت سے محروم اور فطری طور پر بزدل اور بے غیرت تھا گویا جو شخص بداصل ہو اس میں یہ عیوب بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں اور اس کے ضمیر وخمیر ہی میں برائی کے رذیل جراثیم سرایت کر جاتے ہیں۔ کیا فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب، علامہ عبدالحق حقانی کے بارے میں؟

۱۲۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی ترجمہ وتشریح میں فرماتے ہیں:۔

"سوائے ان سب عیبوں کے حرام زادہ ہے یعنی تحقیق نہیں کے اس کا باپ کون ہے"

(تفسیر موضح قرآن)

اس کے بعد شاہ صاحب نے تفسیر زاہدی کے حوالے سے وہی عبارت درج فرمائی ہے جس کو میں ۶ نمبر میں بیان کر آیا ہوں یعنی ولید نے جب یہ عیب سنے تو ماں کو ڈرا دھمکا کر اصل بات اگلوالی۔ کیا ڈاکٹر صاحب اب شاہ عبدالقادر صاحب کو بھی عہد انگریزی میں دوسرے درجے کا مجدد کہیں گے؟

۱۳۔ امام عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی لکھتے ہیں۔

(زنیم) دعی وکان الولید دعیا نی قریش لیس من سنخهم ادعاء ابوه بعد ثمان عشرة سنة من مولده وقیل بغت امه ولم یغرف حتی نزلت هذا الایة والنطفة اذخبث خبث الناشی منهاروی انه دخل علی امه وقال ان محمد او صفتی بعشر صفات وجدت تسعاً فی فاء مالزنیم فلا علم لی به فان اخبرتنی بحقیقة وء الا ضربت عنقک فقالت ان اباک عنین و خفت ان یموت فیصل ماله الی غیر ولده فدعوت زاعیا الی نفسی فانت من ذالک الراعی.

(تفسیر النفسی المسمی بمدارک التنزیل وحقائق التاویل)

اس عبارت کا مطلب بھی وہی ہے جس کو نمبر ۶ میں تفسیر زاہدی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ ماں نے ولید بن مغیرہ کو بتا دیا کہ تو واقعی حرام زادہ ہے۔ اس عبارت کو سمجھنے کے لیے نمبر ۶ کو دوبارہ پلٹ کر ملاحظہ فرمالیں۔

ولید بن مغیرہ کا دفاع کرنے والے کے سامنے انتہائی مضبوط، معتبر اور مستند اختصاراً صرف تیرہ دلائل بلکہ اس کے سر پر تیرہ پہاڑ رکھ دیئے ہیں جن سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوگیا کہ امام احمد رضا نے وہی معنی کیا ہے جو قرآن کا اصل منشاء ہے۔ بیسیوں دلائل اور بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ مگر اختصار ملحوظ ہے۔ وہابیت ویسے بھی گستاخی رسول کی مشہور صفت ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے تو اس کی پروڈکشن میں ایک دم دگنا تگنا اضافہ کر دیا ہے۔ خدا معلوم، کہ ڈاکٹر صاحب کو ولید بن مغیرہ سے اس قدر ہمدردی کیوں ہے۔ ان کے اس جھوٹ پر کہ اس کا معنی حرام زادہ ہرگز نہیں کیا کوئی ان کی گردن سے پکڑ کر پوچھ سکتا ہے کہ یہ جھوٹ آپ نے کیوں بولا، یہ دجل آپ نے کیوں کیا اور اتنی تلبیس سے آپ نے کیوں کام لیا؟ غصے کی آگ سے ڈاکٹر صاحب جل بھن کر رہ گئے کہ احمد رضا خاں نے ولید کے بارے میں کیوں لکھا کہ اس کی اصل میں خطا ہے۔ اور یہ شعلے اتنے بھڑکے کہ جب تک یہ نہ کہہ لیا " کاش مولانا احمد رضا خاں کا یہ ترجمہ نہ چھپتا اور مسلمانوں کو قادیانیوں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑتا" اس وقت تک دل کی آگ نہ بجھی۔ اب جو میں نے تیرہ پہاڑ ان کے سر پر رکھ دیئے ہیں تو کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ آگ کتنی بھڑکی ہوگی۔ البتہ جو الزام ڈاکٹر صاحب نے امام احمد رضا پہ عائد کئے تھے وہ سب کے سب ان مذکورہ حضرات پر بھی خود

یہ خود عائد ہوگئے اور ہر کوئی بڑی آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ کاش یہ ترجمے اور یہ تفسیریں نہ چھپتیں اور یوں ڈاکٹر خالد محمود صاحب کو شرم سے (اگر ہے) پانی پانی نہ ہونا پڑتا۔ ہے کوئی صاحبِ انصاف دیوبندی جو ڈاکٹر صاحب کے گریبان کو جھنجوڑ کر پوچھے کہ ان تراجم وتفاسیر کے بارے میں آپ کا خیال کیا ہے اور ان کی تصریحات کے باوجود آپ ولید کو حلالی بنانے پر کیوں تلے ہوئے ہیں اور بداصل و بدنسب کہنے پر پانی میں بتاشے کی طرح کیوں گھلے جارہے ہیں؟ آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے!

یہ مانا تیرے لب پہ نغمہ توحید ہے لیکن
ترے من میں بسیرا ہے ولیدوں کا، یزیدوں کا

۷۔ الفاظ کا استعمال:

امام احمد رضا کو سوچی سمجھی سازش کے تحت بدنام کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے ہر ممکن حربہ استعمال کیا ہے۔ صفحہ ۱۶۱ پر لکھا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے ترجمہ کے اندر دیہاتی زبان استعمال کی ہے اور بھدے الفاظ پیش کیے ہیں حالانکہ پہلی بات تو یہ ہے اہل علم جانتے ہیں کہ اپنے اپنے علاقے کی ایک مخصوص بولی ہوتی ہے، ایک خاص زبان ہوتی ہے، ایک لفظ ایک جگہ بھدا معلوم ہوگا، مگر وہی لفظ دوسری جگہ کے رہنے والوں کے لیے مانوس ہوگا البتہ ایسا لفظ نہ ہو کہ جس کا مفہوم کہیں بھی اچھا نہ سمجھا جاتا ہو۔ جیسے ووجدک ضالا فھدی میں ضالا کے معنی مفتی محمود الحسن صاحب نے "بھٹکتا" کردیئے ہیں حالانکہ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور آپ کی ذات اقدس کے لئے لفظ "بھٹکتا" کہیں بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ کسی بھی علاقے کا باشندہ "بھٹکتا" کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے استعمال میں ہرگز نہ لائے گا۔ دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ معترض ڈاکٹر صاحب اردو زبان کی تاریخ سے قطعی نابلد نظر آتے ہیں مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اپنے ترجمۂ قرآن میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ ہر اعتبار سے ٹکسالی زبان ہے واضح ہو کہ ان کے دور میں تین دبستان اردو موجود تھے۔ دہلی لکھنؤ اور روہیل کھنڈ (رامپور) جو زبان داں ہیں اور جنہوں نے مولانا احمد رضا صاحب کے ترجمہ کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح یہ بات جانتے ہیں کہ مولانا نے تینوں دبستانوں کے ٹکسالی الفاظ ترجمہ میں استعمال کیے ہیں اور اس میں کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے لیکن برا ہو ذاتی بغض اور کینۂ وحسد کا کہ جس کو علمائے ادب نے مولانا احمد رضا کی تحریر کا حسن قرار دیا ہے وہ اس کو قبح نظر آرہا ہے اس بیماری کا کوئی علاج نہیں ہے۔ قرآن کریم نے اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ "قل موتوا بغیظکم" (آلِ عمران ۱۱۹) "تم فرمادو کہ مرجاؤ اپنی گھٹن میں" (کنزالایمان) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو جو کمالات دیے ہیں وہ کسی کے حسد سے کم نہیں ہوسکتے بلکہ ان میں وہ اور برکت عطا فرماتا ہے۔ جہاں تک بھدّے الفاظ کا تعلق ہے تو بطور مشتے نمونہ از خروارے محمود الحسن صاحب کے ترجمہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

☆. ان شانئک ھو الابتر o (الکوثر)

"بے شک دشمن ہے تیرا وہی رہ گیا پیچھا کٹا" (محمود الحسن)

پیچھا کٹا کس قدر بھدا لفظ ہے۔ ترجمے میں لذت نام کی کوئی شئے نہیں رہی اب ذرا امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے

"بے شک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے"
(کنزالایمان)

☆. و مریم ابنت عمران التی احصنت فرجھا o
(التحریم)

"اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو"
(محمود الحسن)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے لئے ایسی بازاری زبان استعمال کرنے کا حوصلہ کسے ہے۔ اب امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھئے

"اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی"
(کنزالایمان)

☆. والذین ھم لفروجھم حفظون

(المومنون پارہ ۱۸ آیت ۵)

"اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں" (محمودالحسن)

تھامنا کا معنی ہے پکڑ لینا دیکھئے کس قدر مضحکہ خیز ترجمہ کیا گیا ہے مگر ڈاکٹر صاحب کو اسی طرح کی زبان پسند ہے اور امام احمد رضا بریلوی کا یہ ترجمہ ان کے نزدیک ترجمہ ہی نہیں "اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں" (کنزالایمان)

☆۔ و جتنبو الطاغوت ( ) " اور بچو ہڑدنگے سے"

(محمودالحسن)

کتنا دیہاتی اور بھدالفظ ہے مگر امام احمد رضا فرماتے ہیں " اور شیطان سے بچو" (کنزالایمان)

☆. و قو دھاالناس و الحجارۃ ٥ (پ ۲۸۷ التحریم)

" جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر" (محمودالحسن)

"جسکے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں" (کنزالایمان)

☆. الٰن خفف اللّٰہ عنکم ع علم ان فیکم ضعفا ط

(سورہ انفال آیت ٦٦)

" اب بوجھ ہلکا کردیا اللہ نے تم پر سے اور جانا کہ تم میں سستی ہے"

(محمودالحسن)

یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے پہلی بات تو یہ کہ "بوجھ" کسی قرآنی لفظ کا ترجمہ نہیں یہ اضافہ ہے اور بغیر بریکٹ کے ہے اور بقول ڈاکٹر صاحب یہ معنوی تحریف ہے، دوسرے محمودالحسن صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کہا تم میں سستی ہے حالانکہ سستی انسان [illegible] سرانجام دینے میں کسی کمی یا کوتاہی کی بناء پر سستی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ انہوں نے کسی بھی موقعہ پر (معاذ اللہ) حکمِ الٰہی کے پہنچانے میں سستی یا کاہلی کا مظاہرہ کیا ہو۔ اب امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھئے:

"اب اللہ نے تم پر سے تخفیف فرمائی اور اسے علم ہے کہ تم کمزور ہو"

(کنزالایمان)

لیکن حیرت ہے کہ قرآنی آیات کے معانی میں اپنے چند مخصوص وہابی عقائد کا ردمحسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر خالد محمود نے ترجمہ کنزالایمان ہی کا انکار کردیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ ترجمہ قرآن نہیں۔

"پیٹھ توڑنا" محاورہ ہے:

مسلسل افکار و صدمات کی وجہ سے انسان جب خود پر بہت بوجھ محسوس کرتا ہے یا بقدرِ ضرورت ظاہری اسباب کی کمی اسے متفکر کردیتی ہے تو ایسے موقعہ پر عموماً کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی کی تو کمر ٹوٹ گئی ہے جیسے کسی آدمی کا بیٹا مر جائے تو کہتا ہے آج میری کمر ٹوٹ گئی، یہ کہہ کر گویا وہ اپنے صدمے کا اظہار کرتا ہے۔ انگریزی میں بھی اسی طرح کا محاورہ ہے (Grief has broken his back) غم نے اس کی کمر توڑ دی یا غم نے اسے بوڑھا کردیا۔

پیٹھ توڑنا یا کمر ٹوٹنا ایک محاورہ ہے جو آلام و تکالیف اور مصائب و شدائد کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے چنانچہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک کا ترجمہ "اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ دی تھی۔"

امام احمد رضا بریلوی کے اس ترجمہ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب "حضور کی بے ادبی کی ایک اور حرکت" کے عنوان سے لکھتے ہیں "

"افسوس خان صاحب نے بہت بے ادبی کا ترجمہ کیا ہے۔ حضور کے لئے پیٹھ توڑنے کا لفظ استعمال کرتے ہوئے انہیں ایمانی حیا مانع نہ آئی۔"

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ سپارٹا کی یونانی ریاست میں سب سے [illegible] اگر اس کے وقت ایسی کوئی کمیٹی وہاں یا کہیں اور کسی نصرانی و یہودی لابی میں ہوتو میں ڈاکٹر صاحب کی توجہ اس طرف مبذول کراتا کہ آپ کی زیر بحث تالیف کے لیے First Prize تو کہیں نہیں گیا۔ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ پیٹھ توڑنا یا کمر توڑنا ایک محاورہ اور معنوی طور پر اس میں کسی بھی محترم انسان کی کوئی بے ادبی نہیں نکلتی اگر اس پر بول دیا جائے خود ڈاکٹر صاحب

کے پیشوا اور حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کا ترجمہ دیکھئے:

"اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی" اب کیا فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب کہ یہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بے ادبی کی حرکت ہے یا نہیں اور کمر توڑنے کے لفظ استعمال کرتے ہوئے تھانوی صاحب کو ایمانی حیا مانع ہوئی تھی یا نہیں؟ آگے چلیے!

ڈاکٹر صاحب کے ایک اور بزرگ شمس العلماء مولوی نذیر احمد خاں دہلوی نے یہ ترجمہ کیا۔ "اور (اس کے علاوہ بوجھ) جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی تم پر سے اتار دیا" کیا فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کی حرکت ہے یا نہیں اور کمر توڑنے کا لفظ استعمال کرتے ہوئے آپ کے مسلمہ مقتدا مولوی نذیر احمد صاحب کو ایمانی حیا مانع ہوئی تھی یا نہیں؟

ڈاکٹر صاحب کے ایک اور بزرگ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ترجمہ دیکھئے "اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا جو تمہاری کمر توڑے ڈال رہا تھا۔"

فرمایئے جناب۔ حضور کی بے ادبی کی ایک اور حرکت ہے یا نہیں اور کمر توڑنے کا لفظ استعمال کرتے ہوئے آپ کے اس بزرگ کو ایمانی حیا مانع ہوئی یا نہیں؟ علامہ عبدالحق حقانی دہلوی فرماتے ہیں:

اور کیا آپ سے آپ کا وہ بوجھ نہیں اتار دیا کہ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی " آگے تفسیر میں فرماتے ہیں۔

چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوصلہ بہت ہی بڑا تھا اور خصوصاً اس سبب سے کہ شرح صدر ہو چکا تھا تو آپکے عزائم کی کیا انتہا۔ اور مکہ میں اس وقت تک آپ کے پاس اس کے سرانجام کے اسباب نہ تھے، نہ آپ کے قویٰ و جوارح اس کا تحمل کر سکتے تھے یہ تھا وہ بھاری بوجھ کہ جس نے آنخضرت صلی اللہ و علیہ وآلہ وسلم کی پیٹھ توڑ رکھی تھی۔

کیا ڈاکٹر صاحب علامہ حقانی پر بھی حضور کی بے ادبی کا بہتان رکھیں گے؟ اب ذرا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے "اور اتار رکھا تجھ سے بوجھ تیرا جس نے کڑکائی پیٹھ تیری "

(تفسیر موضح القرآن)

لفظ "کڑکائی" میں تو اور بھی شدت پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب آپ کے الفاظ حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی کے لیے بھی ہیں یا ان کی صرف امام احمد رضا ہی کے لئے مخصوص سمجھا جائے گا؟

اب اہل انصاف کو دعوت فکر ہے کہ وہ سوچیں اور خوب غور کریں کہ اگر ڈاکٹر خالد محمود ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی (نہ جانے پی۔ایچ ڈی کی پسند پاکستان کی ایک جامعہ کے علوم اسلامیہ کے وہابی سربراہ کی جانب سے سڑک چلنے وہابی علماء کو مفت تقسیم شدہ سند کی طرح تو نہیں ہے) کا اعتراض بجا ہوتا تو وہ صرف امام احمد رضا کے ترجمہ پر اعتراض نہ کرتے بلکہ ساتھ اپنے پیشواؤں کی بھی خبر لیتے کیا ہم اسے منافقانہ رویہ نہ کہیں گے؟ کیا یہ تنقید کا دوہرا معیار نہیں؟ کیا علمی بددیانتی اور مسلکی تعصب کی اس سے بڑھ کر بھی کوئی مثال مل سکتی ہے؟ مذکورۃ الصدر تمام حضرات ڈاکٹر صاحب کے لئے انتہائی محترم و مکرم ہیں مگر ڈاکٹر صاحب کی اپنی علمی بے مائگی اور منافقانہ پالیسی اور ان کی فریب کاریوں کی وجہ سے وہ حضرات بھی ڈاکٹر صاحب کی عبارت کے نشانے پر آگئے۔ لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا!

معلوم ہوا کہ یہ سب محض دھوکہ اور فریب ہے۔ امام احمد رضا اس ناحق الزام سے بری ہیں۔ ''کنزالایمان'' اسم بامسمّٰی ہے، اہلِ علم و بصیرت کے لیے علم و عرفان اور ایمان کا خزانہ ہے، لیکن جن کے دلوں میں کجی ہے ان کے لیے گمراہی کا پروانہ ہے۔ ان کا دامن صاف ہے۔ دیوبندیوں کی یہ چالبازیاں فقط اس لئے ہیں کہ امام احمد رضا نے ان پر ٹھوس دلائل قائم کر کے ان کی گستاخانہ عبارات کی گرفت کی اور انہیں کو گستاخ رسول ثابت فرمایا۔ علمائے حرمین شریفین سے تصدیق کروائی۔ پاک و ہند کے سینکڑوں علمائے حق نے بھی اس کی تائید کر دی اور وہی گرفت اب تک دیوبندیوں کے گلے کا پھندا اور دل کی گھٹن بن کر رہ گئی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات کہنے، سننے اور راہ حق پر چلتے رہنے کی توفیق اور استقامت نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

تسہیلِ کنزالایمان

رئیس التحریر علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری علیہ الرحمۃ

نمبرشمار	حوالہ			تسہیل کنزالایمان
۱	البقرہ		آیت۳	اٹھائیں (خرچ کریں)
۲	//		۷	گھٹاٹوپ (موٹا پردہ)
۳	//		۱۳	احمقوں (پاگلوں، بے وقوفوں)
۴	//		۱۴	شیطانوں (کافروں)
۵	//		۱۵	استہزاء (مذاق، ٹھٹا)
۶	//		۳۰	سراہتے (تعریف کرتے) ہوئے
۷	//		۳۸	اندیشہ (خوف، ڈر)
۸	//		۴۲	دیدہ ودانستہ (جان بوجھ کر)
۹	//		۵۴	بنا کر (معبود بنا کر)
۱۰	//		۵۵	علانیہ (ظاہر، کھلم کھلا)
۱۱	//		۶۴	ٹوٹے (نقصان، گھاٹے)
۱۲	//		۶۸	اوسر (بن بیاہی گائے، ویڑ)
۱۳	//		۶۹	رنگت ڈہڈہاتی (بہت شوخ رنگ)
۱۴	//		۷۴	کرے (سخت)
۱۵	//		//	کوتکوں (برے اعمال)
۱۶	//		۷۵	دانستہ (جان بوجھ کر)
۱۷	//		۷۹	عوض (بدلے)
۱۸	//		۸۳	روگردان (منہ موڑنے والے) ہو
۱۹	البقرہ		۸۵	کوتکوں (برے اعمال) سے

۲۰	//		۸۷	پے درپے (لگا تار، متواتر)
۲۱	//		۹۰	سزاوار (حق دار) ہوئے
۲۲	//		۹۳	پیمان (عہد، وعدہ) لیا
۲۳	//		۹۶	کوتک (کرتوت، اعمال)
۲۴	//		۱۱۱	خیال بندیاں (فرضی خیالات)
۲۵	//		۱۱۲	نیگ (اجر، انعام)
۲۶	//		۱۱۵	پورب پچھم (مشرق ومغرب)
۲۷	//		۱۲۱	زیاں کار (نقصان پانے والے) ہیں
۲۸	//		۱۲۷	نیویں (بنیادیں)
۲۹	//		۱۳۰	احمق (پاگل، بے وقوف)
۳۰	//		۱۳۴	پرسش (پوچھ گچھ)
۳۱	//		۱۳۸	رینی (رنگائی) لی
۳۲	//		//	کس کی رینی (رنگائی)
۳۳	//		۱۳۹	ہماری کرنی (ہمارے اعمال)
۳۴	//		//	تمہاری کرنی (تمہارے اعمال)
۳۵	//		۱۴۰	کوتکوں (کرتوتوں، برے اعمال) سے
۳۶	//		۱۴۲	پورب پچھم (مشرق ومغرب)
۳۷	//		۱۴۳	اکارت (ضائع، برباد) کرے
۳۸	//		//	مہر (رحم، رحمت) والا
۳۹	//		۱۴۴	کوتکوں (کرتوت، برے اعمال) سے
۴۰	//		۱۴۵	ستم گار (ظالم) ہوگا
۴۱	//		۱۶۰	سنواریں (اصلاح کریں، درست کریں)
۴۲	البقرہ		۱۶۴	ڈوریں (تدبیریں، اسباب)
۴۳	//		۱۶۷	توڑ دیتے (جدا ہو جاتے)

توڑدی (جداہوگئے)	//		//	۴۴
جوڑو (تہمت لگاؤ)	۱۶۹		//	۴۵
ناچار (مجبور) ہو	۱۷۳		//	۴۶
سہار (برداشت) ہے	۱۷۵		//	۴۷
ڈورا (دھاگا)	۱۸۷		//	۴۸
ڈورے (دھاگے) سے	۱۸۷		//	۴۹
پچھیت (پچھلی دیوار) توڑکر	۱۸۹		//	۵۰
اورتوشہ (زادراہ،سفرخرچ)	۱۹۷		//	۵۱
بھاگ (خوش نصیبی) ہے	۲۰۲		//	۵۲
بچلو (دور بھاگو)	۲۰۹		//	۵۳
روداد (حالت) نہ آئی	۲۱۴		//	۵۴
اکارت (ضائع) گیا	۲۱۷		//	۵۵
گرفت فرماتا (پکڑتا)	۲۲۵		//	۵۶
روا (حلال) نہیں	۲۲۸		//	۵۷
نکوئی کے ساتھ (اچھے طریقے سے)	۲۲۹		//	۵۸
// (//)	۲۳۱		//	۵۹
مقدوربھر (طاقت کے مطابق)	۲۳۳		//	۶۰
انڈیل (ڈال)	۲۵۰		//	۶۱
پورب (مشرق) سے	۲۵۸		//	۶۲
پچھم (مغرب) سے	//		//	۶۳
ڈھئی (مسمارہوئی،گری) پڑی تھی	۲۵۹		//	۶۴
درگزر (معاف) کرنا	۲۶۳		البقرہ	۶۵
بھوڑ (ریتلی زمین) پرہو	۲۶۵		//	۶۶
سراہا (تعریف کیا) گیا	۲۶۷		//	۶۷

۶۸	//		۲۷۱	علانیہ (ظاہر، دکھا کے)
۶۹	//		۲۷۳	تونگر (مال دار)
۷۰	//		۲۷۴	نیگ (انعام، حصہ) ہے
۷۱	//		۲۷۵	مخبوط (پاگل)
۷۲	//		۲۷۷	ان کا نیگ (انعام)
۷۳	//		۲۸۱	بھردی (ادا کردی)
۷۴	//		۲۸۲	دین (قرض) کا
۷۵	//		۲۸۲	لکھت (تحریر) کرلو
۷۶	//		//	دست بدست (ہاتھوں ہاتھ)
۷۷	//		۲۸۳	توگرو (رہن) ہو
۷۸	//		۲۸۶	سہار (برداشت) نہ ہو
۷۹	//		//	مہر (رحم) کر
۸۰	آلِ عمران		آیت ۷	اشتباہ (وجوہ، پہلو، تاویلیں)
۸۱	//		۱۵	خوشنودی (رضا، رضامندی)
۸۲	//		۲۰	حجت (بحث، جھگڑا) کریں
۸۳	//		۲۲	اکارت (ضائع ہو) گئے
۸۴	//		۲۳	روگردان ہوکر (منہ پھیر کر)
۸۵	//		۲۵	پوری بھر (بالکل پوری) دی جائے
۸۶	//		۲۸	علاقہ (تعلق)
۸۷	//		۳۲	خوش (پسند) نہیں
۸۸	الِ عمران		۳۹	مژدہ دیتا (خوشخبری سناتا)
۸۹	//		۴۱	تڑکے (صبح سویرے)
۹۰	//		۴۵	رودار (باعزت، معزز) ہوگا
۹۱	//		۵۷	ان کا نیگ (انعام)

۹۲	//		//	نہیں بھاتے (پسند نہیں)
۹۳	//		۶۵	باب میں (متعلق)
۹۴	//		۷۶	خوش آتے (پسند) ہیں
۹۵	//		۷۸	میل (ملاوٹ) کرتے
۹۶	//		//	دیدہ دانستہ (جان بوجھ کر)
۹۷	//		۸۵	زیاں کاروں (نقصان اٹھانے والوں)
۹۸	//		۸۹	آپا (خودکو) سنبھالا
۹۹	//		۹۹	کوتکوں (برے اعمال،کرتوت) سے
۱۰۰	//		۱۰۳	بیر تھا (دشمنی تھی)
۱۰۱	//		۱۰۵	پھٹ پڑے (فرقے فرقے ہوگئے)
۱۰۲	//		//	پھٹ (فرقوں میں بٹ) نہ جانا
۱۰۳	//		//	پھٹ (فرقوں میں بٹ) گئے
۱۰۴	//		۱۰۶	اونجالے (روشن)
۱۰۵	//		۱۰۸	اونجالے (روشن) ہوئے
۱۰۶	//		۱۱۲	ڈور (مدد)
۱۰۷	//		//	سزاوار (حق دار)
۱۰۸	//		۱۱۷	پالا (برفانی ہوا) ہو
۱۰۹	//		۱۱۸	بیر (دشمنی)
۱۱۰	//		۱۱۹	گھٹن (قلبی جلن) میں
۱۱۱	الِ عمران		۱۲۰	داؤں (فریب)
۱۱۲	//		۱۲۶	چین (آرام،سکون) ملے
۱۱۳	//		۱۳۳	چوڑان (چوڑائی)
۱۱۴	//		۱۳۶	کامیوں (نیک لوگوں) کا
۱۱۵	//		//	نیگ (انعام،حصہ) ہے

۱۱۶	//		۱۴۹	ٹوٹا کھاکے (نقصان اٹھاکر)
۱۱۷	//		۱۵۳	افتاد (مصیبت) پڑی
۱۱۸	//		۱۵۴	چین (آرام) کی
۱۱۹	//		۱۷۰	اندیشہ (خوف،ڈر)
۱۲۰	//		۱۷۰	شاد (خوش) ہیں
۱۲۱	//		۱۷۲	نکوکاروں (نیک لوگوں)
۱۲۲	//		۱۷۳	کارساز (کام بنانے والا)
۱۲۳	//		۱۹۳	محوفرمادے (مٹادے)
۱۲۴	//		۱۹۵	اکارت (ضائع) نہیں
۱۲۵	//		۱۹۶	اہلے گہلے (خوشیاں مناتے) پھرنا
۱۲۶	النساء		آیت۳	اندیشہ (ڈر) ہو
۱۲۷	//		//	خوش (پسند) آئیں
۱۲۸	//		۵	بسراوقات (گزارے کا سبب)
۱۲۹	//		۱۰	دہرے (آتش کدے) میں
۱۳۰	//		۱۱	دین (قرض) کے
۱۳۱	//		۱۲	دین (قرض)
۱۳۲	//		۱۴	خواری (ذلت) کا
۱۳۳	//		۱۹	صریح (کھلی ہوئی) بےحیائی
۱۳۴	النساء		۲۴	نوشتہ (لکھاہوا) ہے
۱۳۵	//		//	قرارداد (طےشدہ،مقررہ)
۱۳۶	//		۲۵	اندیشہ (ڈر) ہے
۱۳۷	//		۲۶	روشیں (راستے،طریقے)
۱۳۸	//		۲۸	تخفیف (آسانی،کمی) کرے
۱۳۹	//		۳۴	اندیشہ (ڈر،خوف) ہو

۱۴۰	//		۳۵	میل (موافقت)
۱۴۱	//		۳۶	خوش (پسند) نہیں آتا
۱۴۲	//		۳۹	مصاحب (ساتھی، مشیر)
۱۴۳	//		۴۶	کلاموں (ارشادات خداوندی) کو
۱۴۴	//		۶۲	افتاد (مصیبت) پڑے
۱۴۵	//		۶۳	رسا (دل پر اثر کرنے والی) بات
۱۴۶	//		۷۳	افتاد (مصیبت) پڑے
۱۴۷	//		۸۴	اللہ کی آنچ (جنگی طاقت)
۱۴۸	//		//	سب سے کرا (زبردست)
۱۴۹	//		۸۸	کوتکوں (کرتوت، برے اعمال) کے سبب
۱۵۰	//		۹۰	علاقہ (تعلق) رکھتے
۱۵۱	//		//	سکت (طاقت)
۱۵۲	//		۱۰۲	خواری (ذلت) کا
۱۵۳	//		۱۱۹	صریح ٹوٹے (کھلے نقصان)
۱۵۴	//		۱۲۹	ادھر (درمیان) میں
۱۵۵	//		۱۳۲	کارساز (کام بنانے والا)
۱۵۶	//		۱۴۱	تکا (دیکھا) کرتے
۱۵۷	النساء		۱۴۶	سنورے (اپنی اصلاح کرلی)
۱۵۸	//		۱۴۹	علانیہ (ظاہر کرکے)
۱۵۹	//		۱۶۱	کارساز (کام بنانے والا)
۱۶۰	المائدہ		آیت پہلی	قول (عہد)
۱۶۱	//		۳	بانٹا کرنا (حصے تقسیم کرنا)
۱۶۲	//		//	ناچار (مجبور) ہو
۱۶۳	//		۵	اکارت (ضائع)

۱۶۴	//		//	زیاں کار (نقصان اٹھانے والا) ہے
۱۶۵	//		۹	نیکوکاروں (اچھے کام کرنے والوں)
۱۶۶	//		۱۴	بیر (دشمنی) اور بغض
۱۶۷	//		۲۷	نیاز (قربانی)
۱۶۸	//		۳۰	چاؤ (خواہش)
۱۶۹	//		۳۷	دوامی (ہمیشہ کی)
۱۷۰	//		۴۹	لغزش نہ دے (بہکا نہ) دے
۱۷۱	//		۵۲	آزار (بیماری) ہے
۱۷۲	//		۵۳	اکارت (ضائع)
۱۷۳	//		۶۴	اور بیر (بغض)
۱۷۴	//		۶۵	چین (آرام)
۱۷۵	//		۹۱	بیر (عداوت) اور دشمنی
۱۷۶	//		۹۷	علامت آویزاں (نشانی لٹکائی ہوئی)
۱۷۷	//		۱۰۳	نرے (بالکل) بے عقل
۱۷۸	//		۱۰۷	سزاوار (حق دار)
۱۷۹	الانعام		آیت ۶	کھپا (ہلاک کر) دیں
۱۸۰	الانعام		۶	سنگتیں (قومیں)
۱۸۱	//		//	جماؤ دیا (دنیاوی اسباب کی کثرت دی)
۱۸۲	//		۱۶	مہر ہوئی (رحم ہوا)
۱۸۳	//		۲۵	داستانیں (کہانیاں)
۱۸۴	//		//	کان میں ٹینٹ (روئی)
۱۸۵	//		۳۱	تقصیر (غلطی) کی
۱۸۶	//		۳۷	نرے (بالکل) جاہل
۱۸۷	//		۴۸	سنورے (اپنی اصلاح کرلی)

۱۸۸	〃		۵۰	انکھیارے (آنکھوں والے)
۱۸۹	〃		۵۲	بعید (دور) ہے
۱۹۰	〃		۵۸	ستم گاروں (ظالموں) کو
۱۹۱	〃		۶۵	تلے (نیچے) سے
۱۹۲	〃		〃	بھڑا (لڑا) دے
۱۹۳	〃		۶۶	کڑوڑا (ذمہ دار)
۱۹۴	〃		۷۶	خوش (پسند) نہیں آتے
۱۹۵	〃		۸۱	سزاوار (حق دار)
۱۹۶	〃		۸۲	آمیزش (ملاوٹ)
۱۹۷	〃		۸۸	اکارت (ضائع، برباد) جاتا
۱۹۸	〃		۹۳	خواری (ذلت) کا
۱۹۹	〃		۹۴	ڈور کٹ گئی (تعلقات ختم ہوگئے)
۲۰۰	〃		۹۶	یہ سادھا (سدھایا ہوا) ہے
۲۰۱	〃		۱۰۷	کڑوڑے (ذمہ دار) نہیں
۲۰۲	〃		۱۱۱	نرے (بالکل) جاہل
۲۰۳	الانعام		۱۱۶	نری اٹکلیں (فضول اندازے)
۲۰۴	〃		۱۲۳	داؤں کھیلیں (فریب کریں، دھوکا دیں)
۲۰۵	〃		۱۳۹	نرا (خالص) ہمارے
۲۰۶	〃		۱۴۱	چھتے (چھائے، پھیلے) ہوئے
۲۰۷	〃		۱۴۲	صریح (واضح، کھلا ہوا) دشمن
۲۰۸	〃		۱۴۵	ناچار (مجبور) ہوا
۲۰۹	〃		۱۴۸	نرے گمان (خام خیال، خیالی پلاؤ)
۲۱۰	〃		〃	تخمینے (اندازے)
۲۱۱	〃		۱۵۲	مقدور بھر (طاقت کے برابر)

۲۱۲	〃		۱۵۴	نکوکار (نیک آدمی)
۲۱۳	〃		۱۵۹	علاقہ (تعلق) نہیں
۲۱۴	〃		〃	حوالے (سپرد) ہے
۲۱۵	الاعراف		آیت۱۰	جماؤ (ٹھکانہ) دیا
۲۱۶	〃		۲۰	خطرہ (خیال،وسوسہ) ڈالا
۲۱۷	〃		۲۸	لگاتے (کہتے) ہو
۲۱۸	〃		۲۹	نرے (خالص) اس کے
۲۱۹	〃		۳۵	سنورے (اصلاح کی،درست ہوئے)
۲۲۰	〃		۴۵	کجی (بدلنا) چاہتے ہیں
۲۲۱	〃		۴۸	جتھا (گروہ)
۲۲۲	〃		۴۹	اندیشہ (ڈر،خطرہ)
۲۲۳	〃		۵۱	زیست (زندگی)
۲۲۴	〃		۵۶	سنورے (اصلاح) کے
۲۲۵	〃		۶۳	اچنبا (تعجب،حیرانی)
۲۲۶	الاعراف		۶۷	کیاعلاقہ (تعلق)
۲۲۷	〃		۶۹	اچنبا (تعجب،حیرانی)
۲۲۸	〃		۷۲	جڑ کاٹ دی (سب ہلاک کردیے)
۲۲۹	〃		۷۳	ناقہ (اونٹنی)
۲۳۰	〃		۷۹	رسالت (احکام خداوندی)
۲۳۱	〃		〃	غرضی (پسند کرنے والے) ہی نہیں
۲۳۲	〃		۸۵	انتظام (اصلاح)
۲۳۳	〃		۸۶	کجی (بدلنا) چاہو
۲۳۴	〃		۸۸	بیزار (دل سے براجانتے) ہوں
۲۳۵	〃		۸۹	محیط (گھیرے ہوئے) ہے

۲۳۶	//		۹۴	زاری (عاجزی) کریں
۲۳۷	//		۱۰۱	چھاپ (مہر)
۲۳۸	//		۱۰۲	قول (عہد، وعدے) کا
۲۳۹	//		۱۰۵	مجھے سزاوار (مجھ پر حق عائد ہوتا) ہے
۲۴۰	//		۱۲۳	بڑا جعل (فریب) ہے
۲۴۱	//		۱۲۶	اونڈیل (ڈال) دے
۲۴۲	//		۱۳۷	پورب پچھم (مشرق و مغرب)
۲۴۳	//		//	چنائیاں اٹھاتے (تعمیر کرتے) تھے
۲۴۴	//		۱۳۸	آسن مارے (جم کر بیٹھے) تھے
۲۴۵	//		۱۳۹	نرا (بالکل) باطل ہے
۲۴۶	//		۱۴۲	دخل نہ دینا (پیروی نہ کرنا)
۲۴۷	//		۱۴۷	دربار (دیدار، ملاقات) کو
۲۴۸	//		//	اکارت گیا (ضائع ہوا)
۲۴۹	الاعراف		۱۴۹	مہر (رحم) نہ کرے
۲۵۰	//		۱۵۱	مہر (رحم کرنے) والوں
۲۵۱	//		//	مہر (رحم کرنے) والا
۲۵۲	//		۱۵۲	بہتان ہایوں (بہتان باندھنے والوں) کو
۲۵۳	//		۱۵۴	تھما (دور ہوا)
۲۵۴	//		۱۵۵	مہر (رحم) کر
۲۵۵	//		۱۷۰	نیگ (اجر، انعام)
۲۵۶	//		//	گنواتے (ضائع کرتے)
۲۵۷	//		۱۸۴	جنون (پاگل پن)
۲۵۸	//		//	علاقہ (تعلق) نہیں
۲۵۹	//		۱۸۹	چین (تسکین، آرام) پائے

۲۶۰	//		۲۰۰	کوئی کونچا دے (کسی برے کام پر اکسائے)
۲۶۱	//		۲۰۵	زاری (عاجزی)
۲۶۲	انفال		آیت پہلی	میل (صلح صفائی) رکھو
۲۶۳	//		۷	کانٹے کا کھٹکا نہیں (کسی نقصان کا ڈر نہیں)
۲۶۴	//		//	جڑ کاٹ دے (ہلاک کردے)
۲۶۵	//		۱۰	چین (آرام، تسکین) پائیں
۲۶۶	//		۱۱	چین (تسکین) تھی
۲۶۷	//		//	ڈھارس (تسلی، سہارا)
۲۶۸	//		۱۲	پور (جوڑ) پر
۲۶۹	//		۱۵	لام (لشکر، فوج) سے
۲۷۰	//		۱۹	جتھا (گروہ)
۲۷۱	//		۴۲	ترائی میں (ساحل کی طرف)
۲۷۲	انفال		۴۹	آزار (بیماری) ہے
۲۷۳	//		۶۳	میل کردیا (ملادیے)
۲۷۴	//		۶۶	تخفیف (کمی)
۲۷۵	التوبہ		آیت پہلی	بیزاری (ناراضگی) کا
۲۷۶	//		۳	بیزار (ناراض) ہے
۲۷۷	//		۵	تاک (تلاش) میں
۲۷۸	//		۷	خوش (پسند) آتے
۲۷۹	//		۱۱	مفصل (کھول کر)
۲۸۰	//		۱۲	منہ آئیں (اعتراض کریں)
۲۸۱	//		۱۲	سرغنوں (سرداروں) سے
۲۸۲	//		۱۵	دلوں کی گھٹن (جلن)
۲۸۳	//		۱۷	اکارت (ضائع) ہے

۲۸۴	″		۲۸	نرے (بالکل) ناپاک
۲۸۵	″		۴۰	سکینہ (اطمینان)
۲۸۶	″		۴۳	اذن (اجازت)
۲۸۷	″		۴۷	غرابیں دوڑاتے (فساد کرتے) ہیں
۲۸۸	″		۵۷	رسیاں تڑاتے (پوری کوشش کرتے)
۲۸۹	″		۶۰	نرے نادار (بالکل غریب)
۲۹۰	″		۶۷	ایک تھیلی کے چٹے بٹے (ایک جیسے)
۲۹۱	″		″	مٹھی بند رکھیں (خرچ نہ کریں)
۲۹۲	″		۶۸	بس (کافی) ہے
۲۹۳	″		۶۹	اکارت (ضائع) گئے
۲۹۴	″		۸۱	گوارا (پسند)
۲۹۵	التوبہ		۸۶	مقدور (طاقت رکھنے) والے
۲۹۶	″		۹۱	مقدور (طاقت)
۲۹۷	″		۹۲	″ ″
۲۹۸	″		۹۳	مواخذہ (پکڑ)
۲۹۹	″		۹۵	نرے (بالکل) پلید
۳۰۰	″		۹۷	گنوار (اعرابی)
۳۰۱	″		۹۸	کچھ گنوار (اعرابی)
۳۰۲	″		″	گردشیں (مصائب)
۳۰۳	″		۱۰۱	گنوار (اعرابی) منافق
۳۰۴	″		″	خو (عادت)
۳۰۵	″		۱۰۲	مُقِر (اقراری) ہوئے
۳۰۶	″		۱۰۳	تحصیل کرو (حاصل کرو)
۳۰۷	″		″	چین (آرام، تسکین)

۳۰۸	〃		۱۰۹	نیوچنی (بنیادرکھی)
۳۰۹	〃		〃	گراؤ (ٹوٹے ہوئے کناروں والے) گڑھے
۳۱۰	〃		〃	ڈھے (گر) پڑا
۳۱۱	〃		۱۱۰	جوچنی (تعمیرکی) ہمیشہ
۳۱۲	〃		۱۱۱	قول (وعدے) کا
۳۱۳	〃		۱۱۲	سراہنے (اللہ کی تعریف کرنے) والے
۳۱۴	〃		۱۱۳	لائق (مناسب)
۳۱۵	〃		۱۱۴	تنکاتوڑدیا (لاتعلق ہوگیا)
۳۱۶	〃		۱۲۰	غیظ (غصہ) آئے
۳۱۷	〃		〃	نیگ (اجر،انعام)
۳۱۸	التوبہ		۱۲۵	آزار (بیماری،تکلیف) ہے
۳۱۹	〃		۱۲۹	بندگی (عبادت)
۳۲۰	یونس		آیت۲	اچنبا (تعجب)
۳۲۱	〃		۳	بندگی (عبادت) کرو
۳۲۲	〃		۱۰	خوبیوں سراہا (خوبیوں والا)
۳۲۳	〃		۱۳	سنگتیں (قومیں)
۳۲۴	〃		۲۱	دانوں چلتے (دھوکادیتے)
۳۲۵	〃		۲۲	نرے (پوری طرح)
۳۲۶	〃		۲۳	برت لو (فائدہ اٹھالو)
۳۲۷	〃		〃	کوتک (کرتوت،برے کام)
۳۲۸	〃		۲۴	گھنی (زیادہ) ہوکر
۳۲۹	〃		۲۶	خواری (ذلت)
۳۳۰	〃		۴۰	مفسدوں (فسادکرنے والوں) کو
۳۳۱	〃		۴۱	میری کرنی (میرے اعمال)

۳۳۲	//		//	تمہاری کرنی (تمہارے اعمال)
۳۳۳	//		//	علاقہ (تعلق) نہیں
۳۳۴	//		۴۳	سوجھیں (دیکھ سکیں)
۳۳۵	//		۶۶	اٹکلیں دوڑاتے (اندازے کرتے)
۳۳۶	//		۶۷	چین (آرام) پاؤ
۳۳۷	//		۷۰	برت لینا (فائدہ اٹھانا) ہے
۳۳۸	//		۷۱	گنجلک (الجھن) نہ رہے
۳۳۹	//		۹۲	اوترا دیں (باقی رکھیں) گے
۳۴۰	//		۱۰۷	ردکرنے (ہٹانے) والا
۳۴۱	یونس		۱۰۸	کڑوڑا (ذمہ دار) نہیں
۳۴۲	ھود		آیت۲	بندگی (عبادت) نہ کرو
۳۴۳	//		۳	اچھا برتنا (فائدہ اٹھانا) دے گا
۳۴۴	//		۴	سینے دہرے کرتے (منہ چھپاتے) ہیں
۳۴۵	//		۱۶	اکارت (ضائع) گیا
۳۴۶	//		//	نابود (برباد) ہوئے
۳۴۷	//		۲۲	خواہ نخواہ (ضرور) وہی
۳۴۸	//		۲۸	چیپٹ (چپکا) دیں
۳۴۹	//		۲۹	نرے (بالکل) جاہل
۳۵۰	//		۴۲	کنارے (ایک طرف) تھا
۳۵۱	//		۴۳	آڑے آئی (حائل ہوگئی)
۳۵۲	//		۴۷	زیاں کار (نقصان اٹھانے والے)
۳۵۳	//		۵۰	نرے مفتری (بالکل جھوٹے الزام عائد کرنے والے) ہو
۳۵۴	//		۵۲	روگردانی (منہ پھیرنا)
۳۵۵	//		۵۴	بڑی جھپٹ (پکڑ) پہنچی

۳۵۶	//		۶۲	ہونہار (اچھے آدمی)
۳۵۷	//		۶۵	برت لو (فائدہ اٹھالو)
۳۵۸	//		۷۲	اچنبھے (تعجب) کی
۳۵۹	//		۷۴	زائل (دور) ہوا
۳۶۰	//		۸۴	آسودہ حال (مالدار)
۳۶۱	//		۹۷	راستی (سیدھا راستہ)
۳۶۲	//		۱۰۰	کٹ (مٹ) گئی
۳۶۳	//		۱۰۲	کری (سخت) ہے
۳۶۴	ھود		۱۰۶	رینکیں (آواز نکالیں) گے
۳۶۵	//		۱۱۵	نیگ (اجر، انعام)
۳۶۶	//		۱۱۶	سنگتوں (قوموں)
۳۶۷	//		۱۲۳	بندگی (عبادت) کرو
۳۶۸	یوسف		آیت ۱۰	اندھے (بغیر پانی والے) کنوئیں
۳۶۹	//		۱۴	کسی مصرف (کام) کے
۳۷۰	//		۱۵	اندھے (بغیر پانی والے) کنوئیں
۳۷۱	//		۲۱	جماؤ (رہنے کو ٹھکانا) دیا
۳۷۲	//		۲۵	چیر (پھاڑ)
۳۷۳	//		۲۶	چرا ہے (پھٹا) ہے
۳۷۴	//		۲۷	چاک ہوا (پھٹا، پھاڑا)
۳۷۵	//		۲۸	چرتر (فریب) ہے
۳۷۶	//		//	چرتر (فریب) بڑا ہے
۳۷۷	//		۳۰	پیرگئی (سماگئی) ہے
۳۷۸	//		//	صریح (صاف طور پر)
۳۷۹	//		//	خودرفتہ (دیوانی)

۳۸۰	//		۳۳	مکر (فریب)
۳۸۱	//		۳۶	پرند (پرندے)
۳۸۲	//		۴۰	نرے (فرضی) نام
۳۸۳	//		۴۳	فربہ (موٹی تازی)
۳۸۴	//		۴۸	کرے (سخت تنگی والے) برس
۳۸۵	//		۵۲	مکر (فریب، دھوکا)
۳۸۶	//		۵۶	نیگ (اجر، انعام)
۳۸۷	یوسف		۶۶	گھرجاؤ (مجبور ہو جاؤ)
۳۸۸	//		۹۰	نیگ (اجر، انعام)
۳۸۹	//		۹۴	سٹھ (بہک) گیا ہے
۳۹۰	//		۹۵	خودرفتگی (محبت کی فراوانی)
۳۹۱	//		۹۶	آنکھیں پھر آئیں (دیکھنے لگیں)
۳۹۲	//		۱۰۰	ناچاقی (دشمنی، جھگڑا)
۳۹۳	الرعد		آیت ۳	لنگر (مضبوط پہاڑ)
۳۹۴	//		۴	ایک تھالے (تھال، گڑھے) سے
۳۹۵	//		۱۳	سراہتی (خدا کی تعریف کرتی) ہوئی
۳۹۶	//		//	کڑک (بادلوں کی گرج)
۳۹۷	//		۱۵	پرچھائیاں (سائے)
۳۹۸	//		۱۶	انکھیارا (بینا، دیکھنے والا)
۳۹۹	//		۱۷	گہنا (زیور)
۴۰۰	//		//	پھک کر (جل کر)
۴۰۱	//		۲۰	قول باندھ کر (وعدہ کرکے)
۴۰۲	//		۲۶	اترا گئے (نازاں ہوئے)
۴۰۳	//		۲۸	چین (آرام تسکین) پاتے

۴۰۴	"		"	چین (آرام،اطمینان) ہے
۴۰۵	"		۳۱	سخت دھمک (ہلا دینے والی مصیبت)
۴۰۶	"		۳۳	نگہداشت (حفاظت)
۴۰۷	"		۳۶	بندگی (عبادت)
۴۰۸	"		۳۸	لکھت (تحریر) ہے
۴۰۹	ابراہیم		آیت۳	کجی (ٹیڑھاپن)
۴۱۰	ابراہیم		۱۵	سرکش (ظالم،شرارتی)
۴۱۱	"		"	ہٹ دھرم (ضدی)
۴۱۲	"		۱۸	راکھ (خاک)
۴۱۳	"		۲۱	ٹال (ہٹا) دو
۴۱۴	"		۲۳	اکرام (عزت کرنا)
۴۱۵	"		۴۳	سکت (طاقت)
۴۱۶	"		۴۶	داؤں (فریب،دھوکا)
۴۱۷	الحجر		آیت۴	نوشتہ (تحریر،لکھا ہوا فیصلہ)
۴۱۸	"		۱۹	لنگر ڈالے (پہاڑ پیدا کیے)
۴۱۹	"		۳۳	مجھے زیبا (میرے لیے مناسب) نہیں
۴۲۰	"		۶۶	جڑ کٹ جائے گی (ہلاک ہوجائیں گے)
۴۲۱	"		۶۸	فضیحت (رسوا) نہ کرو
۴۲۲	"		۸۵	عبث (بیکار)
۴۲۳	"		۹۸	سراہتے (تعریف کرتے) ہوئے
۴۲۴	النحل		آیت۶	تجمل (وقار،عزت)
۴۲۵	"		۱۲	مسخر (تابع) کیے
۴۲۶	"		۱۴	گہنا (زیور) نکالتے ہو
۴۲۷	"		۱۵	لنگر (بھاری پہاڑ)

۴۲۸	″		۱۶	علامتیں (نشانیاں)
۴۲۹	″		۲۶	چنائی کونیو سے (عمارت کو بنیاد سے)
۴۳۰	″		۲۸	کوتک (کرتوت، برے اعمال)
۴۳۱	″		۳۱	رواں (بہتی ہوئی)
۴۳۲	″		۴۸	پرچھائیاں (سائے)
۴۳۳	النحل		۶۱	گرفت کرتا (پکڑتا)
۴۳۴	″		۶۲	ناگوار (ناپسند)
۴۳۵	″		۶۳	کوتک (برے اعمال)
۴۳۶	″		″	رفیق (دوست، مددگار) ہے
۴۳۷	″		۶۶	سہل (آسانی سے) اترتا
۴۳۸	″		۷۵	مقدور (طاقت، قبضہ)
۴۳۹	″		۸۰	ببری (رونگٹوں)
۴۴۰	″		″	کچھ گرستی (گھریلو ضروریات)
۴۴۱	″		۹۱	قول باندھو (عہد کرو)
۴۴۲	″		۹۷	نیگ (اجر، انعام)
۴۴۳	″		۱۱۵	لاچار (مجبور) ہو
۴۴۴	بنی اسرائیل		آیت پہلی	مسجد حرام (بیت اللہ، خانہ کعبہ) سے
۴۴۵	″		″	مسجد اقصا (بیت المقدس)
۴۴۶	″		۲	کارساز (کام بنانے والا)
۴۴۷	″		۱۳	نوشتہ (تحریر، کتاب)
۴۴۸	″		۱۴	نامہ (کتاب، اعمال نامہ)
۴۴۹	″		۱۶	خوش حالوں (امیروں)
۴۵۰	″		۱۷	سنگتیں (قومیں)
۴۵۱	″		۲۲	بیکس (بے سہارا، بے یارومددگار)

۴۵۲	//		۲۴	چھٹپن (لڑکپن، چھوٹی عمر)
۴۵۳	//		۲۷	اڑانے والے (فضول خرچی کرنے والے)
۴۵۴	//		۳۰	کستا ہے (تنگی دیتا ہے)
۴۵۵	//		۴۴	سراہتی ہوئی (تعریف کرتی ہوئی)
۴۵۶	بنی اسرائیل		۴۶	کانوں میں ٹینٹ (رُوئی)
۴۵۷	//		۴۸	تشبیہیں (مثالیں)
۴۵۸	//		۵۱	مسخرگی سے (مذاق اڑاتے ہوئے)
۴۵۹	//		۵۴	کڑوڑا (ذمہ دار، ضامن)
۴۶۰	//		۵۸	نیست (ہلاک)
۴۶۱	//		۶۲	پیس ڈالوں گا (برباد کردوں گا)
۴۶۲	//		۶۴	ڈگادے (بہکادے، گمراہ کردے)
۴۶۳	//		//	لام باندھ لا (فوج چڑھالا)
۴۶۴	//		۷۶	ڈگادیں (کھسکادیں)
۴۶۵	//		۸۴	اپنے کینڈے (انداز) پر
۴۶۶	//		۹۳	طلائی (سونے کا) گھر
۴۶۷	//		۹۵	چین (آرام، اطمینان) سے
۴۶۸	//		۹۶	// //
۴۶۹	//		۱۰۴	گھال میل (ملے جلے) لے آئیں گے
۴۷۰	الکہف		آیت پہلی	اصلاً (بالکل، ذرا بھی) کجی نہ رکھی
۴۷۱	//		۵	نرا (بالکل)
۴۷۲	//		۸	پٹ پر میدان (سفید زمین)
۴۷۳	//		۹	کھوہ (غار)
۴۷۴	//		۱۰	راہ یابی (راہ پانے)
۴۷۵	//		۱۴	ڈھارس بندھائی (تسلی دی)

۴۷۶	//		۲۲	الاؤ تکا (بے تکی) بات
۴۷۷	//		۲۹	چرخ دیے (پگھلے ہوئے) دھات کی
۴۷۸	//		//	بھون (جلا) دے گا
۴۷۹	الکہف		۳۰	نیگ (اجر،انعام)
۴۸۰	//		۳۴	ردوبدل (گفتگو،تبادلۂ خیال) کرتا
۴۸۱	//		۳۷	الٹ پھیر کرتے (جواب دیتے) ہوئے
۴۸۲	//		۴۰	پٹ پر میدان (سفید زمین)
۴۸۳	//		۴۲	ٹیٹوں پر (اوندھے منہ) گرا ہوا
۴۸۴	//		۴۸	پرا باندھے (صفیں بنائے)
۴۸۵	//		۴۹	نوشتہ (تحریر) کو
۴۸۶	//		۵۰	بدل (بدلہ) ملا
۴۸۷	//		۵۷	گرانی (نقص)
۴۸۸	//		۵۸	مہر (رحم،رحمت) والا
۴۸۹	//		۶۰	قرنوں (مدتوں)
۴۹۰	//		۷۵	گرفت (پکڑ)
۴۹۱	//		۷۷	دہقانوں (کسانوں) سے
۴۹۲	//		۷۸	پھیر (بھید) بتاؤں گا
۴۹۳	//		۷۹	ثابت (درست) کشتی
۴۹۴	//		۸۲	پھر (بھید) ہے
۴۹۵	//		۹۶	دھونکو (پھونک مارو)
۴۹۶	//		//	اونڈیل (ڈال) دوں
۴۹۷	//		۹۹	ریلا (سیلاب) آئے گا
۴۹۸	//		۱۰۵	اکارت (ضائع)
۴۹۹	مریم		آیت۲	مذکور (ذکر،بیان)

۵۰۰	//		۴	بھبھوکا پھوٹا (شعلہ چمکا، سفیدی ظاہر ہوئی)
۵۰۱	//		۴	بھبھوکا پھوٹا (سفیدی ظاہر ہوئی)
۵۰۲	مریم		۱۶	پورب (مشرق) کی طرف
۵۰۳	//		۱۷	روحانی (روح الامین) بھیجا
۵۰۴	//		۴۶	بے علاقہ (لاتعلق)
۵۰۵	//		۵۹	گنوائیں (ضائع کیں)
۵۰۶	//		۷۴	سنگتیں کھپادیں (قومیں ہلاک کردیں)
۵۰۷	//		//	نمود (دیکھنے) میں
۵۰۸	//		۷۸	قرار (عہد) رکھا ہے
۵۰۹	//		۸۷	قرار (عہد، وعدہ)
۵۱۰	//		۹۰	شق ہو (پھٹ) جائے
۵۱۱	//		//	ڈھ کر (مسمار ہوکر)
۵۱۲	//		۹۸	سنگتیں کھپائیں (قومیں ہلاک کیں)
۵۱۳	//		//	بھنک (ذرا سی بھی آواز) سنتے ہو؟
۵۱۴	طٰہٰ		۵	بڑی مہر (مہربانی کرنے) والا
۵۱۵	//		۳۶	تیری مانگ (جو چیز مانگی)
۵۱۶	//		۵۱	اگلی سنگتوں (قوموں)
۵۱۷	//		۵۸	بدلہ لیں (آگے پیچھے ہوں)
۵۱۸	//		۶۰	دانوں اکھٹے (فریب جمع) کیے
۵۱۹	//		۶۲	مشورت کی (مشورہ کیا)
۵۲۰	//		۶۴	اپنا دانوں (فریب)
۵۲۱	//		۶۴	پرا باندھ کر (صف بنا کر) آؤ
۵۲۲	//		۷۱	ڈھنڈ (سوکھے تنے) پر
۵۲۳	//		۸۷	گہنے (زیور) کے

۵۲۴	〃		۹۱	آسن مارے جمے (پوجا کرنے کے لیے بیٹھے)
۵۲۵	طٰہٰ		۹۷	آسن مارے (پوجا کے لیے بیٹھا) رہا
۵۲۶	〃		۱۰۶	پٹ پر ہموار (چٹیل اور ہموار میدان)
۵۲۷	〃		۱۲۵	انکھیارا (بینا، دیکھنے والا)
۵۲۸	〃		۱۲۸	سنگتیں (قومیں)
۵۲۹	〃		۱۲۹	لپٹ جاتا (پکڑ لیتا)
۵۳۰	〃		۱۳۰	سراہتے (تعریف کرتے) ہوئے
۵۳۱	الانبیاء		۳	مشورت (مشورہ)
۵۳۲	〃		۵	گھڑت (گھڑی ہوئی چیز) ہے
۵۳۳	〃		۱۱، ۶۴	ستم گار (ظالم)
۵۳۴	〃		۱۶	عبث (بیکار)
۵۳۵	〃		۳۲، ۲۴	روگردان (منہ پھیرنے والے) ہیں
۵۳۶	〃		۲۹	ستم گاروں (ظالموں) کو
۵۳۷	〃		۳۱	لنگر ڈالے (پہاڑوں کی میخیں گاڑیں)
۵۳۸	〃		۴۱	مسخرگی (ہنسی، مذاق)
۵۳۹	〃		۴۲	شبانہ روز (رات میں اور دن میں)
۵۴۰	〃		۴۴	دراز (لمبی) ہوئی
۵۴۱	〃		۵۲	مورتیں (بت)
۵۴۲	〃		〃	آسن مارے (پوجا کے لیے بیٹھے) ہو
۵۴۳	〃		۵۸	چورا (ٹکڑے ٹکڑے) کردیا
۵۴۴	〃		۷۰	زیاں کار (نقصان اٹھانے والے)
۵۴۵	〃		۷۲	سزوار (مستحق) کیا
۵۴۶	〃		۷۵	سزاواروں (حق داروں) میں
۵۴۷	〃		۷۹	مسخر (تابع)

۵۴۸	الانبیاء		۸۰	آنچ (زخمی ہونے) سے بچائے
۵۴۹	//		۸۱	مسخر (تابع)
۵۵۰	//		۸۳	مہر (رحم کرنے) والوں
۵۵۱	//		//	مہر (رحم کرنے) والا
۵۵۲	//		۸۶	سزاواروں (حق داروں) میں
۵۵۳	//		۹۶	ڈھلکتے (اترتے)
۵۵۴	//		۱۰۰	ریکیں (چیخیں) گے
۵۵۵	//		۱۰۲	بھنک (ہلکی سی آواز بھی) نہ سنیں گے
۵۵۶	//		۱۰۳	پیشوائی (استقبال) کو
۵۵۷	//		۱۱۲	مددرکار (مدد کی ضرورت) ہے
۵۵۸	الحج		آیت۲	گابھنی (حاملہ)
۵۵۹	//		//	گابھ (حمل)
۵۶۰	//		//	مارکڑی (عذاب سخت) ہے
۵۶۱	//		۸	نوشتہ (تحریر)
۵۶۲	//		۱۱	چین (آرام) سے
۵۶۳	//		۱۴	رواں (بہیں)
۵۶۴	//		۱۹	بیونتے (کاٹے) گئے
۵۶۵	//		۲۲	گھٹن (تکلیف، دم گھٹنا)
۵۶۶	//		۲۴	خوبیوں سراہے (تعریفیں کیے گئے)
۵۶۷	//		۳۵	افتاد (مصیبت) پڑے
۵۶۸	//		۳۷	بار یاب ہوتی (پہنچتی)
۵۶۹	//		۳۹	پروانگی (اجازت) عطا ہوئی
۵۷۰	//		۴۲	تکذیب کرتے (جھوٹا بتاتے)
۵۷۱	الحج		۴۵	کھپادیں (ہلاک کردیں)

۵۷۲	//		//	ستم گار (ظالم)
۵۷۳	//		//	ڈھئی (گری) پڑی ہیں
۵۷۴	//		//	گچ کیے ہوئے (پکے بنائے ہوئے)
۵۷۵	//		۴۸	// //
۵۷۶	//		۵۳	// //
۵۷۷	//		//	دھرکے (پرلے درجے کے) جھگڑالو
۵۷۸	//		۵۶	چین (آرام) کے
۵۷۹	//		۶۳	ہریالی (سبز رنگت)
۵۸۰	//		۶۵	مہر (رحم) والا
۵۸۱	//		۶۸	کوتک (کرتوت، اعمال)
۵۸۲	//		۷۱	ستم گاروں (ظالموں)
۵۸۳	المومنون		۳	التفات (توجہ)
۵۸۴	//		۱۲	چنی (انتخاب کی) ہوئی مٹی
۵۸۵	//		۳۱	سنگت (قوم) پیدا کی
۵۸۶	//		۳۳	چین (آرام) دیا
۵۸۷	//		۴۲	سنگتیں (قومیں) پیدا کیں
۵۸۸	//		۷۰	سودا (پاگل پن)
۵۸۹	//		۷۵	بھٹ پنا (احسان فراموشی) کریں گے
۵۹۰	//		۹۱	تعلّی (اونچا ہونا)
۵۹۱	//		۱۰۰	آڑ (پردہ) ہے
۵۹۲	//		۱۰۸	دتکارے (ذلیل ہوکر) پڑے رہو
۵۹۳	//		۱۱۰	انہیں بناتے (ان کا مذاق اڑاتے)
۵۹۴	النور		۴	پارسا (نیک چلن)
۵۹۵	//		//	معائنہ (آنکھوں سے دیکھنے) کے

۵۹۶	//		۵	سنور (درست ہو) جائیں
۵۹۷	//		۱۵	سہل (آسان، معمولی بات)
۵۹۸	//		۲۰	مہر (رحم) والا
۵۹۹	//		۲۷	ساکنوں (رہنے والوں)
۶۰۰	//		۳۱	بناؤ (سنگار، زینت)
۶۰۱	//		۳۳	مقدور (طاقت، توفیق)
۶۰۲	//		۳۵	پورب (مشرق)
۶۰۳	//		//	پچھم (مغرب)
۶۰۴	//		۴۰	کنڈے کے (گہرائی والے) دریا میں
۶۰۵	//		//	بجھائی دیتا (نظر آتا)
۶۰۶	//		۴۴	بدلی کرتا (بدلتا رہتا)
۶۰۷	//		۴۹	ان کی ڈگری ہو (ان کے حق میں فیصلہ ہو)
۶۰۸	//		۵۸	اذن (اجازت) لیں
۶۰۹	//		//	آمدورفت رکھتے (آتے جاتے)
۶۱۰	//		۵۹	// //
۶۱۱	الفرقان		آیت ۹	کہاوتیں (مثالیں)
۶۱۲	//		۱۸	سزاوار (حق دار) نہ تھا
۶۱۳	//		۲۱	اونچی کھینچی (سرکشی کی)
۶۱۴	//		۲۲	آڑ (رکاوٹ، پردہ) کردے
۶۱۵	//		۲۳	قصد (ارادہ) فرما کر
۶۱۶	//		//	روزن (سوراخ) کی
۶۱۷	الفرقان		۳۸	سنگتیں (قومیں)
۶۱۸	//		۴۰	برساؤ (بارش)
۶۱۹	//		۵۳	آڑ (رکاوٹ، پردہ)

۶۲۰	//		۵۸	سراہتے (تعریف کرتے) ہوئے
۶۲۱	//		۵۹	مہر (رحم کرنے) والا
۶۲۲	//		۶۲	بدلی (باری) رکھی
۶۲۳	//		۶۵	گلے کا غل (پھندا) ہے
۶۲۴	//		۷۵	پیشوائی ہوگی (استقبال ہوگا)
۶۲۵	الشعراء		آیت ۶	ٹھٹھے (ہنسی، مذاق) کی
۶۲۶	//		۲۸	پورب اور پچھم کا (مشرق اور مغرب کا)
۶۲۷	//		۳۲	صریح (صاف نظر آنے والا) اژدھا
۶۲۸	//		۵۶	چوکنے (خبردار، ہوشیار) ہیں
۶۲۹	//		۷۱	آسن مارے (پوجا کے لیے بیٹھے) رہتے
۶۳۰	//		۸۳	سزاوار (مستحق، حق دار) ہیں
۶۳۱	//		۹۴	اوندھا (الٹے کر) دیے گئے
۶۳۲	//		۱۱۳	حس (شعور) ہو
۶۳۳	//		۱۳۷	ریت (رسم، رواج)
۶۳۴	//		۱۴۶	چین (آرام) سے
۶۳۵	//		۱۵۲	بناؤ (اصلاح) نہیں کرتے
۶۳۶	//		۱۷۳	برساؤ (بارش)
۶۳۷	//		۱۷۶	بن (جنگل) والوں
۶۳۸	//		۱۸۸	کوتک (کرتوت، اعمال) میں
۶۳۹	//		۱۹۳	روح الامین (حضرت جبرائیل)
۶۴۰	الشعراء		۲۱۶	بے علاقہ (لاتعلق)
۶۴۱	//		۲۱۷	مہر (رحم کرنے) والا
۶۴۲	النمل		آیت ۴	کوتک (کرتوت، اعمال)
۶۴۳	//		۱۹	سزاوار (مستحق، حق دار)

۶۴۴	〃		۲۱	سند (ثبوت)
۶۴۵	〃		۴۴	ساقیں (پنڈلیاں)
۶۴۶	〃		۵۲	ڈہے (گرے) پڑے
۶۴۷	〃		۵۴	سوجھ (دیکھ) رہے ہو
۶۴۸	〃		۵۸	برساؤ (بارش)
۶۴۹	〃		۶۱	لنگر (پہاڑ) بنائے
۶۵۰	〃		〃	آڑ (رکاوٹ، پردہ) رکھی
۶۵۱	〃		۶۲	لاچار (مجبور)
۶۵۲	〃		۸۶	سوجھانے (دکھانے) والا
۶۵۳	〃		۹۰	اوندھائے (الٹے کیے) گئے
۶۵۴	القصص		آیت ۱۰	ڈھارس (تسلی)
۶۵۵	〃		۲۱	ستم گاروں (ظالموں) سے
۶۵۶	〃		۳۲	حجتیں (پکی دلیلیں)
۶۵۷	〃		۴۰	ستم گاروں (ظالموں) کا
۶۵۸	〃		۴۳	اگلی سنگتیں (قومیں)
۶۵۹	〃		۴۵	سنگتیں (قومیں پیدا کیں)
۶۶۰	〃		۴۸	پشتی (امداد) پر
۶۶۱	〃		۵۵	غرضی (چاہنے والے، ضرورت مند) نہیں
۶۶۲	〃		۵۹	ساکن (رہنے والے)
۶۶۳	القصص		〃	ستم گار (ظالم)
۶۶۴	〃		۷۳	مہر (رحمت) سے
۶۶۵	〃		۷۸	سنگتیں (قومیں)
۶۶۶	〃		۸۶	پشتی (مدد) نہ کرنا
۶۶۷	العنکبوت		آیت ۱۹	خلق (پیدا کرنے) کی

۶۶۸	//		۲۷	سزاواروں (مستحق افراد) میں
۶۶۹	//		۳۱	ستم گار (ظالم)
۶۷۰	//		۳۸	کوتک (کرتوت، برے اعمال)
۶۷۱	//		۶۷	اچک لیے (ماردیے) جاتے
۶۷۲	الروم		آیت ۱۰	تمسخر (ہنسی، مذاق)
۶۷۳	//		۱۶	لادھرے (ڈال دیے) جائیں
۶۷۴	//		۲۷	برتر (اعلیٰ، عمدہ)
۶۷۵	//		۴۱	کوتکوں (کرتوت، برے اعمال)
۶۷۶	//		۴۳	پھٹ (متفرق ہو) جائیں
۶۷۷	//		۴۸	پارہ پارہ (ٹکڑے ٹکڑے)
۶۷۸	//		۴۹	آس (امید)
۶۷۹	//		۶۰	سبک (مغموم، ناراض) نہ کردیں
۶۸۰	لقمٰن		آیت ۷	ٹینٹ (روئی کا پھایا) ہے
۶۸۱	//		۸	چین (آرام) کے
۶۸۲	//		۱۰	ڈالےلنگر (بنائے پہاڑ)
۶۸۳	//		۱۲	سراہا (تعریف کیا گیا)
۶۸۴	//		۱۷	برپا (قائم) رکھ
۶۸۵	//		//	افتاد (مصیبت) تجھ پر
۶۸۶	لقمٰن		۱۸	رخسارہ کج نہ کر (منہ نہ پھیر)
۶۸۷	//		//	میانہ (درمیانہ)
۶۸۸	//		۱۹	میانہ (درمیانی) چال چل
۶۸۹	//		۲۶	خوبیوں سراہا (تعریف کیا گیا)
۶۹۰	//		۲۷	پیڑ (درخت)
۶۹۱	//		۳۲	اعتدال پر (وعدے پر قائم)

۶۹۲	//		۳۳	کامی (کاروباری، کام کا) بچہ
۶۹۳	//		//	بڑا فریبی (شیطان)
۶۹۴	الم سجدہ		آیت۴	چھوٹ (لاتعلق ہو) کر
۶۹۵	//		۶	نہاں اور عیاں (چھپی اور ظاہر چیز)
۶۹۶	//		۸	خلاصہ (نطفہ) سے
۶۹۷	//		۲۶	سنگتیں (قومیں)
۶۹۸	الاحزاب		آیت۴	لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کو
۶۹۹	//		۵	نادانستہ (بے خبری میں)
۷۰۰	//		//	قصد (ارادے) سے
۷۰۱	//		۱۰	ٹھٹک کر (حیران) رہ گئیں
۷۰۲	//		۱۲	روگ (بیماری، مرض)
۷۰۳	//		۱۴	اطراف (اردگرد)
۷۰۴	//		۱۷	مہر (رحم) فرمانا چاہے
۷۰۵	//		۱۹	گئی کرتے (کمی کرتے، جان چراتے) ہیں
۷۰۶	//		//	اکارت (ضائع)
۷۰۷	//		۳۲	روگی (مریض، بدباطن)
۷۰۸	//		۳۷	اندیشہ (ڈر، خوف)
۷۰۹	الاحزاب		//	سزاوار (حق دار)
۷۱۰	//		//	لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کی
۷۱۱	//		۳۹	بس (کافی) ہے
۷۱۲	//		۵۰	نذر (پیش) کرے
۷۱۳	//		۵۱	کنارے (جدا) کردیا
۷۱۴	//		۶۰	روگ (مرض، بیماری) ہے
۷۱۵	//		//	شہ دیں (مسلط کریں) گے

۷۱۶	سبا		آیت۳	غیب (چھپتی) نہیں
۷۱۷	//		۶	خوبیوں سراہے (تعریفیں کیے گئے)
۷۱۸	//		۸	سودا (دیوانہ پن) ہے
۷۱۹	/		۱۶	زور کا اہلا (سیلاب) بھیجا
۷۲۰	//		//	بکٹا (بدمزہ، کڑوا) میوہ
۷۲۱	//		۱۹	پراگندہ کر دیا (بکھیر دیا)
۷۲۲	//		۲۵	کوتکوں (کرتوت، برے اعمال)
۷۲۳	//		۲۶	بڑا نیاؤ چکانے (بہت انصاف کرنے) والا
۷۲۴	//		۲۷	ہشت (پرے ہٹ)
۷۲۵	//		۳۱	اونچے کھنچتے (بڑے بنے ہوئے) تھے
۷۲۶	//		۳۳	داﺅں (فریب، دھوکا) تھا
۷۲۷	//		۳۴	آسودوں (امیروں، مال داروں) نے
۷۲۸	//		۳۷	دونا دون صلہ (کئی گنا بدلہ)
۷۲۹	//		۳۸	لا دھرے (ڈال دیے)
۷۳۰	فاطر		آیت پہلی	آفرینش (پیدائش) میں
۷۳۱	//		۵	بڑا فریبی (شیطان)
۷۳۲	فاطر		۹	رواں (روانہ) کرتے
۷۳۳	//		۱۰	داؤں (فریب، دھوکے)
۷۳۴	//		۱۲	گہنا (زیور)
۷۳۵	//		۱۵	خوبیوں سراہا (تعریفیں کیا گیا)
۷۳۶	//		۱۷	دشوار (مشکل) نہیں
۷۳۷	//		۱۹	انکھیارا (آنکھوں والا)
۷۳۸	//		۲۷	کالے بھجنگ (سیاہ کالے)
۷۳۹	//		۲۹	ٹوٹا (نقصان) نہیں

نمبر	سورۃ		آیت	الفاظ
۷۴۰	〃		۳۲	میانہ (درمیانی چال)
۷۴۱	〃		۳۵	تکان لاحق (تھکاوٹ محسوس) ہو
۷۴۲	〃		۴۱	جنبش نہ کریں (نہ ہلیں)
۷۴۳	〃		۴۳	اونچا کھینچنا (بڑا بننا، مغرور ہونا)
۷۴۴	〃		〃	داؤں (فریب، دھوکا)
۷۴۵	〃		〃	دستور (طریقہ) ہوا
۷۴۶	یٰسین		آیت ۱۳	فرستادے (رسول) آئے
۷۴۷	〃		۲۱	نیگ (اجرت، انعام)
۴۸	〃		۲۵	مقرر (بے شک) میں
۷۴۹	〃		۳۱	سنگتیں (قومیں)
۷۵۰	〃		۳۹	پرانی ڈال (ٹہنی)
۷۵۱	〃		۴۵	مہر (رحم) ہو
۷۵۲	〃		۵۵	چین (آرام) کرتے
۷۵۳	〃		۵۹	الگ پھٹ (ہو) جاؤ
۷۵۴	〃		۸۰	پیڑ (درخت)
۷۵۵	الصفت		آیت ۶	سنگار (سجاوٹ)
۷۵۶	〃		۱۰	اوچک لے چلا (لے بھاگا)
۷۵۷	〃		۳۵	اونچی کھینچتے (تکبر کرتے) تھے
۷۵۸	〃		۴۳	چین (آرام) کے
۷۵۹	〃		۴۷	خمار (نشہ) ہے
۷۶۰	〃		۶۱	کامیوں (کام کرنے والوں) کو
۷۶۱	〃		۶۲	پیڑ (درخت)
۷۶۲	〃		۶۳	〃 〃
۷۶۳	〃		۶۵	دیووں (شیاطین) کے

۷۶۴	//		۶۷	ملونی (ملاوٹ) ہے
۷۶۵	//		۶۸	بازگشت (واپسی)
۷۶۶	//		۹۷	عمارت چنو (تعمیر کرو)
۷۶۷	//		۹۸	داؤں چلنا (فریب دینا) چاہا
۷۶۸	//		۱۱۲	سزاواروں (حق داروں)
۷۶۹	//		۱۱۷	آنگن (صحن)
۷۷۰	ص		آیت۲	خلاف (دشمنی)
۷۷۱	//		۳	سنگتیں (ہلاک کیں)
۷۷۲	//		//	کھپائیں (ہلاک کیں)
۷۷۳	//		۱۳	بن (جنگل) والے
۷۷۴	//		۳۵	دین (عطا فرمانے) والا
۷۷۵	//		۷۷	راندھا (لعنت کیا) گیا
۷۷۶	الزمر		آیت۹	انجان (نہ جاننے والا)
۷۷۷	//		۱۵	پوری ہار (پورا نقصان)
۷۷۸	الزمر		۲۹	بدخو (بری عادتوں والا)
۷۷۹	//		۳۸	بس (کافی) ہے
۷۸۰	//		۳۸	مہر (رحم) فرمانا چاہے
۷۸۱	//		۴۶	نہاں اور عیاں (چھپے اور ظاہر)
۷۸۲	//		۴۷	چھڑائی (چھڑانے) میں
۷۸۳	//		۵۶	تقصیروں (غلطیوں، خطاؤں)
۷۸۴	//		۶۵	اکارت (ضائع)
۷۸۵	//		۶۷	برتر (بلند، دور)
۷۸۶	//		۷۱	قول (بات، عہد)
۷۸۷	//		۷۴	کامیوں (اچھے کام کرنے والوں) کا

۷۸۸	〃		۷۵	حلقہ کیے (دائرہ بنائے)
۷۸۹	المومن		آیت۴	اٹھلے گھیلے (اتراتے، غرور کرتے) پھرنا
۷۹۰	〃		۵	قصد (ارادہ کیا)
۷۹۱	〃		۱۱	مقر (اقرار کرنے والے) ہوئے
۷۹۲	〃		۱۴	بندگی (عبادت) کرو، نرے (خالص)
۷۹۳	〃		۲۱	زائد (زیادہ، علاوہ ازیں)
۷۹۴	〃		۵۸	انکھیارا (آنکھوں والا، بینا)
۷۹۵	〃		۶۰	اونچے کھنچتے (تکبر کرتے) ہیں
۷۹۶	〃		۶۵	بندگی (عبادت)
۷۹۷	〃		〃	نرے (خالص) اسی کے
۷۹۸	〃		۸۵	دستور (طریقہ، اصول)
۷۹۹	حم سجدہ		آیت۵	ٹینٹ (ڈاٹ، روئی) ہے
۸۰۰	〃		۹	ہمسر (برابری کرنے والا)
۸۰۱	حم سجدہ		۱۰	لنگر ڈالے (پہاڑوں کے بھاری بوجھ رکھے)
۸۰۲	〃		۱۱	رغبت (دلی خواہش) کے
۸۰۳	〃		۱۱	قصد فرمایا (ارادہ کیا)
۸۰۴	〃		۲۱	گویائی بخشی (بولنے کی طاقت دی)
۸۰۵	〃		۲۳	ہارے ہوؤں (نقصان اٹھانے والوں)
۸۰۶	〃		۲۵	تعینات (مقرر) کیے
۸۰۷	〃		〃	زیاں کار (نقصان اٹھانے والے) تھے
۸۰۸	〃		۳۶	کونچا (تکلیف، اذیت) پہنچے
۸۰۹	〃		۴۲	خوبیوں سراہے (تعریفیں کیے گئے) کا
۸۱۰	〃		۴۴	ٹینٹ (ڈاٹ، روئی) ہے
۸۱۱	الشوریٰ		۱۴	پھوٹ (اختلاف، فرقہ بازی)

۸۱۲	〃		۱۶	بے ثبات (بیکار)
۸۱۳	〃		۲۲	پھلواریوں (باغچوں) میں
۸۱۴	〃		۲۸	خوبیوں سراہا (تعریفیں کیا گیا)
۸۱۵	〃		۴۱	مواخذہ (پکڑ)
۸۱۶	〃		۴۲	مواخذہ (پکڑ)
۸۱۷	〃		〃	سرکشی (فساد)
۸۱۸	〃		۴۴	رفیق (ساتھی، مددگار) نہیں
۸۱۹	〃		۴۵	دبے لچے (گڑگڑاتے)
۸۲۰	〃		〃	ہار (نقصان) میں
۸۲۱	الزخرف		آیت ۳	بوتے (قابو) کی
۸۲۲	〃		۱۵	ٹکڑا (حصہ)
۸۲۳	〃		۱۸	گہنے (زیور) میں
۸۲۴	الزخرف		۲۰	اٹکلیں دوڑاتے (اندازے کرتے)
۸۲۵	〃		۲۳	لکیر (قدموں کے نشانات) پر
۸۲۶	〃		۲۳	آسودوں (امیروں، مال داروں) نے
۸۲۷	〃		۲۶	جسے رتوند آئے (شب کوری ہو، آنکھیں بند ہوں)
۸۲۸	〃		۳۲	زیست (زندگی) کا
۸۲۹	〃		〃	جمع جتھا (جمع کیا ہوا مال)
۸۳۰	〃		۳۶	تعینات (مقرر) کریں
۸۳۱	〃		۳۸	پورب پچھم (مشرق و مغرب)
۸۳۲	〃		۴۴	شرف (عزت) ہے
۸۳۳	〃		۶۶	کاہے (کس) کے
۸۳۴	〃		۷۵	بے آس (ناامید)
۸۳۵	〃		۷۸	ناگوار (ناپسند) ہے

۸۳۶	الدخان		آیت۱۴	روگردان (منہ پھیرنے والے)
۸۳۷	//		۲۱	کنارے (ایک طرف) ہوجاؤ
۸۳۸	//		۲۷	فارغ البال (امیر) تھے
۸۳۹	//		۳۲	دانستہ (جانتے ہوئے)
۸۴۰	//		//	چن (پسند کر) لیا
۸۴۱	//		۵۱	امان (حفاظت) کی جگہ
۸۴۲	الجاثیہ		آیت۵	گردش (چلتے رہنے) میں
۸۴۳	//		۷	بہتان ہائے (تہمت لگانے والے)
۸۴۴	//		۸	ہٹ (ضد) پر
۸۴۵	//		//	جتا (قائم رہتا) ہے
۸۴۶	//		۹	خواری (ذلت) کا
۸۴۷	الجاثیہ		۲۳	باوصف (باوجود)
۸۴۸	//		۲۴	نرے گمان دوڑاتے (فرضی اندازے کرتے)
۸۴۹	//		۲۹	نوشتہ (تحریر)
۸۵۰	//		۳۵	ٹھٹا (مذاق) بنایا
۸۵۱	الاحقاف		آیت۱۵	صلاح (نیکی، بہتری) رکھ
۸۵۲	//		۱۷	دل پک گیا (دلی نفرت ہوگئی)
۸۵۳	//		//	سنگتیں (قومیں)
۸۵۴	//		۱۸	زیاں کار (نقصان اٹھانے والے)
۸۵۵	//		۱۹	بھردے (صلہ عطا فرمائے)
۸۵۶	محمد		آیت۹	اکارت (ضائع) کیا
۸۵۷	//		۲۱	حکم ناطق (پکا حکم)
۸۵۸	//		۲۲	لچھن (انداز، اطوار)
۸۵۹	//		۲۴	قفل (تالے)

۸۶۰	//		۲۶	ناگوار (ناپسند) ہے
۸۶۱	//		۲۸	گوارا (پسند)
۸۶۲	//		//	اکارت (ضائع)
۸۶۳	//		۲۹	بیر (دشمنی)
۸۶۴	//		۳۰	اسلوب (انداز، لب ولہجہ)
۸۶۵	//		۳۲	اکارت (ضائع)
۸۶۶	الفتح		آیت ۴	ملک (ملکیت)
۸۶۷	//		۵	رواں (جاری ہیں، چلتی ہیں)
۸۶۸	//		۶	بری گردش (برے دن)
۸۶۹	//		۱۱	گنوار (اعرابی، بدو)
۸۷۰	الفتح		۱۶	گنواروں (اعرابیوں، بدوؤں)
۸۷۱	//		۲۱	بل (بس) کی
۸۷۲	//		۲۵	روند ڈالو (کچل دو)
۸۷۳	//		//	انجانی (بے خبری)
۸۷۴	//		//	مکروہ (ناپسندیدہ بات) پہنچے
۸۷۵	//		۲۶	اڑ (ضد) رکھی
۸۷۶	//		//	جاہلیت کی اڑ (ضد)
۸۷۷	//		//	سزاوار (حق دار)
۸۷۸	الحجرات		آیت ۲	اکارت (ضائع)
۸۷۹	//		۳	پست (نیچی)
۸۸۰	//		//	پرکھ (آزما) لیا
۸۸۱	//		۶	ایذا (تکلیف)
۸۸۲	//		۷	ناگوار (ناپسند)
۸۸۳	//		۱۲	گوارا (پسند) نہ ہوگا

۸۸۴	//		۱۴	گنوار (اعرابی، بدو) بولے
۸۸۵	ق		آیت۲	اچنبا (تعجب)
۸۸۶	//		۵	مضطرب بے ثبات (بہکی ہوئی)
۸۸۷	//		۶	رخنہ (خرابی) نہیں
۸۸۸	//		۷	لنگرڈالے (بھاری وزن کے پہاڑ رکھے)
۸۸۹	//		۳۶	سنگتیں (قومیں)
۸۹۰	//		//	گرفت (پکڑ) میں
۸۹۱	//		//	کاوشیں (کوششیں) کیں
۸۹۲	//		۳۷	دل (بیداردل) رکھتا ہو
۸۹۳	ق		۳۸	تکان (تھکاوٹ)
۸۹۴	//		۴۵	جبر (زبردستی) کرنے
۸۹۵	الذّٰریت		آیت۷	آرائش (سجاوٹ)
۸۹۶	//		۱۰	تراشنے (دل سے باتیں گھڑنے) والے
۸۹۷	//		۲۵	ناشناسا (ناواقف) لوگ
۸۹۸	//		۵۳	سرکش (شرارتی، نافرمان) لوگ
۸۹۹	الطّور		آیت۲	نوشتہ (تحریر، کتاب)
۹۰۰	//		۱۲	مشغلہ میں (تفریحِ طبع میں)
۹۰۱	//		۱۷	چین (آرام، راحت) میں
۹۰۲	//		۱۸	شادشاد (خوش خوش)
۹۰۳	//		۱۹	خوشگواری (مرضی، رضامندی) سے
۹۰۴	//		۲۳	جام (پیالہ، پینے کا برتن)
۹۰۵	//		۲۶	سہمے (ڈرے) ہوئے
۹۰۶	//		۲۷	لُو (گرم ہوا) کے
۹۰۷	//		۳۰	حوادثِ زمانہ (بربادی، ہلاکت)

۹۰۸	//		۳۲	سرکش (شرارتی، نافرمان)
۹۰۹	//		۳۷	کروڑے (ذمہ دار، ضامن)
۹۱۰	//		۴۰	چٹی (زرضمانت، نقصان) کے
۹۱۱	//		۴۲	داؤں (فریب، دھوکا) کے
۹۱۲	//		۴۶	داؤں (فریب، دھوکا) کچھ
۹۱۳	//		۴۸	نگہداشت (حفاظت)
۹۱۴	النجم		آیت ۲۲	بھونڈی (بری، بدصورت)
۹۱۵	//		۲۳	نرے گمان (صرف اندازے)
۹۱۶	النجم		۴۸	نرے گمان (صرف اندازے)
۹۱۷	//		۳۰	پہنچ (انتہا، آخری حد) ہے
۹۱۸	//		۴۷	پچھلا اٹھانا (دوبارہ زندہ کرنا)
۹۱۹	//		۴۸	غنی دی (مالدار کیا)
۹۲۰	القمر		آیت ۳	قرار پا (مقرر ہو) چکا
۹۲۱	//		۱۲	مقدر (مقرر) تھی
۹۲۲	//		۲۰	ڈنڈ (سوکھے تنے) ہیں
۹۲۳	//		۲۵	اترونا (شیخی باز) ہے
۹۲۴	//		۲۶	جھوٹا اترونا (شیخی باز)
۹۲۵	//		۳۷	میٹ (چوپٹ کر) دیں
۹۲۶	//		۳۸	صبح تڑکے (صبح سویرے)
۹۲۷	//		۴۸	آنچ (عذاب)
۹۲۸	//		۵۱	وضع (طرح، مانند)
۹۲۹	الرحمٰن		آیت ۶	پیڑ (درخت)
۹۳۰	//		۸	بے اعتدالی (ناانصافی)
۹۳۱	//		۱۵	لوکے (لپٹ) سے

۹۳۲	//		۱۷	پورب (مشرق) کا
۹۳۳	//		//	پچھّم (مغرب) کا
۹۳۴	//		۲۰	روک (پردہ، رکاوٹ)
۹۳۵	//		۲۹	منگتا (مانگنے والا، سائل)
۹۳۶	//		۳۷	سرخ نری (بکرے کی رنگی ہوئی کھال)
۹۳۷	//		۴۸	ڈالوں (شاخوں)
۹۳۸	//		۷۶	منقش (نقش ونگاروالی، کڑھائی والی)
۹۳۹	الواقعہ		آیت۵	ریزہ ریزہ (ٹکڑے ٹکڑے)
۹۴۰	//		//	چُورا (باریک) ہوکر
۹۴۱	//		آیت۶	روزن (سوراخ)
۹۴۲	//		۱۲	چین (آرام، راحت) کے
۹۴۳	//		۴۶	ہٹ (ضد، شرط) رکھتے تھے
۹۴۴	//		۵۲	پیڑ (درخت) میں
۹۴۵	//		۶۵	روندن (پامال) کردیں
۹۴۶	//		۶۶	چٹی پڑی (نقصان ہوا)
۹۴۷	//		۷۲	پیڑ (درخت)
۹۴۸	//		۷۸	نوشتہ (تحریر، کتاب)
۹۴۹	//		۸۹	چین (آرام، راحت) کے
۹۵۰	الحدید		آیت۱۴	بڑے فریبی (شیطان)
۹۵۱	//		۱۵	رفیق (ساتھی، مددگار) ہے
۹۵۲	//		۲۰	روندن (پامال) ہوگیا
۹۵۳	//		۲۳	کوئی اترونا (شیخی بگھارنے والا)
۹۵۴	//		۲۴	خوبیوں سراہا (تعریفیں کیا گیا)
۹۵۵	//		۲۵	سخت آنچ (نقصان)

٩٥٦	//		٢٧	پیروؤں (پیچھے لگنے والوں) کے
٩٥٧	المجادلہ		آیت٢	نری (بالکل) جھوٹ
٩٥٨	//		٦	کوتک (کرتوت، برے اعمال)
٩٥٩	//		٨	مشورت (مشورے) سے
٩٦٠	//		//	مجرا (سلام) کرتے
٩٦١	//		//	بس (کافی) ہے
٩٦٢	المجادلہ		١٢	مقدور (طاقت) نہ ہو
٩٦٣	//		١٣	مہر (مہربانی) سے
٩٦٤	الحشر		آیت٣	اجڑنا (جلاوطن ہونا)
٩٦٥	//		٤	پھٹے (جدا، لاتعلق) رہے
٩٦٦	//		//	پھٹا (جدا، لاتعلق) رہے
٩٦٧	//		١٠	کینہ (عداوت، دشمنی)
٩٦٨	//		١٤	دھسوں (شہر پناہ، فصیل) کے پیچھے
٩٦٩	//		//	آنچ (جنگ، عداوت) سخت ہے
٩٧٠	//		٢١	پاش پاش (ٹکڑے ٹکڑے) ہوتا
٩٧١	//		٢٢	نہاں وعیاں (چھپے اور ظاہر) کا
٩٧٢	الممتحنہ		آیت٢	دراز کریں (کھولیں، بڑھائیں)
٩٧٣	//		٦	خوبیوں سراہا (تعریفیں کیا گیا)
٩٧٤	//		٩	ستم گار (ظالم) ہیں
٩٧٥	//		١٣	آس (امید)
٩٧٦	//		//	توڑ بیٹھے (ختم کر چکے)
٩٧٧	الصف		آیت٤	پرا باندھ (صف بنا) کر
٩٧٨	//		//	رانگا پلائی (سیسہ پلائی دیوار)
٩٧٩	//		١٢	رواں (بہتی ہیں)

۹۸۰	الجمعہ		آیت ۷	کوتکوں (کرتوت، برے اعمال) کے
۹۸۱	التغابن		آیت ۶	خوبیوں سراہا (تعریف کیا گیا)
۹۸۲	//		۷	تمہارے کوتک (کرتوت، برے اعمال)
۹۸۳	//		۱۲	صریح (صاف طور پر)
۹۸۴	//		۱۸	نہاں اور عیاں (چھپے اور ظاہر) کا
۹۸۵	الطلاق		آیت پہلی	صریح (صاف طور پر)
۹۸۶	//		۲	دو ثقہ (دو قابل اعتماد آدمیوں)
۹۸۷	//		۶	معقول طور (اچھی طرح)
۹۸۸	//		//	مضائقہ کرو (دشوار سمجھو)
۹۸۹	//		۷	مقدور (مال) والا
۹۹۰	التحریم		آیت ۳	چشم پوشی فرمائی (بات نہ بتائی)
۹۹۱	//		۶	سخت کرے (بہت طاقت ور)
۹۹۲	//		۱۰	سزاوار (لائق) قرب
۹۹۳	الملک		آیت ۳	رخنہ (خرابی)
۹۹۴	//		۵	چراغوں (ستاروں)
۹۹۵	//		//	آراستہ کیا (سجایا)
۹۹۶	//		۷	رینکنا (چنگھاڑنا، آواز نکالنا)
۹۹۷	//		۱۱	پھٹکار (لعنت) ہو
۹۹۸	//		۱۵	رام (تابع) کردی
۹۹۹	//		۲۱	ڈھیٹ (ضدی)
۱۰۰۰	القلم		آیت ۲	مجنوں (پاگل) نہیں
۱۰۰۱	//		۴	خوبو (خلق، عادتیں)
۱۰۰۲	//		۱۲	درشت خو (بدمزاج)
۱۰۰۳	//		۱۶	تھوتھنی (برامنہ)

۱۰۰۴	//		۲۲	تڑکے (صبح سویرے)
۱۰۰۵	//		۳۴	چین (آرام،راحت) کے
۱۰۰۶	//		۴۳	خواری (ذلت)
۱۰۰۷	//		۴۶	چٹی (تاوان،زرضمانت) کے
۱۰۰۸	القلم		۵۰	سزاواروں (حق داروں) میں
۱۰۰۹	الحاقہ		آیت ۷	ڈھنڈ (سوکھے تنے) ہیں
۱۰۱۰	//		۱۰	گرفت (پکڑ)
۱۰۱۱	//		۱۴	دفعتۃً (فوراً)
۱۰۱۲	//		//	چورا (ٹکڑے ٹکڑے،باریک)
۱۰۱۳	//		۱۶	پتلا (کمزور) حال
۱۰۱۴	//		۲۱	چین (آرام)
۱۰۱۵	//		۲۴	رچتا ہوا (مرضی کے مطابق)
۱۰۱۶	//		۲۵	نوشتہ (تحریر،نامہ اعمال)
۱۰۱۷	//		۴۵	بقوت (پوری طاقت سے)
۱۰۱۸	المعارج		آیت ۸	سینت رکھا (محفوظ کرلیا)
۱۰۱۹	//		۳۸	چین (آرام) کے
۱۰۲۰	//		۴۰	پوربوں (مشرقوں)
۱۰۲۱	//		۴۰	پچھموں (مغربوں)
۱۰۲۲	نوح		آیت ۷	ہٹ (ضد) کی
۱۰۲۳	//		۱۱	شراٹے کا مینہ (موسلا دھار بارش)
۱۰۲۴	//		۲۲	داؤں (فریب،دھوکا)
۱۰۲۵	الجن		آیت ۹	موقعوں (جگہوں)
۱۰۲۶	//		//	لوکا (لپٹ)
۱۰۲۷	//		//	پھٹے (بٹے) ہوئے

۱۰۲۸	المزمل		آیت۹	پورب (مشرق) کا
۱۰۲۹	//		//	پچھّم (مغرب) کا
۱۰۳۰	//		//	کارساز (کام بنانے والا)
۱۰۳۱	المزمل		۱۶	گرفت (پکڑ)
۱۰۳۲	//		۲۰	مہر (رحم، مہربانی) سے
۱۰۳۳	المدثر		آیت پہلی	بالاپوش (چادر، دوشالہ)
۱۰۳۴	//		۹	کرا (سخت) دن
۱۰۳۵	//		۱۶	عناد (دشمنی)
۱۰۳۶	//		۲۲	تیوری چڑھائی (ماتھے پربل ڈالے)
۱۰۳۷	//		۳۱	دل کے روگی (مریض)
۱۰۳۸	//		//	اچنبے (تعجب) کی
۱۰۳۹	//		۳۸	کرنی (اعمال)
۱۰۴۰	القیمہ		آیت۴	پور (انگلیوں کے اگلے حصے)
۱۰۴۱	//		۷	چندھیائے (پوری طرح دیکھ نہ سکے) گی
۱۰۴۲	//		۸	گہے (گہن لگے) کا
۱۰۴۳	//		۱۳	جتا (بتا) دیا
۱۰۴۴	//		۲۰	پاؤں تلے کی (دنیاوی فائدے کو)
۱۰۴۵	الدھر		آیت۵	ملونی (ملائی)
۱۰۴۶	//		۸	اسیر (قیدی)
۱۰۴۷	//		۱۰	ترش (کھٹا)
۱۰۴۸	//		۱۱	شادمانی (خوشی، مسرت)
۱۰۴۹	//		۱۳	نہ ٹھٹھر (سخت سردی)
۱۰۵۰	//		۱۷	ملونی (ملائی)
۱۰۵۱	//		۲۰	چین (آرام، راحت)
۱۰۵۲	//		۲۷	پاؤں تلے کی (دنیاوی فائدے کو) عزیز
۱۰۵۳	المرسلت		۵	القا کرتی (بتاتی)

۱۰۵۴	المرسلت		۸	محو کر (مٹا) دیے جائیں
۱۰۵۵	〃		۹	رخنے پڑیں (پھٹے)
۱۰۵۶	〃		۱۰	غبار کر کے (دھول یا ریت بنا کر)
۱۰۵۷	〃		۲۷	لنگر ڈالے (پہاڑ بنائے)
۱۰۵۸	النباء		آیت ۷	میخیں (کیلیں)
۱۰۵۹	〃		۱۰	پردہ پوش (ڈھانپنے والی) کیا
۱۰۶۰	〃		۱۲	چنائیاں چنیں (تعمیریں کیں)
۱۰۶۱	〃		۲۱	تاک (گھات، انتظار) میں
۱۰۶۲	〃		۲۳	قرنوں (مدتوں)
۱۰۶۳	〃		۲۶	جیسے کو تیسا (عمل کے مطابق) بدلہ
۱۰۶۴	〃		۲۸	حد بھر (پوری طرح)
۱۰۶۵	〃		۳۳	اٹھتے جوبن (نوجوانی)
۱۰۶۶	〃		۳۸	پرا باندھے (صفیں بنائے)
۱۰۶۷	النزعت		آیت ۳	پیریں (تیریں)
۱۰۶۸	〃		۶	تھرتھرائے (کانپے) گی
۱۰۶۹	〃		۱۲	نرا (بالکل) نقصان
۱۰۷۰	〃		۱۶	ندا فرمائی (آواز دی)
۱۰۷۱	〃		۱۷	سر اٹھایا (فساد کیا)
۱۰۷۲	〃		۲۶	سیکھ (عبرت، سبق)
۱۰۷۳	〃		۳۷	سرکشی کی (کفر و فساد کیا)
۱۰۷۴	عبس		آیت پہلی	تیوری چڑھائی (ماتھے پر بل ڈالے)
۱۰۷۵	〃		۷	زیاں (نقصان) نہیں
۱۰۷۶	〃		۸	ملکتا (ناز سے دوڑتا ہوا) آتا
۱۰۷۷	عبس		۱۶	نکوئی (نیک نامی) والے
۱۰۷۸	〃		۳۰	گھنے (بہت سے) باغیچے
۱۷۹	〃		۳۱	دوب (گھاس)

۱۰۸۰	//		۳۳	چنگھاڑ (چیخ)
۱۰۸۱	//		۳۶	جورو (بیوی)
۱۰۸۲	//		۴۰	گرد (دھول، ریت)
۱۰۸۳	التکویر		آیت ۴	تھلکی (گابھن) اونٹنیاں
۱۰۸۴	//		۷	جوڑ (جوڑے) بنیں
۱۰۸۵	//		۱۴	حاضر (کماکر) لائی
۱۰۸۶	//		۲۲	مجنون (دیوانہ، پاگل) نہیں
۱۰۸۷	الانفطار		آیت ۷	ہموار فرمایا (اعضا میں مناسبت رکھی)
۱۰۸۸	//		۱۳	نکوکار (نیک بندے)
۱۰۸۹	//		//	چین (آرام) میں
۱۰۹۰	المطففین		۷	لکھت (تحریر، اعمال نامے)
۱۰۹۱	//		۹	// (//)
۱۰۹۲	//		//	نوشتہ (//)
۱۰۹۳	//		۱۸	لکھت (//)
۱۰۹۴	//		۲۰	// (//)
۱۰۹۵	//		۲۲	نیکوکار (نیک بندے)
۱۰۹۶	//		//	چین (آرام) میں
۱۰۹۷	//		۲۷	ملونی (ملائی)
۱۰۹۸	الانشقاق		آیت پہلی	شق ہو (پھٹے)
۱۰۹۹	//		۲	سزاوار (حق دار)
۱۱۰۰	الانشقاق		۳	دراز (لمبی) کی جائے
۱۱۰۱	//		۵	سزاوار (حق دار)
۱۱۰۲	//		۸	سہل (آسان)
۱۱۰۳	//		۹	شادشاد (خوش خوش)
۱۱۰۴	البروج		آیت ۴	کھائی (خندق، گھاٹی) والوں
۱۱۰۵	//		۸	خوبیوں سراہے (تعریفیں کیے گئے)

۱۱۰۶	//		۱۰	ایذا (تکلیف)
۱۱۰۷	//		۱۱	رواں (بہتی)
۱۱۰۸	//		۱۲	گرفت (پکڑ)
۱۱۰۹	الطارق		آیت۴	نگہبان (محافظ، حفاظت کرنے والا)
۱۱۱۰	//		۶	جست کرتے (اچھلتے) پانی
۱۱۱۱	//		۹	جانچ (پڑتال)
۱۱۱۲	//		۱۵	داؤں (فریب، دھوکا)
۱۱۱۳	الاعلیٰ		آیت۱۴	ستھرا ہوا (دل صاف کرلیا)
۱۱۱۴	//		۱۶	جیتی (نظر آتی) دنیا
۱۱۱۵	الغاشیہ		آیت۷	فربہی (موٹاپا)
۱۱۱۶	//		۸	چین (آرام) میں
۱۱۱۷	//		۱۲	رواں (بہتا ہوا) چشمہ
۱۱۱۸	//		۲۲	کڑوڑا (ذمہ دار، ضامن) نہیں
۱۱۱۹	الفجر		آیت۱۰	چومیخا کرتا (سخت سزا دیتا)
۱۱۲۰	//		۱۲	بقوت (پوری طاقت سے) مارا
۱۱۲۱	الغاشیہ		۱۵	جاہ (عزت)
۱۱۲۲	//		۱۶	خوار (ذلیل)
۱۱۲۳	الغاشیہ		۱۹	ہپ ہپ (شوق سے)
۱۱۲۴	//		۲۱	پاش پاش (ٹکڑے ٹکڑے)
۱۱۲۵	//		۱۱	گھاٹی (میدان عمل)
۱۱۲۶	//		//	بے تامل (بغیر جھجکے)
۱۱۲۷	//		۱۶	خاک نشیں مسکین (بالکل غریب)
۱۱۲۸	الشمس		آیت۹	ستھرا کیا (کفر اور گناہوں سے پاک رکھا)
۱۱۲۹	//		۱۰	معصیت (گناہ) میں
۱۱۳۰	//		۱۴	برابر (فنا، برباد) کردی
۱۱۳۱	الضحیٰ		آیت۳	مکروہ جانا (ناپسند کیا)

۱۱۳۲	"		۱۰	منگتا (سائل، مانگنے والا)
۱۱۳۳	"		۱۱	چرچا (ذکر) کرو
۱۱۳۴	الم نشرح		آیت پہلی	کشادہ نہ کیا (وسیع نہیں کر دیا)
۱۱۳۵	"		۵	دشواری (مشکل)
۱۱۳۶	العلق		آیت ۲	پھٹک (بوند)
۱۱۳۷	"		۱۷	مجلس (چنڈال چوکڑی) کو
۱۱۳۸	"		۱۸	سپاہیوں (عذاب دینے والے فرشتوں) کو
۱۱۳۹	البینہ		آیت ۴	پھوٹ نہ پڑی (اختلاف نہ ہوا)
۱۱۴۰	"		"	نرے (خالص) اسی پر
۱۱۴۱	"		۵	بندگی (عبادت)
۱۱۴۲	العدیت		۳	تاراج (لوٹنا، غارت کرنا)
۱۱۴۳	"		۴	غبار (دھول، باریک مٹی)
۱۱۴۴	"		۸	کرا (سخت) ہے
۱۱۴۵	القارعہ		۴	پتنگے (پروانے، چنگاریاں)
۱۱۴۶	القارعہ		۵	دھنکی (دھنی ہوئی) اون
۱۱۴۷	التکاثر		۸	پرشش (پوچھ گچھ)
۱۱۴۸	الفیل		۲	داؤں (فریب، دھوکا)
۱۱۴۹	"		۳	ٹکڑیاں بھیجیں (غول یا فوجی دستے بھیجے)
۱۱۵۰	"		۵	پتی (بھس، بھوسہ)
۱۱۵۱	قریش		آیت پہلی	میل دلایا (رغبت دلائی، جھکاؤ کیا)
۱۱۵۲	"		۳	بندگی (عبادت) کریں
۱۱۵۳	الھب		آیت ۳	دھنستا (داخل ہوتا) ہے
۱۱۵۴	"		۴	جورو (بیوی)
۱۱۵۵	الفلق		آیت ۲	شر (برائی، شرارت)
۱۱۵۶	الناس		۴	خطرے (برے خیالات، وسوسے) ڈالے
۱۱۵۷	الناس		آیت ۵	وسوسے (برے خیالات)

اہل سنت کی علمی شخصیت مترجم کنزالایمان مولانا حسن آدم گجراتی کا وصال

غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں

اس دنیائے آب وگل میں ہر شے فانی ہے۔ انسان پیدا ہوتا ہے اور مقررہ مدت گزار کر حیات سے ممات کے سفر کو طے کرتا ہے۔ وہ بندگانِ خدا جن کی حیات دین متین کی سربلندی کے لیے اور علمی امور کی انجام دہی کے لیے گزرتی ہے ان کا نام و کام ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی زندہ و جاوداں اور تابندہ رہتا ہے، مولانا حسن آدم گجراتی کولونوی کی شخصیت ایسی ہی تھی۔ آپ تھام بھروچ گجرات کے مقتدر عالمِ اہل سنت تھے۔ امین شریعت سلطان المناظرین مفتی رفاقت حسین صاحب کے شاگرد رشید اور دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد کے فارغ التحصیل تھے۔

رحلت:

جو چراغ مشرق (گجرات، ہند) میں جلا تھا ۹/ جنوری جمعۃ المبارک کو مغرب (انگلینڈ) میں غروب ہو گیا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ کا وصال بہ وقت صبح لنکا شائر (انگلینڈ) میں ہوا اور تدفین سہ پہر کو عمل میں آئی۔ نماز جنازہ مفکر اسلام لسان العصر علامہ قمرالزماں اعظمی رضوی مصباحی، سیکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن لندن نے پڑھائی۔ اس/ وقع پر غربی دنیا کے ممتاز علما و داعیانِ دین شریک تھے۔

مولانا نیاز احمد مالیگ جو مرحوم کے ہم درس تھے انھوں نے آپ کے افراد خانہ سے تعزیت کی اور ایصال ثواب بھی کیا۔ اسی طرح محمد میاں مالیگ، ابوزہرہ رضوی مالیگ، مولانا محمد ارشد مصباحی، مولانا سراج احمد نوری، حافظ اقبال احمد وارثی، محمد اقدس (لندن) نے مرحوم کے وصال کو اہل سنت کا ایک عظیم نقصان قرار دیا نیز ایصال ثواب کیا۔ مالیگاؤں میں نوری مشن، جامعۃ الرضا برکات العلوم، رضا اکیڈمی نے ایصال ثواب کیا۔

گجراتی ترجمہ و تفسیر قرآن:

مولانا حسن آدم گجراتی کولونوی کا سب سے اہم کارنامہ مجدد اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی کے مقبول ترجمۂ قرآن "کنزالایمان" کا گجراتی زبان میں ترجمہ ہے۔ آپ نے صرف ترجمہ ہی نہیں فرمایا بلکہ تفسیر خزائن العرفان از صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی کو بھی گجراتی میں منتقل کیا، اس طرح کافی عرصہ قبل حاجی ولی محمد گورجی مرحوم نے اپنے دارالعلوم معین الاسلام تھام گجرات سے کنزالایمان مع تفسیر (گجراتی ایڈیشن) شائع کیا جس کا پہلا ایڈیشن اس قدر مقبول ہوا کہ جلد ہی دوسرا ایڈیشن شائع کرنا پڑا اور اب تک اس کے نصف درجن ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں، اور مقبولیت بڑھتی ہی جا رہی ہے، الحمدللہ۔ دو سال قبل جب کہ راقم کنزالایمان کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ قلم بند کر رہا تھا اس دوران نیاز احمد مالیگ صاحب سے اس علمی کام کا ذکر کیا تو موصوف نے کہا کہ ہمارے عزیز مولانا حسن آدم نے کنزالایمان کو گجراتی میں ترجمہ فرمایا ہے آپ ان کا تذکرہ بھی شامل کریں۔ راقم نے ان کا ذکر شامل کیا مقالہ ہند و پاک سے شائع ہے۔ پھر برادرم حافظ شکیل احمد رضوی اپنے مکتبہ پر اس ایڈیشن کو لائے اس طرح راقم اس کی زیارت سے شادکام ہوا۔ ماہ نامہ المعین تھام گجرات جو گجراتی زبان میں پابندی سے شائع ہوتا ہے اور ایک مقبول رسالہ ہے اس میں ہر ماہ گجراتی ترجمہ کنزالایمان کا اشتہار و تعارف شائع ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

دینی خدمات:

موصوف کی سیماب صفت شخصیت کا ایک پہلو دین کی اشاعت کے لیے بے قراری بھی ہے۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ گجرات کی سر زمین کو مرکز توجہ بنایا۔ پھر جذبۂ دروں دیارِ مغرب میں لے آیا۔ انگلینڈ

گئے پھر لنکا شائرسٹی میں مقیم ہو گئے اور خطابت کی ذمہ داری سنبھال لی اور تادمِ آخر اسے انجام دیتے رہے نیز دیگر علمی کاموں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ ممکن ہے کہ تصنیفی کام بھی کیا ہو جس کی تفصیلات مہیا نہ ہو سکیں۔ آپ علما کے قدرداں تھے۔ خلوص وایثار آپ کے اوصاف کے اہم پہلو ہیں۔ اپنوں پر نرم اور بدمذہبوں پر سخت تھے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت والفت میں اکثر مگن رہتے اور اس کی اشاعت میں سرگرمی دکھاتے۔ دعوت وتبلیغ آپ کا مشغلہ تھا۔

اب آپ دنیا میں موجود تو نہیں رہے لیکن جو علمی کام کنزالایمان ترجمۂ قرآن کا ترجمہ گجراتی زبان کی شکل میں انجام دے گئے ہیں اس کی روشنی بڑھتی ہی رہے گی، پھیلتی ہی رہے گی۔ تاریکیاں چھٹتی رہیں گی۔ آپ کی یادوں کے چراغ دلوں کے طاق پر روشن رہیں گے۔

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

x......x......x

اہم اعلان

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی نے اس سال امام احمد رضا کانفرنس کو ''کنزالایمان کانفرنس'' کے نام سے معنون کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ ۱۴۳۰ھ کا پورا سال کنزالایمان کی صد سالہ اشاعت کی یادگار کے طور پر منایا جائے اور ہر ماہ کم از کم ایک رسالہ کنزالایمان کی خوبیوں پر ادارہ کی جانب سے شایع کیا جائے گا۔ جو حضرات ''معارفِ رضا'' کی رکنیت فیس مبلغ -/۲۰۰ روپے کے ساتھ مزید پچاس روپے بھیجیں گے انہیں یہ رسالہ بلاہدیہ بھیجا جائے گا۔ جو حضرات پہلے سے ہی معارفِ رضا کے رکن ہیں، وہ پچاس روپے علیحدہ سے بھیج دیں تو انہیں بھی یہ رسالے بذریعہ ڈاک روانہ کر دیے جائیں گے۔ ان کے علاوہ دیگر حضرات -/۱۰۰ روپے سالانہ بھیجیں تو ہر ماہ رسالہ انہیں روانہ کر دیا جائے گا۔ انفرادی طور پر ہر رسالہ کا ہدیہ ۳۰ روپے ہوگا۔

جن علمائے کرام اور اسکالر حضرات نے ہماری دعوت پر اپنے مقالات معارفِ رضا ''کنزالایمان نمبر'' میں اشاعت کے لیے بھیجے ہیں، ہم ان کے نہایت ممنون ہیں۔ جن کے مقالے تاخیر سے ملے اور ''معارفِ رضا'' کے اس خصوصی نمبر میں شامل نہ ہو سکے، ان سے ہم معذرت خواہ ہیں۔ ان شاء اللہ ان کا مقالہ وقت آنے پر کتابچہ/رسالہ کی صورت میں شایع ہو کر منظرِ عام پر آتا رہے گا۔

وہ حضرات گرامی جنہوں نے عجلت میں مختصر مقالے تحریر فرما کر ہمیں بھیجے اور اب تفصیلی مقالہ لکھ رہے ہیں یا لکھنا چاہتے ہیں، یا وہ حضرات محترم جو اپنی دیگر علمی مصروفیات کی وجہ سے کنزالایمان کی خصوصیات کے حوالے سے مقالہ نہ لکھ سکے، ان دونوں حضرات سے گزارش ہے کہ وہ ۲۰ مارچ ۲۰۰۹ء تک اور اس کے بعد ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ تک اپنے مقالے ہمیں بھیج دیا کریں۔

۱۔ مقالہ تحقیقی اور علمی ہو۔ ۲۔ کمپوز شدہ ہو۔ ۳۔ بذریعہ ای میل بھیجا ہوا ہو۔

ہمارے پاس خود اپنی کتب کی کمپوزنگ اور تصحیح کا کام سال بھر جاری رہتا ہے اس لیے غیر کمپوز شدہ اور بذریعہ ڈاک بھیجے جانے والے مقالہ جات کی اشاعت میں زیادہ تاخیر کا امکان ہوگا۔ یہ فاضل مقالہ نگار حضرات کو اکثر گراں گذرتا ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ مقالہ کمپوز شدہ ہو اور بذریعہ ای میل ترسیل شدہ ہو۔ ہمارا ای میل ایڈریس یہ ہے: imamahmadraza@gmail.com

رابطہ: 021-2725150، 0300-2646296، 0322-2175095

وفیات

☆ ۲۸؍ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ/ ۲۷؍نومبر ۲۰۰۸ء بروز جمعرات ۱۲ بجے دوپہر کے قریب ماسٹر محمد حسین جندران (علیہ الرحمۃ الرحمٰن) سکن بھوآ حسن تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاؤالدین (پنجاب) اس جہانِ فانی کو چھوڑ کر اپنے خالقِ حقیقی کو جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم معروف استاد اور عظیم سماجی وفلاحی کارکن تھے۔ مرحوم، ریسرچ اسکالر سلیم اللہ جندران، عظیم اللہ جندران، کلیم اللہ جندران اور تسلیم اللہ جندران کے والدِ گرامی تھے۔ یہ امر باعثِ مسرت اور قابلِ رشک ہے کہ جب مرحوم ومغفور کی روح سفرِ آخرت کے لیے پرواز کر رہی تھی، اس وقت ان کے دونوں بڑے بیٹے دست بستہ انہیں صلوٰۃ وسلام سنا رہے تھے۔ اس جہانِ فانی سے آخری صدا جوان کے کانوں تک پہنچی، وہ۔

شہر یارِ ارم، تاجدارِ حرم نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

تھی۔ ادارہ مرحوم کی بلندیٔ درجات کے لیے دعا گو ہے۔ رب العزت مرحوم کے پس ماندگان کو اس صدمہ کے عالم میں صبرِ جمیل سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

☆ ڈاکٹر ناصر الدین صاحب، پروفیسر شعبۂ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی کے والدِ ماجد جناب عظیم الدین صدیقی صاحب علیہ الرحمۃ کا شب جمعہ ۹؍صفر المظفر ۱۴۳۰ھ بمطابق ۵؍فروری ۲۰۰۹ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی نمازِ جنازہ بعد نمازِ جمعہ ڈاکٹر ناصر الدین صاحب نے پڑھائی۔ آپ خلیفۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ، حضرت عبد السلام مولانا محمد عبد السلام صدیقی قادری جبل پوری کے شاگرد و مرید تھے۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی کے صدر صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری، جنرل سیکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، جوائنٹ سیکریٹری پروفیسر دلاور خان، فنانس سیکریٹری حاجی عبد اللطیف قادری و دیگر تمام اراکینِ مجلسِ عاملہ رب العزت سے دعا گو ہیں کہ مرحومین کے درجات بلند فرمائے، انہیں اپنی آغوشِ رحمت میں رکھے اور شافعِ امت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت سے مشرف فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

☆☆☆

تعلیمی افکارِ رضا پر تحقیق
ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل
مسعودِ ملت
ڈاکٹر محمد مسعود
بلوچستان میں
ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل